تالیف

قاضی القضاۃ الحافظ ابوالفضل عیاض بن موسےٰ الیحصبی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ نبویہ ۰ گنج بخش روڈ لاہور

کتاب الشفاء

بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف

قاضی القضاۃ الحافظ ابوالفضل عیاض بن موسےٰ الیحصبی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

مولانا محمد اطہر نعیمی خطیب جامع آرام باغ ○ کراچی،

مکتبہ نبویہ ۔ گنج بخش روڈ ۔ لاہور

کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ

نام کتاب ______ کتاب الشفاء جلد دوم

مصنف ______ قاضی عیاض ؒ مالکی اندلسی

مترجم ______ مولانا محمد اطہر نعیمی کراچی

خوشنویس ______ محمد الیاس نقشبندی

ضخامت ______ ۱۸ × ۲۳ / ۸ ۴۹۶ صفحات

طباعت ______ آفسٹ

طابع ______ مسعود پرنٹرز ۸۸ میکلوڈ روڈ لاہور

باراول ______ رجب ۱۳۹۹ھ

قیمت ______ 36/

ناشر: مکتبہ نبویہ، لاہور

فہرست

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

دوسری فصل

تیسری فصل

چوتھی فصل

دوسرا باب

صفحہ	عنوانات

عنوان	صفحہ
بلند آواز صحابی کو رسول اللہ کی بشارت	۸۳
صحابہ کرام عوام کو آداب مجلس نبوی سکھاتے تھے	۸۴
پہلی فصل	
عظمتِ مصطفٰے اور معمولات صحابہ	۸۵
حضرات صدیق و فاروق کا بارگاہ نبوی میں مرتبہ	۸۵
بارگاہ رسالت میں صحابہ کا انداز	۸۶
غسالہ نبوی کے لئے صحابہ کی بے تابی	۸۶
موئے مبارک اور صحابہ کرام	۸۷
جناب عثمان صلح حدیبیہ کے موقع پر	۸۷
دوسری فصل	
حیات ظاہری کے بعد حضور کی توقیر	۸۸
دعا کرتے وقت مواجہ شریف	۸۹
استماع حدیث کے وقت امام مالک کی حالت	۹۰
امام مالک اور روایت حدیث	۹۱
تیسری فصل	
سلف صالحین اور عمل بالسنۃ	۹۲
سماعت حدیث اور ابن سیرین کی کیفیت	۹۳
حدیثِ نبوی اور خواتین کا طرز عمل	۹۴
حدیث کا ادب نہ کرنے پر سزا	۹۵
چوتھی فصل	
اہل بیت اور امہات المومنین کی تعظیم	۹۶

صفحہ	عنوان
۱۱۱	مدینہ کی اہانت پر دُرّے لگائے گئے
	چوتھا باب
۱۱۴	صلوٰۃ وسلام کی فضیلت
۱۱۵	حضور پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کی وجہ
	پہلی فصل
۱۱۶	درود کی اہمیت اور اس کی فرضیت
۱۱۸	نماز میں درود کی فرضیت پر امام مالک کا قول
۱۱۹	نماز میں درود کے بارے میں امام جعفر کا قول
	دوسری فصل
۱۱۹	جہاں درود پڑھنا مستحب ہے
۱۲۰	درود کے بغیر دُعا آسمان اور زمین میں معلق رہتی ہے
۱۲۱	دعا کے ارکان
۱۲۱	حضرت ابن عباس کی دعا
۱۲۲	درود پڑھنے کے مواقع
۱۲۲	مسجد میں داخل ہوتے وقت درود پڑھنے کا حکم
۱۲۳	گھر میں داخل ہوتے وقت درود پڑھیں
۱۲۴	نماز جنازہ میں درود
۱۲۴	تشہد میں حضور علیہ السلام پر سلام پڑھا جائے
	تیسری فصل
۱۲۵	درود و سلام کس طرح پیش کیا جائے

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

پہلا باب

عنوان	صفحہ
حضرت یونس علیہ السلام کی نبوت	۱۸۴
غین کے معنیٰ	۱۸۵
دوسری فصل	
بعثت سے قبل عصمتِ انبیاء	۱۹۲
کیا کوئی کافر یا مشرک نبی ہو سکتا ہے	۱۹۳
عصمتِ انبیاء پر قاضی قشیری کی تحقیق	۱۹۴
شق الصدر اور تطہیر قلب	۱۹۴
حضرت ابراہیم کے قول کی توجیہہ	۱۹۵
جناب خلیل اللہ نے کبھی بت پرستی نہیں کی	۱۹۵
لفظ ضال کے معانی	۱۹۷
ضالاً اور ضالّ میں فرق	۱۹۹
ایک اعتراض کا جواب	۲۰۰
بحیرا راہب کا قسم دلانا	۲۰۲
بعثت سے پہلے حضور وقوف عرفات میں	۲۰۲
تیسری فصل	
حیات ظاہری میں حضور تمام علوم سے واقف تھے	۲۰۳
سیرت طیبہ اور دنیاوی امور	۲۰۳
حضور پر عدم علم کی نسبت جہالت ہے	۲۰۴
چوتھی فصل	
حضور شیطانی اثرات سے محفوظ تھے	۲۰۷
ہمزاد کے متعلق فرمان نبوی	۲۰۷

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ
نسیان اور سہو میں فرق	۲۴۰
حضرت ابراہیم کے تین اقوال	۲۴۰
نام نہاد کذاب اور حسن بصری کی تحقیق	۲۴۱
حضور کا غزوات میں طریق کار	۲۴۲
حضرت موسیٰ کے دعویٰ کے سلسلہ میں اعتراض	۲۴۳
سرور عالم کا محتاط خطاب	۲۴۴
حضرت خضر کی نبوت کی دلیل	۲۴۴
أعلم منک کی توضیح	۲۴۵
نویں فصل	
گناہ کبیرہ اور صغیرہ کی تعریف	۲۴۷
انبیاء مکروہات کا بھی ارتکاب نہیں کرتے	۲۴۸
کسی امر میں حضور کی خاموشی کا معنیٰ	۲۴۹
انبیاء علیہم السلام پر مباحات جائز الوقوع ہیں	۲۵۰
دسویں فصل	
عصمت انبیاء قبل از بعثت	۲۵۱
کیا حضور قبل از بعثت کسی شریعت کے متبع تھے	۲۵۲
حضور کے بغیر کسی نبی کی دعوت عام نہ تھی	۲۵۳
گیارھویں فصل	
احکام موسوم بہ معصیت	۲۵۵
سہو فی الکلام اور سہو فی العمل	۲۵۶
نبی اور غیر نبی کے نسیان میں فرق ۔	۲۵۷

صفحہ	عنوان
	بارھویں فصل
۲۵۸	احادیث کے متعلق جائزہ
۲۶۰	سہو کی تعریف
۲۶۱	حالت جنگ اور نماز
۲۶۲	میری آنکھیں سوتی اور دل جاگتا ہے
۲۶۳	نیند سے بیدار ہونے کے بعد وضو
۲۶۴	نیند کا غلبہ اور حضرت بلال کو حکم
	تیرھویں فصل
۲۶۵	انبیاء کی جانب گناہ کی نسبت
۲۶۸	حدیث شفاعت اور جواب انبیاء
۲۷۱	انقض ظھرک کی تفسیر
۲۷۲	عَفَا کے معنیٰ
۲۷۳	بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں ایک اعتراض
۲۷۵	بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضور کا فیصلہ
۲۷۷	آیت عَبَسَ وَ تَوَلّٰی اور اعتراض کا جواب
۲۷۸	ابوالبشر علیہ السلام اور خطاب الٰہی
۲۷۹	انسان کو انسان کہنے کی وجہ
۲۸۰	قبل بعثت اور بعد بعثت کے احکام
۲۸۱	حدیث شفاعت اور جناب آدم علیہ السلام
۲۸۳	قوم یونس علیہ السلام کی معافی
۲۸۴	حضرت داؤد علیہ السلام پر اعتراض اور اس کا جواب

عنوان	صفحہ

صفحہ	عنوان

صفحہ	عنوان

صفحہ	عنوان
۴۴۲	زندیق کے مال کا مسئلہ
۴۴۳	عدم شہادت یا مکمل شہادت کا حکم
۴۴۴	واجب القتل شخص کے لئے حکم
۴۴۴	شاتم نبی کو سزا کس طرح دی جائے
۴۴۴	شاتمانِ رسول کو سزائیں
۴۴۶	ذمی کو سب وشتم کی گستاخی کی سزا
۴۴۶	حکم قتل پر علماء مالکیہ کی دلیل
۴۴۸	گستاخ ذمی کا اسلام قبول کرنا
۴۴۹	شاتم رسول اور جناب ابن عمر
۴۴۹	انکار بعثت محمدی
۴۵۱	مشروط جزیہ اور حربی کفار
۴۵۲	گستاخ نبی اور امام مالک کا فتویٰ
۴۵۳	شاتم رسول اور علماء اندلس
۴۵۴	گستاخ کی توبہ قبول نہ کی جائے
	تیسری فصل
۴۵۴	کفریہ مقولہ جات
۴۵۵	رب العالمین کے متعلق اعتقاد
۴۵۶	نبوت و رسالت کا اعتراف نہ کرنا
۴۵۶	جناب جبریل نے وحی غلط پہنچا دی ؟
۴۵۷	انبیاء علیہم السلام کے متعلق بداعتقادی
۴۵۷	سیدالمرسلین کی بابت خیالات فاسدہ

عنوان	صفحہ

تمّت بالخیر

جلد دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُمتِ مسلمہ اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق

جناب مصنف (قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں جیسا کہ مَیں نے کتاب ہذا کے پہلے حِصّہ میں تصریح کی ہے کہ مَیں نے حِصّہ دوم کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے اور اس تقسیم کے مطابق اس حصہ دوم میں حسبِ ذیل موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔

مخلوق اور تصدیقِ نبوی اتباعِ سنت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و محبت آپ کی خیر خواہی آپ کی تعظیم و توقیر اور آپ کے حقوق کی بجا آوری اور آپ کی خدمت گزاری لازم و واجب ہے سرکار دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کی فضیلت اور بارگاہ رسالت میں حاضری کے آداب۔

جب تک کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق نہ کرے ارشاد ربانی ہے۔

ومن لم یؤمن باللہ ورسولہ	اور جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان
فانا اعتدنا للکفرین سعیرا	نہ لائے اور ان کی تصدیق نہ کرے تو ایسے
(پ ۲۶ ع ۶)	منکرین (کافرین) کے لئے ہم نے بھڑکتی
	آگ تیار کر دی ہے۔

سرورِ عالم کی تصدیق نہ کرنے والوں پر جہاد کا حکم

ابو محمد خشنی نے سلسلہ بہ سلسلہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جہاد و قتال کروں جب تک وہ اللہ کی وحدانیت اور میری رسالت کے ساتھ ان باتوں کی تصدیق نہ کریں جو مجھے اللہ تعالیٰ نے تعلیم فرمائی ہیں اور جب ان لوگوں نے ایسا کر لیا تو انہوں نے میرے ہاتھوں سے اپنے جان و مال محفوظ کر لیا سوائے ان حقوق کے جن کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر ہے۔"

ایمان کے بارے میں جناب مصنف کی تحقیق

قاضی عیاض (مصنف) علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اور احکام الٰہی جو حضور کے ذریعہ موصول ہوئے ہیں ان سب کا زبانی اقرار اور دل سے تصدیق کرے اور جب یہ دونوں باتیں جمع ہو جائیں گی تب ہی ایمان مکمل ہوگا۔

اسلام اور ایمان

مصنف نے اپنے اس قول کی دلیل حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے لی ہے جس میں انہوں نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔ حکم ربی یہ ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے جہاد کروں جب تک لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تصدیق نہ کریں اور اس کی گواہی نہ دیں۔

(۱) ایک شخص اسلام وایمان کے بارے میں دل سے تو قائل ہے لیکن اس کو زبانی اقرار کا موقع نہیں ملا (کہ وہ اپنے اسلام کو ظاہر کرتا) اور اس اثنا میں وہ راہی ملک بقا ہوا ایسے شخص کے بارے میں دو رائے ہیں۔

(۱) وہ زبانی اقرار و اعلان اسلام سے قاصر رہا لہٰذا اسکو اس تصدیق بالقلب سے کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ ایمان کے لئے قول اور شہادت شرط ہیں۔

(۲) لیکن بعض اصحاب علم نے اس کو مستحق جنت قرار دیا ہے اور اپنے اس دعویٰ میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم علیہ السلام نے فرمایا کہ دوزخ سے وہ شخص نکال لیا جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا۔ اس ارشاد نبوی میں اس سلسلہ میں اپنے دل کی بات کے علاوہ اور کچھ نہیں جو اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اس شخص کے دل میں ایماں تو موجود تھا جو نہ گناہگار ہے اور نہ زبانی شہادت کی عدم موجودگی پر قصوروار ہے اور بعض لوگوں کے خیال کے مطابق یہ بالکل درست اور قابل قبول بھی ہے۔

لیکن ایک شخص ایسا ہے جس کو سابقہ شخص کے برخلاف اپنے اسلام کے اظہار کے لئے کافی وقت بھی ملا اور بہت مواقع بھی میسر آئے لیکن نہ تو اس نے ان مواقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے اسلام کا اقرار کیا اور نہ زبانی شہادت دی۔ ایسے شخص کے بارے میں بھی صاحبان علم کی دو رائے ہیں۔

(۱) ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ ایسا شخص دائرہ اسلام میں داخل ہے کیونکہ وہ احکام اسلامی کی دل سے تصدیق کرتا ہے اور اس کے اعمال ہی اس کے زبانی اقرار کی شہادت ہیں۔ ایسا شخص صرف زبانی اقرار نہ کرنے پر گناہگار ہوگا اور ابدی طور پر جہنم کی سزا کا مستحق نہ ہوگا۔

(۲) دوسری جماعت کا موقف یہ ہے کہ اس کا زبانی اقرار اور تصدیق بالقلب ایک دوسرے کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتے اور اس پر وہ یہ دلیل لاتے ہیں کہ زبانی اقرار ہی قلبی عہد و پیمان کے انشاء پر دلالت کرتا ہے اور یہی اقرار اس کی تشریح ہے اور وہی اس کا بیان ہے اور یہ شہادت زبانی اقرار کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہوگی لہٰذا اس کے بارے میں یہ حکم نہیں کیا

جا سکتا کہ ایسا شخص دائرہ اسلام میں داخل ہے ۔ اور اسی قول کو اہل علم نے درست بتایا ہے ۔

اسلام اور ایمان کی تشریح کی تحقیق

یہ مختصر تشریح و توضیح ایمان و اسلام اور ان کے تعلقات کے ساتھ ان میں کمی و زیادتی کے بارے میں کافی و وافی ہے ۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی اس میں شامل ہے کہ مجرد تصدیق اور اس کا مطلق متجزی ہونا ممتنع اور محال ہے تا آنکہ کلام میں اجمال و اختصار درست نہو ۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ تجزی زیادت اعمال کی جانب راجع ہوتی ہے اور کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس میں اختلاف صفات یا تبدیلی حالات کی وجہ سے قوت یقین راسخ الاعتقادی ۔ وضوح الوقت ۔ یکسانیت حالات اور حضورِ قلب کی جانب راجع ہوتی ہے ۔

اگر ہم اس موضوع پر سیر حاصل تبصرہ کریں تو ہم اپنے اصل موضوع سے ہٹ جائیں گے جو اس کتاب کی تدوین کا اصل مقصد ہے لہٰذا صرف ضروری دلائل پر اکتفا کیا گیا ہے ۔

پہلی فصل

اطاعت نبوی کا وجوب

جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور ان تمام احکامات کی یہ تصدیق کرنا کہ یہ تمام منزل من اللہ ہیں واجب ثابت ہو گیا لہٰذا اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اور اطاعت بھی فرض ہو گئی کیونکہ یہ بھی منجملہ انہیں امور کے ہے جن کو حضور علیہ السلام لے کر آئے ۔ ارشادِ ربانی ہے ۔

(۱) یاایھا الذین آمنو اطیعوا اللہ و رسولہ ط — اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو ۔

کرنا فرض ہے۔

اطاعتِ نبوی اور مفسرین و ائمہ

ائمہ کرام اور مفسرین عظام فرماتے ہیں کہ رسول کی اطاعت کا مفہوم یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی ہر سنت پر عمل کو لازمی قرار دیا جائے اور وہ احکام اوامر و نواہی جو حضور علیہ السلام کے ذریعہ ملے ہیں ان پر سر تسلیم خم کر دیا جائے۔ ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس قوم پر بھی رسول و نبی کو مبعوث فرمایا تو اس قوم پر اس نبی و رسول کی اطاعت فرض فرمادی۔

اور یہ بات متحقق ہے کہ جو شخص مسنون امور میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرے گا وہ فرائض میں یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا۔

سہل بن عبداللہ سے کسی نے شرائع اسلام کی بابت دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کا فیصلہ تو قرآن کریم کی اس آیت ما اتاکم الرسول میں ہو چکا ہے۔

فقیہ سمرقندی نے فرمایا کہ ایک مقولہ ہے کہ اللہ کی اطاعت سے مراد فرائض کی بجاآوری اور اطاعت رسول سے مراد سنن نبوی پر عمل کرنا ہے۔

بعض حضرات اہل علم نے فرمایا کہ اطاعت سے مراد یہ ہے کہ محرمات میں احکامِ الٰہی کی بجاآوری اور اطاعت رسول کا مفہوم یہ ہے کہ جن احکام پر سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کرنے کا حکم دیا اس کی تعمیل کی جائے۔ ایک قول اطاعت کے بارے میں اس طرح بھی ملتا ہے کہ اطیعوا اللہ سے مراد اللہ کی وحدانیت کا اقرار اور اطیعوا الرسول سے مطلب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق ہے۔

اطاعت کا مفہوم اور حدیث نبوی

ابومحمد عتاب نے سلسلہ بہ سلسلہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ رب العالمین کی اطاعت کی۔

اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے بلاشبہ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کی اور جس نے میرے امیر (نائب) کی اطاعت اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری

اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی نے اطاعت نبوی کا حکم دیا ہے لہٰذا حضور کی اطاعت میں حکم الٰہی کی بجاآوری اور اس کی اطاعت ہے۔

حسرت اور افسوس

قرآن کریم نے کفار کی اس کیفیت کی منظر کشی کرتے ہوئے بتایا جبکہ وہ جہنم کے زریں حصہ میں عذاب میں ہوں گے۔

یالیتنا اطعنا اللہ و اطعنا الرسول (پ ۲۲ ع ۴)	کاش ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔

اب جہنم کا وہ عذاب جس سے ان کو ڈرایا جاتا تھا ان پر مسلط کر دیا جائیگا اور وہ جہنم کے زریں حصہ میں زیر عتاب و عذاب ہوں گے تو اپنی نافرمانی پر افسوس کریں گے لیکن اس وقت کا افسوس انہیں کوئی فائدہ نہ دے گا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب میں تمہیں کسی کام سے احتراز کا حکم دوں اس سے باز رہو لیکن جب میں تمہیں کسی کام کے کرنے کا حکم دوں تو بحد امکاں[1] اس کو بجالاؤ۔ کیونکہ خالق و مالک نے اپنی محبت کو میرے اتباع میں منحصر فرما دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی۔ (پ ۳ ع ۱۴)	اے حبیبؐ آپ ان لوگوں سے فرمادیں کہ اگر تم اللہ کی محبت کے دعویدار ہو تو میرا اتباع کیا کرو اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب رکھے گا

---

[1] یہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جملہ تا حد امکان قابل توجہ ہے جو عین احکام قرآن کے مطابق ہے قرآن حکیم میں فرمایا گیا۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔ مترجم

باطل دعویٰ کی تردید اور اتباع نبوی

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیت کریمہ کعب بن اشرف وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ان کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے (معاذ اللہ) بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں اور ہم ہی اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب رکھنے والے ہیں۔ اس دعویٰ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں اس بات کی پرزور الفاظ میں تردید کی گئی ہے کہ حب الٰہی کا دعویٰ اس وقت درست ہے جبکہ وہ اتباع نبوی کے ساتھ ہو۔ (مترجم)

اطاعت کے سلسلہ میں زجاج کی تحقیق

زجاج فرماتے ہیں کہ اگر تم اللہ کی محبت کا دم بھرتے ہو تو اس کے احکام کی تعمیل بھی کرو کیونکہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ ان کے احکام کی تعمیل کی جائے اور ان کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا بندہ کو محبوب رکھنے سے مراد یہ ہے کہ وہ ان کی لغزشوں سے درگذر فرما کر اپنے انعام فرماتا ہے اور اعمالِ خیر کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ شاعر نے کس پیارے انداز میں کہا ہے[1]

لو کان حبک صادق لاطعتہ　　　ان المحب لمن یحب مطیع

اگر تیری محبت صادق ہوتی تو اس کی اطاعت کرتا کیونکہ محب ہمیشہ محبوب کی اطاعت کیا کرتا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک صاحب نے اس کی تشریح اس طرح کی کہ بندے کی محبت اللہ تعالیٰ سے ایسی ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عزت و تکریم کرے اور اس کے غضب سے خوفزدہ رہے اور اللہ کی محبت بندے سے اس طرح ہو کہ بندے پر رحمت الٰہی کا نزول ہو اور اللہ اسکے لئے خیر مقرر فرما دے اور یہ معنیٰ بھی مراد لئے جا سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندے کی حوصلہ افزائی فرمائے اور اس کی تعریف فرمائے۔

قشیری فرماتے ہیں کہ جب محبت کے معنیٰ رحمت ارادہ مدح و تعریف کے لئے گئے تو وہ صفت

---

[1] یہ جذبات غالباً محمود الوراق کے ہیں۔ مترجم

ذات میں مراد ہوں گے اور یہ ذات کی صفات میں شامل ہوں گے اس موضوع پر اس کے علاوہ آئندہ لکھا جائے گا۔

خلفاء راشدین کا اتباع اور فرمان رسول

حضرت عرباض بن ساریہ کی روایت کردہ حدیث جو نصائح نبوی پر مشتمل ہے اس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل ضلالۃ فی النار۔ او کما قال علیہ السلام میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو اور اس کو دانتوں سے خوب مضبوط پکڑو اور نئی باتوں کے نکالنے سے خود کو محفوظ کرلو۔ کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی۔ حضرت جابر سے بھی یہی حدیث اس اضافہ کے ساتھ منقول ہے اور ہر گمراہی کی سزا آگ (عذاب۔ دوزخ) ہے۔

احکامِ رسول پر عمل نہ کرنے والا منکر رسول ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور حدیث اس طرح منقول ہے جس میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوائے منکر کے میری امت کا ہر فرد جنت میں داخل ہوگا۔ صحابہ کرام نے دریافت کیا وہ منکر کون ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس نے میری اطاعت نہ کی وہ منکر ہے اور جنت میں داخل نہ ہوگا۔

اطاعتِ نبوی کی مثال

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری ان چیزوں میں جو میں (اللہ کی جانب سے) لے کر آیا ہوں اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک شخص نے اپنی قوم سے کہا کہ اے اہل قوم میں نے ایک

ل حضور علیہ السلام کے دوسرے فرمان سے بدعت کی دو قسمیں معلوم ہوتیں ہیں۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ وہ نئی ایجادات اور نئی باتیں جو دین کے امور سے متصادم ہوں وہ بدعت سیئہ ہیں اور جو باتیں دین اور اسلام کی روشنی میں ہوں وہ حسنہ میں داخل ہیں جیسے کہ تراویح کی جماعت جو تکمیل دین کے بعد فاروقی عہد میں پورے اہتمام سے ادا کی (باقی صفحہ ۴۱ پر)

لشکر دیکھا اور میں اس لشکر کی جانب تمہیں متوجہ کرتا ہوں اور تمہیں اس لشکر سے خبردار کرتا ہوں لہٰذا تم نجات (فلاح) کو تلاش کرو۔ اس وعید سے بہت سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور راتوں رات وہاں سے چلے گئے اور اپنی جانوں کو محفوظ کر لیا لیکن ایک گروہ ایسا بھی تھا جس نے اس وعید کی جانب توجہ نہ کی اور اس ڈرانے والے کی تکذیب کی۔ ان کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا کہ جب انہوں نے صبح کی تو غنیم کا لشکر انہیں گھیر چکا تھا۔ اس نے ان پر چھاپہ مارا اور انہیں تباہ و برباد کر دیا۔

بلا تمثیل و تشبیہ یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے میری اور میرے احکام کی تعمیل کی انہوں نے فلاح و نجات پائی لیکن جنہوں نے نہ تو میری اطاعت کی اور نہ میرے احکام پر عمل کیا انہوں نے حقانیت کو جھٹلایا اور تباہ و برباد ہو گئے۔

اطاعت کی ایک اور مثال

اطاعت کی ایک اور مثال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمائی کہ ایک شخص نے ایک مکان بنایا اور اس پُر مسرت موقعہ پر اس نے انواع و اقسام کے کھانے تیار کئے اور ایک شخص کو دعوت عام کا اعلان کرنے کو کہا جس نے اس مالک مکان کی جانب سے دعوت عام دی۔ اب اس اعلان کرنے والے کی اطلاع پر جو شخص اس مکان پر آیا اس نے دعوت کرنے والے کی طرف سے مہیا کئے گئے انواع و اقسام کے کھانوں سے استفادہ کیا لیکن جس نے اس اعلان کرنے والے کی دعوت پر کان نہ دھرے وہ اس دعوت عام سے محروم رہا اور ان ماکولات سے استفادہ نہ کر سکا۔

سو وہ گھر جنت ہے جسے اللہ رب العالمین نے بنایا اور دعوت کا اعلان حضور علیہ السلام نے فرمایا اب جس نے بھی حضور علیہ السلام کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آپ کی اطاعت کی اس نے بلاشبہ اللہ کی اطاعت کی اور جس نے حضور کی دعوت پر توجہ نہ کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی

(صفحہ ۴۰ سے آگے) کی جانے لگی تھیں اور خود فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نعمة البدعة هذا حدیث مذکور میں جس بدعت کی جانب اشارہ ہے وہ بدعت سیئہ ہے۔ مترجم

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی لوگوں کے درمیان امتیاز کو ظاہر فرمانے والی ہے (یعنی جو حضور کی اطاعت کریں گے وہ برحق ہوں گے اور حضور علیہ السلام کے نافرمان کا شمار ناحق اور باطل پرستوں میں ہوگا۔

دوسری فصل

اتباعِ نبوی کا وجوب

اس فصل میں وہ شواہد و براہین بیان کئے جائیں گے۔ جس سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا امتثال آپ کے اتباع اور سیرت طیبہ پر عمل کرنے کا حکم ملتا ہے۔ اس سلسلہ میں آیات قرآنی ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفرلکم ذنوبکم۔ (پ ۳ ع ۱۲)	اے محبوب آپ فرمادیں اے لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ انہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔
(۲) فاٰمنوا باللہ و رسولہ النبی الامی الذی یؤمن باللہ و کلماتہ واتبعوہ لعلکم تھتدون۔ (پ ۹ ع ۱۰)	پس ایمان لاؤ اللہ پر اور امی رسول غیب بتانے والے نبی پر جو اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت یافتہ ہوجاؤ۔

ایک اور آیت میں اس طرح فرمایا گیا جو اس بات کی جانب صریح اشارہ ہے کہ جب تک کہ احکام نبوی کو حرف آخر نہ سمجھیں وہ مسلمان نہ ہوں گے۔

فلا و ربك لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیما۔

(پ ۵ ع ۶)

اے محبوب تیرے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک کہ وہ اپنے آپس کے جھگڑوں میں آپ کو حکم نہ بنائیں اور آپ کے فیصلہ پر اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور آپ کے فیصلہ کو بلا چون و چرا تسلیم کریں۔

یعنی تمام لوگ آپ کے حکم کے مطیع و منقاد ہو جائیں اور عربی لغت میں سلم استسلم اور اسلم انقاد کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ آیت کریمہ میں ویسلموا تسلیما کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اور سلم کے معنی سپرد کر دیا استسلم سپردگی چاہی اور اسلم اطاعت و انقیاد کے ساتھ سر جھکا دیا۔ بالفاظ دیگر یہ زور اسی بات پر ہے کہ اطاعت رسول علیہ السلام کی جانب قوم کو متوجہ کیا جائے۔

قرآن کریم اور اسوۂ رسول

محمد بن علی ترمذی فرماتے ہیں کہ اسوہ رسول کے معنی آپ کی اقتدار اور آپ کی سنت پر عمل کرنا قول و فعل میں حضور علیہ السلام کی مخالفت کو ترک کرنا ہے۔

ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الاخر۔ (پ ۲۱ ع ۷)

بے شک ذات نبی علیہ السلام میں اس کے لئے اچھی پیروی تھی جو اللہ تعالےٰ اور پچھلے دن کا امیدوار ہو۔

اور یہی مسلک جو امام ترمذی کا اوپر مذکور ہوا دوسرے مفسرین کا بھی ہے لیکن ایک روایت ایسی بھی ملتی ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کی جانب اشارہ کر رہی ہے جو حضور علیہ السلام کے ساتھ جہاد میں شریک نہ ہوئے تھے اور پیچھے رہ گئے تھے ان پر عتاب کیا جا رہا ہے۔

راہِ حق اور انعام الٰہی

سہیل بن عبداللہ صراط الذین انعمت علیھم کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے سنت کی پیروی کرنے والے مراد ہیں یعنی ہمیں ایسے لوگوں کی راہ چلا (جو متابعت سنت کی وجہ سے تیرے انعام کے حق دار ہوئے تھے) جن پر تو نے انعام فرمایا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا اور آپ کی ہدایت و رہنمائی اور اتباع کرنے پر (انعام کا) وعدہ فرمایا۔ اور انہوں میں فرمایا گیا۔

ارسلہ بالھدیٰ ودین الحق یزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویھدیھم الیٰ صراط مستقیم۔ (پ۔ ٤)	وہ اللہ جس نے آپ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ آپ ان کا تزکیہ نفس فرمائیں اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیں اور سیدھے راستہ کی جانب رہنمائی فرمائیں۔

دوسری آیت میں مسلمانوں سے اپنی محبت کا مشروط وعدہ فرمایا جبکہ وہ اتباع رسول کریں اور اس اتباع پر انہیں مغفرت کا مژدہ عطا ہوا اور یہ بھی تصریح فرمادی کہ اتباع نبوی کو اپنی خواہشات پر ترجیح دیں اور آپ کے اتباع کو محبوب رکھیں یہ فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ اتباع بہ جبر و اکراہ یا انعام کے لالچ میں نہ ہو بلکہ اس میں جذبہ اطاعت پنہاں ہو

بلاشبہ ملت مسلمہ کے ایماں کی صحت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انقیاد اطاعت اللہ کی رضامندی و خوشنودی کے حصول اور ذات نبوی کو تمام اعتراضات سے بالاتر سمجھنے میں منحصر ہے۔

اللہ کی محبت اتباع نبوی پر موقوف ہے

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم اللہ کو محبوب رکھتے ہیں اس وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو میرا اتباع کرو۔

غیب داں رسول کا ارشاد گرامی

حضرت ابورافع فرماتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار تم میں کوئی دوسروں کو اس حالت میں کہ وہ بستر پر تکیہ لگائے پڑا ہو فتنہ میں مبتلا نہ کرے جبکہ اس کے سامنے میرا کوئی حکم جس کے کرنے کا میں نے حکم دیا ہے یا جس کے کرنے کی ممانعت کی ہے سن کر یہ کہدے کہ ہم اس بارے میں کچھ نہیں جانتے ہم نے کتاب اللہ (قرآن کریم) میں جو کچھ دیکھا اور پڑھا اور اس پر عمل کر لیا۔[1]

فعل رسول اور عمل صحابہ کرام

جناب عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوئی کام کیا جس میں رخصت کا پہلو اختیار فرما کر جانب عزیمت کو ترک فرمایا۔ ایسا ہی صحابہ کرام نے کیا۔ جب یہ اطلاع حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہوئی تو آپ نے خطبہ میں حمد الٰہی کے بعد فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہے جس کام کو میں نے کیا ہے لوگ اس سے احتراز کر رہے ہیں۔ اس خدائے واحد کی قسم میں اللہ کی معرفت ان سے زیادہ رکھتا ہوں اور خوف وخشیت الٰہی بھی ان سب سے زیادہ رکھتا ہوں۔

قرآن کریم کی فضیلت

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآن کو محبوب نہیں رکھتا اور اس سے گھبراتا ہے تو قرآن بھی اس پر سخت اور گراں ہو جاتا ہے حالانکہ قرآن تو حکم (فیصلہ) کرنے والا ہے جو شخص میری

---

[1] ارشادات نبوی بن و عن ظہور میں آ رہے ہیں۔ بہت سے حضرات نے اپنی ناقص فہم کے مطابق حدیث رسول پر زبان طعن دراز کی تھی لیکن موجودہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں وہ باتیں سمجھ میں آ گئی ہیں۔ ہماری ایمانی حالت یہ ہے کہ فرمان رسول پر یقین نہ تھا لیکن محققین یورپ وامریکہ وغیرہ کی تحقیق بہت جلد سمجھ میں آ گئی۔ تفصیل سے قطع نظر مذکورہ بالا حدیث بھی اسی زمرے میں ہے اس وقت سمجھ میں نہ آتی اور ضعیف الاعتقادی اس حدیث کو شک وشبہ میں لے آئی لیکن تیرہ سو سال سے زائد کے عرصہ کے بعد غیب داں رسول علیہ السلام کے ارشاد کی تصدیق ہوئی جبکہ ماضی قریب میں ایک شخص عبداللہ چکڑالوی نے بعینہٖ اسی حالت میں جس طرح حضور نے فرمایا تھا (معلوم ہونا چاہئے کہ یہ شخص اپاہج تھا اور (باقی صفحہ ۴۶ پر)

حدیث سے حجت و دلیل حاصل کرے اور اسے سمجھے یاد کرے اور عمل کرے تو وہ شخص روز قیامت قرآن کے زیر سایہ ہوگا لیکن جس نے قرآن اور میری حدیث کے ساتھ سستی اور تہاون کیا وہ دنیا اور آخرت میں رسوا ہوگا۔

اُمتِ مسلمہ کو تنبیہ

مَیں اپنی امت کو متنبہ اور خبردار کرتا ہوں کہ وہ میری حدیثوں پر عمل پیرا ہوں میری اطاعت کریں۔ میری سنت کا اتباع کریں جو شخص میری حدیث (میرے قول) سے راضی ہے وہ قرآن سے بھی راضی ہوگا۔ ارشاد ربانی ہے۔

ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا (پ۲۸-ع۵)	جو رسول تمہیں دیں اس کو لے لو اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز رہو۔

سنتِ نبوی سے انحراف کرنیوالا اسلامی معاشرہ سے خارج ہے

ہادی انسانیت محسن اعظم علیہ السلام نے فرمایا جس نے میری اقتدا کی وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری سنت سے انحراف کیا وہ مجھ سے نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور سب سے بہتر ہدایت میری ہدایت ہے اور برے کام دین (اسلام) میں نئی نئی باتوں کی ایجاد ہے۔

عِلم کی اقسام

حضرت عبداللہ بن عمرو العاص فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا عِلم تین ہیں اور ان کے علاوہ سب زیادتی ہے۔ آیۂ محکمہ (قرآن کریم) سنت قائمہ (معمولات و فرمودات نبوی) فریضہ عادلہ (فقہ و قیاس)

(باقی ص۴۵ سے آگے) پلنگ پر تکیہ لگائے پڑا رہتا تھا۔ حدیث رسول کے بارے میں گستاخی کی اور وہی کلمات کہے جنکا اشارہ حدیث میں غیب داں رسول نے فرمایا تھا۔ اس قسم کے اور بہت سے واقعات ملتے ہیں جنکی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ مترجم

حسن بن حسن فرماتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ نے فرمایا سنت کے مطابق تھوڑا عمل نئے (ایجاد شدہ)

بہت سے عمل سے بہتر ہے۔

پُرفتن دور میں سنت نبوی پر عمل کا اجر

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پُرفتن دور میں جو میری سنت پر عمل کرے گا۔ اس کو سو شہیدوں

کے اجر کے برابر اجر دیا جائے گا۔

امت مسلمہ اور تہتر فرقے

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں منقسم ہوئے تھے لیکن میری

امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور ان میں سے ۷۲ فرقے دوزخی ہوں گے صرف ایک فرقہ

دوزخی نہ ہوگا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا وہ کون لوگ ہوں گے جو جہنمی نہ ہوں گے۔ حضور علیہ السلام نے

فرمایا جو اس مسلک کا متبع ہوگا جس پر کہ آج میں اور میرے صحابہ عمل پیرا ہیں۔

احیاء سنت اور فرمان رسول

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری سنت کو زندہ کیا گویا اس نے مجھے حیات نَو

بخشی اور مجھے حیاتِ نَو دینے والا میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

احیاء سنت پر اس کے اور عمل کرنیوالوں کے برابر اجر

عمرو بن مزنی فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث سے فرمایا کہ جس

نے میری مردہ سنت کو زندہ کیا اور سنت پر حیاتِ نَو کے بعد جتنے لوگ عمل کریں گے ان سب کے

برابر اجر اس سنت کو نشاط ثانیہ عطا کرنے والے کو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا اور اس سلسلہ میں ایک خاص

بات یہ ہے کہ اس عمل کرنے والے کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

بُرے کام کی ایجاد پر وعید

نیک اعمال کے سلسلہ میں جس انعام کا وعدہ کیا گیا ہے وہ اوپر ذکر ہوا لیکن اس کے ساتھ

ہی تصویر کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ دین میں کسی نے کوئی نئی بات ایجاد کر دی جو گمراہی کا سبب بنی اور

وہ عمل اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ناراضگی کا سبب ہو، تو اس کام کے کرنے کو اجتماعی طور پر جتنی سزا ملے گی۔ اتنی ہی اس موجد کو انفرادی طور پر دی جائے گی اور اس میں بھی وہی طریقہ کار ہوگا۔ جیسا کہ اجر و ثواب کے بارے میں تھا کہ نہ تو کام کرنے والے کا اجر کم ہوگا اور نہ عمل کرنے والے کا، جیسا کہ ماسبق میں بیان ہوا۔

تیسری فصل

اتباع سنت کی ضرورت اور سلف صالحین کے فرمودات

سلف صالحین نے اتباع سنت نبوی اور سیرت نبوی کا اتباع کرنے کے سلسلہ میں جو اقوال سلف صالحین سے نقل کئے ہیں وہ اس فصل میں ذکر کئے جائیں گے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سلسلہ بہ سلسلہ روایۃً منقول ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر سے سوال کیا کہ نماز خوف اور نماز حضر (وہ نماز جو اپنے وطن یا وطن اقامت میں پڑھی جائے) کا تذکرہ تو قرآن کریم میں ملجاتا ہے لیکن سفر کی حالت میں نماز کس طرح ادا کی جائے وہ قرآن کریم میں نہیں ملتا۔

راوی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر نے سائل سے فرمایا اے بھتیجے اللہ تعالیٰ نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں مبعوث فرمایا جبکہ ہم جہالت کی زندگی بسر کر رہے تھے اور ہمیں کچھ بھی معلوم نہ تھا لہٰذا ہم نے وطیرہ یہ بنایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل پر نظر رکھتے تھے اور جس طرح حضور علیہ السلام کرتے تھے ویسے ہی ہم کرنے لگتے تھے۔

اطاعت نبوی اور عمر بن عبدالعزیز کے فرمودات

عمر ثانی جناب عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے شاہراہ مقرر فرمائی اور اپنے اعمال و اقوال کا ذخیرہ عطا فرمایا جس پر آپ کے خلفاء راشدین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سنیہ کی روشنی میں عمل پیرا ہو کر کے آنے والی نسلوں کے لئے

آسانی مہیا فرمائی۔ اس طرح ان اصحاب کا سنت نبوی پر عمل کتاب، ہدایت، قرآن مجید کی تصدیق اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے مترادف ہے اور تقویت دین کا سبب ہے۔

اب کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اس میں ترمیم و تنسیخ کر سکے اور نہ اس میں تبدیلی لاسکے علاوہ ازیں اگر کوئی شخص احکام اسلامی میں اضافہ کمی یا تبدیلی کرتا ہے تو اس کی بات پہ کان نہیں دھرے جائیں اور اس کی بات نہیں سنی جائے گی اب جو شخص بھی اس سنت کی پیروی کرتا ہے وہ ہدایت یافتہ ہے اور جو بھی اس عامل سے مدد چاہتا یا اس کی مدد کرتا ہے وہ مظفر و منصور ہے لیکن جس شخص نے اس سنت پہ عمل کرنے والے کی مخالفت کی اور جمہور مسلمین کے طریقہ کے خلاف عمل کیا یا خود ہی کوئی نیا راستہ بنانے کی جدوجہد کی تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال اس پہ مسلط فرما دے گا اور اس کو اس راستہ پہ پھیر دیگا جس پہ وہ گامزن ہوگا اور اس عمل کی سزا اس کو یہ دی جائے گی کہ اس کو جہنم میں عذاب دیا جائے گا جو بہت بری جگہ ہے۔

حسن بن ابی حسن نے فرمایا ہے کہ سنت پر قلیل عمل اس کثیر عمل سے بہتر ہے جو بدعت پر عمل کر کے کیا جائے۔

ابن شہاب فرماتے ہیں کہ اہل علم حضرات سے یہ بات منقول ہے کہ الاعتصام بالسنۃ نجاۃ سنت نبوی پہ عمل کرنا ہی فلاح و نجات کا سبب ہے۔

فاروقِ اعظم اور عمالِ حکومت

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال حکومت کو کہا تھا کہ قرآن و سنت اور فن لغت کی تعلیم عام کی جاتے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر بعض حضرات قرآن کی تفسیر کے بارے میں تعرض کریں تو تم ان سے سنت کے مطابق معاملہ کرنا اور ان کے علم بالسنۃ سے استفادہ کرنا کیونکہ متبعین سنت ہی کتاب اللہ کو بہتر طریقہ پر سمجھتے ہیں۔

انہی راوی سے ایک حدیث مروی ہے کہ جناب عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ذوالحلیفہ دمیقات جہاں اہل مدینہ احرام باندھتے ہیں) پہ دو رکعت نماز ادا کر کے فرمایا کہ میں نے یہ دو رکعت

نماز اتباع سنت نبوی میں ادا کی ہے میں نے حضور علیہ السلام کو نماز ادا کرتے دیکھا ہے۔

قرآن اور حضرت علی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک مرتبہ حج کے موقع (حج وعمرہ کا مشترکہ احرام قرآن کا احرام باندھا تو حضرت عثمان نے ان سے فرمایا کہ میں تو لوگوں کو اس سے منع کرتا ہوں لیکن آپ اس پر عمل کر رہے ہیں اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ میرے لئے ناممکن ہے کہ میں کسی کے کہنے سے سنت رسول کو ترک کر دوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے میں نہ تو نبی ہوں اور نہ مجھ پر وحی آتی ہے لیکن میں حتی المقدور کتاب اللہ اور سنت نبوی پر عمل کرتا ہوں۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا سنت میں غور کرنا بدعت میں جدوجہد سے بہتر ہے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا سفر میں چار کی بجائے دو رکعتیں ہیں جس نے سنت کی مخالفت کی اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔

اسوۂ رسول پر عامل کو انعام

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا لو کیونکہ خطۂ زمین پر کوئی فرد ایسا نہیں ہے جو اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہو اور اس کے دل میں اللہ کی یاد نہ ہو اور خشیت الٰہی سے اس کی آنکھیں اشکبار نہ ہوں اور ایسے شخص کو اللہ رب العالمین ابدی عذاب میں مبتلا فرمائے۔

اسی طرح خطۂ زمین پر بسنے والوں میں کوئی فرد ایسا نہیں جو اسوۂ رسول پر عمل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور خشیت الٰہی سے اس کے رونگٹے کھڑے نہ ہو جائیں۔ تمثیلاً اس کو اسی طرح سمجھا جائے کہ ایک خشک درخت کھڑا ہے اور ایک تند و تیز ہوا نے اس کے پتے گرا دیئے۔ اسی طرح اسوۂ رسول پر عمل اور خشیت الٰہی سے اس شخص کے گناہ پتوں کی طرح گر جاتے ہیں اور وہ شخص نیک شمار ہونے لگتا ہے۔

بلاشبہ کتاب وسنت پر عمل کرنا ان اعمال کے مقابلہ میں جو خلاف کتاب وسنت ہوں نہ صرف بہتر بلکہ لازم اور ضروری بھی ہے۔ اے افراد ملت تم اپنے اعمال کا جائزہ لو اور اپنے اعمال میں اعتدال رکھو اور یہ کوشش کرو کہ تمہارے اعمال سنت رسول (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے مطابق ہوں۔

کیا عمال حکومت احکام قرآنی سے انحراف کر سکتے ہیں؟

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور خلافت میں بعض عمال حکومت نے انہیں لکھا کہ ہمارے علاقوں میں چوریوں کی زیادتی ہو رہی ہے۔ اسلامی قانون اور سنت نبوی کے مطابق چوریوں کو سزا دینے میں شرعی ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے کیا آپ اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ محض گمان کی بنا پر ان لوگوں کو گرفتار کر لیا جائے۔

اس معاملہ پر خلیفہ عادل اور عامل بالکتاب والسنۃ جناب عمر نے تحریر فرمایا کہ صرف الزام پر کسی شخص کو سزا نہ دی جائے جب تک کہ شرعی ذمہ داریاں پوری نہ ہوں کسی پر ایسے احکام کا اجرا نہ کرو ان لوگوں کے بارے میں احکام اسلامی اور سنت نبوی کے مطابق جو شرعی فیصلہ ہو اس کو نافذ کیا جائے (یہ بات یاد رکھو) کہ اگر حق سے بھی ان کی اصلاح نہ ہو سکتی ہو تو تم ان کی اصلاح کی کوشش نہ کرو۔

ایک آیت کی تشریح

جناب عطاء بن رباح سے آیہ کریمہ فان تنازعتم فی شیءٍ فردوہ الی اللہ کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ آیت کریمہ "ردوہ" کا لفظ جو استعمال کیا گیا ہے اس میں رد سے کیا مطلب ہے تو جناب عطاء نے فرمایا کہ اگر کسی معاملہ میں شتباہ ہو جائے تو قرآن کریم اور سنت نبوی سے استفادہ کرو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سنت نبوی پر عمل اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا نام ہے۔

حجر اسود اور جناب فاروق اعظمؓ

ایک مرتبہ جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کعبۃ اللہ تشریف لے گئے جب آپ کی نظر حجر اسود پر پڑی تو آپ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا (اے حجر اسود) تو عام پتھروں کی طرح ہے جو نہ نفع پہنچا سکتا

ہے اور نہ نقصان۔ اگر میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی تجھ کو بوسہ نہ دیتا۔ یہ کلمات ادا کرنے کے بعد آپ نے حجر اسود کو بوسہ دیا۔

(یہ ہے سنت نبوی کا اتباع اور جذبہ اطاعت جس کا درس فاروق اعظم کے عمل سے ملتا ہے)۔

اتباع سنت اور فرزند فاروق اعظم کا عمل

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک سفر میں تھے ایک جگہ آپ نے اپنی اونٹنی کو گھمایا۔ (چکر دیا) جب شرکار سفر نے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا مجھے اس کے بارے میں معلوم نہیں، صرف اتنا یاد ہے کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مقام پر ایسا کرتے دیکھا تھا لہٰذا اتباع نبوی میں میں نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔

ابو عثمان حیری نے فرمایا ہے کہ جس نے سنت نبوی کو قول وعمل میں اپنے اوپر حاکم بنا لیا وہ علم وحکمت کی باتیں کرے گا لیکن جس نے ہوا وہوس کو اپنے اوپر مسلط کر لیا وہ دنیا داری کی باتیں کرے گا۔

مذہب کے تین اصول

(۱) اخلاق وافعال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع۔

(۲) اتباع نبوی میں کسب معاش اور رزق حلال کا حصول۔

(۳) تمام افعال واعمال میں خلوص نیت۔

عمل صالح کے معنیٰ

والعمل الصالح یرفعه (پ ۲۲، ع ۲) کے معنیٰ کے سلسلہ میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سے سنت کی پیروی مراد ہے۔

سنت نبوی پر عمل اور انعام الٰہی

امام احمد بن فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایک جماعت کے ساتھ تھا۔ اس دوران ہمارے کچھ لوگ غسل کے لئے کپڑے اتار کر پانی میں اتر گئے لیکن مجھے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث

یاد تھی جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ برہنہ غسل خانہ میں داخل نہ ہو بلکہ تہبند باندھے لہٰذا میں نے اس حدیث پر عمل کیا۔ رات کو جب میں سویا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک ہاتف غیبی مجھے ندا کر کے کہہ رہا ہے کہ اے احمد تمہیں بشارت ہو کہ رب کائنات نے سنت نبوی کے اوپر عمل کرنے کی وجہ سے تمہاری مغفرت فرما دی ہے اور تمہیں لوگوں کا مقتدا و پیشوا بھی بنا دیا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں میں نے اس ہاتف غیبی سے دریافت کیا کہ آپ اپنا تعارف تو کرا دیں تو اس ہاتف غیبی نے فرمایا میں جبریل ہوں۔

چوتھی فصل

سنت کی مخالفت عذاب آخرت کا سبب ہے

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی مخالفت اور آپ کی سنت میں تبدیلی گمراہی، ضلالت اور بدعت ہے جس پر اللہ رب العالمین نے سخت عذاب کی وعید فرمائی ہے۔

(۱) فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم۔ (پ ۱۸ ع ۱۳)

پس ڈریں وہ لوگ جو رسول خدا کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں (ایسا نہ ہو) کہ انہیں کوئی فتنہ (نقصان) پہنچے یا دردناک عذاب سے واسطہ پڑے۔

(۲) ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی و یتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی۔ (پ ۵ ع ۱۳)

حق کا راستہ ظاہر ہونے کے بعد جو لوگ رسول علیہ السلام کا اتباع نہیں کرتے اور خلاف کرتے ہیں، یہ لوگ مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے تو ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے۔

قرآن مجید کی آیات کے اب حدیثِ نبوی سنت کی مخالفت کے بارے میں اس طرح ہدایت فرمائی ہے۔

ترکِ سنت پر وعید

عبداللہ بن ابی جعفر سلسلہ بہ سلسلہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان تشریف لے گئے اور امت مسلمہ کی تعریف میں ایک حدیث بیان فرمائی کہ میری امت کے کچھ لوگ میرے حوض سے ہٹائے اور بھگائے جائیں گے۔ جس طرح اونٹوں کو ہنکا دیا جاتا ہے لیکن میں انہیں بلاؤں گا۔ اِدھر آؤ۔ اِدھر آؤ۔ اِدھر آؤ میرے ان لوگوں کو مسلسل بلانے پر مجھ سے کہا جائے گا کہ یہ لوگ تو وہ ہیں جنہوں نے دنیا میں آپ کی سنت کو ترک کر کے اپنا طریقہ تبدیل کر لیا تھا۔ یہ معلوم کر کے میں ان سے کہہ دوں گا دُور ہو جاؤ۔ دُور ہو جاؤ دُور ہو جاؤ۔

(ترکِ سُنت اور تبدیلی دینِ حنیف کی بابت معلوم ہونے کے بعد حضور علیہ السلام کا ان سے یہ فرمانا دور ہو جاؤ۔ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ آپ ان سے شدید نفرت کا اظہار فرمائیں گے۔ مترجم)

تارکِ سنت اسلامی معاشرہ سے خارج ہے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکارِ دو عالم نے فرمایا جس نے میری سنّت سے اعراض کیا اور روگردانی کی وہ مجھ سے نہیں ہے (یعنی وہ ہمارے معاشرہ سے علیحدہ ہے) حضور علیہ السلام نے مزید فرمایا جس نے ہمارے دین میں ایسی بات شامل کی جو اس میں نہ تھی تو وہ بات رد اور ناقابلِ قبول ہے۔

منکرین حدیث اور فرمانِ نبوی

ابن ابی رافع نے اپنے والد کے حوالہ سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک اسطرح

ے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک اتبعو سنتی وسنت خلفاء راشدین کی روشنی میں خلفاء راشدین کے افعال بھی سنت میں شمار ہوں گے اور ان پر عمل بھی سنت رسول پر عمل ہوگا۔ مترجم

نقل فرمایا ہے کہ میں تم میں ایسے مسند نشین شخص کو نہ پاؤں کہ جب اس کے پاس میرا حکم پہنچے جس کے کرنے کا یا تو میں نے حکم دیا ہو یا اس کے کرنے کی ممانعت کی تو وہ شخص یہ کہدے کہ اس کے بارے میں ہمیں علم نہیں اور نہ ہم نے کتاب اللہ میں دیکھا ہے لہٰذا اس حکم پر عمل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت مقدم نے اس حدیث کو ان الفاظ کے اضافہ کے ساتھ نقل کیا ہے خبردار ہو جاؤ حضور علیہ السلام کی جانب سے حرمت کا حکم ایسا ہی ہے جس طرح کہ اللہ رب العالمین کی جانب سے۔

امت کے لئے دستورالعمل

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں شانے کی ایک ہڈی پر لکھی تحریر پیش کی گئی جس کو دیکھ کر حضور علیہ السلام نے فرمایا قوم کی حماقت یا ضلالت (شک راوی) کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ اپنے نبی کی جانب سے لائی ہوئی چیز سے روگردانی و انحراف کر کے یا تو غیر نبی کی طرف رجوع کرے یا اپنی کتاب کو چھوڑ کر دوسروں کی کتابوں کی جانب متوجہ ہو۔ اسی سلسلہ میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اولم یکفھم انا انزلنا علیک	کیا یہ بات ان کے لئے کافی نہیں کہ
الکتاب یتلی علیھم۔	ہم نے ایسی کتاب آپ پر نازل کی جو
(پ۲۱ ع ۱)	ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے۔

سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسے لوگ جو گفتگو میں طعنہ زنی، مبالغہ یا شیخی کرتے ہیں وہ خود کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو کام سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کرتے رہے ہیں میں اس کام کو ہرگز ترک نہ کروں گا کیونکہ مجھے یہ خدشہ ہے کہ میں نے اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی قول و عمل کو ترک کیا تو میں یقیناً گمراہ ہو جاؤں گا۔

دوسرا باب

باعثِ ایجادِ عالم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی اصل ایمان ہے

ارشاد ربانی ہے۔

قل ان کان آباؤکم و ابناؤکم	آپ فرمادیں اگر تمہارے باپ اور
و اخوانکم و ازواجکم و	تمہارے بیٹے تمہارے بھائی اور تمہاری
عشیرتکم و اموال اقترفتموھا	عورتیں تمہارے کنبے اور تمہارے کمائے
(پ ۱۰ ع ۹)	ہوئے مال ۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کے لازم ہونے اس کی اہمیت کے اظہار کے لئے کافی و دافی ہے۔ نیز اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ اس محبت کی اصل مستحق ذات نبوی ہی ہے اور مزید برآں یہ کہ اس آیت کریمہ سے ترغیب و تنبیہ بھی ملتی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت سب پر فائق ہے

جن لوگوں نے اپنی اولاد اور اپنے مال کی محبت کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر فوقیت دی۔ ان کو رب کریم نے سرزنش اور تنبیہ بھی فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

فتربصوا حتی یاتی اللہ	تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ
بامرہ (پ ۱۰ ع ۹)	اپنا حکم دے۔

اس آیت کریمہ کے آخری الفاظ میں ایسے لوگوں کو فاسق اور گمراہ بتایا گیا ہے کہ یہ ان لوگوں

میں سے ہیں جنہیں بارگاہ الٰہی سے ہدایت نصیب نہیں ہوئی ہے ۔

ایمان کی حلاوت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص میں یہ تین باتیں ہونگی وہ ایمان کی حلاوت سے بہرہ اندوز ہوگا۔

(۱) اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ محبوب ہوں ۔

(۲) اگر کسی سے محبت ہو تو وہ اللہ کے لئے ہو ۔

(۳) کفر پر رجوع ہونے کو آگ میں ڈالے جانے کے عذاب سے زیادہ مبغوض رکھے ۔

ایمان کی کسوٹی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم علیہ السلام نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہ ہوگا جب تک کہ میں (ذات نبوی علیہ السلام) اس کو تمام اولاد۔ ماں باپ اور تمام دوسرے لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔ اس مضمون کی حدیث جناب ابوہریرہ سے بھی مروی ہے۔

فاروق اعظم سے سرکار دو عالم کا ارشاد

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان جو میری جان پوشیدہ ہے اس کے علاوہ آپ مجھے سب سے زیادہ پیارے ہیں۔ یہ سنکر حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تم میں کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کی اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوں۔ یہ ارشاد سُن کر حضرت فاروق اعظم نے کہا اگر ایسا ہے تو قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق وصداقت کے ساتھ کتاب ہدایت دے کر مبعوث فرمایا۔ آپ مجھے میری اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں یہ سنکر حضور علیہ السلام نے فرمایا اے عمر اب تمہارا ایمان مکمل ہوا ہے ۔

سہیل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں کہ جو شخص سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و حکومت ہر جگہ اور

ہر حالت میں تسلیم نہیں کرتا وہ سنت نبوی کی حلاوت کو نہیں محسوس کرسکتا کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ میری ذات کو جان و مال اولاد اور دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ رکھے۔

پہلی فصل

سرورِ عالم کی محبت اور اس کا ثواب

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ قیامت کب قائم ہوگی؟ حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا قیامت کی فکر ہے لیکن اس کے لئے تم نے تیاری کیا کی ہے؟ اس نے عرض کیا محبوب خدا میرے پاس اس کے لئے کوئی تیاری نہیں نہ تو میرے پاس نمازوں کا ذخیرہ ہے اور نہ روزوں کا نہ دوسرے اعمال خیر میں نے جمع کئے ہیں۔ غرضیکہ اس تہی دامنی کے باوجود ایک چیز میرے پاس ایسی ہے جس کو میں نہایت اہم خیال کرتا ہوں وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی ذات سے محبت رکھتا ہوں۔ اس کی یہ بات سنکر حضور علیہ السلام نے فرمایا تو ان کے ساتھ ہے جن کو تو محبوب رکھتا ہے۔

بیعت اور محبت نبوی

صفوان بن قدامہ فرماتے ہیں کہ ہجرت کے بعد میں نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دستِ اقدس عنایت فرمائیں تاکہ میں بیعت کروں اس وقت میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ حضور نے فرمایا المرء مع من احب انسان جس سے محبت کرتا ہے اسی کے ساتھ ہوتا ہے۔

یہی حدیث لفظاً حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابوموسیٰ اور انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

اور ابو ذر رضی اللہ عنہ سے جو روایت مروی ہے اس کے الفاظ بدلے ہوئے ہیں لیکن مفہوم یہی ہے۔

اہل بیت سے محبت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے حسنین کریمین کے ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا جو مجھ سے، میرے ان دونوں فرزندوں اور ان کے والدین سے محبت کرے گا وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہوگا اور جنت کے بھی اس درجہ میں رکھا جائے گا جہاں میں ہوں گا۔

عقیدت و محبت کا صلہ اور ہدایت کا نزول

ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ میں آپ کی ذات اقدس کو دنیا اور ما فیہا سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں۔ نہ مجھے مال سے محبت ہے اور نہ اپنے متعلقین سے جب بھی آپ کی یاد ستاتی ہے اور کچھ نہیں ہوتا تو آپکا چہرہ تاباں دیکھ کر قلب مضطر کو تسکین دے لیتا ہوں لیکن رہ رہ کر ایک خیال دل میں چٹکیاں لینے لگتا ہے کہ مرنے کے بعد یہ کس طرح ممکن ہو سکے گا کیونکہ آپ تو جنت کی اعلیٰ منازل میں ہوں گے اور نہیں معلوم کہاں ہوں گا اور میرے لیے یہ ممکن نہ ہوگا کہ وہاں آپ کے دیدار سے مشرف ہو سکوں ابھی وہ محب صادق یہ عرضداشت پیش کر رہا تھا کہ رحمت الٰہی جوش میں آئی اور محبین صادقین کی تسلی کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

ومن یطع اللہ والرسول فاولٰئک	اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے
مع الذین انعم اللہ علیھم من	احکام کی پابندی کرے گا تو وہ (اس
النبیین والصدیقین والشھدا	اطاعت کی وجہ سے) ان حضرات کے
والصالحین وحسن اولٰئک	ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے
رفیقا۔	یعنی انبیاء صدیقین، شہدا اور صالحین
(پ۵ ع ۶)	اور یہ لوگ کیسے اچھے ساتھی ہیں۔

محبت رسول اور فرمان نبوی

حدیث میں ہے کہ ایک شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور مجلس رسول علیہ السلام میں بیٹھ کر

ٹکٹکی باندھ کر حضور علیہ السلام کو دیکھتا رہا اور کسی جانب اس نے توجہ ہی نہ کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اس کو اس حال میں دیکھا تو اس سے دریافت فرمایا وہ محب صادق عرض گذار ہوا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کے چہرہ تاباں کی زیارت سے فیض حاصل کر رہا ہوں لیکن دل میں یہ خیال ہے کہ کل قیامت کے دن جب آپ ارفع و اعلیٰ مقام پر ہوں گے۔ اس وقت میرا کیا حال ہوگا ایک قول کے مطابق اس محب صادق کے اس کہنے پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت انس بن مالک سے ایک حدیث مروی ہے جس میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ان الفاظ میں منقول ہے کہ جو شخص مجھ سے محبت رکھے گا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

دوسری فصل

محبت رسول اور سلف صالحین کے اقوال

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث ان الفاظ میں منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری حیات ظاہری کے بعد بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جن کی یہ تمنا ہوگی کہ کاش تمام مال اور اولاد کو قربان کرنے کے بعد ہی چہرۂ تاباں مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جاتی۔ اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت ابوذر سے بھی روایت کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جس میں کہ یہ ذکر ہے کہ ذات نبوی جان سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ گذشتہ صفحات میں نقل کی گئی ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے صحابہ کے جذبہ محبت کا حال بھی گذشتہ صفحات میں لکھا گیا ہے۔

چند اور صحابہ کے جذبات عقیدت

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام سے بڑھ کر اور کوئی مجھے محبوب نہ تھا۔

سیدہ بنت خالد بن سعدان فرماتی ہیں کہ میرے والد کا معمول تھا کہ وہ جب بستر پر لیٹتے تو وہ ذوق

وشوق سے حضور علیہ السلام، صحابہ کرام، مہاجرین وانصار کے نام بہ نام اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کرتے اور کہتے کہ یہی حضرات میری اصل وفرع ہیں اور انہیں کی جانب میرا دل مائل ہوتا ہے اور ان سے میری عقیدت ومحبت وابستہ ہے۔ خداوندا! میری روح ان کی جانب جلد قبض فرمالے اسی ذوق وشوق اور محبت کے الفاظ کی تکرار میں انہیں نیند آجاتی تھی

حضرت ابوبکر کے جذبات اور ابوطالب کا اسلام

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم کے ساتھ بارگاہ رسالت میں عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ مجھے اپنے والد ماجد کے مشرف بہ اسلام ہونے کے مقابلہ میں یہ زیادہ محبوب تھا کہ ابوطالب اسلام لے آتے تاکہ آپ کو زیادہ مسرت ہوتی۔ (صحابہ کرام کو اپنی مسرت کے مقابلہ میں حضور علیہ السلام کی خوشنودی زیادہ عزیز تھی۔ اسی لئے جناب صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے والد کے اسلام پر اتنی خوشی نہ ہوئی جتنی کہ ابوطالب کے اسلام لانے سے ہوتی کیونکہ حضور ابوطالب کے اسلام سے زیادہ خوش ہوتے (مترجم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا کہ مجھے آپ کے اسلام لانے سے جتنی مسرت ہوئی ہے اتنی شاید اپنے والد (خطاب) کے اسلام لانے سے نہ ہوتی کیونکہ آپ کے اسلام لانے سے حضور علیہ السلام کو مسرت حاصل ہوئی ہے۔

ایک عورت کا جذبہ عقیدت

ایک انصاری خاتون کے والد، بھائی اور شوہر معرکہ احد میں شہید ہوئے جب اس کو ان کی شہادت کی خبر ملی تو اس نے سب سے پہلے یہ سوال کیا کہ مجھے حضور علیہ السلام کی خیریت بتاؤ تب اس کو یہ بتایا گیا کہ بحمدہ حضور علیہ السلام بخیریت ہیں لیکن اس جاں نثار کو تسلی نہ ہوئی اور اس نے کہا کہ پہلے مجھے حضور علیہ السلام کی زیارت کرادو تب مجھے سکون ہوگا۔ غرضیکہ جب اس نے اپنی آنکھوں سے حضور علیہ السلام کو دیکھ لیا تو عرض کرنے لگی کہ حضور علیہ السلام کی زیارت کے بعد اب ہر مصیبت مجھ پر آسان ہے۔

حضرت علی کے جذبات عقیدت

حضرت علی کرم اللہ وجہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو حضور علیہ السلام سے کتنی محبت و عقیدت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام مجھے اپنے جان مال ماں باپ آل اولاد سے زیادہ محبوب عزیز ہیں یا اس کو اس طرح سمجھ کہ پیاسے آدمی کو شدید پیاس میں جس طرح ٹھنڈا پانی محبوب ہوتا ہے مجھے حضور اس سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔

حضرت عمر کی شب گشتی کا مشاہدہ

حضرت فاروق اعظمؓ کے خادم جناب زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ ایک رات جناب فاروق اعظم رعایا کا حال معلوم کرنے کے لئے حسب معمول گشت کے لئے نکلے تو دیکھا کہ ایک عورت گھر میں بیٹھی اون کات رہی ہے اور اس دوران یہ شعر پڑھتی جا رہی ہے۔

علی محمد صلوٰۃ الابرار	صلی علیہ الطیبون الاخیار
حضور علیہ السلام پر نیکوں کی جانب سے درود ہو	آپکی ذات اقدس پر برگزیدہ لوگ درود بھیجتے ہیں
قد کنت قواماً بکا بالاسحار	یالیت شعری والمنایا اطوار
بیشک آپ قائم اللیل تھے اور صبح تک مصروف گریہ رہتے تھے	اے کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تمنائیں اور آرزوئیں مختلف قسم کی ہیں

هل تجمعنی وحبیبی الدار

کیا وہ (اللہ تعالیٰ) مجھے اور میرے حبیب کو ایک گھر (جنت) میں اکٹھا کر دیگا

اس محبت کرنے والی عورت کے جذبات عقیدت جن کا اظہار وہ ذات نبوی سے کر رہی تھی قلب فاروقی پر اثر انداز ہوئے آپ وہیں بیٹھ گئے اور روتے رہے۔ (مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ طویل واقعہ ہے جس کو بالاختصار ذکر کر دیا ہے۔ مترجم)

پاؤں سن ہو جانے کا عمل

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پیر سُن ہو گیا کسی نے ان سے کہا کہ اپنی محبوب ترین ہستی کو یاد کریں پیر ٹھیک ہو جائے گا چنانچہ انہوں نے فوراً یا محمداہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نعرہ لگایا اسی

وقت پیر ٹھیک ہو گیا۔

سیدنا بلال سکرات موت کے وقت

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے وقت آخر ان کی بیوی صاحبہ نے فرطِ غم میں واحزناہ پکارا جناب بلال نے جب یہ الفاظ سُنے تو فوراً فرمایا واطربا ہ غداً القیٰ الاحبۃ محمداً وحزبہ۔ (کتنی خوشی کی بات ہے کہ کل سرکار دو عالم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں سے شرف ملاقات حاصل کروں گا۔

آرام گاہ رسول علیہ السلام پر ایک عورت

ایک عورت نے جناب صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آرام گاہ رسول علیہ السلام کو کھول دیا جائے تاکہ مَیں زیارت کر سکوں۔ جناب عائشہ نے حجرہ مبارک کو کھول دیا وہ عورت حجرہ شریفہ میں داخل ہوئی اور رونے لگی یہاں تک کہ روتے روتے اس نے وہیں جان دیدی۔

زید بن دثنہ اور ابو سفیان کی بات چیت

فتح مکہ سے پہلے کفار مکہ جناب زید کو حدودِ حرم سے باہر بارادہ قتل لائے۔ اس وقت ابو سفیان نے جناب زید سے دریافت کیا کہ مَیں تجھ سے قسم کے ساتھ یہ معلوم کرتا ہوں کہ تو یہ چاہتا ہے کہ اس وقت تیری بجائے (خاکم بدہن) حضور نبی اکرم جناب) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی گردن ماری جائے اور تجھے آزاد کر دیا جائے تاکہ تو اپنے اہل وعیال میں جا کر عیش وآرام کرے ابو سفیان کی یہ خرافات سُن کر جناب زید نے فرمایا میری غیرت اور حمیت یہ گوارا نہیں کرتی کہ حضور علیہ السلام جہاں اس وقت رونق افروز ہیں وہاں بھی حضور کو کانٹا لگے اور مَیں بیٹھا رہوں۔ یہ جذبات عقیدت سُن کر ابو سفیان نے کہا کہ ہم نے ایسے جاں نثار کسی کے نہیں دیکھے جیسے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہیں۔ یہ حضور علیہ السلام کو اس قدر محبوب رکھتے ہیں کہ اس کا مقابلہ کسی سے نہیں کیا جا سکتا۔

بیعت سے پہلے خواتین سے حضور علیہ السلام کا عہد لینا

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام کی خدمت میں کوئی خاتون آتی تو آپ اس سے قسم کے ساتھ معلوم فرماتے کہ وہ قسم کے ساتھ یہ کہے کہ میں نہ تو خاوند کی عداوت میں اور نہ کسی طمع کی خاطر گھر سے نکلی ہوں بلکہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں آئی ہوں ۔

عبداللہ بن زبیر کی شہادت پر ابن عمر کے جذبات عقیدت

عبداللہ بن زبیر جب شہید ہوئے تو ابن عمر رضی اللہ عنہما ان کی نعش کے پاس تشریف لائے اور ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی اور فرمایا خدا کی قسم میری معلومات کے مطابق آپ بڑے روزہ دار شب بیدار اور اللہ و رسول سے محبت رکھنے والے تھے ۔

تیسری فصل

حضور علیہ السلام سے محبت کی پہچان

یہ تحقیق شدہ بات ہے کہ جو شخص جس سے محبت کرتا ہے تو وہ اس کو اور اس ذات کی موافقت اور ان کے اتباع کو اپنی ذات پر لازم کر لیتا ہے بصورتِ دیگر وہ اپنے دعویٰ محبت میں صادق نہیں ہوتا ۔ بلاتمثیل و تشبیہ جو حضور علیہ السلام سے محبت کا دعویٰ تو کرتا ہے لیکن اتباع نبوی نہیں کرتا وہ اپنے دعویٰ محبت میں سچا نہیں ہے ۔

معیارِ محبت کی شرائط

حضور علیہ السلام کی محبت کی علامتیں یہ ہیں ۔ (۱) حضور علیہ السلام کی پیروی کی جائے اور سنت نبوی پر عمل کیا جائے ۔ تمام اقوال و افعال میں حضور علیہ السلام کا اتباع کرے اور آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرے جن افعال پر عمل کرنے کی حضور نے ممانعت فرمائی ان سے پرہیز کرے ۔ عیش و آرام مسرت و پریشانی میں ہی نہیں بلکہ ہر حال میں حضور علیہ السلام کے طرز عمل سے نصیحت و موعظت حاصل کرے ۔

اور اس سلسلہ میں یہ آیت کریمہ دلیل و برہان پیش کرتی ہے ۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ۔ (پ ۳ ع ۱۱)	اے محبوب آپ ان سے فرمادیں کہ اگر محبت الٰہی کا دعویٰ کرتے ہو تو میرے فرمانبردار ہوجاؤ، تمکو اللہ تعالیٰ دوست رکھے گا

۲) محبت کی دوسری پہچان جس کو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مشروع فرمایا ہے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دلائی اور تنبیہ بھی فرمائی ہے کہ اپنی خواہشات نفسانی کے مقابلہ میں احکام شریعت پر عمل کرے اور ان کو ترجیح دے - اللہ تعالیٰ نے فرمایا -

والذین تبوء الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا ویوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ - (پ ۲۸ ع ۴)	اور جنھوں نے اس شہر میں گھر بنایا اور ایمان لائے ان سے محبت کرتے ہیں جو ترک وطن کر کے آئے اور اپنے دلوں میں کوئی مقصد نہیں رکھتے اور اپنی ضرورت کے باوجود ایثار کرتے ہیں ۔

محبت حدیث کی روشنی میں

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا، "اے فرزند اگر تمہیں یہ صلاحیت ہے کہ تمہاری صبح و شام کسی جانب بغض و کدورت سے پاک ہو تو اس پر عمل کرو۔ راوی فرماتے ہیں کہ حضور نے مجھ سے مزید فرمایا جس نے میری سنت کو زندہ رکھا اس نے مجھ سے محبت کی اور مجھ سے محبت رکھنے والا میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔"

لہٰذا جو شخص اس صفت کا حامل ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ دعویٰ محبت میں صادق ہے لیکن اگر کوئی شخص بعض باتوں پر عمل نہیں کرتا اس کی محبت ناقص ہے اور عمل میں جتنی کمی ہوگی اتنا ہی محبت میں بھی نقص ہوگا لیکن اس کا نام محبین کی فہرست سے خارج نہ ہوگا۔ اور اس کی دلیل اس واقعہ

سے ملتی ہے کہ ایک شخص جس پر شراب پینے کے سلسلہ میں حد جاری ہوئی تھی اس پر لوگوں نے لعنت کی تو حضور علیہ السلام نے لعنت کرنے کی ممانعت فرمائی اور یہ فرمایا کہ اس پر لعنت نہ کرو، اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے ۔

(۳) محبت کی ایک اور علامت یہ ہے کہ وہ کثرت کے ساتھ حضور علیہ السلام کا ذکر کرتا ہو کیونکہ محب اپنے محبوب کا ذکر بہت زیادہ کرتا ہے[1] ۔

(۴) علامات محبت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیدار اور آپ کی لقاء کا شیدائی ہو کیونکہ ہر محب کی یہ تمنا اور آرزو ہوتی ہے کہ وہ اپنے محبوب کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرے ۔ اشعریس کی ایک حدیث اس طرح مروی ہے کہ حضور علیہ السلام کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے لوگ یہ ترانہ گا رہے تھے ۔ (غداً نلقیٰ الاحبہ : محمد وصحبہ) کل ہم اپنے پیاروں سے ملیں گے یعنی سرکار دو عالم اور ان کے جاں نثاروں سے محبت کے سلسلہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے جذبات عقیدت کا ذکر گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے ۔ اسی طرح حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے جذبات کا ذکر خالد بن معدان کے واقعہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ۔

(۵) محبت کی ایک اور پہچان اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جب کثرت سے آپ کا ذکر کیا جائے تو اس وقت آپ کی غایت تعظیم و توقیر کی جائے اور نام نامی سُن کر انتہائی انکساری اور فروتنی کا اظہار کیا جائے ۔

ابن اسحاق تجیبی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری کے بعد آپ کا ذکر نہایت عقیدت و محبت اور عاجزی و انکساری کے ساتھ کرتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے وقت ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے اور خشیت

---

[1] من أحب شیئاً اکثر ذکرہ جو شخص کسی کو محبوب رکھتا ہے تو کثرت کے ساتھ اس کا ذکر کرکے اپنے دل کو تسکین پہنچاتا ہے ایک شاعر نے محبوب کے ذکر کو مشک سے تشبیہ دی اور کہا کہ مشک جتنی مرتبہ مجلس میں لایا جاتا ہے مجلس کو مہکا دیتا ہے اس لئے محبوب کا ذکر کثرت کے ساتھ کرو ۔ مترجم ۔

طاری ہو جاتی تھی یہی کیفیت بعض تابعین پر بھی ہوتی تھی اور اس کی وجہ کچھ حضرات تو محبت و شوق کی بنا پر اس کیفیت سے دوچار ہوتے اور بعض ہیبت و دبدبہ سے متاثر ہوتے تھے۔

۶۔ محبت کی علامتوں میں ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس چیز یا شخصیت کو محبوب رکھے جس سے حضور علیہ السلام نے محبت فرمائی ہو یا اس کو پسند فرمایا ہو خواہ وہ نسب و حسب سے ہو یا سلب سے مثلاً اہل بیت اطہار صحابہ کرام (مہاجرین و انصار) اور اس شخص کو مبغوض رکھے جس کو سرکار دو عالم علیہ السلام نے ناپسند فرمایا ہو یا اس کے سلسلہ میں کلمہ خیر نہ فرمایا ہو کیونکہ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ محبوب کا محبوب محبوب ہو جاتا ہے اور محبوب کا مبغوض مبغوض۔ نبی علیہ السلام نے حسنین کریمین کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا تھا اے اللہ میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی ان دونوں کو محبوب رکھ۔

ایک روایت میں امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ میں ان کو (امام حسن) محبوب رکھتا ہوں اور ان سے محبت رکھنے والے کو بھی محبوب رکھتا ہوں۔ ایک روایت کے الفاظ اس طرح ملتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا میں ان دونوں (حسنین کریمین) کو محبوب رکھتا ہوں جس نے انہیں محبوب رکھا اس نے مجھ سے اظہار محبت کیا اور جو مجھ سے اظہار محبت کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ بھی محبوب رکھتا ہے۔ اور جس نے ان دونوں سے بغض و عداوت کا اظہار کیا اس نے مجھے مبغوض رکھا اور جس نے میری ذات سے بغض کا اظہار کیا اس نے نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کو مبغوض رکھا۔

صحابہ کرام سے محبت کا حکم

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے افتتاح کلام اللہ، اللہ فی اصحابی سے فرما کر فرمایا میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ میرے بعد ان کو ہدفِ ملامت نہ بنا لینا صحابہ کرام سے محبت میری وجہ سے ہے اور ان سے بغض بھی میری وجہ سے ہوگا۔ لہٰذا جس نے ان سے (صحابہ کرام) کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس نے (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اور وہ اس پر مواخذہ فرمائیگا۔

جناب فاطمہ جگر گوشہ رسول ہیں۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑہ ہیں جو بات ان کے غصہ کا سبب

بنتی ہے وہی میری ناراضگی کا سبب ہوتا ہے۔

اسامہ بن زید کو محبوب رکھا جائے

سیدہ طاہرہ جناب عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو حکم دیا کہ میں اسامہ بن زید کو محبوب رکھوں کیونکہ میں (ذاتِ نبوی علیہ السلام) بھی ان کو محبوب رکھتا ہوں۔

انصار کی محبت علامت ایمان ہے

انصار کی محبت ایمان کی نشانی ہے اور انصار سے بغض نفاق کی علامت ہے

عربوں سے محبت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دوعالم علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس نے عربوں کو محبوب رکھا وہ صرف میری وجہ سے ہے لیکن جس نے ان سے عداوت میری دشمنی کی بنا پر رکھی اور حقیقت یہ ہے کہ جو شخص کسی کو محبوب رکھتا ہے تو محب ہر اس شخص یا چیز کو محبوب رکھے گا جس کو محبوب پسند کرتا ہے اور یہ طرزِ عمل اسلاف کرام کا بھی رہا ہے۔ یہ حضرات مقدس مباحات اور من پسند باتوں اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں سنت نبوی کا اتباع کیا کرتے تھے۔

لوکی، حضور علیہ السلام کی پسندیدہ ترکاری

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے کدو اس لئے محبوب ہے کہ میں نے ایک مرتبہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قاب میں کدو کے قتلے تلاش کرتے دیکھا تھا۔ اس دن سے اس غذا کو میں نے اپنے معمولات میں شامل کر لیا ہے۔

رسول اللہ کے پسندیدہ کھانے کی فرمائش

حضرت امام حسن۔ ابن عباس اور ابن جعفر رضی اللہ عنہم حضرت ام سلمیٰ کے گھر آئے اور ان سے فرمائش کی کہ ہمیں وہ کھانا کھلادیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ ہو۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کا زرد لباس

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ بسنتی رنگ کی جوتی اور زرد رنگ کا لباس پہنتے کیونکہ یہ

دونوں رنگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغوب تھے۔

۷۔ علامات محبت میں یہ چیزیں بھی شمار کی گئی ہیں کہ اس سے دشمنی و عداوت رکھے جو اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہو۔ سنت نبوی کی مخالفت کرنے والے سے کنارہ کشی اختیار کرے اور اس شخص کی صحبت سے بھی احتراز کرے جو دین میں ایسی باتیں ایجاد کرے جو فتنہ و فساد کا سبب بنیں۔ خلاف شریعت باتوں کو گوارا نہ کرے۔ قرآن کریم میں ہے۔

لا تجد قوماً یومنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ و رسولہٗ	تم ایسی قوم کو نہ پاؤ گے جو اللہ اور اس کے رسول اور روز قیامت پر ایمان لائے ہوں لیکن دوستی رکھیں ایسوں سے جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہوں۔
(پ ۲۸ ع ۳)	

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے محبت الٰہی اور حب رسول صلی علیہ وسلم کا وہ عملی مظاہرہ کیا۔ جس کی مثال نہیں ملتی۔ ان مقدس حضرات نے اپنے دوستوں کو قتل کیا اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اپنے والدین اور اولاد سے جھگڑا کر لیا اور بعض نے والدین اور اولاد کے قتل سے بھی دریغ نہ کیا۔

بن ابی کا جذبہ

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے صاحبزادہ جناب عبداللہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا اگر آپ فرمائیں تو میں اپنے باپ کا سر لا کر آپ کے قدموں میں ڈال دوں۔

۸۔ انہیں علامات محبت میں ایک شق کتاب اللہ سے محبت کی ہے کیونکہ اسی کتاب ہدایت سے حضور علیہ السلام نے درس ہدایت دیا اور حضور علیہ السلام کی ذات گرامی تعلیم قرآنی کا عملی نمونہ تھی۔

حضرت عائشہ کا مشاہدہ

سیدتنا صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ خلق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی عملی تفسیر تھے

قرآن سے محبت کا مفہوم

جناب مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم سے محبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی

(قرآن) کی روز تلاوت کی جائے اس کو سمجھ کر اس کے احکام پر عمل کیا جائے اور منہیات سے اجتناب کیا جائے۔ اس کی سنت (طریقہ) کو پسند کرے اور اس کے حدود سے تجاوز نہ کرے۔

اللہ سے محبت کا مفہوم

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ حُبِ الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم سے محبت رکھے اور قرآن کریم سے محبت یہ ہے کہ صاحبِ قرآن نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرے اور حضور سے محبت کا مفہوم یہ ہے کہ سنت نبوی کا اتباع کرے اور سنت نبوی کے اتباع کی پہچان یہ ہے کہ اس کو آخرت یاد ہو اور اس کو محبوب رکھتا ہو اور آخرت کی محبت کی کسوٹی یہ ہے کہ وہ دنیا کو مبغوض رکھے اور اس کو پسند نہ کرے اور اس کی پہچان یہ ہے کہ قوت لایموت اور توشۂ آخرت کے علاوہ اور کچھ حاصل نہ کرے۔

قرآن مجید اور ابن مسعود کی نصیحت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص قرآن کے علاوہ اور کسی بارے میں دوسرے سے سوال نہ کرے جو قرآن کو دوست رکھتا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کو بھی دوست رکھے گا۔

۹۔ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک کسوٹی یہ ہے کہ امت مسلمہ کے ساتھ شفقت و رحمت کے ساتھ پیش آئے ان کو کلمات خیر سے یاد کرے ان کی خیر خواہی کرے اور ان کو نفع پہنچانے کی کوشش کرے اور یہ کوشش کرے کہ ان سے نفرت پیدا نہ ہو اور امت مسلمہ پر شفقت و محبت سنت نبوی کے اتباع میں کیونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی امت مسلمہ پر نہایت شفیق اور مہربان تھے۔

۱۰۔ حضور علیہ السلام کی محبت کی ایک منفرد علامت یہ ہے کہ محبت کا دعوے دار زاہد صفت ہو اور فقر و فاقہ کا خوگر اور اس سے متصف ہو

فقر کے بارے میں محسن انسانیت کا فرمان گرامی

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جو شخص مجھ سے

محبت رکھے اس کی جانب فقر اس تیزی کے ساتھ آئے گا جس طرح پہاڑ کے درے سے پانی بہتا ہوا آتا ہے ۔

محبت کے دعوے دار کو سرور عالم کی نصیحت

عبداللہ بن مغفل فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں آپ کو بہت محبوب رکھتا ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا سوچ کیا کہہ رہا ہے اس نے دوبارہ اور سہ بارہ یہی عرض کیا تو آپ نے فرمایا اگر تو مجھ سے محبت رکھتا ہے تو فقر کے لئے تیاری کر لے۔ اس کے بعد وہی کلمات ارشاد فرمائے جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اوپر مذکور ہوئے ۔

چوتھی فصل

حقیقت محبت اور اس کے معنیٰ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے معنی اور اس کی حقیقت کے بارے میں اہل علم حضرات نے مختلف انداز اختیار فرمائے ہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت سے کیا مراد ہے؟ ۔ ان حضرات کے اقوال کے معانی اور روح تو ایک ہی ہیں لیکن ہر شخص نے اپنے انداز فکر کے مطابق مختلف الفاظ میں اپنا مفہوم بیان کیا ہے ۔ چنانچہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اتباع رسول کا نام محبت ہے اور اپنے دعویٰ کے سلسلہ میں ان کی نظر آیت کریمہ قل ان کنتم تحبّون اللہ فاتبعونی پر گئی ہے ۔

محبت کی ایک اور تفسیر

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ حُب رسول اس اعتقاد کو کہتے ہیں کہ اجراء سنت میں آپ کی معاونت اور مدد کو لازم جانے اور سنت کی پیروی کر کے مخالفین سنت کی مخالفت ہی نہیں بلکہ انکی بیخ کنی کرے اور مخالفت سنت سے خوفزدہ رہے ۔

چند اہل محبت نے فرمایا کہ محبوب کے ذکر کے دوام کا نام محبت ہے بعض نے فرمایا کہ محبوب پر جاں نثاری کو محبت کہتے ہیں۔ بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ محبوب کے شوق کا دوسرا نام محبت ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ دل رب کی مرضی پر چھوڑ دے جو اس کو پسند ہو اس کو یہ بھی پسند کرے جو بات محبوب کو ناپسند ہو اس کو یہ بھی ناپسند کرے۔ بعض حضرات نے کہا کہ موافقت کی جہت پر دل کے میلان کا نام محبت ہے۔

حقیقتِ محبت

مذکورہ بالا عبارتیں ثمراتِ محبت کو ظاہر کرتی ہیں۔ ان سے محبت کی حقیقت واضح نہیں ہوتی۔ حقیقت محبت دراصل یہ ہے کہ دل اس طرف مائل ہو جو فطرت انسانی کے مطابق و موافق ہو یہ مطابقت و موافقت دو حال سے خالی نہیں یا تو اس لئے ہے کہ دل اس کے ادراک سے لذت حاصل کرتا ہے جیسے حسین صورت کو دیکھنا حسن صورت یا مزیدار کھانوں سے رغبت رکھنا کیونکہ ہر طبع سلیم ان کی جانب فطرت انسانی کی وجہ سے مائل ہوتی ہے۔

(۲) یا اس وجہ سے کہ یہ موافقت اس لئے ہے کہ وہ حاسہ عقل و قلب سے ایسے معانی و مطالب کا ادراک کرتا ہے۔ جیسے صالحین علماء عارفین کی محبت اور ان کے فرمودات و ارشادات سے محبت والفت اور ان پر عمل کا جذبہ رکھنا کیونکہ ان حضرات سے محبت والفت کے سبب فطرت انسانی ان چیزوں کی جانب خود بخود مائل ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک طبقہ سے محبت کی وجہ سے دوسرے طبقہ سے نفرت اور تعصب تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور ایک طبقہ کی حمایت اس حد کو پہنچ جاتی ہے کہ اس کی محبت میں ترک وطن بڑے بڑوں کی توہین اور اتلاف جان سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

انسان کا کسی کو محبوب رکھنا اس بناء پر بھی ہوتا ہے کہ اس نے (محبوب) محب پر احسان کیا ہوتا ہے جس کی وجہ سے میلان طبع اس محسن کی جانب ہو جاتا ہے کیونکہ یہ عین فطرت انسانی کے مطابق ہے کہ انسان حسن سلوک سے دوسروں کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔

مذکورہ بالا اسباب و علل کی روشنی میں ذات نبوی علیہ التحیۃ والثناء کے طرز عمل کا جائزہ لو

تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی ان تمام صفات وکیفیات کی جامع ہے جو محبت کے موجب اور سبب ہیں چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمالات ظاہری حسن و جمال۔ کمال اخلاق کے علاوہ باطنی خصوصیات کے بارے میں حصہ اول میں سیر حاصل تبصرہ کیا جا چکا ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ علاوہ ازیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امت مسلمہ پر احسان و اکرام کے بارے میں بھی حصہ اول میں ذکر کیا گیا ہے اور وہ ان کو ان اوصافِ حمیدہ کے ذیل میں جن کے ساتھ آپ کی تعریف وتوصیف فرمائی گئی ہے بیان کیا ہے۔ امت مسلمہ پر آپ کی شفقت و رحمت کا ذکر فرمایا ہے۔ ان کی ہدایت و رہنمائی کے سلسلہ میں جو مساعی فرمائی ہیں انہیں عذاب دوزخ سے محفوظ فرمانے کے لئے جو تدابیر اختیار فرمائیں حضور علیہ السلام کا مومنین کے حق میں رؤف و رحیم ہونا۔ ساری کائنات کے لئے رحمت بن کر تشریف لانا۔ حضور علیہ السلام کا بشیر و نذیر ہونا۔ حضور علیہ السلام کی دعوت الی اللہ۔ حضور علیہ السلام کا کتاب وحکمت کی تعلیم دینا اور ان کا تزکیہ نفس فرمانا اور انہیں راہِ حق کی تلقین کرنا یہ وہ صفات ہیں جو حصہ اوّل میں زیر نظر آئے ہوں گے۔

اب کونسا احسان قدر و منزلت میں حضور علیہ السلام کے احسان سے بڑھ کر ہو گا جو حضور نے مسلمانوں پر فرمائے ہیں اور تمام مسلمانوں پر جو کرم گستری حضور علیہ السلام نے فرمائی ہے اس سے بڑھ کر کون سی کرم گستری ہو گی جو ملت مسلمہ کیلئے آپ کے کرم سے زیادہ ہو گی اور کونسا ایسا فائدہ ہے جو آپ کے پہنچائے ہوئے فائدہ سے زیادہ سود مند ہو سکتا ہے اور اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ آپ ہی کی وہ ذات ہے جو ملت کی ہدایت کا ذریعہ بنی۔ آپ ہی نے گرتوں کو سنبھالا۔ آپ ہی انسان کو انسانیت کا درس دے کر جہالت وضلالت کی تاریک وادیوں سے بچا کر فلاح، کرامت اور نجات کی راہ دکھائی۔ ربِ کریم تک وسیلہ بنے منصب شفاعت پر فائز ہوئے اور امت مسلمہ کی شفاعت کا مژدہ ملا۔ رب تعالیٰ سے ہم کلامی کے منصب پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ وجود باری کے شاہد وگواہ بنے۔ حضور علیہ السلام کو بقاء دائمی اور نعیم سرمدی عطا ہوئی اور حضور کے صدقہ اور طفیل میں امت مسلمہ کو بھی اعزاز نصیب ہوا۔

ان حقیقتوں سے یہ بات واضح ہو گی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی وہ ذات اقدس ہے جو شرعاً محبت کی حقیقی حقدار ہے جس کو ہم نے احادیث سے ثابت کیا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام عادتاً اور

طبیعتاً بھی محبت کے لائق ہیں جس کا تذکرہ ہم نے اوپر کی سطور میں کیا ہے کیونکہ ان کے احسانات سب پر فائق ہیں اور آپ کا حسن سلوک سب کو شامل تھا۔

دنیا کا عام اصول یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر کوئی ایک یا دو مرتبہ احسان کرتا ہے تو وہ اس کا بندہ بیدام ہو جاتا ہے یا کسی کو کوئی ہلاکت یا نقصان سے محفوظ کرتا ہے تو وہ اس کا ممنون احسان ہوتا ہے حالانکہ یہ ہلاکت و نقصان عارضی ہوتے ہیں لیکن وہ ذات کریم جن کے احسان دوامی ہیں اسی طرح آپ نے جس ہلاکت سے ہلاکت سے ملت کو محفوظ فرمایا وہ عذاب دوزخ اور اس کی ہلاکت سے متعلق ہے جس کا طویل زمانہ ہمیشہ کے لئے ہے لہٰذا وہی ذات محبت و الفت کے قابل ہے جو ان تمام مصائب و آلام سے نجات دلاکر ابدی سکون و اطمینان دلائے اور وہ ذات محسن انسانیت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ ہم اپنی دنیاوی زندگی میں روز اس کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ انسان اس حاکم سے جو خوش اخلاق محسن اور جذبہ خدمت رکھتا ہو رجوع ہوتا ہے۔ اس کا رطب اللسان رہتا ہے۔ اسی طرح وہ منصف قاضی یا جج جو اپنے علم و فضل کے ساتھ درست فیصلہ بھی کرتا ہو باوجودیکہ وہ مسافت پر ہو اسکی ہر شخص تعریف و توصیف کرتا ہے اور اس کے کارناموں کی داد دیتا ہے۔

تو وہ سید المرسلین جو تمام اوصاف کے حامل ہیں جنہیں تمام خصائل جمیلہ بدرجۂ اتم موجود ہیں وہ کیونکر محبت کے لائق نہ ہوں گے۔

اوصاف جمیلہ کے بارے میں حضرت علی کے جذبات

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص حضور علیہ السلام کو دیکھتا تو پہلے تو وہ حضور علیہ السلام کی شخصیت سے مرعوب ہو کر مبہوت ہو جاتا لیکن جب آپ سے مانوس ہو جاتا تو وہ ایسا فدائی ہوتا جس کی نظیر مشکل سے ملتی۔ بعض صحابہ کے جذبات کا تذکرہ ہم نے ماسبق میں کیا ہے ان کا طرز عمل یہ تھا کہ وہ فرط محبت میں چہرۂ تاباں مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے نظر ہٹانا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔

پانچویں فصل

حضور علیہ السلام کی نصیحتوں پر عمل کرنا واجب ہے

جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت والفت لازم ہے اسی طرح فرمودات نبوی اور حضور علیہ السلام کی نصائح پر بھی عمل کرنا واجب اور ضروری ہے ارشاد ربانی ہے۔

ولا علی الذین لا یجدون ما ینفقون حرج اذا نصحوا للہ و رسولہ ما علی المحسنین من سبیل واللہ غفور رحیم۔ (پ ۱۰ ع ۱۸)

اور ان کے ساتھ کوئی مضائقہ نہیں اگر وہ راہ خدا میں خرچ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے البتہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے خیر خواہ ہیں اور نیکی کرنے والوں سے کوئی مواخذہ نہیں بیشک اللہ رحم فرمانیوالا اور مہربان ہے۔

مفسرین کرام نے لکھا ہے اذا نصحوا للہ کے معنی یہ ہیں کہ ایسے نادار لوگ جو ظاہر و باطن میں پورے اخلاص کے ساتھ احکام اسلامی پر عامل ہوں (اگر وہ غربت کے سبب انفاق فی سبیل اللہ پر عمل نہ کر سکیں تو ان پر کوئی مواخذہ شرعی نہیں ہوگا۔ (مترجم)

دین خیر خواہی کا دوسرا نام ہے

تمیم داری فرماتے ہیں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین خیر خواہی ہے یہ جملہ حضور علیہ السلام نے تین مرتبہ فرمایا۔ حاضرین صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کس کے لئے حضور نے فرمایا اللہ اس کے رسول ائمہ مسلمین اور تمام دوسروں کے لئے بھی۔

ائمہ ملت مسلمہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے رسول مکرم ائمہ مسلمین اور عام مسلمانوں کے لئے نصیحت واجب ہے۔

نصیحت کیا ہے؟ امام ابو سلیمان بستی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نصیحت ایک جامع کلمہ ہے

جس سے وہ تمام امورِ خیر مراد ہوتے ہیں جن سے منصوح لہٗ (جس کو نصیحت کی جاتی ہے) کی بھلائی کا ارادہ کیا جائے۔ اور نصیحت کی تعبیر ایک کلمہ سے جو تمام مالہ اور ما علیہ کا احاطہ کر سکے ممکن نہیں ہے۔

نصیحت کے لغوی معنیٰ

لغت میں نصیحت کے معنیٰ اخلاص کے ہیں۔ اہل عرب کا مقولہ ہے نصحت العسل اذا خلصتہ من شمعہ یعنی موم سے شہد کو علیحدہ کر دیا اور شہد و موم کو صاف کر دیا۔

ابو بکر بن ابی اسحاق خفاف فرماتے ہیں کہ نصح وہ فعل ہے جس سے صلاح اور ملائمت متعلق ہو۔ اور یہ نصاح سے ماخوذ ہے۔ نصاح اس دھاگے کو کہتے ہیں جس سے کپڑے سیئے جاتے ہیں۔ اور اسی سے ملتے جلتے معنیٰ زجاج نے بیان کئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی خیر خواہی سے کیا مراد ہوتا ہے

رب العالمین کی خیر خواہی یہ ہے کہ اس کے ساتھ حسنِ اعتقاد رکھے اس کو واحد و یکتا جانے۔ اس کی ذات کے شایانِ شان تعریف و توصیف کرے اور اس کو ان تمام باتوں سے منزہ جانے جو اس کے شایانِ شان نہیں ہیں۔ محبوبانِ خدا سے محبت رکھے اور ان افعال سے احتراز کرے جو غضبِ الٰہی کا سبب ہو سکتے ہوں۔ عباداتِ الٰہی میں اخلاص کا جذبہ شامل ہو اسی کا نام خیر خواہی اور نصیحت ہے۔

قرآن کریم اور خیر خواہی

قرآن کریم کی خیر خواہی سے مراد یہ ہے کہ اس کے کلامِ خداوندی ہونے پر ایمان لائے اور اس میں جو احکام ہیں ان پر عمل کرے۔ ترتیل کے ساتھ اس کی تلاوت کرے۔ آدابِ تلاوت کو ملحوظِ خاطر رکھے اور دورانِ تلاوت خشوع و خضوع اختیار کرے۔ اس کے معانی و مطالب کو سمجھنے کی کوشش کرے اور سرکش غالی منکرین و ملحدین نے جو اعتراضات قرآن کریم پر کئے ہیں ان کو دور کرنے کی کوشش کرے۔

رسول کریم علیہ السلام سے خیر خواہی

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر خواہی کا مطلب یہ ہے آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کے علاوہ آپ کے احکام پر عمل کرے اور جن باتوں سے آپ نے منع فرمایا ہے ان سے احتراز کرے۔

ابوبکر وسلیمان رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہی سے مراد یہ ہے آپ کی حیات ظاہری اور اس کے بعد بھی ہمیشہ آپ کی نصرت وحمایت کرے یا اس کو اس طرح کہیں کہ اپنی زندگی ہی میں نہیں بلکہ مرتے وقت تک حضور علیہ السلام کی نصرت وحمایت کا دم بھرتا رہے، احیائے سنت میں کوشاں رہے خود بھی عامل ہو اور دوسروں کو بھی عمل کی ترغیب دے۔ اپنے اخلاق وآداب کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت واخلاق کے سانچے میں ڈھالے۔

ابو ابراہیم اسحاق تجیبی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی خیر خواہی اور نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ حضور لے کر آئے ہیں اس کی تصدیق کی جائے۔ سنت نبوی پر سختی سے خود بھی عمل کرے اور دوسروں کو بھی ان پر عمل کی ترغیب دلائے۔ کتاب اللہ اور عمل رسول علیہ السلام کی جانب لوگوں کی توجہ دلائے اور احکام نبوی پر عمل کرنے کی لوگوں کو تبلیغ کرے۔

احمد بن محمد نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہی دل کے فرائض میں داخل ہے لیکن ابوبکر آجری نے کہا ہے کہ حضور علیہ السلام کی خیر خواہی دو امور کی متقاضی ہے، ایک حضور علیہ السلام کی حیات ظاہری میں اور دوسرا حضور علیہ السلام کی حیات ظاہری کے بعد۔

(۱) آپ کی حیات ظاہری میں صحابہ کرام کا وطیرہ یہ رہا کہ وہ ہر طرح آپ کی امداد واعانت کرتے۔ آپ کی پیروی اور فرمانبرداری کرتے۔ آپ کے دشمن سے دشمنی رکھتے اور آپ کے قدموں میں زر ومال نچھاور کرتے تھے ارشاد خداوندی ہے۔

(۱) رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ۔	کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنے اس عہد کو جو انہوں نے اللہ کے ساتھ کیا سچ کر دکھایا۔
(پ ۲۱ ع ۱۹)	
(۲) وینصرون اللہ ورسولہ۔	اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں
(پ ۲۸، ع ۴)	

حضور علیہ السلام کی خیر خواہی حیات ظاہری کے بعد یہ ہے کہ آپ کی تعظیم وتوقیر کریں اور آپ کو

غایت درجہ محبوب رکھیں اور سنت نبوی سیکھنے اور سکھانے میں جدوجہد کریں اور ان پر مواظبت کریں اور خود میں فہم شریعت محمدی پیدا کریں۔ اصحاب کبار اور اہل بیت کو قلب کی گہرائیوں سے چاہیں اس شخص کو محبوب رکھیں جو حضور سے محبت کرتا ہو اور اس کو برا جانیں جو بارگاہ رسالت کا گستاخ اور حضور علیہ السلام سے دشمنی رکھتا ہو۔

امت مسلمہ پر شفقت کریں۔ اخلاق۔ آداب اور سیرت نبوی کا چرچا کریں اور ان افعال پر قناعت کریں۔ آجری کی تحقیق کے مطابق نصیحت محبت کا پھل اس کا نتیجہ اور اس کی علامت ہے جس کا تذکرہ ہم نے اوپر کیا ہے۔

خدمت کا جذبہ اور مغفرت

امام ابوالقاسم قشیری نے ایک حکایت بیان کی ہے کہ کسی نے عمرو بن لیث بادشاہ خراسان جو صفار کے لقب سے مشہور تھا۔ خواب میں دیکھا تو اس سے معلوم کیا کہ تیرے ساتھ رب کریم نے کیا معاملہ کیا ہے اس نے جواب دیا کہ رب کریم نے میری مغفرت فرمادی جب اس سے سبب مغفرت معلوم کیا گیا تو اس نے کہا کہ ایک مرتبہ میں نے پہاڑ کی چوٹی سے اپنے لشکر کی کثرت کو دیکھ کر اظہار مسرت کرتے ہوئے تمنا کی تھی کہ اگر میں خدمت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہوتا تو میں اس لشکر سے آپ کی مدد و اعانت کرتا۔ اور میری یہ ادا اللہ کو محبوب ہوئی اور اس نے میری مغفرت فرمادی۔

ائمہ مسلمین سے خیر خواہی

ائمہ مسلمین سے خیر خواہی کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی مدد کی جائے عمدہ اور پاکیزہ طریقہ پر ان کی غفلت پر متوجہ کیا جائے۔ مسلمانوں کے جو امور انکی نظروں سے اوجھل رہیں ان کو ان پر ظاہر کیا جائے۔ لوگوں کو ان کی مخالفت سے باز رکھا جائے۔

عامۃ المسلمین کی خیر خواہی

عامۃ المسلمین کی خیر خواہی یہ ہے کہ ان کو ایسے کاموں کی جانب متوجہ کیا جائے جو ان کے معاش و معاد میں ممد و معاون ہوں اور دینی و دنیوی فلاح کا سبب ہوں۔ غافلوں کو دین کی جانب متوجہ

کیا جائے۔ نادانوں اور بیوقوفوں کی اصلاح کی جائے۔ محتاجوں کی امداد و اعانت کی جائے۔ ان کی تکالیف و مشکلات کو دور کیا جائے۔ ان کی غلطیوں پر پردہ پوشی کی جائے اور ان کے لئے وہ اسباب مہیا کئے جائیں جو ان کو نفع بخش ہوں۔

تیسرا باب

سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم و توقیر اور آپکی خدمتگذاری کا وجوب

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی تعمیل آپ کی تعظیم و توقیر اور اعمال خیر کرنا شریعت اسلامیہ کے احکام کے مطابق واجب و لازم ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

انا ارسلنٰک شاھداً و مبشراً ونذیرا لتؤمنوا باللہ و رسولہ و تعزروہ و توقروہ۔ (پ ۲۶ ع ۹)

بیشک ہم نے آپ کو شاہد مبشر اور نذیر بنا کر مبعوث فرمایا (تاکہ آپ انہیں اللہ سے ڈرائیں) تاکہ لوگ حضور علیہ السلام پر ایمان لے آئیں اور رسول علیہ السلام کی تعظیم و توقیر کریں۔

(۲) یا ایھا الذین آمنوا لا تقدموا بین ید اللہ و رسولہ واتقوا اللہ ان اللہ سمیع علیم۔

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول پر سبقت نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ سمیع و علیم ہے۔

(۳) یا ایھا الذین اٰمنو لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی (پ ۲۶ ع ۱۳)

اے ایمان والو اپنی آواز رسول علیہ السلام کی آواز پر بلند نہ کرو (تین آیتیں)

(۴) لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا

رسول علیہ السلام کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ کہو، جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے

(پ ۲۶ ع ۵) کو پکارتے ہو۔

مذکورہ بالا آیات کریمہ اس بات کی شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی عزت و توقیر کو لازم فرمایا ہے آپ کے اعزاز و اکرام کو ضروری قرار دیا ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے تعزروہ کے معنی تعظموا بیان کئے ہیں یعنی آپ کی تعظیم و توقیر کرو۔ لیکن مبرد نے کہا ہے کہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ آپ کی تعظیم و توقیر میں خوب مبالغہ کرو۔ انفش کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کی مدد کرو۔ طبری نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدد و نصرت کرو۔

تعزروہ کی دوسری قرأت

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ تعزروہ کے علاوہ تعززوہ بھی پڑھا گیا ہے۔ دونوں جگہ "ز" کے ساتھ جو عز سے ماخوذ ہے یعنی آپ کی عزت و توقیر کرو۔

آداب مجلس نبوی

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فرمانے کے مطابق افراد ملت کو یہ ممانعت فرما دی گئی کہ گفتگو کرتے وقت حضور علیہ السلام پر سبقت نہ کریں اور آداب مجلس کا لحاظ رکھیں اور سوء ادب کا ارتکاب نہ کریں یہی بات ثعلب نے بھی فرمائی ہے۔

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ جب مجلس نبوی میں حاضر ہو تو اس وقت تک خاموش بیٹھے رہو جب تک حضور علیہ السلام آغاز گفتگو نہ فرمائیں اور جب آپ کچھ فرمائیں تو اس کو غور سے سنو اور دوران گفتگو خاموشی سے بیٹھے ہو کیونکہ یہی حکم الٰہی ہے فاستمعوا له وانصتوا۔

نیز مسلمانوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ کسی معاملہ کے فیصلہ میں اس وقت تک انتظار کرو جب تک کہ حضور علیہ السلام کوئی حکم صادر فرمائیں۔ آپ کے فیصلہ سے قبل کوئی حتمی رائے قائم نہ کرو۔ علاوہ ازیں جس بات کا حضور حکم دیں خواہ وہ امور دنیا سے متعلق ہو یا دین امر سے مثلاً جہاد وغیرہ تو ان تمام باتوں میں حکم نبوی کی تعمیل کی جائے اور حضور علیہ السلام سے قبل معاملہ میں سبقت نہ کریں۔ یہی رائے

حضرت حسن۔ ضحاک۔ سدی اور سفیان ثوری کی بھی ہے۔

احکام پر ترغیب و تحریص کے بعد اب ترہیب فرمائی جا رہی ہے کہ اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ مخالفت نبوی کا نتیجہ غضب خداوندی ہوتا ہے۔ آیت کریمہ واتقوا اللہ ان اللہ سمیع علیم پ ۲۶ ع ۳) اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سمیع علیم ہے۔ ماوردی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں اتقوا اللہ کے معنی یہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش قدمی کرنے سے ڈرو۔

سلمی فرماتے ہیں کہ سرکار دوعالم علیہ السلام کے حق میں کسی کوتاہی اور آپ کے احترام میں کمی کرنے سے ڈرو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کا مشاہدہ بھی فرماتا ہے۔

بارگاہ نبوی میں بلند آواز سے گفتگو پر وعید

منجملہ اور باتوں کے بارگاہ نبوی کے آداب میں یہ بھی ہے کہ جب حضور کی مجلس میں بیٹھے تو اتنی بلند آواز سے گفتگو نہ کرے کہ اس کی آواز سرکار دوعالم علیہ السلام کی آواز سے بلند ہو۔ اس انداز کی ممانعت فرمائی گئی جو ہم آپس کی گفتگو میں اختیار کرتے ہیں مثلاً ایک دوسرے کو نام لے کر مخاطب کرتے ہیں یہ طریقہ حضور علیہ السلام کے ساتھ اختیار نہ کیا جائے بالفاظ دیگر حضور علیہ السلام کے ساتھ ایسا کوئی عامیانہ طریقہ نہ استعمال کیا جائے جو آپ کے شایان شان نہ ہو۔

ابو محمد مکی نے فرمایا کہ بارگاہ نبوی میں حاضری کے وقت ان آداب کا لحاظ بہت ضروری ہے۔

۱۔ حضور کو نام لے کر مخاطب نہ کیا جائے۔ ۲۔ کلام کرنے میں حضور علیہ السلام پر سبقت نہ کی جائے، ۳۔ اگر حضور علیہ السلام کو مخاطب کرنا ہی ضروری ہو تو حضور علیہ السلام کو یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ جیسے مناسب القابات سے نہایت ادب و احترام سے مخاطب کیا جائے اور مکی کا یہ فرمانا اس آیت کی تاویل کی بنا پر ہے جس میں ارشاد خداوندی اس طرح ہوا ہے کہ تم حضور علیہ السلام کو اس طرح مت پکارو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ تم جب بارگاہ نبوی میں حاضر ہو اور تخاطب و سوال کی ضرورت پیش آئے تو اس طرح تخاطب ہو جو مخاطب کے شایانِ شایان ہو اور دریافت طلب امر کو اس طرح معلوم کیا جائے جس طرح سائل

سوال کیا کرتا ہے۔

آداب مجلس کی خلاف ورزی پر سخت سزا

ان آداب کے بتائے جانے کے بعد اب اس بات کی جانب توجہ دلانی مقصود ہے کہ اگر تم نے حضور کو مناسب الفاظ میں مخاطب نہیں کیا یا غلط اور بیجا طور پر مخاطب کیا ہے یا حضور کی آواز پر اپنی آواز بلند کی ہے تو اب سزا کے لئے تیار ہو جاؤ اور وہ اتنی سخت سزا ہے کہ سارا کیا دھرا اکارت، نامہ اعمال عمل سے خالی اور طرفہ تماشا یہ کہ سب احکام قرآنی کے مطابق ہو بھی گیا اور ہم خواب غفلت میں پڑے رہے اور شعور ہی نہ ہوا۔

آیت زیر بحث کا شان نزول

قرآن مجید سے مسائل کے استنباط کے وقت دیکھنا یہ ضروری ہے کہ یہ آیت کس وقت اور کس ضرورت کے مطابق نازل ہوئی۔ بہت سی آیات ایسی ہیں جو کفار کو زجر و توبیخ کے لئے نازل ہوئیں ان کا انطباق مسلمانوں پر روا نہیں اسی طرح وہ آیات جن میں مسلمانوں سے تخاطب ہے انکا انطباق غیر مسلموں پر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مترجم۔

مذکورہ آیت کریمہ جس میں حبط اعمال کی وعید ہے اس کے بارے میں مفسرین کرام نے فرمایا کہ یہ آیت بنو تمیم کے وفد کی آمد کے موقع پر نازل ہوئی یہ لوگ جب کاشانۂ اقدس پر حاضر ہوئے تو حضور علیہ السلام کو یا محمد کہہ کر زور زور سے پکارنے لگے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل پر اظہار ناپسندیدگی فرمایا اور اس کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا۔

واکثرھم لا یعقلون۔ (پ ۲۶ ع ۱۳) — ان میں اکثر جاہل (منصب نبوت سے ناواقف) ہیں۔

بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ بنو تمیم کے علاوہ دوسرے اہل عرب کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔

لیکن بعض اہل علم حضرات نے لکھا ہے کہ حضرات صدیق و فاروق میں کسی بات پر حضور کی مجلس میں تلخی ہوئی اور دوران گفتگو ان کی آوازیں بلند ہو گئیں اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بلند آواز صحابی کو غیب داں رسول کی بشارت

بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ آیت ثابت بن قیس بن شماس کے حق میں نازل ہوئی جو بارگاہ رسالت میں بنی تمیم کی مفاخرت کے سلسلہ میں خطابت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ یہ صاحب اونچا سنتے تھے اور بارگاہ رسالت میں چیخ چیخ کر باتیں کر رہے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی اور جناب ثابت کو اس آیت کے بارے میں معلوم ہوا تو خانہ نشین ہو گئے۔ لیکن جب اعمال کے اکارت ہونے کا احساس ہوا تو بارگاہ بیکس پناہ نبوی میں آکر عرض کیا یارسول اللہ مجھے اپنے اعمال کے ضائع ہوجانے کا اندیشہ ہے کیونکہ میں تو بلند آواز سے آپ کے سامنے بولتا ہوں جس کی قرآن کریم میں ممانعت نازل ہوئی ہے آپ کی عرضداشت سُن کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ثابت تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم دنیا میں بہتر زندگی گزارو اور قیامت میں زمرۂ شہدا میں محشور ہو اور داخل جنت کئے جاؤ۔ جناب ثابت حضور کے فرمانے کے مطابق جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

(اسلام نے ہر حالت میں اعتدال پر زور دیا ہے اور افراط و تفریط سے منع فرمایا ہے خواہ وہ عبادات سے متعلق امور ہوں یا معاملات سے۔ یہ ایک ایسا نسخہ کیمیا ہے جس کی مثال کسی دوسری شریعت یا دین میں نہیں ملتی جب مذکورہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ نے اپنے طرز عمل میں یکسر تبدیلی کر ڈالی اور اپنی گفتگو میں آوازیں اتنی پست کر دیں کہ سننے والے کو بات سمجھنے میں دقت پیدا ہونے لگی) حضرت ابوبکر نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا یارسول اللہ آئندہ میں آپ کے سامنے اس طرح گفتگو کروں گا جس طرح کوئی سرگوشی کرتا ہو یہی کیفیت حضرت عمر کی تھی وہ بارگاہ نبوی میں اس طرح گفتگو کرتے کہ بسا اوقات حضور علیہ السلام کو ان سے دوبارہ استفسار کرنا پڑتا۔ اسی موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

انّ الّذین یغضون اصواتھم عند	وہ لوگ جو اپنی آوازوں کو رسول علیہ السلام
رسول اللہ اُولٰئک الّذین امتحن	کے سامنے پست کر لیتے ہیں یہ وہ ہیں
اللہ قلوبھم للتقویٰ لھم مغفرۃ	جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاری
وّ اجرعظیم۔ (پ ۲۶ ع ۱۳)	کے لئے امتحان میں ڈال دیا ہے۔ ان

کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ درج ذیل آیت کریمہ بنی تمیم کے علاوہ لوگوں کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ وہ لوگ حضور علیہ السلام کو باہر سے حضور کا نام لے کر (یا محمد اخرج الینا) اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے پاس باہر تشریف لائیں) پکارا کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

ان الذین ینادون من وراء	وہ لوگ جو آپ کو حجروں کے باہر سے
الحجرات اکثرھم لا یعقلون	پکارتے ہیں ان میں سے اکثر شعور نہیں
(پ ۲۶ ع ۱۳)	رکھتے۔

صحابہ کرام عوام کو آداب مجلس نبوی سکھاتے تھے

صفوان بن عسال نے فرمایا ہے ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے دوران قیام ایک اعرابی نے حضور علیہ السلام کو یا محمد کہہ کر تین مرتبہ بلند آواز سے پکارا۔ تو ہم لوگوں نے اس کو بتایا کہ حضور کی بارگاہ کے آداب اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم فرمائے ہیں کہ آپ کی بارگاہ میں آہستگی کے ساتھ عرض معروض کی جائے اور آپ کو نام لے کر نہ پکارا جائے۔

حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں ذو معنیٰ کلمہ کہنے کی ممانعت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسے کلمے کے استعمال سے منع کیا گیا ہے جس کے معنی میں ذم کا پہلو نکلتا ہو اس احتیاط کے مدنظر آیت قرآنی نازل ہوئی۔

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تقولوا	اے ایمان والو (حضور علیہ السلام) کو
راعنا۔	راعنا (ہماری رعایت کرنے والے)
	کہہ کر مخاطب نہ کرو۔

انصار میں یہ لفظ محاورہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا جس کو وہ اس معنیٰ میں استعمال کرتے تھے کہ اے اللہ کے رسول ہماری رعایت کیجئے ان کی یہ ادا بارگاہ الٰہی میں ناپسند ہوئی کیونکہ اس کلام میں ایک پہلو منفی بھی ہے کہ اگر آپ ہماری رعایت نہ کریں گے تو اس کے بدلہ میں ہم بھی آپ کی رعایت نہ

نہ کریں گے حالانکہ یہ بات غلط ہے کیونکہ بندے کا جذبہ اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ ہر حال میں اطاعت و فرمانبرداری کا پیکر بنا رہا ہے نہ کہ بدلہ کے طور پر اگر حضور ہماری رعایت کریں گے تو ہم بھی اعانت کریں گے ورنہ نہیں ۔ دوسری بات یہ کہ یہ امر شان نبوی کے شایان نہیں کہ حضور علیہ السلام کسی کے ساتھ ایسا معاملہ روا رکھیں جو خلاف انصاف ہو۔ علاوہ ازیں یہود مدینہ اس کلمہ سے حضور علیہ السلام کی تنقیص کیا کرتے تھے اور اس لفظ سے وہ حمق یا رعونت مراد لیتے تھے اس لئے مسلمانوں کو منع کر دیا گیا کہ کسی ایسے کلمہ سے حضور کو مخاطب نہ کرو جس میں ذم کا شائبہ بھی ہوتا ہو اور مشارکت لفظی کی وجہ سے دشمن اپنے مطلب کے معنیٰ نکال سکے ۔

اس سلسلہ میں علماء نے اور توضیحات بھی فرمائی ہیں جنہیں بخوف طوالت ذکر نہیں کیا گیا ہے ۔

پہلی فصل

عظمت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور معمولات صحابہ

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول یہ تھا کہ وہ نبی کریم علیہ السلام کی تعظیم و توقیر میں غایت درجہ کا اہتمام فرماتے تھے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے تھے میری نظروں میں کوئی شخصیت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ محبوب نہ تھی اور نہ کوئی آپ سے زیادہ بزرگ اور مرتبہ والا ۔ آپ کے رعب و دبدبہ ہیبت و صولت کا یہ عالم تھا کہ میری کبھی یہ جرأت نہ ہوئی کہ میں آپ کو نظر بھر کر دیکھ سکتا میں کوشش کے باوجود یہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ آپ کا حلیہ مبارک بیان کر سکوں کیونکہ مجھ سے اس بات کی جرأت ہی نہیں ہوئی کہ آپ کے حلیہ مبارک کا تفصیلی جائزہ لے سکتا ۔

حضرات صدیق و فاروق کا بارگاہ نبوی میں مرتبہ

امام ترمذی نے حضرت انس کی روایت کردہ حدیث ان الفاظ میں اپنی صحیح میں نقل فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ شریفہ سے باہر تشریف لاتے تو حاضرین کی نظریں نیچے ہوتیں

اور کسی کو یہ جرأت نہ ہوتی کہ وہ نظر اٹھا کر دیکھے صرف اس مجلس میں دو شخصیتیں ایسی ہوتیں جو نظریں اٹھا کر حضور علیہ السلام کے چہرۂ تاباں کو دیکھ کر تبسم فرماتے اور حضور علیہ السلام بھی انہیں دیکھ کر تبسم فرما دیتے تھے۔

بارگاہِ رسالت میں صحابہ کا انداز

اسامہ بن شریک فرماتے ہیں کہ میں جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ حاضرین وہاں اس طرح بے حس و حرکت بیٹھے ہیں جیسے کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں اگر انہوں نے ذرا بھی حرکت کی تو وہ اڑ جائیں گے اور اس مضمون کی ایک اور حدیث بھی مروی ہے جس میں صحابہ نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ہم بارگاہ رسالت میں اس طرح بیٹھتے تھے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب آپ کلام فرماتے تو حاضرین اپنی گردنیں جھکا لیتے تھے

غسالہ نبوی کے حصول میں صحابہ کا جذبہ

عروہ بن مسعود نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر میں کفار مکہ کا نمائندہ بن کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا تو میں صحابہ کرام کے والہانہ جذبہ سے بہت متاثر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ یہ جان نثار حضور علیہ السلام کی ایسی عزت، عظمت و توقیر کرتے ہیں جس کی مثال نہیں ملتی۔

حضور علیہ السلام کا غسالہ وضو حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے میں آپس میں لڑتے تھے اگر حضور علیہ السلام تھوکتے یا کھنکارتے تو اس کو حاصل کر کے اپنے چہرہ پر مل لیتے اگر حضور کا کوئی بال ہاتھ آتا تو اس کو محفوظ کر لیتے ان میں اگر کسی کو کوئی کام بتایا جاتا تو اس کی فوری تعمیل کرتے جس وقت حضور علیہ السلام کلام فرماتے تو بالکل سناٹا چھا جاتا اور سب کلام نبوی کو بغور سنتے تھے حضور علیہ السلام کی عزت و توقیر ایسی کرتے جو دوسروں کے لئے قابل تقلید ہے۔ ادب کا یہ عالم تھا کہ وہ گردنیں نیچی رکھتے اور حضور علیہ السلام کی جانب نظریں نہیں اٹھاتے تھے۔

عروہ نے یہ منظر دیکھ کر کفار مکہ کو جا کر بتایا کہ میں نے قیصر و کسریٰ کے دربار دیکھے ہیں حبشہ میں نجاشی کا دربار بھی دیکھا لیکن خدا کی قسم جو منظر میں نے دربار نبوی کا دیکھا کہیں نظر نہ آیا۔ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے جاں نثار مجھے کہیں نظر نہ آئے کہ یہ قوم وہ ہے جو اپنی مقتدر شخصیت کو کسی کے حوالہ نہیں کرے گی۔

موئے مبارک کے حصول میں صحابہ کی جدوجہد

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنا مشاہدہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام بال ترشوا رہے تھے اور صحابہ کرام حضور علیہ السلام کے گرد حلقہ بنائے کھڑے تھے تاکہ حضور علیہ السلام کے موئے مبارک کو زمین پر گرنے سے پہلے ہی حاصل کر لیں۔

جناب عثمان صلح حدیبیہ کے موقع پر

جناب عثمان بن عفان صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کی جانب سے سفیر بن کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو اہل مکہ نے آپ سے کہا کہ آپ طواف کعبہ کر سکتے ہیں لیکن غیرت عثمانی نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ تنہا طواف کریں آپ نے واشگاف الفاظ میں فرمادیا کہ یہ ناممکن بات ہے کہ میں حضور علیہ السلام سے پہلے طواف کعبہ کروں پہلے حضور علیہ السلام طواف کر لیں اس کے بعد میں طواف کر سکوں گا۔

عظمت نبوی کی ایک اور مثال

حضرت طلحہ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول علیہ السلام کو خود تو یہ ہمت نہ ہوتی تھی کہ بارگاہ رسالت میں کوئی ایسی ویسی بات عرض کر سکیں اس لیئے وہ کسی کا سہارا تلاش کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے ایک اعرابی سے کہا کہ وہ حضور علیہ السلام سے یہ دریافت کرے من قضیٰ نحبہ یعنی وہ کون سی شخصیت ہے (جس نے اپنی حاجت پوری کر لی ہے) جب اس اعرابی نے حضور سے یہ معلوم کیا تو آپ نے اپنے چہرہ مبارک کو ادھر سے پھیر لیا اتنے میں سامنے سے راوی حدیث (حضرت طلحہ) نمودار ہوئے تو حضور نے اس اعرابی سے فرمایا ان شخصوں میں سے جنہوں نے اپنی حاجت پوری کر لی ہے ایک یہ ہیں (یعنی حضرت طلحہ)

قیلہ کی روایت کردہ حدیث کے مطابق ایک حدیث اس طرح ملتی ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کو ایک مخصوص نشست پر بیٹھے دیکھا تو میں فرط ہیبت سے کپکپانے لگی

کاشانہ نبوت کھٹکھٹاتے وقت صحابہ کا انداز

مغیرہ بن شعبہ نے فرمایا صحابہ کرام کا معمول یہ تھا کہ وہ کاشانہ نبوت پر حاضر ہوتے تو فرط ادب سے

سے دروازہ ناخنوں سے کھٹکھٹاتے تھے۔

براء بن عازب نے فرمایا کہ بہت سی مرتبہ ایسا ہوا کہ میں کوئی بات حضور علیہ السلام سے معلوم کرنا چاہتا تو مدت تک موقعہ کی تلاش میں رہتا تھا لیکن ہیبت کی وجہ سے دریافت نہ کر سکتا تھا اور اس میں برسوں گزر جاتے تھے۔

دُوسری فصل

حیات ظاہری کے بعد حضور علیہ السلام کی عظمت و توقیر

حضور علیہ السلام کی توقیر و تعظیم جس طرح آپ کی حیات ظاہری میں کی جاتی تھی اس طرح ہماری نظروں سے پردہ فرمانے کے بعد بھی واجب و لازم ہے۔ نام نامی سننے کے بعد (درود و سلام عرض کرنا) آپ کی حدیث۔ ذکر سیرت۔ اہل بیت اطہار صحابہ کرام کا تذکرہ سنتے وقت اظہارِ عظمت و ادب واجب و لازم ہے۔

ابو ابراہیم تجیبی فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ جب آپ کا ذکر کرے یا سُنے تو انتہائی خشوع و خضوع کا اظہار کرے اور اپنے حرکات ظاہری میں انہی باتوں کا مظاہرہ کرے جس طرح حضور علیہ السلام کی حیات ظاہری میں کرتا۔

جناب مصنف فرماتے ہیں کہ سلف صالحین اور ائمہ متقدمین کا یہی معمول رہا ہے اور ہر موقعہ پر ایسے جذبات کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔

ابوجعفر منصور اور امام مالک کا مکالمہ

ابو جعفر منصور مدینہ طیبہ آیا اور مسجد نبوی میں امام مالک سے مناظرانہ انداز میں گفتگو کرنے لگا۔ دوران گفتگو اس کی آواز بلند ہونے لگی تو امام مالک رضی اللہ عنہ نے اس کو تنبیہ فرمائی اور کہا کہ مسجد نبوی میں اپنی آواز بلند نہ کرو کیونکہ اللہ تعالےٰ نے ادب سکھاتے ہوئے فرمایا ہے" اپنی آوازوں کو نبی کریم علیہ السلام کی آواز پر بلند نہ کرو اور حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں آوازوں کو پست کرنے والوں سے فرمایا" وہ لوگ جو

اپنی آوازوں کو بارگاہ رسالت میں پست رکھتے ہیں۔ اسی طرح ایسے لوگوں کی مذمت فرمائی جو آداب بارگاہ نبوی کا لحاظ نہیں رکھتے تھے۔ آیہ کریمہ میں ہے وہ لوگ جو آپ کو دروازہ سے باہر پکارتے ہیں ان میں اکثر شعور نہیں رکھتے۔

اے عباسی امیر اس بات کو یاد رکھ کہ حضور علیہ السلام کا احترام آج بھی اسی طرح واجب ہے جس طرح حضور علیہ السلام کی حیات ظاہری میں تھا۔ امام مالک کی یہ باتیں سن کر منصور خاموش ہو گیا۔

دعا کرتے وقت مواجہ شریفہ کی جانب منہ کرو

بعد میں منصور نے امام مالک سے دریافت کیا کہ دعا کرتے وقت خانہ کعبہ کی جانب منہ کروں یا مواجہ شریفہ کی جانب (منصور کے استفسار پر امام مالک نے جو جواب دیا وہ اہل محبت و عقیدت کے لئے سرمہ بصیرت ہے) آپ نے فرمایا اے امیر تو حضور علیہ السلام کی جانب سے کیوں منہ پھیرتا ہے حالانکہ حضور علیہ السلام تیرے لئے اور تیرے جد اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے روز قیامت وسیلہ ہیں تو حضور کی جانب متوجہ ہو کر طلب کر اور اپنی شفاعت کا طالب ہو اور آپ کے واسطہ اور وسیلہ سے دعا کر اللہ تعالیٰ قبولیت عطا فرمائے گا۔ ارشاد ربانی ہے۔

- ولو انھم اذ ظلموا جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔	اور وہ لوگ اگر اپنی جانوں پر ظلم کریں پھر حاضر ہو کر بارگاہِ رسالت میں اظہارِ ندامت کریں اور اللہ سے مغفرت طلب کریں اور آپ بھی ان کی سفارش فرمائیں تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے۔

امام مالکؒ سے ایوب سختیانی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا جتنے لوگوں سے بھی حدیث بیان کرتا ہوں ان میں سختیانی سب سے افضل ہیں انہوں نے دو حج کئے اور ایک خاص بات یہ کہ جب ان کے سامنے نبی علیہ السلام کا ذکر ہوتا تو وہ آنسو بہاتے کہ مجھے ان پر رحم آنے لگتا۔

امام مالک کی حدیث نویسی

امام مالک فرماتے ہیں کہ جب مَیں نے ابو بکر ایسا فنافی الرسول پایا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک عزت و تکریم کرتے دیکھا تو مجھ پر عجیب تاثر ہوا اور میں نے ان سے حدیث سننا اور اس کو ضبط تحریر میں لانا اپنا معمول بنالیا۔

استماع حدیث کے وقت امام مالک کی حالت

مصعب بن عبداللہ نے بتایا کہ امام مالک رضی اللہ عنہ جب ذکر رسول علیہ السلام کرتے تو ان کی رنگت بدل جاتی اور فرط ادب سے کھڑے ہوجاتے ان کی یہ کیفیت بعض لوگوں پر شاق گذری اور انہوں نے ایک دن امام مالک سے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا تمہیں وہ چیزیں نظر نہیں آتیں۔ (ذکر رسول علیہ السلام کے وقت جو مشاہدات میں کرتا ہوں وہ اہل محبت ہی دیکھ سکتے ہیں) اگر تمہیں بھی وہ آنکھ ہوتی تو تم بھی وہی کرتے جو مَیں کرتا ہوں اور تمہیں میری حالت پر اعتراض کی گنجائش نہ ہوتی

امام مالک کے مشاہدے

امام موصوف نے فرمایا کہ محمد بن المنکدر اپنے دَور کے شیخ القراء تھے جب ہم ان سے حدیث نبوی کے بارے میں کوئی سوال کرتے تو اتنا روتے کہ ہمیں ان پر ترس آنے لگتا

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہما بہت ہنس مکھ اور خوش مزاج تھے لیکن جب ان کی مجلس میں نبی علیہ السلام کا ذکر جمیل ہوتا تو امام صاحب موصوف کی رنگت زرد ہوجاتی۔ امام مالک نے مزید فرمایا کہ مَیں نے یہ کبھی نہیں دیکھا کہ انہوں نے کبھی بے وضو حدیث بیان کی ہو۔ میری ان کی طویل نشستیں رہی ہیں لیکن مَیں نے ان کے معمولات میں فرق آتے نہیں دیکھا۔ میرے مشاہدے میں ان کے جو معمولات آئے وہ تین تھے ان کے علاوہ میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ (۱) یا تو مصروف نماز پایا (۲) یا تلاوت قرآن کرتے دیکھا (۳) اور اگر دوران نماز یا تلاوت نہ پایا تو دیکھا کہ وہ خاموش ہیں، وہ کبھی بیکار اور لایعنی گفتگو نہ کرتے میرا یقین ہے کہ وہ ان شخصیتوں میں سے تھے جو بے اندازہ خوف الٰہی رکھتے تھے۔

عبدالرحمٰن بن قاسم جب حضور علیہ السلام کا تذکرہ کرتے تو ان کی حالت یہ ہوتی جیسے اُن کے

چہرہ کا سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو یعنی ان کے چہرہ کی رنگت زرد ہو جاتی تھی اور رعب و جلال نبوی سے ان کا منہ خشک ہو جاتا اور زبان تالو سے چپک جاتی تھی۔

امام صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ میں عامر بن عبداللہ بن زبیر کے پاس بہت آتا جاتا تھا میں نے اکثر دیکھا ہے کہ جب بھی ان کے سامنے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ہوا تو ان پر گریہ طاری ہو جاتا وہ اس قدر روتے کہ کثرت گریہ سے اُن کی آنکھوں سے آنسو خشک ہو جاتے تھے۔

یہی کیفیت امام زہری کی تھی حالانکہ آپ نہایت ملنسار اور غایت درجہ خلیق تھے جب ان کی مجلس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوتا تو امام زہری پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی کہ اس وقت نہ دوسروں کو پہچانتے تھے اور تغیر حالت کی وجہ سے ان کو پہچانا جاتا۔

اسی طرح جناب صفوان بن سلیم کے یہاں بھی میری آمد و رفت بہت تھی ان کا شمار اپنے وقت کے ائمہ مجتہدین میں تھا وہ اپنے وقت کے بڑے عابدوں میں سے تھے ان کی مجلس میں جب حضور علیہ السلام کا تذکرہ ہوتا تو وہ اس کو سُن کر اتنا روتے تھے کہ لوگ ان کی حالت دیکھ کر گھبرا جاتے تھے اور انہیں اسی حالت میں چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔

قتادہ فرماتے ہیں کہ جناب صفوان کے سامنے جب حدیث پڑھی جاتی تو وہ بے اختیار رونے لگتے اور ان پر بے قراری کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

امام مالک اور روایت حدیث کے آداب

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جب رجوعات زیادہ ہونے لگیں اور کثرت سے لوگ حدیثِ نبوی سننے کیلئے آنے لگے تو لوگوں نے مشورہ دیا کہ آپ ایک ایسے شخص کو مقرر فرمائیں جو آپ سے حدیث سن کر لوگوں کے سامنے جا کر بلند آواز کے ساتھ انہیں سنا دیا کرے تاکہ سب لوگ اس سے استفادہ کر سکیں لیکن امام مالک نے اس کو گوارا نہ فرمایا اور مشورہ دینے والوں سے فرمایا لوگو کلام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، مسجد نبوی اور بارگاہ نبوی کے تقدس میں فرق نہ آنے دو، اللہ رب العالمین نے فرمایا ہے اے ایمان والو اپنی آواز کو نبی (علیہ السلام) کی آواز پر بلند نہ کرو۔ آپ کی عزت و حرمت حیات ظاہری

اور اس کے بعد بھی برابر ہے۔

حدیث سنتے وقت خاموش رہنا واجب ہے

محمد بن سیرین کے متعلق مشہور ہے کہ وہ اپنی شگفتہ مزاجی کے باوجود جب بھی حدیث نبوی سنتے تو وہ سراپا انکسار و عاجزی ہو جاتے تھے۔ اس طرح عبدالرحمن بن مہدی جب بھی حدیث نبوی پڑھتے تو حاضرین کو خاموش رہنے کا حکم دیتے تھے اور فرماتے کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی (اب کس کی مجال ہے کہ وہ ایسے مبارک وقت گفتگو کرے) موصوف فرماتے تھے کہ حدیث نبوی سنتے وقت اسی طرح خاموش رہنا واجب ہے جس طرح خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے سنتے وقت خاموش رہنا واجب تھا۔

تیسری فصل

سلف صالحین اور عمل بالسنۃ

روایت حدیث اور سنت پر عمل کے وقت اسلاف کا طرز عمل

عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ میں تقریباً ایک سال حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہا لیکن میں نے ایک دن بھی انہیں حدیث سناتے نہ دیکھا لیکن ایک دن جب انہوں نے حدیث بیان کرنے کے لئے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ان پر عجیب کیفیت طاری ہوئی چہرہ عرق آلود ہو گیا۔ اس حدیث کو سنانے کے بعد آپ نے فرمایا انشاء اللہ ایسا ہی ہے یا اس سے کم و بیش یا قریب قریب[1]۔ ایک روایت کے مطابق جناب ابن مسعود کے روایت حدیث کرتے وقت گلے کی رگیں پھول

---

[1] موجودہ دور میں بعض حضرات صحت حدیث میں شک و شبہ کا اظہار کرتے ہیں اور وہی نعرہ حسبنا کتاب اللہ لگا کر لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں انکی نظر محدثین کی اس احتیاط کی جانب نہیں جاتیں کہ ان حضرات نے حدیث نبوی نقل کرتے وقت کس حزم و احتیاط کو اختیار کیا ہے اس موضوع پر یہاں سیر حاصل بحث نہیں کی جا سکتی۔ تفصیلات کے لئے علماء اہل سنت کی تصانیف و تالیفات مطالعہ کریں۔ مترجم۔

جاتیں آنکھیں اشک آلود اور چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا۔

امام مالک نے کھڑے ہو کر حدیث سُننا گوارا نہ کیا

ابراہیم بن عبداللہ بن قریم انصاری فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو حازم کے مکان کے سامنے سے گذرے تو وہ درس حدیث دے رہے تھے آپ وہاں بغیر رُکے آگے بڑھ گئے جب لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ خلاف معمول ان کے مکان کے سامنے سے بغیر ملاقات کئے چلے آئے تو آپ نے فرمایا کہ اس وقت وہ درس حدیث میں مشغول تھے ان کے مکان میں بیٹھنے کی جگہ نہ تھی اور میں نے یہ گوارا نہ کیا کہ اس طرح کھڑے ہو کر حضور علیہ السلام کی حدیث سنوں

حضرت سعید بن مسیب نے بیٹھ کر حدیث بیان نہ کی

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ایک شخص نے جناب سعید بن مسیب کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک حدیث کے متعلق دریافت کیا اس وقت جناب ابن مسیب لیٹے ہوئے تھے پہلے آپ اٹھ کر بیٹھے۔ پھر الفاظ حدیث زبان پر لائے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ میں نے آپکو تکلیف دی آپ لیٹے لیٹے الفاظ حدیث بیان فرما رہے تھے لیکن ابن مسیب نے فرمایا میں گوارا ہی نہیں سکتا کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم لیٹے لیٹے بیان کر دوں۔

سماعت حدیث اور ابن سیرین کی کیفیت

محمد ابن سیرین کے متعلق جیسا کہ گذشتہ صفحات میں لکھا گیا ہے کہ وہ نہایت شگفتہ طبیعت رکھتے تھے بعض اوقات ایسا ہوتا کہ ان کی محفل کشت زعفران بنی ہوتی لیکن اگر اس وقت کوئی حدیث بیان کر دیتا تو محمد ابن سیرین کی حالت ہی بدل جاتی اور وہ سراپا عجز و انکسار ہو جاتے۔

امام مالک باوضو حدیث بیان کرتے تھے

ابو مصعب اس بات کے ناقل ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ وہ حدیث نبوی بیان کرنے سے پہلے وضو کیا کرتے تھے۔ ان کے متعلق دوسرے احباب نے لکھا ہے کہ نہ صرف وضو کرتے تھے بلکہ عمدہ لباس پہن کر مؤدب بیٹھ کر حدیث بیان کرتے تھے۔ جب امام صاحب موصوف سے اس

اہتمام کے بارے میں معلوم کیا گیا تو آپ نے فرمایا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی تعظیم و توقیر ضروری ہے

استماعِ حدیث میں احتیاط

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا معمول یہ تھا کہ جب لوگ آپ کے پاس آئے تو آپ کے مجلس میں تشریف لانے سے پہلے آپ کی باندی لوگوں سے دریافت کرتی کہ آپ حضرات حدیث سننے آئے ہیں یا مسائل دریافت کرنے اگر مسئلہ دریافت کرنے والے لوگ آتے تو آپ فوراً باہر تشریف لے آتے لیکن اگر سامعین حدیث آتے تو آپ پہلے غسل فرماتے، عمدہ لباس پہنتے خوشبو لگاتے عمامہ باندھتے اس پر چادر اوڑھتے اس کے بعد مجلس میں لاتے تھے اس وقت آپ سراپا عجز و انکسار ہوتے جتنے دیر آپ حدیث بیان کرتے رہتے اگر اور عود سلگتا رہتا تھا۔

بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ حدیث بیان کرتے وقت آپ تخت پر بیٹھے تھے ۔ ابن ابی ادریس فرماتے ہیں کہ جب امام صاحب سے اس طرز عمل کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ حدیث بیان کرتے وقت مندرجہ ذیل احتیاطیں کی جائیں اور میں خود بھی ان پر عمل کرتا ہوں۔

(۱) نبی علیہ السلام کی عزت و توقیر برقرار رکھی جائے ۔

(۲) باوضو حدیث بیان کی جائے ۔

(۳) مجھے یہ بات پسند نہیں کہ کھڑے ہو کر یا راستہ میں یا جلدی میں حدیث کو بیان کیا جائے۔

(۴) حدیث خوب سمجھا سمجھا کر سنائی جائے ۔

حدیث نبوی اور محدثین کا طرز عمل

ضرار بن مرہ نے فرمایا محدثین کے نزدیک حدیث پاک کی تلاوت بلا وضو مکروہ ہے یہی بات جناب قتادہ سے بھی مروی ہے ۔

حضرت اعمش کا معمول یہ تھا کہ وہ حدیث سناتے وقت اگر بے وضو ہوتے تو تیمم کر لیا کرتے تھے لیکن حضرت قتادہ تو بے وضو حدیث بیان ہی نہیں کرتے تھے ۔

امام مالک کو سولہ مرتبہ بچھو نے کاٹا

عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ ایک مرتبہ امام مالک علیہ الرحمۃ درس حدیث دے رہے تھے اس دوران سولہ مرتبہ بچھو نے کاٹا لیکن آپ نے درس حدیث جاری رکھا۔ اس دوران ڈنک مارنے کی تکلیف سے آپ کا رنگ بدل جاتا لیکن آپ نے اپنے طرز عمل میں ذرا بھی تبدیلی نہ کی۔ جب آپ درس سے فارغ ہوئے تو ابن مبارک نے دریافت کیا حضرت میں نے آج دوران درس آپ کی وہ حالت دیکھی جو اس سے قبل نہ دیکھی تھی اس پر آپ نے بچھو کے کاٹنے کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے کہا کہ عظمت و جلال نبوی نے مجھے اس بات پر مجبور کیا کہ میں برابر حدیث پاک پڑھتا رہوں اور اس اذیت پر صبر کروں۔

راستہ میں حدیث بیان نہ کرنے کی وجہ

ابن مہدی نے کہا ہے کہ میں ایک مرتبہ امام مالک کے ساتھ عقیق کے بازار گیا۔ راستہ میں میں نے امام صاحب سے ایک حدیث دریافت کی تو آپ نے مجھے جھڑک فرمایا کہ میں تمہیں اس سے برتر خیال کرتا تھا کہ تم مجھ سے راستہ میں حدیث نبوی معلوم کرو۔

ایک مرتبہ جریر بن عبدالحمید قاضی نے امام مالک سے ایک مرتبہ اس حالت میں حدیث دریافت کی کہ آپ کھڑے ہوئے تھے آپ نے فوراً انہیں قید کرنے کا حکم دے دیا لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ قاضی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ قاضی کو ادب سکھانا زیادہ ضروری ہے۔

حدیث کا ادب نہ کرنے پر سزا

ہشام بن غازی نے ایک مرتبہ امام مالک سے حدیث دریافت کی اس وقت آپ کھڑے ہوئے تھے آپ نے اسی وقت ان کے بیس درے لگوائے لیکن ان پر رحم فرماتے ہوئے بعد میں انہیں بیس حدیثیں بیان فرمائیں۔ ہشام نے اس وقت عرض کیا کاش آپ میرے زیادہ درے لگوا دیتے تاکہ زیادہ حدیثیں سننے کو ملتیں۔

حدیث بے وضو نہ لکھی جائے

حضرت لیث اور امام مالک رضی اللہ عنہم کا یہ معمول تھا کہ یہ حضرات بے وضو حدیث کی کتابت

نہیں کرتے تھے اور قتادہ رضی اللہ عنہ نہ بے وضو حدیث لکھتے نہ پڑھتے اور نہ سناتے تھے۔ جناب اعمش کے بارے میں گذشتہ صفحات میں لکھا گیا ہے کہ اگر حدیث سناتے وقت بے وضو ہوتے تو تیمم کر لیا کرتے۔

چوتھی فصل

اہل بیت اور امہات المومنین کی تعظیم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی ترغیب دلائی اور یہ تعلیم دی ہے کہ میری (حضور علیہ السلام کی) عزت و توقیر کے ساتھ اہل بیت اور امہات المومنین کی تعظیم بھی کی جائے اور اس پر سلف صالحین کا عمل بھی رہا ہے کیونکہ ان کی عزت و توقیر درحقیقت حضور علیہ السلام کی عزت و توقیر ہے۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (پ ۲۲ ع ۱)	مشیت الٰہی یہ ہے کہ اے نبی کے گھر والو تم سے ہر ناپاکی کو دور فرما دے اور تم کو پاک وصاف کر دے۔

امہات المومنین کے بارے میں آیہ کریمہ میں اس طرح فرمایا گیا۔

و ازواجہ اُمھاتھم (پ ۲۱ ع ۱۷)	حضور علیہ السلام کی بیبیاں امت کی مائیں ہیں۔

آیت کریمہ کے مطالعہ کے بعد احادیث نبوی ملاحظہ ہوں۔

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ تم اہل بیت کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ یہ فقرہ حضور علیہ السلام نے تین مرتبہ فرمایا۔ (یعنی حضور علیہ السلام نے اہل بیت کی محبت عظمت و توقیر کا حکم دیا ہے)

اہل بیت کی تشریح

جناب زید سے اہل بیت کی تشریح دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا حضرت علی کی اولاد۔

جناب جعفر کی اولاد، جناب عقیل و عباس کی اولاد اہلِ بیت میں شامل ہیں۔

کتاب اللہ پر عمل کی تلقین

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم میں دو چیزوں کو چھوڑ رہا ہوں جب تک تمہاری وابستگی ان دونوں سے رہے گی تم گمراہ نہ ہوگے۔ (۱) کتاب اللہ (۲) عترت نبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اہل بیت اطہار۔ اب غور کرو اور دیکھو کہ تم میری حیات ظاہری کے بعد ان سے کیسا طرزِ عمل اختیار کرتے ہو۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل بیت نبوت کی پہچان، عذاب دوزخ سے نجات اور آل نبی سے محبت و الفت، صراط سے گذرنے میں آسانی اور عترت نبوی کی ولایت کا اقرار عذاب الٰہی سے حفاظت کے اسباب ہیں۔

اہل بیت کی معرفت کیا ہے

بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ آل نبی کی قدر و منزلت کی پہچان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اور عزت کی وجہ سے ہے اب جس نے اس نسبت کو جو ان حضرات کو ذات نبوی سے حاصل ہے پہچان لیا بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اس نے ان حقوق و فرائض کو معلوم کر لیا کہ اس نسبت کی وجہ سے اس پر ان نفوس قدسیہ کے کیا کیا حقوق اس نسبت کی وجہ سے اس پر لازم اور واجب ہیں اور احترام نبوی کی وجہ سے ان کا کس قدر احترام کرنا لازم ہے۔

آیۂ تطہیر کہاں نازل ہوئی؟

عمرو بن سلیم فرماتے ہیں کہ آیۂ تطہیر ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا مکان میں نازل ہوئی اسی وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرات حسنین کریمین اور جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ایک چادر میں انہیں ڈھانپ کر دعا فرمائی۔ خداوندا یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے نجاست کو دور فرما اور انہیں مزکی و مصفیٰ فرمادے۔ اس وقت حضرت علی حضور علیہ السلام کے پس پشت بیٹھے ہوئے تھے

آیت مباہلہ اور اہل بیت نبوت:۔ جناب سعد بن وقاص فرماتے ہیں کہ آیت مباہلہ کے

نزول کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات حسنین کریمین جناب سیدہ فاطمہ اور حضرت علی کو بلایا اور بارگاہ میں عرض کیا خداوندا یہ میرے اہل بیت ہیں۔

نبی علیہ السلام نے حضرت علی کے بارے میں فرمایا جن کا میں آقا ہوں ان کے علی بھی آقا ہیں خداوندا تو ان کو محبوب رکھ جن کو علی محبوب رکھیں اور جس سے علی ناراض ہوں تو بھی ناراضگی اختیار فرما۔

حضرت علی سے دشمنی نفاق کی علامت ہے

حضرت علی کی فضیلت میں حضور کا یہ فرمان کہ علی کو دوست نہیں رکھتا مگر مومن اور حضرت سے بغض و عداوت نہیں رکھتا مگر منافق۔ (بالفاظ دیگر یوں کہا جائے کہ جناب علی سے دوستی رکھنے والے تو مومن ہیں اور ان سے بغض و عناد رکھنے والے زمرہ منافقین میں شامل ہیں۔)

حضرت عباس کے لئے اعزاز

حضور علیہ السلام نے اپنے چچا حضرت عباس کے بارے میں فرمایا خدا کی قسم کسی کے دل میں ایمان اس وقت تک داخل نہ ہوگا جب تک کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے واسطے سے آپ کو محبوب نہ رکھے گا۔

چچا مرتبہ میں بمنزلہ باپ ہوتا ہے

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میرے صحابہ کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔ (لوگو غور سے سنو) چچا مرتبہ کے اعتبار سے باپ کی مثل ہوتا ہے۔

حضرت عباس اور ان کی اولاد کو دعائیں

ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس سے فرمایا کہ کل صبح آپ اپنی اولاد کے ساتھ میرے پاس تشریف لے آئیں۔ دوسرے دن حضرت عباس حکم نبوی کے مطابق تشریف لائے تو حضور علیہ السلام نے ان کو ایک چادر سے ڈھک کر دعا فرمائی الٰہ العالمین یہ میرے چچا بمنزلہ میرے والد بزرگوار کے ہیں اور ان کے ساتھ ان کی اولاد بھی جو میرے اہل بیت ہیں خداوندا تو ان کو عذاب سے اسی طرح محفوظ فرما دے جس طرح میں نے ان کو ڈھانپ لیا ہے۔ راوی حدیث نے فرمایا ہے جس وقت

حضور علیہ السلام دعا فرما رہے تھے مکاں کے در و دیوار سے آمین آمین کی آوازیں آ رہی تھیں۔

اسامہ بن زید اور حضرت حسن کے لئے اعزاز

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہ بن زید اور امام حسن کے ہاتھ پکڑ کر فرماتے خداوندا میں انہیں محبوب رکھتا ہوں تو بھی ان کو محبوب رکھ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کی جاتی ہے وہی طریقہ اہل نبوت کے لئے بھی اختیار کرو اور حضور ہی کی وجہ سے ان کے احترام کو برقرار رکھو۔ جناب صدیق نے مزید فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے مجھ کو یہ بات زیادہ محبوب ہے کہ میں قرابت نبوی کی وجہ سے صلہ رحمی اور حسن سلوک کروں بمقابلہ اپنے اعزہ واقارب کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کے۔

حسنین کریمین کی محبت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے امام حسن سے محبت کی اس نے اللہ کو محبوب رکھا۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا جس نے مجھ سے محبت رکھی (حضرات حسنین کریمین کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) اور ان دونوں صاحبزادگان اور ان کے والدین سے محبت رکھی وہ روز قیامت میرے ساتھ ہو گا۔

قریش کے لئے اعزاز

حضور نے فرمایا ہے کہ جس نے قریش کی بے عزتی کی خدا اس کو بے عزت کرے۔ حضور علیہ السلام نے قریش کے بارے میں فرمایا ان کو آگے بڑھاؤ لیکن خود ان سے آگے نہ بڑھو۔

حضرت عائشہ کے لئے اعزاز

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کوئی (ایسی ویسی) بات کہہ کر مجھے ایذا نہ دو۔

عقبہ بن حارث فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ حضرت حسن کو اپنے کاندھے پر بٹھائے ہوئے یہ فرما رہے تھے میرے ماں باپ ان پر قربان یہ نبی علیہ الصلوٰۃ سے مشابہ ہیں اپنے والد حضرت علی سے مشابہ نہیں ہیں اس وقت حضرت علی وہاں بیٹھے ہوئے مسکرا رہے تھے۔

عمر بن عبد العزیز کی اہل بیت سے عقیدت

حضرت عبداللہ بن حسن بن حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کسی ضرورت سے حضرت عمر بن عبد العزیز کے پاس گیا تو جناب عمر بن عبد العزیز نے فرمایا آئندہ اگر آپ کو کوئی ضرورت پیش آئے تو کسی کو میرے پاس بھیجدیا کیجئے یا خط لکھ دیا کیجئے میں اس وقت نہایت شرمسار ہوتا ہوں جب آپ میرے پاس کسی ضرورت سے تشریف لائے ہیں

دست بوسی صحابہ کرام کا معمول تھا

شعبی نے لکھا ہے کہ جب حضرت زید بن ثابت اپنی والدہ کی نماز جنازہ سے فارغ ہوئے تو سواری کے لئے ان کے پاس خچر لایا گیا۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن عباس نے بڑھ کر خچر کی رکاب تھام لی۔ یہ دیکھ کر جناب زید بن ثابت نے حضرت ابن عباس سے فرمایا اے رسول اللہ کے عم زاد رکاب چھوڑ دیں لیکن حضرت ابن عباس نے فرمایا ہم علماء کا ایسا ہی احترام کرتے ہیں۔ یہ سن کر جناب زید بن ثابت نے حضرت ابن عباس کا ہاتھ چوم کر فرمایا ہمیں بھی اہل بیت نبوت کے احترام کا حکم دیا گیا ہے۔

اسامہ بن زید کی اولاد کا احترام

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے محمد بن اسامہ بن زید کو دیکھ کر فرمایا کاش یہ میرے خادم (غلام) ہوتے جب لوگوں نے ان کا تعارف کرایا کہ یہ تو جناب اسامہ کے صاحبزادے محمد ہیں تو آپ نے ندامت سے گردن نیچی کر کے زمین کریدنی شروع کر دی اور فرمایا اگر حضور علیہ السلام انہیں دیکھتے تو ان سے بہت محبت کا اظہار فرماتے۔

اسامہ بن زید کی صاحبزادی عمر بن عبد العزیز کے دربار میں

امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ حضرت اسامہ بن زید (حضور علیہ السلام کے آزاد کردہ غلام) کی صاحبزادی اپنے غلام کا ہاتھ پکڑے ہوئے حضرت عمر بن عبد العزیز کے دربار میں تشریف لائیں تو حضرت عمر بن عبد العزیز ان کے استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے اور بڑھ کر ان کا استقبال کیا اپنے ہاتھ پر چادر لپیٹ کر[1] ان کا ہاتھ

---

[1] متبعین سنت نبوی کی دیانت و تقویٰ کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی صاحبزادی کو جناب اسامہ

(باقی صلا ۱۰۱ پر)

اپنے ہاتھ میں لیا اپنی مسند پر لا کر بٹھایا اور خود ان کے سامنے بیٹھے اور ان سے آمد کی وجہ دریافت کی ان کی تمام ضروریات کو پورا کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدام نبوی سے محبت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر کا وظیفہ تین ہزار اور حضرت اسامہ کا تین ہزار پانچ سو مقرر فرمایا اس پر حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنے والد بزرگوار سے عرض کیا کہ انہوں نے کسی جنگ میں مجھ پر سبقت نہیں کی ہے لہٰذا ان کے وظیفہ میں زیادتی کی وجہ کیا ہے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کے والد کو بارگاہ نبوی میں زیادہ منزلت حاصل تھی اور وہ حضور علیہ السلام کو تمہارے باپ سے زیادہ محبوب تھے اور اسی طرح اسامہ بھی تم سے زیادہ محبوب نبوی تھے یہی وجہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب کو اپنے محبوب (اشارہ اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر کی جانب ہے) پر ترجیح دی ہے۔

امیر معاویہ کا جذبہ صادق

کابس بن ربیعہ حضور علیہ السلام کے مشابہ تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بات معلوم ہو گئی تھی ایک مرتبہ جناب کابس امیر معاویہ کے پاس تشریف لائے تو امیر معاویہ ان کے استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے[1] آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور ان کو اپنی مسند پر لا کر بٹھایا۔ ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور حضور علیہ السلام کی مشابہت کی وجہ سے مرغاب کا علاقہ انہیں عنایت کیا۔

قرابت نبوی کی وجہ عفو و درگذر

عباسی حاکم جعفر بن سلیمان امام مالک رضی اللہ عنہ پر بہت ناراض ہوا اور آپ کو کوڑوں سے پٹوایا

(صفحہ ۱۰۲ سے آگے) سے جو نسبت تھی اس کی وجہ سے ان کا پورا اعزاز و اکرام کیا لیکن شریعت کے احکام کے مطابق بغیر حائل کئے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں نہ لیا۔ ان کا یہ فعل موجودہ دور کے ترقی پسند حضرات کے لئے مشعل راہ ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

[1] امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے استقبال کرنے سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اکابر دین کا کھڑے ہو کر استقبال کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں ورنہ ان صحابہ سے ایسا خلاف شرع فعل صادر نہ ہوتا۔ مترجم

یہاں تک کہ آپ بے ہوش ہو گئے۔ لوگ اسی حالت میں آپ کو گھر لائے۔ عیادت کرنے والوں کا جم غفیر اکٹھا ہو گیا جب آپکو ہوش آیا تو آپ نے حاضرین سے فرمایا میں نے اس اذیت دلانے والے شخص کو معاف کر دیا ہے کسی نے آپ سے اس معافی کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا مجھے یہ خوف ہوا کہ اگر اس حالت میں مجھے موت آجائے اور حضور علیہ السلام کی ملاقات کا شرف حاصل ہو تو مجھے اس وقت ندامت ہو گی کہ میری وجہ سے حضور علیہ السلام کا قرابت دار کو عذاب دوزخ کا مزہ چکھنا پڑے۔

مشہور یہ ہے کہ جعفر کی اس حرکت پر امیر منصور نے امام مالک کو قصاص دلانا چاہا تو امام صاحب نے فرمایا خدا کی پناہ کوڑے لگتے وقت جو کوڑا بھی میرے جسم سے علیحدہ ہوتا تھا میں اسی وقت جعفر کو اس قرابت کی وجہ سے جو اس کو حضور علیہ السلام سے ہے معاف کر دیتا تھا۔

صلہ رحمی کی ایک مثال

ابو بکر بن عباس نے فرمایا اگر میرے پاس کسی ضرورت سے حضرت ابو بکر، عمر و علی رضی اللہ عنہم تشریف لائیں تو میں انمیں حضرت علی کو ان دوسروں پر قرابت نبوی کی وجہ سے فوقیت دوں گا اور اگر مجھے آسمان سے زمین پر بھی گرا یا جائے تو بھی میں یہی گوارا کروں گا کہ ان دونوں پر حضرت علی کو فوقیت دوں

کسی اہم واقعہ پر سجدہ کرنا معمول صحابہ تھا

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے ازواج مطہرات میں سے کسی بی بی کے انتقال کا تذکرہ کیا تو آپ فوراً سجدہ میں گر گئے لوگوں نے اس وقت سجدہ کرنے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کیا تمہیں یاد نہیں حضور نے فرمایا ہے جب تم کوئی نشانی دیکھو تو سجدہ کرو۔ اور زوجہ نبی علیہ السلام سے بڑھ کر اور کون نشانی ہو گی۔

صاحب نسبت حضرات کی خدمت میں حاضری شیخین کا معمول تھا

ام ایمن رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ السلام کی مولاۃ (باندی) ہونے کا شرف حاصل تھا حضرات صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما ان کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے اور اپنی حاضری کی وجہ یہ بتاتے

تھے کہ حضور علیہ السلام بھی انہیں زیارت سے نواز اکرتے تھے۔

بنت حضرت حلیمہ بارگاہ رسالت میں

بنت جناب حلیمہ سعدیہ جب بھی بارگاہ رسالت میں تشریف لائیں تو حضور علیہ السلام ان کے لئے اپنی چادر مبارک بچھا دیتے اور ان کی ضروریات کو پورا فرماتے تھے۔ حضور علیہ السلام کی حیات ظاہری کے بعد یہ محترمہ جب بھی حضرات صدیق اکبر و فاروق کے پاس تشریف لائیں تو وہ ان کا حسب حیثیت احترام فرماتے تھے اور ان کی ضروریات پوری فرمایا کرتے تھے۔

پانچویں فصل

صحابہ کرام کی عزت و توقیر

گذشتہ صفحات میں اہل بیت اطہار کے فضائل و مناقب کے بارے میں تذکرہ کیا گیا ہے اس باب میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عزت و توقیر حسن سلوک۔ ان کی اقتدار، انکا اکرام ان کی تعریف و توصیف ان کے لئے طلب رحمت ان کے دوستوں سے دوستی اور ان کے دشمنوں سے دشمنی رکھنا اور ان کے آپس کے معاملات سے پہلوتہی کے بارے میں تذکرہ کیا جائے گا۔ صحابہ کرام کی تعریف و توقیر درحقیقت سرور عالم کی ہی تعظیم و توقیر ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ان واہی تباہی روایات و حکایات سے پہلوتہی گمراہوں اور بد مذہبوں کی منسوب کردہ غلط روایات سے اعراض اور ان نفوس قدسیہ کی طرف جو غلط باتیں منسوب کی گئی ہیں ان سے بچنا اور ان پر اعتماد نہ کرنا لازم اور ضروری ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام کے درمیان جو ایسی باتیں ہوئی ہیں جن پر اعتراض وارد ہوتا ہو اس کی ایسی تشریح و توضیح کی جائے جو مثبت پہلو کی حامل ہو اور اس سے ان کی تحقیر کا کوئی پہلو نہ نکلتا ہو۔ کیونکہ فرمان نبوی کے مطابق وہ حضرات اسی کی مقتضی و مستحق ہیں۔

ان حضرات کے ساتھ نہ تو کسی کو منسوب کیا جائے اور نہ کوئی الزام لگایا جائے بلکہ اس کے برخلاف ان کے اخلاقِ حمیدہ اور صفاتِ ستودہ کا تذکرہ کیا جائے اور بہتر تو یہ ہے کہ ان روایات پر جو ان کے کردار کو مطعون کرنے والی ہوں ان پر سکوت اختیار کیا جائے۔

صحابہ کرام کی عظمت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ سرورِ عالم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جب میرے صحابہ کا تذکرہ برائی کے ساتھ ہو تو تم خاموش رہو کیونکہ ان کی صفت تو خداوندکریم نے قرآن کریم میں سورۃ فتح کے آخری رکوع اور دوسری آیات میں اس طرح بیان فرمائی ہے۔

(۱) محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم۔ الخ۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اللہ کے رسول ہیں (لیکن) جو ان کے ساتھ ہیں وہ لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کیلئے سخت اور آپس میں نرم دل ہیں۔

(۲) والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار الخ

ایمان لانے والوں میں سبقت رکھنے والے مہاجرین وانصار ہیں۔

(۳) لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ (پ ۲۶ ع ۱۱)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے راضی ہوگیا جس وقت وہ آپ سے پیڑ کے نیچے بیعت کرتے تھے۔

(۴) رجال صدقوا ما عاھد اللہ علیہ۔ (پ ۲۷ ع ۱۹)

بہت سے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا اور اللہ نے ان کے عہد کو سچ کر دکھایا۔

صحابہ ستاروں کی مانند ہیں

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ان لوگوں کی اقتدا کرو جو میرے بعد ہیں ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) حضور نے مزید ارشاد فرمایا میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں

ان میں سے جس کا بھی سہارا لو گے راہ یاب ہو گے۔

صحابہ کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کھانے میں نمک

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا میرے صحابہ کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کھانے میں نمک کیونکہ کھانا بغیر نمک کے ٹھیک اور مکمل ہوتا ہی نہیں ہے۔

صحابہ سے عداوت اللہ کے غضب کا سبب ہے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صحابہ کرام کے بارے میں خوفِ خدا رکھو اور خدا سے ڈرو اور میرے بعد ان کو ہدف ملامت نہ بنانا جس نے صحابہ سے محبت رکھی اس نے میری وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان حضرات سے عداوت رکھی اس نے میری ذات سے عداوت کی وجہ سے انہیں مبغوض رکھا جس نے صحابہ کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ رب العالمین کو ایذا پہنچائی اور اللہ تعالیٰ کو ایذا دینے والا بہت جلد اس کی پکڑ میں آجائے گا جس کی پکڑ نہایت شدید ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ ان بطش ربک لشدید۔

لاتسبوا اصحابی

حضور علیہ السلام نے فرمایا میرے صحابہ کی شان میں گستاخی نہ کرو اور انہیں برا نہ کہو۔ تم میں کوئی شخص اگر احد کی برابر سونا راہ خدا میں دے تو اس کو اتنا اجر نہیں ملے گا جتنا کہ صحابی کو ایک رطل یا اس کے نصف کو راہ خدا میں دینے سے حاصل ہوگا۔

صحابی کو برا کہنے پر لعنت

معلم اخلاق سرور عالم علیہ السلام نے فرمایا جس نے میرے صحابہ کو گالی دی اس پر اللہ رب العالمین اس کے ملائکہ اور تمام انسانوں کی جانب سے لعنت ہو اور اس جرم کا ارتکاب کرنے والے کے فرائض و نوافل بھی بارگاہ قبول میں نامقبول ہوں گے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا جب بھی صحابہ کا تذکرہ ہو تو خاموشی سے سنو۔

صحابہ اور خلفاء راشدین کی خصوصیت: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور

عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے صحابہ کو تمام عالم انسانیت میں انبیار و مرسلین کے بعد سب پر فضیلت حاصل ہے اور ان صحابہ میں میرے لیے چار کو خصوصی طور پر منتخب فرمایا گیا ہے وہ حضرات ابوبکر و عمر، عثمان و علی رضی اللہ عنہم ہیں حالانکہ میرے دوسرے صحابہ بھی بہت مقرب ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر خصوصی نظر کرم

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس نے عمر (رضی اللہ عنہ) کو محبوب رکھا اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے عمر سے بغض و عداوت رکھی وہ میرا باغی ہے۔

صحابہ سے بغض رکھنے والا اسلامی معاشرہ سے خارج ہے

امام مالک بن انس اور دوسرے حضرات نے فرمایا جس نے صحابہ سے عداوت رکھی اور ان کے حق میں سب و شتم روا رکھی اس کا کوئی حق مسلمانوں کے مال غنیمت میں نہیں ہے اور اس کی دلیل سورۃ حشر کی اس آیت سے ملتی ہے۔

والذین جاؤ من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا

اور مال غنیمت ان لوگوں کے لئے ہے جو ان کے بعد آئے اور کہتے ہیں اے رب ہمارے ہماری مغفرت فرما۔

صحابہ سے عداوت رکھنے والا کافر ہے

امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس نے حضور علیہ السلام والصلوٰۃ کے صحابہ کے ساتھ بغض و عداوت رکھی وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

یغیظ بھم الکفر (پ ۲۶ ع ۱۲) تاکہ ان کے سبب کافروں کو غصہ دلائے

دو خصلتیں نجات کا سبب ہیں

عبداللہ بن مبارک نے فرمایا جس میں یہ دو خصلتیں ہوں گی وہ نجات حاصل کرے گا (۱) صداقت (۲) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے محبت۔

خلفاء راشدین کی محبت کا انعام: جناب ایوب سختیانی نے فرمایا ہے جس نے حضرت

ابو بکر صدیق سے محبت رکھی بلاشک وشبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے حضرت عمر کو محبوب رکھا اس پر راہ حق کشادہ ہوگیا اور حضرت عثمان غنی سے محبت رکھنے والا نور الٰہی سے مستفید ہوا اور حضرت علی سے محبت کرنے والے نے دین کی مضبوط رسی کو تھام لیا اور جس نے صحابہ کرام کی عظمت کو ملحوظ رکھا اور ان کی تعریف وتوصیف کی اس نے خود کو نفاق سے بری کر لیا اور جس نے خلفاء راشدین اور صحابہ کی تنقیص کی وہ سنت نبوی کا مخالف اور سلف صالحین کے طریقہ کا دشمن ہے اور مجھے توقع یہ ہے کہ ایسے شخص کا کوئی نیک عمل آسمان کی طرف عود نہ کرے گا تا آنکہ وہ ان کی دشمنی سے تائب ہو کر ان سے محبت نہ کرنے لگے۔

حضور علیہ السلام کن سے راضی تھے

حضرت خالد بن سعید فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "لوگو تمہیں معلوم ہونا چاہیئے میں ابوبکر سے راضی ہوں تم بھی انہیں پہچان لو۔ اس طرح حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی ارشاد فرمایا۔ ان کے بعد حضور علیہ السلام نے حضرت طلحہ۔ زبیر، سعد، سعید، عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم کے حق میں کلمات ارشاد فرمائے۔ لوگو توجہ سے سنو اللہ تعالیٰ بدر وحدیبیہ میں شریک صحابہ کی مغفرت فرمادی ہے تو یہ بات بھی یاد رکھو، خبردار میرے صحابہ میرے خسر اور میرے دامادوں کی عزت واحترام میں کوئی فرق نہ آنے دینا۔ ان کے عزت واحترام کے بارے میں میری نصائح کو یاد رکھو ان میں سے کوئی تمہارا شاکی نہ ہو اور تمہاری بدگوئی اور لعن طعن پر ان میں سے کوئی تمہارے مظالم پر انصاف طلب نہ کرے کیونکہ یہ (بدگوئی) ایسا ظلم ہے جس کی بخشش روز قیامت نہ ہوگی۔

جناب معاویہ وعمر بن عبدالعزیز کا موازنہ

ایک شخص نے جناب معافی بن عمرو سے کہا کہ جناب عمر بن عبدالعزیز اور امیر معاویہ کا کیا موازنہ (جناب عمر بن عبدالعزیز کو ان کے عدل وانصاف کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے) یہ سن کر جناب معافی کو غصہ آگیا اور آپ نے فرمایا صحابہ کرام کا موازنہ بعد میں آنے والوں سے نہ کرو۔ امیر معاویہ کو

جو خصوصیت حاصل ہے وہ دوسروں کو نہیں ہے جناب امیر حضور علیہ السلام کے صحابی۔ امیر المومنین کے بھائی۔ حضور علیہ السلام کے کاتب وحی اور وحی الٰہی کے امین تھے۔

حضور علیہ السلام نے عثمان غنی سے عداوت رکھنے والے کی نماز جنازہ نہ پڑھی

حضور علیہ السلام کی مجلس میں ایک شخص کا جنازہ لایا گیا تو نبی علیہ السلام نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے اس لئے انکار فرما دیا کہ وہ حضرت عثمان غنی سے عداوت رکھتا تھا۔ حضور نے فرمایا "عثمان سے عداوت اور دشمنی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناراض ہے"۔

مسلمانوں کی کمزوریوں پر نظر نہ رکھی جائے

انصار کے بارے میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مسلمانوں کی لغزشوں سے درگذر کرو اور ان کے نیک کاموں کو قبول کر لو"۔

صحابہ کرام اور میرے اہل خاندان کے بارے میں نصیحت پر عمل کیا جائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "میرے صحابہ اور میری سسرال والوں کے بارے میں میری نصیحتوں پر عمل کرو اور میرے فرمودات کی حفاظت کرو جس نے ان حضرات کے بارے میں میری باتیں یاد رکھیں وہ دنیا و آخرت میں محفوظ رہے گا لیکن جس نے میری نصائح پر عمل نہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کی امان سے خارج ہو جائے گا اور جو ان کی امان سے نکلے گا وہ اس کی پکڑ میں بہت جلد آ جائے گا"

صحابہ سے عقیدت قیامت کے دن حضور کی محافظت کا سبب بنے گی

حضور علیہ السلام نے فرمایا "جس نے میرے فرمان کے مطابق میرے صحابہ کی عظمت کی وہ قیامت کے دن میری حفاظت میں ہوگا لیکن جس نے ان حضرات کی تعظیم و توقیر نہ کی وہ میرے پاس حوض کوثر پہ نہ آئے گا یہی نہیں بلکہ وہ مجھ سے اس قدر دور ہوگا کہ مجھے دیکھ بھی نہ سکے گا"۔

نبی علیہ السلام معلم اخلاق ہیں

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام معلم اخلاق ہیں اور ادب کی تعلیم دیتے ہیں ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ہدایت عطا فرمائی۔ یہ وہ نبی مقدس ہیں جن کی ذات رحمت عالم

ہے جو ہماری مغفرت کے لئے نصف شب کو بستر سے اٹھ کر بقیع تشریف لے جاتے ہیں اور ہمارے لئے دعائیں فرماتے ہیں۔ حضور ہمارے لئے اس طرح استغفار فرماتے ہیں جیسے کہ کوئی کسی کو رخصت کرتے وقت دعائیہ کلمات کہتا ہے اور حضور علیہ السلام کی بعثت کا مقصد ہی اللہ تعالیٰ نے یہ مقرر فرمایا تھا۔ نبی علیہ السلام نے صحابہ کی محبت اور ان سے دوستی کا حکم دیا ہے اور یہ حکم فرمایا ہے کہ جو صحابہ سے دشمنی رکھے اس سے دشمنی رکھی جائے۔ حضرت کعب نے حضور سے درخواست کی تھی کہ آپ روز قیامت میری شفاعت فرمائیں۔

صحابہ سے محبت نہ کرنے والا حضور پر ایمان نہیں رکھتا

سہل بن عبداللہ تستری نے کہا ہے کہ جو صحابہ سے محبت نہیں کرتا اور حضور کے احکام کی عظمت نہیں کرتا وہ رسول اللہ پر ایمان نہیں رکھتا

چھٹی فصل — آثار نبوی کی عظمت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعزاز و اکرام میں یہ امور بھی شامل ہیں کہ جن چیزوں کو حضور علیہ السلام کی ذات اقدس سے نسبت حاصل ہے اس کو بھی عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جائے مثلاً ان مقامات کا احترام جہاں آپ تشریف لے گئے۔ مکہ مکرمہ۔ مدینہ طیبہ اور دیگر مقامات منسوبہ (مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم) اور ہر وہ چیز جس کو آپ نے چھوا ہے یا آپ سے متعلق ہے اس سے کوئی یاد وابستہ ہو تمام چیزوں اور مقامات کی تعظیم و توقیر کرنا اس طرح لازمی ہے جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت و توقیر لازم اور ضروری ہے۔

ابو محذورہ اور حسن عقیدت

صفیہ بنت نجدہ فرماتی ہیں کہ جناب ابو محذورہ کے سر کے اگلے حصہ کے بال اس قدر لمبے تھے کہ اگر بیٹھے بیٹھے ان کو کھولتے تو وہ زمین سے لگ جاتے تھے کسی نے ان سے کہا کہ آپ ان کو کٹواتے کیوں نہیں تو اس عاشق رسول نے جواب دیا کہ ان سے ایک یادگار وابستہ ہے ان کو کس طرح کٹوا سکتا ہوں ان بالوں کو حضور علیہ السلام کے دست مبارک کا لمس میسر ہوا ہے۔

موئے مبارک سیف اللہ کی ٹوپی میں

جناب خالد بن ولید سیف اللہ رضی اللہ عنہ کی ٹوپی میں حضور علیہ السلام کے چند موئے مبارک تھے اتفاقاً وہ ٹوپی کسی جہاد میں گر گئی اس کو اٹھانے کی جناب خالد رضی اللہ عنہ نے بہت کوشش کی اور اس اس سلسلہ میں چند صحابہ بھی شہید ہوئے بعد میں لوگوں نے جب ان سے شکایت کی اور اس ٹوپی کے بارے میں معلوم کیا تو جناب خالد نے فرمایا کہ اس ٹوپی کی بذاتہٖ کوئی اہمیت نہ تھی لیکن اس میں نعمتِ بے بہا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک تھے اور اس کے حصول کی غرض وغایت میں دو امور پنہاں تھے ایک تو یہ کہ وہ ٹوپی کفار ومشرکین کے ہاتھ نہ لگ جائے اور دوسرا یہ کہ میں ان موئے مبارک کی برکتوں سے محروم نہ ہو جاؤں۔

حضرت عبداللہ بن عمر کا معمول

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ معمول یہ تھا کہ وہ بسترِ نبوی کی اس جگہ کو جہاں حضور تشریف فرما ہوا کرتے تھے اپنے ہاتھ سے لمس کرتے (چھوتے تھے) پھر اس ہاتھ کو اپنے چہرہ پر ملتے تھے۔

امام مالک مدینہ میں سواری نہیں کرتے تھے

امام مالک رضی اللہ عنہ حرمت مدینہ کا اس قدر خیال رکھتے کہ آپ مدینہ طیبہ میں سواری پر نہیں چلتے تھے ہمیشہ پاپیادہ چلنے کو ترجیح دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے میری غیرت وحمیت یہ گوارا نہیں کرتی کہ اس ارض مقدس کو جہاں حضور علیہ السلام آرام فرما ہیں اسے سواری کے جانور کے سموں سے پامال کروں۔ اہل علم فرماتے ہیں کہ امام مالک نے اس معمول کا اس وقت تذکرہ فرمایا جب کہ آپ نے امام شافعی رضی اللہ عنہ کو سواری کے تمام گھوڑے عنایت فرما دیے تو امام شافعی نے عرض کیا کہ مناسب ہوتا کہ آپ اپنی سواری کے لئے ایک گھوڑا روک لیتے تب امام مالک نے اپنے معمول کے متعلق اظہار فرمایا

کمان کو بے وضو نہ چھونا

احمد بن فضلویہ زاہد اپنے وقت کے ماہر تیر انداز تھے وہ فرماتے تھے کہ میں نے اس کمان کو کبھی بے وضو ہاتھ نہ لگایا جو نبی علیہ السلام کے دستِ اقدس میں رہی تھی۔

سرزمین مدینہ کی اہانت پر دُرّے لگائے گئے

ایک معزز شخص نے مدینہ طیبہ کی زمین کو امام مالک رضی اللہ عنہ کے سامنے ردی اور بیکار کہا امام مالک رضی اللہ عنہ نے اس کو تیس درے مارنے کا حکم دے دیا اور فرمایا یہ شخص تو قابل گردن زدنی ہے کیونکہ یہ اس مقدس سرزمین جہاں سرور کائنات آرام فرما ہیں اس کو ردی اور بیکار کہتا ہے اور اس کو پاک و طیب اور منفعت بخش نہیں سمجھتا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے بارے میں فرمایا جو شخص اس سرزمین پر کوئی نیا فتنہ پیدا کرے گا یا فتنہ گر کو پناہ دے گا اس پر اللہ اور اس کے رسول، فرشتوں اور تمام لوگوں کی طرف سے لعنت ہو اور اس کی فرض و نفل عبادت بھی قبول نہ ہوگی۔"

حضور علیہ السلام کے عصائے مبارک کی توہین پر غیبی سزا

.ہجاہ غفاری نے حضور علیہ السلام کا عصائے مبارک حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے چھین کر اپنے گھٹنے پر رکھ کر توڑنا چاہا لیکن لوگوں نے شور مچا کر اس کو روک دیا لیکن اس کو غیبی سزا اس طرح ملی کہ اس کے گھٹنے میں پھوڑا نکلا جس نے ناسور کی شکل اختیار کر لی جس کی وجہ سے اس کی ٹانگ کاٹی گئی اور وہ اسی سال مر گیا۔

منبر نبوی کے قریب کھڑے ہو کر جھوٹی قسم کھانے پر سزا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میرے منبر کے قریب کھڑے ہو کر جھوٹی قسم کھائی اس کو چاہیئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

عقیدت و محبت کا انداز

ابوالفضل جوہری رحمۃ اللہ علیہ جب مدینہ طیبہ کی حاضری کے لئے حاضر ہوئے اور مدینہ طیبہ کی آبادی قریب آئی تو سواری سے اتر پڑے اور پیدل چلتے ہوئے رو رو کر یہ اشعار گنگناتے جاتے تھے۔

ولما رأينا رسم من لم يدع لنا　　فواد عرفان الرسوم ولا لبا

جب ہم نے اس ہستی کے مقدس نشانات کو دیکھا جس نے نشانات کی معرفت کے لئے ہماری عقل وخرد کو نہ چھوڑا۔

نزلنا عن الاکوار غشی کرامۃ　　عن بان عنه ان نلم به رکبا

لہٰذا ہم اس محبوب کے تقدس کی خاطر اپنی سواریوں سے اتر پڑے اور پا پیادہ چلے تاکہ سواری پر چلنے کی وجہ سے دُور نہ ہو جائیں۔

جذب کامل کا ایک اور واقعہ

ایک اہل دِل کا بیان ہے کہ جب وہ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور آبادی کے قریب پہنچے تو بے ساختہ یہ اشعار پڑھنے لگے۔

رفع الحجاب لنا فلاح لناظر　　قمر تقطع دونه الاوھام

جب پردہ اٹھا تو ایسے مناظر نظر آئے جس سے دیکھنے والے کے تمام اوہام ختم ہو گئے

واذا المطی بلغن محمدا　　فظھورھن علی الرجال حرام

جب ہماری سواری کی حضور تک رسائی ہو جائے تو اب کجاووں پر بیٹھنا ہے۔

قربننا من خیر من وطی الثری　　فلھا علینا حرمۃ وذمام

جب ہمیں ایسی بارگاہ میں رسائی حاصل ہو گئی جو زمین کو پامال کرنے والوں میں سب سے بہتر ہیں تو سواریوں کو ہماری طرف سے امان ہے۔

بھاگا ہوا غلام آقا کے پاس سواری پر نہیں آتا

ایک صاحب دل نے پا پیادہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی لوگوں نے جب ان سے وجہ معلوم کی تو انہوں نے فرمایا بھاگا ہوا نافرمان غلام آقا کے پاس سواری پر نہیں جاتا مجھ سے اگر ممکن ہوتا تو میں یہ سفر سر کے بل کرتا نہ کہ قدموں کے ذریعے

مقام نزول وحی اور دیگر مقاماتِ مقدسہ کی عزت و حرمت لازم ہے

مصنف کتاب جناب قاضی عیاض علیہ الرحمتہ نے فرمایا ہے کہ ان مقدس مقامات کی عزت و حرمت جہاں وحی الٰہی آئی اور نزول قرآن کی سعادت حاصل ہوئی یا جن مقامات پر جناب جبرئیل و میکائیل آتے رہے یا دوسرے معزز فرشتے اترتے اور اپنی منازل کی جانب جاتے رہے یا وہ میدان جہاں تسبیح و تقدیس کی صدائیں گونجتی رہی ہیں جہاں سیدالانبیاء علیہ السلام نے اوقات عزیز بسر فرمائے یا جہاں سے سُنت نبوی و اسلام کی تبلیغ و اشاعت ہوئی۔ وہ مساجد و مکان جہاں وحدانیت اور اسلام کے درس دیئے گئے یا درس و تقدیس کے گواہ اس مقام کے در و بام ہوئے۔ یا وہ مقام جہاں سیدالرسل نے قیام فرمایا وہ منازل و مقامات جہاں سے نبوت کے چشمے جاری ہوئے اور فیضان رسالت نے تاریکی کو نور میں بدلا۔ وہ مقام جس کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک کے لمس کی سعادت حاصل ہوئی اور وہ جگہ جہاں سرور عالم آج بھی محوِ استراحت ہیں۔

ان مقامات کی آج بھی عزت و توقیر لازم ہے اور ان مقدس مقامات کی ہوائیں سونگھنی جانی ضروری ہیں اور ان مقامات کے در و بام کی تقبیل قلب و روح کا سرمایہ حیات ہے۔

یا دار خیر المرسلین ومن بہ   ھدی الانام وخص بالآیات

اے سیّد المرسلین کے کاشانہ اقدس اور آپ سے منسوب چیزو جن سے لوگوں نے ہدایت حاصل کی اور معجزات جو ان پر وارد ہوئے۔

عندی لاجلک لوعۃ وصبابۃ   وتشوق متوقد الجمرات

میرے پاس تمہارے لئے سوزش عشق اور ایسا والہانہ جذبۂ شوق ہے جس سے چنگاریاں بھی روشن ہیں۔

وعلی عھد ان ملأت محاجری   من تلکم الجدرات والعرصات

خدا کی قسم میرا جذبہ یہ ہے کہ میں ان صحنوں یا دیواروں کو اپنی آنکھوں میں سمو دوں۔

لاعفرن مصون شیبی بینھا   من کثرۃ التقبیل والرشفات

میں ان مقامات کو اس کثرت سے بوسے دوں جس سے میری سیاہ داڑھی تک خاک آلود ہو جائے۔

لولا العوادی والاعادی زرتھا ابداً ولو سحبا علی الوجنات

اگر مواقع میسر ہوتے اور موانع سد راہ نہ ہوتے تو میں ہمیشہ ان مقامات کی زیارت کرتا باوجودیکہ کہ میرے رخسار گرد آلود ہو جاتے۔

لکن ساھدی من حفیل تحیتی لقطین تلک الداء والحجرات

لیکن عنقریب میں ان مکانوں اور حجروں کے رہنے والوں پر صلوٰۃ وسلام کے تحفے پیش کروں گا

ازکیٰ من المسک المتق نفحۃ تغشاہ بالاصال والبکرات

جو مشک سے خوشبو کی لپٹیں مارتی ہوں گی اور جسے صبح و شام ڈھانک لیں گے۔

وتخصہ بزوالی الصلوات و نوای التسلیم والبرکات

ان کو پاکیزہ درود اور زیادہ سلام برکات سے مخصوص کرتی ہیں۔

چوتھا باب
صلوٰۃ وسلام کی فضیلت

حضور علیہ السلام والسلام پر درود بھیجنے کا حکم اور اس کی فضیلت کے سلسلہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

ان اللّٰہ وملئکۃ یصلون بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی

علی النبی: (پ ۲۲ ع ۴) (علیہ السلام) پر درود بھیجتے ہیں۔

سید المفسرین جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے درود بھیجنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر برکتیں نازل کرتے ہیں لیکن بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام پر رحم فرماتا ہے اور فرشتے دعا کرتے ہیں۔

صلوٰۃ کے لغوی معنی

مبرد نے کہا ہے کہ صلوٰۃ کے لغوی معنیٰ رحم کرنا ہیں لہٰذا آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے اور فرشتے اللہ تعالیٰ سے رحم فرمانے کی استدعا کرتے ہیں۔

حدیث میں صلوٰۃ کے معنیٰ

حدیث میں صلوٰۃ کے معنیٰ اس طرح بیان ہوئے ہیں جو شخص نماز کے انتظار میں بیٹھے اس کے لئے فرشتے اس طرح دعاگو ہوتے ہیں خداوندا اس پر رحم فرما اور اس کی مغفرت فرما۔

صلوٰۃ کا مفہوم حضور علیہ السلام کے تقدس میں اضافہ ہے

قشیری نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کی جانب صلوٰۃ کا مطلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی و تقدیس میں اضافہ اور دوسروں پر رحمت الٰہی کا نزول ہے۔

ابو العالیہ نے کہا ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مجمع ملائکہ میں حضور علیہ السلام کی مدح و ثنا اور فرشتوں کی دعا

مصنف کتاب علیہ الرحمۃ کی تحقیق

مصنف کتاب جناب قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ذات اقدس پر درود پڑھنے کی حدیث میں صلوٰۃ اور برکت کے فرق کو ظاہر فرمادیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان دونوں لفظوں کے معنیٰ مختلف ہیں۔

رب العالمین کے بندوں کو درود و سلام بھیجنے کے سلسلہ میں قاضی ابو بکر بن بکیر کی تحقیق یہ ہے کہ حضور علیہ السلام پر اس آیت کریمہ کے نزول کا مقصد صحابہ کرام کو حضور علیہ السلام کی ذاتِ اقدس پر درود و سلام پیش کرنے کا حکم دیا جارہا ہے اسی طرح صحابہ کے بعد کے دور کے لوگوں کو بھی یہ حکم ہے کہ وہ حاضری روضہ انور اور ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت آپ کی ذات اقدس پر درود و سلام عرض کریں۔

حضور علیہ السلام پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کی وجوہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کے سلسلہ میں تین وجوہ بیان کی گئی ہیں۔

(۱) آپ کی ذات مقدس اور آپ کے رفتار پر سلامتی ہو اس معنیٰ کو اگر مراد لیا جائے تو سلامت مصدر متصور ہوگا جیسے لذاذ اور لذاذۃ۔

(۲) سلام کا معنیٰ یہ ہوگا کہ سلام آپ کی حفاظت اور رعایت پر ہے اور وہی متولی اور کفیل ہے ان معنیٰ کے مطابق سلام سے مراد ذات باری ہوگی کیونکہ سلام اللہ تعالیٰ کا اسم صفت ہے۔

(۳) سلام مساعت اور انقیاد کے معنیٰ میں مستعمل ہے اس وقت معنیٰ اطاعت و فرمانبرداری کے ہونگے آیت کریمہ شاہد ہے۔

فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً وحرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیما۔
(پ ۵ ع ۶)

اے محبوب آپ کے رب کی قسم وہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوں گے جب تک کہ آپس کے جھگڑوں میں آپ کو حاکم نہ بنائیں پھر آپ کے حکم کے مطابق اپنے دلوں میں کوئی خیال نہ لائیں اور صدق دل سے تعمیل ارشاد کریں۔

پہلی فصل

درود کی اہمیت اور اس کی فرضیت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا فرض ہے جو کسی وقت یا تعداد کے ساتھ محدود نہیں کیونکہ رب کریم نے اس کے بارے میں مطلقاً فرمایا ہے۔ علمائے امت اور صلحائے امت نے اس حکم کو بالاجماع وجوب پر محمول فرمایا ہے۔

ابو جعفر طبری نے اس آیت کو استحباب پر محمول کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اجماع بھی اسی پر ہے معلوم یہ ہوتا ہے کہ موصوف نے ایک مرتبہ سے زیادہ پڑھنے کو مستحب کہا ہے کیونکہ ایک مرتبہ پڑھنے سے

وجوب ادا ہو جاتا ہے اور پھر گناہ لازم نہیں آتا جس طرح کہ حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی شہادت عمر میں ایک مرتبہ ہی دینا فرض ہے اور اس کے بعد اس کی تکرار مستحب و محبوب اور اہل اسلام کے شعائر و علامات میں سے ہے۔

مشہور عالم و مفکر جناب قاضی ابوالحسن قصار نے فرمایا ہے کہ ادائے درود انسان پر مطلقاً واجب ہے اور قدرت کے باوجود عمر میں ایک بار پڑھنا فرض ہے۔

قاضی ابوبکر بن بکیر نے فرمایا رب العالمین نے مخلوق پر فرض فرمایا ہے کہ وہ حضور علیہ السلام پر درود وسلام پیش کریں اور اسمیں وقت و تعداد کی کوئی قید نہیں ہے لہٰذا انسان پر لازم ہے کہ اس سے غفلت نہ برتے اور کثرت سے درود وسلام پیش کرتا رہے۔ ابو محمد بن نصر نے کہا کہ نبی علیہ السلام پر مطلقاً درود بھیجنا واجب ہے۔

تمام عمر میں ایک مرتبہ درود پڑھنا فرض ہے

ابوعبداللہ محمد بن سعید نے فرمایا ہے امام مالک اور ان کے رفقا کا مسلک یہ ہے کہ ایمان کے بعد حضور علیہ السلام پر درود عرض کرنا فرض ہے اور اس میں نماز کی تخصیص نہیں اگر کسی نے تمام عمر میں ایک مرتبہ بھی درود پڑھ لیا تو اس سے فرض ساقط ہو گیا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متبعین کا مسلک یہ ہے جس درود کے پڑھنے کا حکم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے وہ صرف نماز میں فرض ہے۔ ان حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کے علاوہ وہ درود واجب ہے جو نماز کے علاوہ ہے۔

جعفر طبری امام طحاوی نے علمار متقدمین و متاخرین کا اجماع نقل کیا ہے کہ تشہد میں بھی درود شریف پڑھنا واجب نہیں ہے لیکن امام شافعی رضی اللہ عنہ کا کہنا یہ ہے کہ تشہد میں سلام سے پہلے اگر درود شریف نہیں پڑھا تو نماز نہ ہوگی اگرچہ اس سے پہلے اس نمازی نے درود کیوں نہ پڑھ لیا ہو لیکن اس بارے میں امام شافعی کے قول کی تائید نہ تو سلف کے اقوال سے ملتی ہے اور نہ خلف کے۔ علاوہ ازیں علمار کی ایک جماعت نے اس بارے میں ان کا سخت تعاقب بھی کیا ہے ان میں طبری و قشیری بھی شامل ہیں۔

حضرت ابوبکر بن منذر فرماتے ہیں مستحب یہ ہے کہ کوئی شخص ایسی نماز نہ پڑھے جس کے قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود نہ ہو اگر کسی نے اس کو ترک کر دیا تو امام مالک سفیان ثوری اور دیگر علمائے مدینہ کی تحقیق کے مطابق اس کی نماز جائز ہے دیگر اہل علم حضرات نے اس کی تائید فرمائی ہے لیکن امام مالک رضی اللہ عنہ اور سفیان ثوری رضی اللہ عنہ نے کہا ہے مستحب یہ ہے کہ نماز کے قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود پڑھا جائے اور اس کا قصداً ترک کرنے والا ملامت کا مستحق ہے۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں اپنی تحقیق کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ قصداً قعدہ اخیرہ میں درود نہ پڑھنے سے نماز واجب الاعادہ ہو گی۔

ابو محمد بن ابی زید نے محمد بن مواز کا ایک قول نقل کیا ہے کہ نبی علیہ السلام پر درود شریف پڑھنا فرض ہے لیکن اس قول کی تشریح جناب ابو محمد نے یہ فرمائی ہے کہ یہ فرض مستقل اور علیحدہ ہے جز نماز نہیں ہے اور اس کی تائید محمد بن عبدالحکیم کے قول سے ملتی ہے۔ لیکن ابن قصار اور عبدالوہاب صاحبان فرماتے ہیں کہ محمد بن مواز نماز میں درود شریف پڑھنے کی فرضیت کے قائل تھے اور یہی مسلک امام شافعی کا بھی ہے۔

نماز میں درود فرض ہونے کے بارے میں امام مالک کے تین قول

ابو یعلی عبدی مالکی نے درود شریف کے بارے میں امام مالک کے تین قول نقل کئے ہیں۔ واجب سنت اور مستحب لیکن خطابی اور امام شافعی نے اس تحقیق کے سلسلہ میں ان کا تعاقب کیا ہے۔ خطابی کا کہنا ہے کہ یہ نماز میں واجب نہیں ہے اور اس پر تمام فقہاء کا سوائے امام شافعی کے اتفاق ہے اور امام شافعی کا کوئی موید اس بارے میں میرے علم میں نہیں ہے۔ اب رہا معاملہ اس قول پر کسی دلیل و حجت کا، تو اس معاملہ میں خطابی فرماتے ہیں کہ امام شافعی سے پہلے دور کے تمام اہل علم کا اس پر عمل بھی رہا ہے اور اس پر انہوں نے اتفاق کیا ہے۔

اس مسئلہ میں امام شافعی پر کافی تنقید بھی کی گئی ہے اور وہ تشہد جس کے پڑھنے پر امام شافعی نے زور دیا ہے وہ جناب عبداللہ بن مسعود کا روایت کردہ ہے جس کے متعلق ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ درود شریف مجھے حضور علیہ السلام نے یاد کرایا تھا مگر ابن مسعود کی روایت میں اس کو نماز میں پڑھنے کی کہیں تصریح نہیں

اسی طرح درود پاک جو مختلف الفاظ میں دوسرے راویوں سے مروی ہیں مثلاً جناب ابوہریرہ ابن عباس ابن عمر۔ جابر۔ ابوسعید خدری۔ ابوموسیٰ اشعری اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم ان حضرات کی روایت سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی کہ اس کا پڑھنا نماز میں واجب ہے۔

حضرت ابن عباس، ابوسعید خدری وجابر رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے کہ حضور ہمیں تشہد اس طرح تعلیم فرماتے تھے جس طرح آیات وسور قرآنی حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ جناب ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم ہمیں منبر رسول علیہ السلام پر بیٹھ کر تشہد اس طرح سکھاتے تھے جس طرح کتاب پڑھائی جاتی ہے۔

ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ سرور عالم علیہ السلام نے فرمایا جس نے نماز میں مجھ پر درود نہ پڑھا اس کی نماز نہیں لیکن اس حدیث کو نقادان حدیث نے ضعیف بتایا ہے۔

ابوجعفر نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت کردہ حدیث اس طرح نقل فرمائی سرور عالم علیہ السلام نے فرمایا جس نے نماز پڑھی اور مجھ پر اور میرے اہل بیت پر درود نہ پڑھا اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔

نماز میں درود کے بارے میں امام ابوجعفر کا قول

دار قطنی نے فرمایا کہ صحیح قول وہ ہے جو ابوجعفر بن محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اگر میں ایسی نماز ادا کروں جس میں حضور علیہ السلام اور آپ کے اہل بیت پر درود نہ ہو تو میرے نزدیک یہ نماز نہ ہوگی۔

دوسری فصل

جہاں درود سلام پڑھنا مستحب ہے

اس فصل میں ان امور کی وضاحت کی گئی ہے کہ کس کس جگہ درود سلام پڑھنا مستحب ہے قعدہ اخیرہ میں تشہد و دعا کے درمیان درود شریف پڑھنے کے بارے میں گذشتہ صفحات میں لکھا جا چکا ہے اب وہ مواقع جہاں درود پڑھنا افضل و اعلیٰ ہے ملاحظہ ہوں۔

حضور علیہ السلام نے نماز و دعا کا طریقہ تعلیم فرمایا

جناب فضالہ بن عبید فرماتے ہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ ایک شخص نے نماز کے بعد دعا میں حضور علیہ السلام پر درود شریف نہیں پڑھا ہے یہ سُن کر حضور علیہ السلام نے فرمایا اس نے عجلت سے کام لیا ہے پھر حضور علیہ السلام نے اس شخص کو اور دوسروں کو بتایا کہ جب تم نماز پڑھو تو پہلے اللہ کی حمد و ثنا اس کے بعد اس کے نبی (علیہ السلام) پر درود بھیجو اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو چاہو سو مانگو لیکن اور روایت میں تحمید کی بجائے تمجید کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ کی بزرگی کا تذکرہ کرو اور یہی روایت زیادہ قوی ہے۔

دعا آسمان و زمین کے درمیان معلق رہتی ہے

امیر المومنین جناب عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے دعا آسمان و زمین کے درمیان معلق رہتی ہے اور اس وقت تک بارگاہ الٰہی میں باریاب نہیں ہوتی جب تک کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پاک نہ پڑھا جائے۔ اس مفہوم کی ایک حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب علی نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ آل نبی پر بھی درود بھیجا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث دوسرے راویوں سے بھی منقول ہے۔

آداب دعا

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب اللہ سے کچھ مانگنا چاہو تو پہلے اس کی ایسی حمد و ثنا کرو جو اس کی شان کے لائق ہے۔ اس کے بعد نبی علیہ السلام پر درود پڑھو اس کے بعد جو چاہو سو مانگو یہ طریقہ قبولیت دعا کے لئے نہایت مؤثر ہے۔

مجھے سوار کے پیالہ کی مانند نہ بناؤ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے حضور نے فرمایا مجھے سوار کے پیالہ کی مانند نہ بناؤ جو پہلے اس کو پانی سے بھرتا ہے پھر اس کو رکھ دیتا ہے اور اپنے سامان کی ترتیب اور اس کو اٹھانے ہٹانے میں لگ جاتا ہے پھر جب اس کو پانی کی حاجت ہوتی ہے

تو اس میں سے پیتا ہے وضو کرتا ہے ورنہ اس کو پھینک دیتا ہے تم جب دعا کرو تو ابتدا میں مجھ پر درود پڑھو، وسط دعا میں بھی درود پڑھنے سے غفلت نہ کرو اور آخر کلمات دعا و درود ہونے چاہئیں۔

((اس حدیث سے یہ مفہوم اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جب کوئی مصیبت آئی تو حضور علیہ السلام کو یاد کر لیا اور جب ضرورت ختم ہوئی تو پھر خواب غفلت میں پڑ گئے سرکار دو عالم نے فرمایا مجھے ہر حال میں یاد رکھو اور مجھ پر درود و سلام عرض کرتے رہو کیونکہ مجھ پر درود و سلام پڑھنا رضائے الٰہی کا سبب ہوتا ہے (مترجم))

دعا کے ارکان

ابن عطا نے آداب دعا کے سلسلہ میں فرمایا ہے۔ دعا کے ارکان پر۔ سامان اور وقت ہیں، اگر دعا ارکان کے موافق ہوئی تو بارگاہ الٰہی میں مستجاب ہوگی اگر پروں کے موافق ہوئی تو اوپر پرواز کی جائے گی اگر مناسب اوقات میں ہو تو کامیاب ہو جائے گی اور اسباب مہیا ہو گئے تو کمال تک پہنچے گی۔

دُعا کے وقت یہ باتیں ضروری ہیں

دُعا کے ارکان میں حضور قلب۔ رقت۔ سکون۔ خشوع۔ ماسوی اللہ سے قطع تعلق اور اللہ تعالیٰ کی جانب قلب کا رجحان ہیں۔ صدق و رضا دعا کے لئے پروں کا کام کرتے ہیں اور صبح کا وقت قبولیت دعا میں پر تاثیر ہے اور قبولیت دعا کے لئے حضور علیہ السلام پر درود موثر سبب ہے

دُو دُرودوں کے درمیان مانگی ہوئی دعا رد نہیں ہوتی۔

ایک اور حدیث میں اس طرح تعلیم فرمائی گئی ہے کہ دُو درودوں کے درمیان مانگی ہوئی دعا بارگاہِ قبول سے کبھی رد نہیں ہوتی۔ ایک اور حدیث میں اس طرح بتایا گیا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہر دعا آسمانوں میں پردے میں رہتی ہے لیکن جب کوئی مجھ پر درود پڑھتا ہے تو وہ دعا بھی درود کے ساتھ شامل ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس کی دعا

جناب حنش نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دعا کا طریقہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ جب ابن عباس دعا فرماتے تو آخر میں اس طرح فرماتے استجب دعائی یا اللہ میری دعا قبول فرما اس کے بعد

فرماتے ان تصلی علی محمد عبدک ونبیک و رسولک افضل ماصلیت علی احد من خلقک اجمعین آمین۔

درود پڑھنے کے دوسرے مواقع

جب حضور علیہ السلام کا نام نامی سُنا جائے یا حضور علیہ السلام کا ذکر مبارک ہو یا حضور علیہ السلام کا نام زبان پر آئے یا لکھے یا لکھا ہوا پڑھے یا اذان میں حضور علیہ السلام کا اسم گرامی سُنے تو ان سب مواقع پر بارگاہ نبوی میں ہدیۂ درود پیش کرے۔

ذکر رسول سُن کر درود نہ پڑھنے والا ذلیل وخوار ہوگا

حضور علیہ السلام نے فرمایا اس کی ناک خاک آلود ہو یعنی وہ ذلیل وخوار ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا۔

کن مواقع پر درود نہ پڑھنا چاہیئے

ابن حبیب ذبیحہ کے وقت درود پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے اور جناب سحنون نے تعجب کے موقع پر درود پڑھنے کو مکروہ بنایا ہے۔ موصوف نے فرمایا کہ صرف حساب وکتاب اور حصول ثواب کی نیت سے درود پڑھا جائے۔

ربیع نے ابن قاسم سے روایت کی کہ دو مقام ایسے ہیں جہاں ذکر الہٰی کے علاوہ اور کچھ نہ پڑھا جائے۔ ایک ذبیحہ کے وقت، دوسرے چھینک آنے کے بعد۔ ان مواقع پر ذکر الہٰی کے بعد محمد رسول اللہ بھی نہ کہا جائے اگر کسی نے کہا تو یہ محسوب نہ ہوگا۔ ابن شعیب نے فرمایا ہے کہ ان مواقع پر یہ مناسب نہیں کہ درود کو سُنّت قرار دیا جائے (کیونکہ اس سے فساد وابہام کا خطرہ ہے)

جمعہ کے دن درود کی کثرت کی جائے

امام نسائی نے اوس سے منقول ایک روایت نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سرورِ عالم علیہ السلام نے فرمایا مجھ پر جمعہ کے دن کثرت سے درود پڑھا کرو۔

مسجد میں داخل ہوتے وقت درود پڑھنے کا حکم صاحبان محبت وعقیدت نے مسجد میں داخل

ہوتے وقت بارگاہ نبوی میں ہدیہ درود پیش کرنے کی ترغیب دی ہے۔

مسجد میں داخل ہوتے وقت درود و دعا پڑھیں

ابو اسحاق بن شعبان فرماتے ہیں کہ جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو پہلے حضور علیہ السلام پر اور آپ کی آل پر درود عرض کرے اور آل نبوی کیلئے رحمت و برکت کا خواستگار ہو اور اہل بیت نبوت پر سلام عرض کرے اس کے بعد اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک اور جب مسجد سے نکلے تو بھی اسی طرح کرے کیونکہ مسجد کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت کی جگہ بنایا ہے۔

گھر میں داخل ہوتے وقت کیا کرنا چاہیئے

عمر بن دینار نے قرآن کریم کی اس آیت کی تشریح و تفسیر اس طرح فرمائی ہے۔

فاذا دخلتم بیوتاً فسلموا علیٰ انفسکم (پ ۸ ع ۱۴)	جب تم گھر میں داخل ہو تو خود کو سلام کرو۔

جب تم اپنے گھروں میں داخل ہو تو اہل خانہ کو سلام کرو لیکن اگر گھر خالی ہو اور اس میں کوئی مکین نہ ہو تو اس طرح کہو السلام علی النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ السلام علینا و علیٰ عباد اللہ الصالحین السلام علیٰ اھل البیت و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت کریمہ میں بیوت (گھروں) سے مسجدیں مراد ہیں لیکن نخعی نے فرمایا کہ جب مسجد میں کوئی نہ ہو تو اس طرح کہو السلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو اس طرح کہے السلام علینا و علیٰ عباد اللہ الصالحین۔

جناب علقمہ کا معمول

جناب علقمہ فرماتے ہیں میرا معمول یہ ہے جب میں مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو اس طرح کہتا ہوں السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ صلی اللہ و ملائکۃ علیٰ محمد۔

لیکن جناب کعب سے جو روایت مروی ہے اس میں مسجد میں داخل ہونے کی دعا کے ساتھ درود پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔

ابن شعبان کے قول کی دلیل

ابن شعبان کا وہ قول جو اوپر مسجد میں داخل ہوتے درود دُعا کے ذیل میں نقل ہوا ہے۔ اس کی دلیل جناب سیدہ فاطمہ کی اس حدیث سے ملتی ہے جس میں موصوفہ نے فرمایا ہے کہ نبی علیہ السلام کے مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ اذکار معمولات میں سے تھے اور ابوبکر بن عمرو بن حزم سے بھی یہی منقول ہے لیکن انہوں نے سلام و رحمت کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ جناب مصنف فرماتے ہیں کہ اس حدیث اور اس کے اختلاف کے بارے میں دوسری جگہ ذکر کر دیا ہے۔

نماز جنازہ میں درود پڑھا جائے

ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق نماز جنازہ میں درود پڑھنا سُنت ہے انہیں مقامات میں وہ مقامات جہاں درود شریف پڑھنے کے بارے میں جن پر امت کا عمل برابر چلا آرہا ہے اور کسی نے بھی نبی علیہ السلام اور ان کی آل پر درود شریف پڑھنے کی نہ تو مخالفت کی ہے اور نہ انکار کیا ہے مثلاً رسالوں کتابوں میں بسم اللہ حمد باری کے بعد درود شریف لکھنے کا معمول ہے یہ معمول صدر اول میں نہ تھا بلکہ یہ سلسلہ بنی ہاشم کے دور میں شروع ہوا اور اس کے بعد اب تک جاری ہے اور یہی نہیں بلکہ بعض مصنفین و مؤلفین تو کتاب کی ابتدا اور انتہا میں درود شریف لکھتے ہیں۔

کتاب کی ابتدا میں درود و سلام لکھنے پر انعام

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کتاب میں مجھ پر درود لکھا جب تک میرا نام اس کتاب میں ہے اس وقت تک فرشتے اس کے لئے مغفرت طلب کرتے رہیں گے۔

تشہد میں حضور پر سلام پڑھا جاتا ہے

درود پڑھنے والی جگہوں میں ایک مقام نماز ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے سرورِ عالم علیہ السلام نے فرمایا جب تم میں کوئی نماز ادا کرے تو اس کو چاہیئے کہ وہ تشہد (التحیات) وعلیٰ

---

[1] صاحبان عقیدت و محبت نے ابوامامہ کی حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ جنازہ کے ساتھ بھی درود و سلام پڑھنا باعث برکت و ثواب ہے۔ (مترجم)

عباد اللہ الصالحین تک پڑھے۔ اس کے پڑھنے سے رحمت الٰہی اور سلام رب العالمین کے ہر بندہ کو پہنچ جائے گا اور انہیں مقامات درود کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ تشہد میں عباد اللہ الصالحین کے بعد اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ پڑھے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تشہد کے بعد سلام سے پہلے درود شریف پڑھا کرتے تھے اور خود امام مالک نے مبسوط میں اسے مستحب فرمایا اور یہ بتایا کہ میرا معمول ہے اور میں سلام سے قبل درود شریف پڑھتا ہوں اور اس کی سند میں وہ حضرات ابن عمر و عائشہ رضی اللہ عنہما کی حدیث پیش فرماتے ہیں کہ یہ دونوں سلام سے قبل السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ و برکاتہ' السلام علینا و علیٰ عباد اللہ الصالحین پڑھا کرتے تھے۔

اہل علم فرماتے ہیں کہ یہ امور استحبابی میں ہے کہ نماز میں سلام پھیرتے وقت نمازی آسمان و زمین کے ہر نیک بندے خواہ وہ فرشتے ہوں یا انسان ان سب کی نیت کرے۔ امام مالک رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب مجموعہ میں فرمایا ہے کہ میں مقتدی کے لئے مستحب جانتا ہوں کہ جب امام السلام علیکم کہے تو وہ السلام علی النبی ورحمۃ اللہ و برکاتہ السلام علینا و علیٰ عباد اللہ الصالحین السلام علیکم کہے۔

تیسری فصل

درود و سلام کس طرح پیش کیا جائے

جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضری دینے اور بارگاہ نبوی میں بیٹھنے کے آداب تعلیم فرمائے ہیں اسی طرح بارگاہ نبوی میں ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے طریقے بھی سکھائے گئے ہیں

ابو حمید ساعدی فرماتے ہیں صحابہ کرام نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا یا رسول اللہ ہم آپ کی بارگاہ میں کس طرح درود پیش کریں تو حضور نے فرمایا تم اس طرح درود پیش کیا کرو اور یہ پڑھا

کرو اللھم صل علی محمد و ازواجه و ذریته کما صلیت علی ابراھیم و بارک علی محمد و ازواجه و ذریته کما بارکت علی ابراھیم انک حمید مجید و ذریته کما بارکت علی ابراھیم انک حمید ومجید۔

امام مالک نے ابومسعود انصاری کے حوالہ سے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے درود پڑھنے کے یہ الفاظ تعلیم فرمائے تھے۔ اللھم صل علی محمد و علیٰ آلہ کما صلیت علیٰ ابراھیم و بارک علی محمد کما بارکت علی آل ابراھیم فی العالمین انک حمید مجید اور سلام کے الفاظ وہی ہیں جیساکہ پہلے تعلیم کئے گئے ہیں۔

کعب بن عجرہ فرماتے ہیں کہ وہ الفاظ یہ ہیں اللھم صل علیٰ محمد و آل محمد کما صلیت علی ابراھیم و بارک علی محمد و آل محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم انک حمید مجید۔ عتبہ بن عمرو نے یہ الفاظ بتائے ہیں۔ اللھم صل علی محمد النبی الامی و علیٰ آل محمد۔

ابوسعید خدری نے یہ الفاظ بتائے اور معانی حدیث کی تفاصیل سے آگاہ فرمایا۔ اللھم صل علی محمد عبدک و رسولک۔

حضرت علی کی روایت اور انداز تعلیم نبوی

جناب علی ابن ابی طالب سے مختلف سندوں کے ساتھ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو میرے ہاتھ میں شمار کرتے ہوئے فرمایا کہ جبریل امین نے اس طرح میرے ہاتھ میں شمار کیا تھا کہ یہ کلمات بارگاہ الٰہی سے اس طرح نازل ہوئے ہیں۔ اللھم صل علی محمد و آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید۔ اللھم بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید۔ اللھم وترحم علی محمد وعلیٰ آل محمد کما ترحمت علی ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید۔ اللھم وتحنن علی محمد وعلیٰ آل محمد کما تحننت علی ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید۔ اللھم وسلم علی محمد وعلیٰ آل محمد کما سلمت علی ابراھیم وعلیٰ آل

ابراھیم انک حمید مجید۔

اجر و ثواب کا پورا حصہ ملنے کا طریقہ

جناب ابوہریرہ فرماتے ہیں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ جانتا ہے کہ اس کے اجر و ثواب کا حصہ پوری ناپ سے ملے تو اس کو چاہیئے کہ جب وہ مجھ پر اور میری آل پر درود پڑھے تو یہ الفاظ ہوں۔ اللھم صل علی محمد النبی وازواجہ امہات المومنین وذریتہ و اھل بیتہ کما صلیت علی ابراھیم انک حمید مجید۔

رحمت عالم سے زید بن خارجہ کا استفسار

زید خارجہ انصاری فرماتے ہیں میں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ پر کس طرح درود پیش کریں تو حضور نے فرمایا کہ نماز پڑھو اس کے بعد خوب رقت خشوع اور کوشش سے بارگاہ الٰہی میں معروضات پیش کرو اس کے بعد ان کلمات سے میری بارگاہ میں درود پیش کرو۔ اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم انک حمید مجید۔

حضرت علی اور کلمات درود شریف

سلامہ کندی فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضور علیہ السلام پر درود پاک پڑھنے کے لئے یہ کلمات تعلیم فرمائے۔ اللھم داحی المدحوات وباری المسموکات اجعل شرائف صلواتک ونوامی برکاتک ورافۃ تحننک علی محمد عبدک ورسولک الفاتح لما اغلق والخاتم لما سبق والمعلن الحق بالحق والدامغ لجیشات الاباطیل کما حمل فاضطلع بامرک لطاعتک مستوفزا فی مرضاتک واعیا لوحیک حافظا لعھدک ماضیا علیٰ نفاذ امرک حتی اوری قبس لقابس آلاء اللہ تصل باھلہ اسبابہ بہ ھدیت القلوب بعد خوضات الفتن والاثم وابھج موضحات الاعلام و منیر الاسلام فھو امینک المامون وخازن علمک المخزون وشھیدک یوم الدین وبعیثک نعمۃ و رسولک بالحق رحمۃ اللھم افسح لہ فی عدنک اجزہ مضاعفات الخیر من فضلک مھنات لہ غیر مکدرات

من فوز ثوابک المحلول وجزیل عطائک المعلول اللھم اعلی علی بناء الناس بناءہ و اکرم مثواہ لدیک و اتمم لہ نورہ و اجزہ من ابتعاثک لہ مقبول الشھادۃ و مرضی المقالۃ ذا منطق وعدل وخطۃ فصل وبرھان عظیم۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ درود شریف بھی منقول ہے۔ ان اللہ وملئکۃ یصلون علی النبی الایۃ لبیک اللھم ربی وسعدیک صلوۃ اللہ البر الرحیم والملئکۃ المقربین والصدیقین والشھداء والصالحین وما سبح لک من شی یارب العالمین علی محمد بن عبداللہ خاتم النبیین وسید المرسلین و امام المتقین ورسول رب العالمین الشاھد البشیر الداعی الیک باذنک السراج المنیر وعلیہ السلام۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور الفاظ درود

حضرت عبداللہ بن مسعود نے بارگاہ نبوی میں درود پیش کرنے کے لئے یہ الفاظ تعلیم فرمائے۔

اللھم اجعل صلواتک وبرکاتک ورحمتک علی سید المرسلین وامام المتقین و خاتم النبیین محمد عبدک ورسولک امام الخیر ورسول الرحمۃ اللھم ابعثہ مقاماً محموداً یغبطہ فیہ الاولون والاخرون۔ اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم حمید مجید وبارک علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم وَعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید

حوض کوثر سے سیرابی کا نسخہ

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو شخص یہ چاہے کہ اسے حوض نبوی سے پورا پیالہ پینا نصیب ہو اس کو چاہیئے کہ وہ درود شریف پڑھے۔ اللھم صل علی محمد وعلی آلہ واصحابہ واولادہ وازواجہ وذریتہ واھل بیتہ واصھارہ وانصارہ واشیاعہ و محبہ وامتہ وعلینا معھم اجمعین۔ یا ارحم الرحمین۔

جناب طاؤس فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس ان کلمات سے بارگاہ رسالت میں ہدیہ درود

پیش فرمایا کرتے تھے۔ اللھم تقبل شفاعة محمد الکبریٰ وارفع درجة العلیاء وآته سوله فی الاٰخرة والاولی کما اتیت ابراھیم وموسیٰ۔

حضرت ابن مسعود کی نصیحت

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے تمہیں نہیں معلوم کہ کونسا درود بارگاہ رسالت میں پیش ہوگا لہٰذا جب تم درود پڑھنا چاہو تو یہ درود پڑھا کرو۔ اللھم اجعل صلواتک ورحمتک علی المرسلین و امام المتقین وخاتم النبیین محمد عبدک و رسولک امام الخیر ورسول الرحمة اللھم ابعثه مقاما محمودا یغبط فیه الاولون والاٰخرون اللھم صل علی محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت علی ابراھیم انک حمید مجید اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم انک حمید مجید۔

درود و سلام اور اقوال صحابہ واہل بیت

صحابہ کبار اور اہل بیت اطہار وغیرہ سے طویل درود اور بکثرت دعائیں اور حضور علیہ السلام کے فضائل بکثرت منقول ہیں جو انکے علاوہ بھی ہیں جو یہاں مذکور ہوتے اور حضور علیہ السلام کا وہ ارشاد گرامی کہ وہ سلام پڑھو جس کی تمہیں تربیت دی گئی ہے تو اس سے تشہد کا سلام مراد ہے۔ السلام علیک ایھا النبی ورحمة اللہ وبرکاته السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو تشہد منقول ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں السلام علی نبی اللہ السلام علیٰ انبیاء اللہ و رسله السلام علیٰ رسول اللہ السلام علیٰ محمد بن عبد اللہ علینا وعلی المومنین والمومنات من غلب منھم ومن شھد اللھم اغفر لمحمد وتقبل شفاعته واغفر لاھل بیته واغفرلی ولوالدی وما ولد وارحمھما السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین السلام علیک ایھا النبی ورحمة اللہ وبرکاته۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی کلمات میں حضور علیہ السلام کے لئے دعائے مغفرت کی گئی ہے اور ماقبل میں جو روایت حضرت علی سے منقول ہیں اس میں رحمت کی دعا کی گئی ہے لیکن حضرت

علی کی مرفوع حدیث کے علاوہ اور کسی کی روایت کردہ حدیث میں حضور علیہ السلام کے لئے یہ الفاظ ثابت نہیں ہیں بلکہ ابن عبداللہ کا کہنا تو یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے لئے دعائے رحمت بھی نہیں کرنی چاہیئے بلکہ حضور علیہ السلام کے لئے صلوٰۃ اور برکت طلب کرنی چاہیئے اور یہ حضور کی خصوصیت ہے البتہ دوسروں کے لئے رحمت و مغفرت کی دعا کرنی چاہیئے۔

ابو محمد بن زید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کی حدیث میں فرمایا ہے کہ اللھم ارحم محمداً و آل محمد ترحمت علی ابراھیم و آل ابراھیم کے الفاظ بھی کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہیں اور اس کی تصدیق حضور علیہ السلام کے ان الفاظ سے ہوتی ہے۔ السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

چوتھی فصل

بارگاہ رسالت میں درود و سلام کی فضیلت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ بیکس پناہ میں درود و سلام پیش کرنا باعث اجر و ثواب اور دین و دنیا کی فلاح کا سبب ہے اس سلسلہ میں چند احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

حضور علیہ السلام قیامت میں شفاعت کریں گے

ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم مؤذن سے اذان سنو تو جس طرح وہ کہتا ہے تم بھی کہو اور اذان کے بعد مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا اس پر اللہ تعالیٰ کی دس رحمتیں نازل ہوں گی۔ اس کے بعد میرے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو بعض اہل علم نے فرمایا کہ میرے لئے وسیلہ کی دعا کرو کیونکہ یہ جنت میں ایک حصہ ہے جو بندگان خدا میں ایک کے علاوہ دوسرے کے لئے زیبا نہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوں لہٰذا جس نے میرے لئے وسیلہ طلب کیا تو اس پر میری شفاعت حلال ہو گئی۔

درود شریف پڑھنے سے گناہ محو ہوتے ہیں

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے سید الانبیا علیہم السلام سے سنا ہے آپ نے فرمایا جس نے مجھ پر ایک بار درود شریف پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا دس گناہ محو فرما کر درجات بلند فرمائے گا اور ایک روایت کے مطابق دس نیکیاں بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھی جائیں گی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے نبی کریم علیہ السلام کو یہ فرماتے سنا کہ جبریل امین نے مجھ (حضور علیہ السلام) سے کہا جس نے حضور علیہ السلام پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھا اس کے دس درجات بلند کئے جائیں گے اور دس رحمتیں اللہ کی نازل ہوں گی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبریل امین نے بتایا کہ رب کریم نے فرمایا کہ جس نے حضور علیہ السلام پر سلام عرض کیا میں اس پر سلامتی بھیجوں گا اور جس نے ایک مرتبہ درود پڑھا اس پر اتنی ہی رحمتیں نازل فرماؤں گا۔

حضرت ابوہریرہ مالک بن اوس عبداللہ بن ابی طلحہ زید بن حباب کی روایت میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جس نے اللھم صل علیٰ محمد وانزلہ المنزل المقرب عنک یوم القیٰمۃ پڑھا اس پر میری شفاعت واجب ہوگئی۔

کثرت سے درود پڑھنے والا حضور کو محبوب ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے سرور عالم علیہ السلام سے سنا ہے کہ روز قیامت مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہوگا جس نے میری بارگاہ میں سب سے زیادہ درود کا نذرانہ پیش کیا ہے۔

کتاب میں درود پاک لکھنے کا اجر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے کتاب میں مجھ پر درود لکھا جب تک اس کتاب میں میرا نام ہے اس کے لکھنے والے کے لئے فرشتے مغفرت طلب

کرتے رہیں گے۔

جتنی مدت درود پڑھا جاتا ہے فرشتے طالب رحمت رہتے ہیں

عامر بن ربیعہ حضور علیہ السلام کا فرمان اس طرح نقل فرماتے ہیں کہ جتنی دیر کوئی مجھ پر درود شریف پڑھتا رہتا ہے اتنی مدت فرشتے اس کے لئے طالب رحمت رہتے ہیں اب چاہے بندہ زیادہ دیر پڑھے یا کم وقت پڑھے۔

مخبر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی

حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی عادت کریمہ یہ تھی کہ چوتھائی رات گذرنے کے بعد فرماتے لوگو فتنہ و فساد کا وقت آگیا ہے اور اسی کے بعد علامات قیامت ظاہر ہونے لگی ہیں۔ موت اپنی اذیتوں کے ساتھ منتظر ہے ذکر الٰہی کرو (پریشانیوں اور مصیبتوں کا مداوا ہو جائے گا) ابن ابی کعب فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا میں آپ پر بکثرت درود پڑھتا ہوں اس کے لئے کتنا وقت مخصوص کروں حضور نے فرمایا جتنا چاہو میں نے عرض کیا چوتھائی وقت عبادت حضور نے فرمایا جتنا چاہو لیکن اگر زیادہ وقت پڑھو تو بہتر ہے میں نے عرض کیا نصف تو آپ نے وہی جواب دیا کہ زیادہ کرو بہتر ہے میں نے عرض کیا تین چوتھائی حضور نے وہی جواب دیا کہ زیادہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنا تمام وقت درود پاک کے لئے وقف کرتا ہوں اس وقت حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ تمہارے لئے کافی ہے اب تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے

حضور علیہ السلام کے چہرہ مبارک پر اظہار مسرت

ابو طلحہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ چہرہ مبارک سے فرحت و سرور کے آثار نمودار ہیں اور یہ کیفیت میں نے اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی۔ میں نے حضور سے استفسار کیا تو حضور نے فرمایا کہ مجھے ایسی مسرت سے کون مانع ہو سکتا ہے ابھی جبریل بشارت ربانی لے کر آئے جس میں رب کریم نے فرمایا کہ آپ کی امت میں سے اگر کوئی شخص ایک بار آپ پر درود بھیجے گا تو اللہ اور اس کے فرشتے دس گنا رحمت نازل فرمائیں گے۔

دعا بعد اذان

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں سرورِ عالم علیہ السلام نے فرمایا جس نے اذان سننے کے بعد یہ کلمات پڑھے اللھم ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوۃ القائمۃ اٰت محمدن الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاماً محمودا ن الذی وعدتہ قیامت کے لئے اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گی۔

سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس نے اذان سننے کے بعد یہ کلمات ادا کئے اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمداً عبدہ ورسولہ رضیت باللہ ربا وبمحمد رسولا وبالاسلام دینا اس کے گناہوں کی مغفرت ہو جائے گی۔

دس مرتبہ درود پڑھنے سے ایک غلام آزاد کرنے کا اجر

ابن وہب نے کہا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میرے لئے دس مرتبہ درود شریف پڑھا اس کو اتنا اجر ملے گا جتنا کہ ایک غلام کو آزاد کر کے ملتا۔

بعض احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا میرے سامنے کچھ لوگ ایسے پیش کئے جائیں گے جنہیں میں کثرت سے درود شریف پڑھنے کی وجہ سے پہچان لوں گا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ قیامت کی سختیوں اور اس کی شدتوں سے نجات حاصل کرنے والا شخص وہی ہو گا جس نے مجھ پر بکثرت درود پڑھا ہے۔

درود پاک پڑھنے کے بارے میں صدیق اکبر کا ارشاد

خلیفہ رسول جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام پر درود پڑھنا گناہوں کو اس طرح ختم کرتا ہے جس طرح ٹھنڈا پانی پیاس کو یا پانی آگ کو اور حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں سلام پیش کرنا ایک غلام کو آزاد کرنے سے زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہوتا ہے۔

پانچویں فصل

بارگاہ رسالت میں درود نہ بھیجنے والے کی مذمت اور اس پر گناہ

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود وسلام عرض کرنے کے فضائل اور اس پر اجر و ثواب کے بارے میں گذشتہ فصل میں تذکرہ کیا جاچکا ہے اس فصل میں حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں درود پیش نہ کرنے کی مذمت اور اس پر جو گناہ مرتب ہوتے ہیں ان کا تذکرہ کیا جائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ حضور علیہ السلام نے چند لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا انکی ناک خاک آلود ہو یعنی وہ ذلت ورسوائی کا شکار ہوں ان کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) جس کے سامنے حضور علیہ السلام کا تذکرہ ہوا لیکن اس نے بارگاہ رسالت میں درود نہ پڑھا۔

(۲) جس نے مغفرت ورحمت کے لئے رمضان مبارک پایا لیکن وہ ایسے ہی گذر گیا اور وہ شخص اس کے برکات سے فائدہ نہ اٹھاسکا۔

(۳) جس نے اپنے ضعیف والدین کی موجودگی میں اپنے لئے دخول جنت کا سامان مہیا نہ کیا اور وہ دنیا سے چلے گئے یعنی اس نے اپنے والدین کی خدمت کر کے اجر وثواب حاصل نہ کیا۔ بعض حضرات نے والدین کے بجائے ان میں ایک کو بھی لکھا ہے اور والدہ کے لئے تو حدیث میں اس طرح وارد ہوا الجنۃ تحت اقدام امہاتکم۔

درود نہ پڑھنے والا اور والدین کا نافرمان رحمت سے دور ہے

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر رونق افروز ہوئے جب پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا آمین دوسری سیڑھی پر قدم رکھکر بھی آمین فرمایا اور تیسری پر بھی آمین کہا اس وقت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آج یہ خلاف معمول آپ نے کیا عمل فرمایا۔ تب حضور علیہ السلام نے فرمایا میں جس وقت منبر پر چڑھ رہا تھا تو جبریل امین آئے اور عرض کیا اے سرکار دوعالم جس کے سامنے آپ کا نام نامی لیا گیا اور اس نے آپ پر درود نہ پڑھا اور مرگیا تو داخل جہنم ہوگا۔ آپ آمین کہیں میں نے

آمین کہا۔ جب میں دوسری سیڑھی پر چڑھنے لگا تو جبریل نے کہا کہ جس نے رمضان مبارک پایا اور اس کی برکتوں سے استفادہ نہ کیا تو وہ بھی جہنمی ہے آپ اسکے بارے میں بھی آمین کہیں لہٰذا میں نے آمین کہا جب تیسری سیڑھی پر چڑھنے لگا تو جبریل نے کہا کہ جس نے اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو پایا اور ان کی خدمت نہ کی اور مر گیا سو وہ بھی مستحق جہنم ہے اس کے لئے بھی آپ آمین فرمائیں میں نے اس کے لئے بھی آمین کہا (فاعتبروا یا اولی الابصار)

بخیل کون ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بڑا بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا تذکرہ ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

درود نہ پڑھنے والا گم گشتہ راہ ہو جائے گا

جناب جعفر بن محمد نے اپنے والد سے روایت کیا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے سامنے میرا تذکرہ کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے تو اس کو جنت کا راستہ بھلا دیا جائے گا۔

اس مجلس کا حال جس میں اللہ و رسول کا ذکر نہ ہو

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں مجھ سے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ اگر کسی جگہ جمع ہوں اور اس مجلس میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کئے بغیر منتشر ہو جائیں تو یہ اللہ کی مشیت و مرضی پر منحصر ہے چاہے انہیں اس کوتاہی پر عذاب فرمائے یا بخشش فرما دے۔

جناب ابو ہریرہ نے فرمایا میں نے حضور علیہ السلام سے سنا ہے کہ جو شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنا بھول گیا وہ جنت کا راستہ بھی بھول جائے گا۔

درود نہ پڑھنے والا ظالم ہے

جناب قتادہ فرماتے ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ بڑے ظلم و جفا کی بات ہے کہ کسی کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سمعتِ عام سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ کسی

مجلس میں مجتمع ہوں اور درود وسلام پڑھے بغیر منتشر ہو جائیں تو وہ اس کیفیت میں جدا ہوں گے جیسے ان کے ساتھ مردار شئے کی بدبو ہو۔

درود نہ پڑھنے کی حسرت

ابی سعید فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ کسی محفل میں جمع ہوئے اور انہوں نے مجھ پر درود نہ پڑھا اگرچہ وہ جنت میں داخل بھی ہو جائیں پھر بھی حسرت ویاس کا شکار رہیں گے اور وہاں درود کو نہ پڑھنے کے ثواب سے محرومی پر ندامت محسوس کرتے رہیں گے۔

مجلس میں ایک مرتبہ درود پڑھنا کافی ہے

ابو عیس ترمذی نے بعض اہل علم کا قول نقل کیا ہے کہ کوئی شخص اگر ایک مجلس میں ایک مرتبہ بھی درود شریف پڑھ لے تو اس کے لئے کافی ہے چاہے وہ کتنی ہی دیر وہاں نشست رکھے۔

چھٹی فصل

درود پاک اور حضور کی خصوصیت

سید الرسل جناب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے اگر مخلوق میں کوئی آپ پر درود وسلام عرض کرتا ہے تو وہ حضور کی بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے پھر میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں[لہ]

لہ حضرت ابوہریرہ کی روایت کردہ اس حدیث کے الفاظ تشریح وتوضیح کے محتاج ہیں کیونکہ احادیث صحیحہ اور آئندہ بیان ہونے والی حدیث سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی حیات ظاہری کی طرح زندہ ہیں اور ان کی حیات ظاہری اور موجودہ حالت میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں کہ یہ حضرات ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں اور حقیقت حال یہ ہے کہ بہت سی احادیث ایسی ہیں کہ ان کا مطلب وقت مقررہ پر سمجھ میں آتا ہے مثلاً منکر حدیث والی (باقی صفحہ پر)

جناب ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو مجھ پر میری آرام گاہ کے قریب کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھتا ہے اسے میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھتا ہے وہ میری خدمت میں پہنچایا جاتا ہے۔

فرشتے سلام پہنچانے پر متعین ہیں

حضرت ابن مسعود نے فرمایا اللہ کے فرشتے خطۂ زمین پر اس شخص کی تلاش میں رہتے ہیں جو بارگاہ رسول میں ہدیہ درود و سلام پیش کرتا ہے پھر فرشتے وہ درود و سلام حضور کی بارگاہ میں لاتے ہیں اور اسی مضمون پر مشتمل الفاظ حضرت ابوہریرہ سے بھی منقول ہیں۔

درود و سلام جمعہ کو خصوصی طور پر پیش کیا جائے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تم جمعہ کے دن اپنے نبی علیہ السلام پر کثرت سے سلام پیش کیا کرو کیونکہ جمعہ کو میری خدمت میں (خصوصی طور پر) سلام پیش کیا جاتا ہے ایک اور روایت میں اس طرح فرمایا گیا ہے کہ جب سلام پڑھنے والا مجھ پر سلام پڑھ کر فارغ ہوتا ہے تو وہ اسی وقت میری خدمت میں پیش کر دیا جاتا ہے

درود و سلام پیش کرنے میں قریب و بعید کی کوئی قید نہیں

امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم علیہ السلام نے فرمایا تم جہاں بھی ہو وہیں سے میری بارگاہ میں درود و سلام پیش کرو کیونکہ تمہارا درود و سلام میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

امت مسلمہ کا درود و سلام بارگاہِ نبوی میں پیش کیا جاتا ہے

سید المفسرین جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا امت مسلمہ کا کوئی فرد جو بارگاہ نبوی میں ہدیہ درود و سلام پیش کرتا ہے وہ بارگاہ رسالت میں پیش کیا جاتا ہے۔

(بقیہ) سے آگے حدیث تیرہ سو سال بعد ظہور میں آئی۔ اسی طرح معراج جسمانی کے منکرین نے فرمان سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر تو یقین نہ کیا لیکن تسخیر قمر کے بعد ان کے متبعین کی زبانوں پر تالے پڑ گئے۔ اس موضوع پر یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں اس لئے اشارات پر اکتفا کیا گیا۔ (مترجم)

امتی کا درود و سلام اسکے نام کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے

صاحبان علم و عقیدت فرماتے ہیں امت مسلمہ کا جو فرد بھی بارگاہ نبوی میں درود و سلام کا نذرانہ پیش کرتا ہے اس کا درود و سلام اس کے نام کے ساتھ بارگاہ نبوی میں پیش کیا جاتا ہے۔

کاشانۂ نبوی کو نمائش گاہ نہیں عبادت گاہ بنایا جائے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت منسوب ہے موصوف نے فرمایا جب تم مسجد میں داخل ہو تو نبی علیہ السلام کی بارگاہ میں ہدیہ سلام پیش کرو کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا میری اقامت گاہ کو نمائش گاہ نہ بناؤ اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بننے دو بلکہ میری بارگاہ میں درود و سلام کا نذرانہ پیش کرتے رہو کیونکہ تمہارا درود و سلام میری بارگاہ میں مجھے پہنچتا ہے۔

حضرت اوس نے بھی جمعہ کے دن کثرت سے درود پڑھنے کی ہدایت فرمائی اور کہا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے جمعہ کو درود کی کثرت کرو کیونکہ اس دن درود خصوصی طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ جمعہ کے دن کثرت سے درود پڑھنے کے بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول حدیث ماسبق میں بھی نقل کی گئی ہے

مواجہ شریفہ میں حاضری دینے والوں کو حضور پہچانتے ہیں

جناب سلیمان بن سمیم فرماتے ہیں میں خواب میں زیارت نبی علیہ السلام سے مشرف ہوا تو میں نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ سرکار جو لوگ مواجہ شریفہ میں حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کرتے ہیں کیا حضور ان کو پہچانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ صرف پہچانتا ہوں بلکہ ان کو سلام کا جواب بھی دیتا ہوں[1]۔

---

[1] بعض خوش قسمت افراد حضور علیہ السلام کے جواب سلام کو سنتے بھی ہیں اور حضور علیہ السلام سے کلام بھی کرتے ہیں اس سلسلہ میں جناب مولانا عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمۃ کی سرفرازی کا واقعہ بہت شہرت رکھتا ہے۔ موصوف کو تین مرتبہ مواجہ شریف میں ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا۔ ان کے علاوہ اور حضرات بھی اس شرف سے مشرف ہوتے ہیں۔ (مترجم)

درود و سلام کے لئے جمعہ اور شب جمعہ کی خصوصیت

ابن شہاب فرماتے ہیں مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھ پر چاندنی رات اور روز روشن (یعنی شب جمعہ اور جمعہ کے دن) کثرت سے درود شریف پڑھا کرو کیونکہ وہ میری خدمت میں پیش کیا جاتا ہے (اور یہ بات یاد رکھو) انبیاء علیہم السلام کے اجسام مبارک زمین کے اثرات سے محفوظ رہتے ہیں اور زمین انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتی [1] اور جو کوئی مسلمان میری ذات اقدس پر درود پڑھتا ہے تو اس کو فوراً ایک فرشتہ لے جاتا ہے اور درود پڑھنے والے کے نام کے ساتھ میری بارگاہ میں پیش کرتا ہے اور عرض گذار ہوتا ہے کہ حضور کے فلاں امتی نے اس طرح بارگاہ میں سلام عقیدت پیش کیا ہے۔

ساتویں فصل

کیا غیر انبیاء پر درود بھیجا جا سکتا ہے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے انبیاء کرام اور غیر انبیاء پر درود پڑھنے میں علمائے اعلام کا اختلاف ہے اور اہل علم حضرات نے اس سلسلہ میں مختلف آراء کا اظہار کیا ہے بعض حضرات اس کے جواز کے قائل ہیں اور بعض حضرات نے مخالفت کی ہے۔

جناب مصنف کی تحقیق: - قاضی ابو الفضل عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علمائے کرام کی اکثریت

---

[1] ان کلمات سے وہ باطل شبہات دور ہو جاتے ہیں کہ انبیاء وقتی طور پر تشریف لائے اور بعد میں مر کر مٹی میں مل گئے حقیقت اور مشاہدہ تو یہ بتاتے ہیں کہ انبیاء کا مقام تو ارفع و اعلیٰ ہے صلحائے امت بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور موجودہ دور میں ایسے بہت سے واقعات دیکھے گئے ہیں کہ بہت پرانی قبر اگر کسی وجہ سے کھل گئی ہے تو اس میں لاش برسہا برس گزرنے کے بعد بھی محفوظ ملی ہے ان واقعات کی اگر تفصیل بیان کی جائے تو ایک مستقل کتاب بن جائے۔ مترجم

کی تحقیق یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے علاوہ دوسرے نبیوں پر بھی درود پڑھنا جائز ہے لیکن سید المفسرین جناب ابن عباس فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی نبی پر درود شریف پڑھنا جائز نہیں اور جب کسی نبی پر درود پڑھنا جائز نہیں تو غیر نبی پر درود کس طرح پڑھا جا سکتا ہے۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ غیر نبی پر درود پڑھنا مکروہ ہے۔

جناب مصنف فرماتے ہیں میں نے اپنے بعض بزرگوں کی تحریروں میں یہ دیکھا ہے کہ امام مالک کی تحقیق یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے علاوہ دوسرے انبیاء کی بارگاہ میں درود پیش کرنا جائز نہیں لیکن ان کا یہ مسلک معروف نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف امام مالک کی تحریر مبسوط یحییٰ بن اسحاق میں اس طرح ملتی ہے جس میں موصوف نے لکھا ہے کہ میں غیر انبیاء پر درود پڑھنا مکروہ سمجھتا ہوں اور یہ بات کسی طرح مناسب نہیں کہ ہمیں جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے ان سے تجاوز کریں۔

یحییٰ بن یحییٰ فرماتے ہیں مجھے امام مالک کی اس رائے سے اتفاق نہیں بلکہ میں رائے رکھتا ہوں کہ درود شریف حضور علیہ السلام اور آپ کے علاوہ دوسرے انبیاء ہی نہیں بلکہ ان حضرات کے علاوہ اور لوگوں پر بھی درود شریف پڑھا جا سکتا ہے اور اپنے اس قول کے سلسلہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضور علیہ السلام کی ذات اقدس کے علاوہ آل نبی اور ازواج مطہرات پر درود پڑھنے کی تعلیم دی ہے۔

جناب مصنف فرماتے ہیں میں نے ابو عمران کی ایک معلق روایت دیکھی ہے جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام کے علاوہ دوسروں پر درود پڑھنا مکروہ ہے اور ہم بھی یہ کہتے ہیں یہ بات درست ہے کیونکہ سلف صالحین کا یہ معمول نہ تھا۔

تمام انبیاء حضور ہی کی طرح مبعوث ہوئے

عبدالرزاق نے جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے تمام نبیوں اور رسولوں پر درود بھیجو کیونکہ رب کریم نے انہیں بھی ویسا ہی مبعوث فرمایا جیسا کہ مجھے مبعوث فرمایا تھا۔

نبی اور غیر نبی پر درود پڑھنے میں محدثین کی تحقیق

محدثین کرام فرماتے ہیں انبیاً اور غیر نبی پر درود پڑھنے کے سلسلہ میں جو احادیث حضرت ابن عباس سے مروی ہیں وہ ضعیف ہیں حالانکہ لفظ صلوٰۃ (درود) زبان عرب میں ترحم اور دعا کے معنیٰ میں مستعمل ہے جو اجماع اور احادیث صحیحہ کے عین مطابق ہے اور اس میں کوئی امر مانع نظر نہیں آتا۔ اس سلسلہ میں قرآنی شواہد یہ ہیں۔

(۱) ھوالذی یصلی علیکم وملٰئکتہ (پ ۲۲ ع ۳) — وہی ہے جو اپنے فرشتوں کے ساتھ آپ پر درود بھیجتا ہے۔

(۲) خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم۔ (پ ۱۱ ع ۲) — اے محبوب ان کے مال سے زکوٰۃ وصول کریں جس سے وہ ستھرے اور پاکیزہ ہو جائیں اور آپ ان کے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔

(۳) اولٰئک علیھم صلوٰت من ربھم و رحمۃ۔ (پ ۲ ع ۳) — یہ لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی رحمت اور درودیں ہیں۔

حضور علیہ السلام نے امتیوں پر دعائے رحمت فرمائی

آیاتِ قرآنی کے علاوہ یہ بات احادیث نبوی سے ثابت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے امتیوں کے لئے دعا رحمت فرمائی ہے جیسے فرمان نبوی اللھم صل علیٰ آل ابی اوفی اے اللہ ابی اوفیٰ کی اولاد پر رحمت فرما۔

صدقہ لانے والوں کے لئے دعائے رحمت

جب کوئی قوم حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں صدقہ لے کر حاضر ہوتی تو اس وقت حضور علیہ السلام فرماتے تھے اللھم صل علی فلاں اے اللہ آلِ فلاں پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔

حدیث درود کے الفاظ:۔ جناب مصنف فرماتے ہیں کہ مشہور حدیث درود کے الفاظ اس طرح ہیں

اللھم صل علی محمد وعلی ازواجہ و ذریتہ دوسری حدیث کے الفاظ اس طرح منقول ہیں اللھم صل علی محمد و علی اٰل محمد بعض علماء نے فرمایا ہے کہ آل سے مراد متبعین سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ بعض حضرات نے آل سے اہل بیت مراد لئے ہیں بعض نے کہا آپ کا قبیلہ بعض نے گروہ مراد لئے ہیں ۔ بعض حضرات نے فرمایا آل سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے یعنی سادات کرام (حضور علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق کل مومن تقی فھو الی ہر مومن متقی میرے آل میں شامل ہے گنہگاروں کو عبرت دلانے کے لئے حضور نے انہیں اپنی آل میں شامل نہیں فرمایا)

ہر مومن متقی میری اولاد میں ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ آل محمد کون ہیں تو حضور نے فرمایا پرہیزگار اور متقی ۔

آل کے سلسلہ میں حسن بصری کی رائے

آل کے معنی کے سلسلہ میں جناب حسن بصری اپنی منفرد رائے رکھتے ہیں وہ آل سے ذات نبوی علیہ السلام کو مراد لیتے تھے اور درود شریف پڑھتے وقت یہ کلمات پڑھتے تھے اللھم اجعل صلواتک و برکاتک علی آل محمد اور جناب حسن بصری کے متعلق یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ فرض کو ترک کر دیں اور مستحب یا نفل کو ادا کریں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنا فرض ہے جس کا حکم نص قطعی سے ثابت ہے اور یہ بات خود حضور علیہ السلام کے فرمان سے ثابت ہے جس میں کہ آپ نے جناب ابو اشعری رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا انہیں جناب داؤد علیہ السلام کے لحنوں میں سے ایک لحن (خوش آوازی) عطا کیا گیا ہے (یہاں آل داؤد سے خود حضرت داؤد علیہ السلام کی ذات مراد ہے)

ابو حمید ساعدی سے جو حدیث مروی ہے یہ درود شریف پڑھنا اس طرح ثابت ہوتا ہے اللھم صل علی محمد و ازواجہ و ذریتہ ۔

حضرت ابن عمر درود شریف اس طرح پڑھتے تھے

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب درود پاک پڑھتے تو اس میں جناب صدیق و فاروق کے نام شامل

کرتے تھے ۔ موطا میں امام مالک نے یحییٰ اندلسی کی روایت سے یہ لکھا ہے کہ جناب ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرات صدیق و فاروق کے لئے دعا فرماتے تھے اس روایت کے علاوہ اور صحیح روایت سے بھی ثابت ہے کہ ابن عمر اپنے والد اور خلیفہ اول جناب صدیق کے لئے دعا فرماتے تھے ۔

درود پاک اور اپنے احباب کے لئے غائبانہ دعائیں کی جاتی تھیں

ابن وہب جناب انس بن مالک کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ہم اپنے اصحاب کے غائبانہ میں ان کے لئے دعائیں کرتے اور اس طرح دعا کیا کرتے تھے "اے اللہ اپنی طرف سے فلاں شخص پر ان نیک لوگوں کی رحمتیں درودیں نازل فرما جو قائم اللیل اور صائم النہار تھے (راتوں کو عبادت کرتے اور دن میں روزے رکھتے تھے) (اس روایت میں امام مالک نے لفظ صلوٰۃ استعمال کیا ہے جو درود کے معنی میں مستعمل ہے) مترجم

مصنف علیہ الرحمۃ کی رائے

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ وہ اقوال ہیں جو علمائے محققین سے منقول ہیں اور میرا رجحان امام مالک اور سفیان ثوری کے اقوال کی طرف ہے اور ان کے اقوال حضرت ابن عباس کی روایت سے ماخوذ ہیں جس کی تائید اکثر علماء و محققین نے بھی کی ہے کہ انبیاء و مرسلین کے علاوہ اگر کسی کا ذکر کیا جائے تو اس پر درود نہ پڑھا جائے کیونکہ درود لفظاً انبیاء علیہم السلام کی عزت و توقیر کے لئے ہے جیسے تنزیہہ اور تقدیس کے الفاظ ذات باری کے ساتھ مخصوص ہیں جن میں اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں اسی طرح نبی علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ صلوٰۃ و سلام کی خصوصیت واجب ہے ارشادِ باری ہے ۔

صلوا علیه وسلموا تسلیما پ۲۲ ع ۴ — درود بھیجو ان پر اور سلام کہو۔

انبیاء و رسل کے علاوہ علماء و صلحائے امت کے لئے الفاظ

انبیاء عظام اور رسل و کرام کے علاوہ جب علمائے امت اور صلحائے ملت کے لئے غفران و رضوان غفرلہ یا رضی اللہ عنہ کے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں ۔ ارشاد خداوندی ہے ۔

(۱) ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان (پ۲۸ ع ۲) — اے رب ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے ایمان لائے مغفرت فرما۔

(۳) والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ۔ (پ ۱۱ ع ۲)	جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو کار ہوئے اللہ ان سے راضی ہو۔

درود و سلام میں آل محمد کا اضافہ

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں میری رائے ابو عمران کی تحقیق کی مطابق ہے کہ یہ اضافہ صدر اول میں نہ تھا بعد میں روافض اور اہل تشیع نے اپنے ائمہ کے لئے شروع کی ہے اور یہ لوگ حضور علیہ السلام کی طرح ائمہ پر بھی درود پڑھتے ہیں اور انہیں حضور علیہ السلام کا مساوی ٹھہراتے ہیں علاوہ ازیں یہ بدعتیوں کی مشابہت بھی ہے جس کی شریعت میں مخالفت ہے اور ان کی مخالفت بھی واجب ہے۔

نبی علیہ السلام کے تبع میں درود پڑھا جا سکتا ہے

انبیار کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے درود پڑھنا جائز نہیں البتہ ازواج و آل کا ذکر حضور علیہ السلام کے ساتھ آپ کے نسبت و اضافت جائز ہے خصوصی طور پر نہیں۔ فقہا فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جن کے لئے صلوٰۃ کا لفظ استعمال کیا ہے وہ ان پر خصوصی توجہ کا اظہار اور دعا کے قائم مقام ہے۔ اس سے ان کی تعظیم و تکریم مراد نہیں جو انبیار علیہم السلام کی خصوصیات میں سے ہے اور اس سلسلہ میں وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا (پ ۱۸ ع ۱۰)	تم رسول علیہ السلام کے پکارنے کو ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

جب بات چیت اور باہمی معاملات میں حضور علیہ السلام کے لئے دعا کے الفاظ کا بھی ایک دوسرے کی دعا سے اختلاف لازم ہے اور یہی مذہب مختار ہے اور یہی تحقیق امام ابوالمظفر اسفرائنی کی ہے جس کو امام عبداللہ نے نقل کیا ہے۔

آٹھویں فصل

سرکارِ دو عالم علیہ السلام کے روضہ مبارک پر حاضری

روضہ اطہر کی حاضری کے آداب اور زائر کو شرف و عزت

روضہ مبارک کی زیارت ملت مسلمہ کے افراد کے لئے عزت و شرف کا ہی سبب نہیں بلکہ تمام علمائے امت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ شرف و عزت مسنون بھی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ان الفاظ میں نقل فرمایا۔ حضور فرماتے ہیں جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی۔ ایسی ہی ایک حدیث انس بن مالک نے روایت فرمائی کہ سرکار دو عالم علیہ السلام نے فرمایا جس نے اجر و ثواب کے حصول کے لئے مدینہ طیبہ میں میری زیارت کی وہ میری پناہ میں آگیا اور قیامت میں میں اس کا شفیع ہوں گا۔ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی حیات ظاہری اور بعد از وفات زیارت میں کیا فرق ہے تو اس کو خود حضور علیہ السلام نے ظاہر فرما دیا۔ حضور نے فرمایا جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری حیات ظاہری میں زیارت کی۔

زیارتِ نبوی اور امام مالک کا قول

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس بات کو مکروہ سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزار مبارک کی زیارت کی ہے۔ زیارت قبر کے مسئلہ پر علماء نے اس حدیث کے مدنظر جس میں زیارت قبور سے منع فرمایا گیا ہے اور زیارت قبر کرنے والوں پر لعنت فرمائی گئی ہے مگر غالباً یہ حکم ابتدا میں تھا اور خود یہ حضور علیہ السلام کے اس فرمان سے منسوخ ہو گیا جس میں خود حضور نے فرمایا کہ پہلے میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا لیکن اب تم زیارت کیا کرو اور اس کی مزید توثیق اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں خود حضور علیہ السلام نے اپنی قبر مبارک کی زیارت کا

کا حکم دیا ہے اس طرح حضور علیہ السلام نے قبور کی حاضری کا اطلاق فرمایا ہے۔

زائر اور مزور کی فضیلت اور اس کا فرق

بعض حضرات نے کراہت کی توجیہہ اس طرح کی ہے کہ زائر مزور سے افضل ہوتا ہے اس لئے کراہت پیدا ہوتی ہے۔ یہ بات قرین قیاس نہیں کیونکہ ہر زائر اس صفت کا اہل نہیں ہوتا اور نہ یہ قاعدہ کلیہ ہے کیونکہ اہل جنت کے لئے کہا گیا ہے کہ رب تعالیٰ کی زیارت کریں گے کیونکہ لفظ زیارت کا اطلاق ذات باری کے لئے ممنوع نہیں ہے۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضور علیہ السلام کی زیارت مقدسہ کے بارے میں جو کراہت کا فتویٰ دیا ہے اس کی ظاہری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ طواف اور زیارت اور زیارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ الفاظ باہمی طور پر بھی مستعمل ہیں اور ایسے الفاظ جن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مقدسہ سے برابری کا تصور بھی ہوتا ہو ان کا استعمال مکروہ ہے۔

زیارت نبی علیہ السلام کے الفاظ

لہٰذا پاس ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اس مفہوم کو ان الفاظ میں ادا کیا جائے کہ ہم بارگاہ رسالت میں سلام کرنے حاضر ہوئے۔ علاوہ ازیں عامۃ المسلمین کی قبور کی زیارت مباح اور روضہ نبی علیہ السلام کی زیارت کے لئے سفر اگرچہ سواری کے ساتھ کیوں نہ ہو واجب ہے اور اس وجوب سے وجوب استحبابی مراد ہے نہ کہ وہ واجب جو بمعنی فرض استعمال ہوتا ہے۔

جناب مصنف فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ ہم نے بارگاہ نبوی کی زیارت کی اور یہ نہ کہیں کہ ہم نے قبر نبوی کی زیارت کی اور امام مالک کے منع فرمانے کی وجہ یہی ہے کہ قبر کی جانب اور نسبت کو گوارا نہیں فرماتے[1]۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا فرمائی

---

[1] عقیدہ حیات النبی اس امر کی طرف بھی متوجہ کرتا ہے کہ جب ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انبیاء حیات ہیں تو ان کی قبر کی زیارت کے کیا معنی۔ سیدھا سادھا یہ کہا جائے کہ ہم نے نبی کریم علیہ السلام کی زیارت کی جیسا کہ خود حضور نے فرمایا۔

تھی خداوندا میری قبر کو بُت نہ بنوانا کہ میرے بعد لوگ اس کی عبادت کرنے لگیں۔

قبور انبیاء اور غضب الٰہی

ان اقوام پر اللہ رب العالمین کا غضب ہے جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو معبد بنا رکھا ہے اور ان کی جانب سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

امام مالک نے فتنوں کے سدباب کے لئے عملی مشابہت تو درکنار لفظی تشبہ سے بھی پرہیز فرمایا اور امت مسلمہ کو ایسے الفاظ کے استعمال سے منع فرمایا۔

سرچشمہ شاید گرفتن بہ میل　　　چو پر شد نہ شائد گزشتن بہ پیل

زیارت کس طرح کی جائے

اسحٰق بن ابراہیم فقیہ فرماتے ہیں کہ امت مسلمہ کا یہ طریقہ جاری وساری ہے کہ جب وہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوتے ہیں تو حرم مدنی کی زیارت سے بھی مشرف ہوتے ہیں[1]۔ مسجد نبوی میں نمازوں کی ادائیگی آرام گاہ رسول علیہ السلام سے آنکھوں کو ٹھنڈا کرنا۔ ریاض الجنہ کی زیارت، منبر رسول علیہ السلام کی زیارت ان مقامات سے برکتوں کا حصول جو لمس مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے اور وہ مقامات جنہوں نے پائے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسے دیے ہیں اور قدم ہائے نبوی کے نیچے آنکھوں کو فرش راہ کیا ہے وہ متبرک ستون جو سرکار دوعالم علیہ السلام کا تکیہ بنے ہیں اور وہ متبرک مقام جو نزول وحی کے دوران روح القدس کی آماجگاہ رہا ہے۔ غرضیکہ وہ مقامات جن کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس سے نسبت حاصل رہی ہے اور وہ لوگ جو جوار رسول میں مقیم ہیں یا جنہوں نے وہاں کا قصد کیا (صحابہ کرام اور ائمہ مسلمین) ان تمام مقامات کی زیارت کرنا حصول برکات کا سبب ہیں اور زائرین ان سب سے استفادہ کرتے ہیں اور انشاء اللہ مستقبل میں بھی کرتے رہیں گے۔

ابن ابی فدیک کا مشاہدہ

ابن ابی فدیک فرماتے ہیں کہ میں نے بعض علماء سے سُنا ہے کہ جو شخص مواجہ شریفہ میں کھڑا

---

[1] ایسا نہ کرنے والوں کے لئے سرکار کا ارشاد ہے۔ من حج ولم یزرنی فقد جفانی۔ محمد اطہر نعیمی

ہو کر آیت درود ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنو صلوا علیہ وسلموا تسلیما پڑھے اور اس کے بعد ستر بار صلی اللہ علیک یا محمد (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ آپ پر درود بھیجے) تو ایک فرشتہ ندا کرتا ہے صلی اللہ علیک یا فلاں (اے فلاں تجھ پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں) تیری تمام حاجتیں پوری ہوں گی اور کوئی حاجت ضائع نہ ہوگی۔

عمر بن عبدالعزیز کا بارگاہ رسالت میں سلام

یزید بن ابوسعید مہری فرماتے ہیں کہ میں عمر ثانی جناب عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوا اور رخصت ہوتے وقت میں نے ان سے معلوم کیا کہ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمائیں عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا جب مدینہ حاضری ہو تو اولیں فرصت میں میری طرف سے بارگاہ رسالت میں سلام عرض کرنا۔

اور یہ منقول ہے کہ آپ شام سے باقاعدہ قاصد بارگاہ رسالت میں اپنا سلام عرض کرنے کے لئے روانہ کیا کرتے تھے۔

بارگاہ رسالت میں انس بن مالک

دیکھنے والوں نے لکھا ہے کہ جب حضرت انس بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے تو دست بدعا ہو کر اس طرح منہمک ہو کر کھڑے ہوتے کہ دیکھنے والوں کو بعض وقت یہ شبہ ہوا کرتا تھا کہ وہ مصروفِ نماز ہیں پھر سلام عرض کر کے واپس ہوتے تھے۔

بارگاہ اقدس میں دعا کرتے وقت کس طرف منہ کریں

ابن ابی وہب سے مروی ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بارگاہ رسالت میں سلام عرض کر کے جب دُعا کرو تو تمہارا رُخ چہرہ انور کی جانب ہونا چاہیئے۔ اس وقت سمت قبلہ رخ نہ کیا کرو اور اس بات کا بھی خیال رہے کہ جالی شریف سے قریب ہو لیکن اس کو ہاتھ نہ لگاؤ کیونکہ یہ سوء ادب ہے۔

امام موصوف نے مبسوط میں لکھا ہے کہ میں یہ گوارا نہیں کرتا کہ کوئی شخص بارگاہ رسالت میں کھڑا

ہو کر دعا نہ کرے اور وہ سلام کرے اور چلا جائے۔

مواجہ شریف میں قندیل کے نیچے کھڑا ہو

ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ مواجہ شریفہ میں کھڑا ہونے والے کو چاہیئے کہ اس قندیل کے نیچے کھڑا ہو جو مواجہ میں قبلہ کی جانب ہے۔ حضرت نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آقا ابن عمر کو سینکڑوں مرتبہ دیکھا ہے کہ وہ جب بارگاہ رسالت میں حاضری دیتے تو مواجہ شریفہ میں کھڑے ہو کر عرض کرتے اے اللہ کے نبی آپ پر سلام ہو۔ اس کے بعد بارگاہ صدیقی میں سلام کرتے وقت فرماتے اے ابو بکر آپ پر سلام ہو اس کے بعد اپنے والد محترم کے سامنے آکر عرض کرتے اے والد محترم آپ پر سلام ہو اس کے بعد واپس چلے جاتے۔

منبر نبوی اور جبین ابن عمر

مشاہدہ کرنے والے حضرات نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول یہ تھا کہ وہ منبر شریف پر جہاں حضور علیہ السلام تشریف فرما ہوتے تھے اس جگہ کو پہلے ہاتھ لگاتے اس کے بعد اپنے چہرہ کو وہاں مس کرتے تھے۔

منبر نبوی اور معمول صحابہ

ابن قسیط اور عتبی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کا معمول یہ تھا کہ جب وہ مسجد نبوی میں حاضر ہوتے تو منبر شریفہ کے اس جوڑ کو جو مرقد نبوی سے متصل ہے اس کو اپنے ہاتھوں میں لیتے اور سمت قبلہ کی جانب رُخ کر کے دعائیں کرتے تھے۔

مؤطا میں یحییٰ بن یحییٰ کے حوالہ سے منقول ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول تھا کہ مسجد نبوی حاضر ہوتے تو مواجہ شریف میں کھڑے ہو کر پہلے حضور علیہ السلام پر درود و سلام عرض کرتے پھر خلیفہ رسول حضرت ابو بکر کی بارگاہ میں خراج عقیدت نذر کرتے اور آخر میں اپنے والد محترم کی خدمت میں سلام عرض کرتے ابن قاسم اور   نے کہا کہ وہ خلفائے راشدین کے لئے دعا کرتے تھے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ جب کوئی عقیدت مند بارگاہ رسالت میں حاضر ہو تو سب سے پہلے

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہے اور مبسوط میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہم کو سلام پیش کرے۔

قاضی عبدالوحید ماحی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک بہتر طریقہ یہ ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صلوٰۃ کا لفظ استعمال کریں اور حضرات خلفا کے لئے بھی باختلاف روایت وہی الفاظ استعمال کریں

ریاض الجنہ میں نفل ودعا

براء بن حبیب فرماتے ہیں کہ جب مسجد نبوی میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے بسم اللہ وسلام علی رسول اللہ السلام علینا من ربنا وصلی اللہ وملئکۃ علی محمد۔ اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک وجنتک واحفظنی من الشیطن الرجیم۔

اس کے بعد ریاض الجنہ میں آئے یہ وہ جگہ ہے جو منبر شریف اور روضہ مبارکہ کے درمیان ہے مواجہ شریف میں حاضری سے پہلے یہاں دو رکعت نماز ادا کرے۔ اللہ کی حمد وثنا کرے اور جن تمناؤں اور آرزوؤں کو لے کر گھر سے روانہ ہوا ہے ان کے پورا ہونے کے لئے بارگاہ الٰہی میں دعا کرے اور نصرت الٰہی کا طلب گار ہو۔ اگر یہ دونوں رکعتیں مسجد نبوی میں ریاض الجنہ کے علاوہ کہیں اور بھی پڑھیں جب بھی مضائقہ نہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ یہ دو رکعتیں "ریاض الجنہ" میں ادا کی جائیں۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے حجرہ اور منبر کے درمیانی جگہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے اور میرا منبر جنت کے ٹیلوں میں سے ایک ٹیلہ ہے۔

ان دو رکعتوں سے فارغ ہونے کے بعد تواضع انکسار اور پروقار طریقہ پر مواجہ شریفہ میں حاضر اور بارگاہ رسالت ہدیہ درود وسلام پیش کرے اور بارگاہ رسالت میں خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے فرط جذبات میں جو مناسب الفاظ زبان پر جاری ہوں وہ عرض کرے اور حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہم کے دعا کرے اور ان کے مواجہ میں کھڑے ہو کر سلام عرض کرے۔ مسجد نبوی کی شب وروز حاضری میں کثرت سے درود شریف پڑھے اور جب موقع ملے تو مسجد قبا اور قبور شہداء پر حاضر ہو۔

مدینہ میں قیام کے دوران کثرت سے درود شریف پڑھے:- امام مالک نے موطا میں فرمایا ہے

کہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوتے وقت یا وہاں دورانِ قیام بارگاہ رسالت میں درود و سلام کا ہدیہ پیش کرتا رہے۔ مدینہ طیبہ سے جاتے وقت مواجہ شریف میں حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کرے اور مدینہ کے باشندے بھی اگر مدینہ سے باہر جائیں تو ان کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے۔

مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھیں

سیدتنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا ہے جس وقت مسجد نبوی میں داخل ہوں تو مجھ پر ہدیہ درود پیش کریں اس کے بعد یہ دعا پڑھیں۔ اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک (اے اللہ کریم میرے گناہوں کی مغفرت فرما اور مجھ پر رحمتوں کے دروازے کھول دے۔

مسجد سے نکلتے وقت پڑھنے کی دعا

اور جب مسجد سے باہر نکلنے کا ارادہ ہو تو پہلے نبی علیہ السلام پر درود پڑھے اور اس کے بعد یہ دُعا پڑھیں اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب فضلک (اے اللہ میرے گناہوں کی مغفرت فرما اور مجھ پر اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔

دوسری روایت میں اس طرح منقول ہے کہ مسجد نبوی میں داخل ہوتے وقت اور مسجد سے باہر نکلتے وقت پہلے نبی علیہ السلام کی بارگاہ میں سلام پیش کرے اور مذکورہ دعا پڑھے اور مسجد سے باہر نکلتے وقت یہ دعا پڑھیں۔ اللھم اسئلک من فضلک (اے اللہ کریم میں تیرے فضل و کرم کا طلبگار ہوں اور ایک اور روایت کے مطابق ان الفاظ کو بھی پڑھے۔ اللھم احفظنی من الشیطن الرجیم اے اللہ کریم مجھے شیطان کے مکر و فریب سے مامون و محفوظ فرما۔

مسجد نبوی میں داخلہ کے وقت اہلِ مدینہ کا معمول

محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ کا معمول یہ تھا کہ جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ کہتے صلی اللہ وملئکتہ علی محمد السلام علیک ایھاالنبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ باسم اللہ اخرجنا وبسم اللہ دخلنا وعلی اللہ توکلنا۔ اللہ اور اس کے فرشتے حضور علیہ السلام پر

درود بھیجتے ہیں۔ اے نبی مکرم آپ پر سلام اور اللہ کی رحمتیں ہوں۔ اللہ کے نام کے ساتھ ہم مسجد میں داخل ہوئے اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے۔ اسی طرح وہ لوگ مسجد سے باہر آتے وقت یہی کلمات کہتے تھے۔

دخول مسجد اور سرکار دو عالم کا معمول

سیدہ فاطمہ فرماتی ہیں کہ خود سرکار دو عالم علیہ السلام کا معمول تھا کہ جب مسجد میں داخل ہوتے تو فرماتے صلی اللہ علی محمد اور اوپر حدیث میں جو کلمات مذکور ہوئے ان کو پڑھتے ایک اور روایت کے مطابق حضور علیہ السلام نے مسجد میں داخل ہوتے وقت اور مسجد سے باہر آتے وقت، پہلے اللہ کی حمد و ثنا فرمائی اور اس کے بعد بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر اپنے اوپر درود شریف پڑھا اور مذکورہ دعائیں پڑھیں۔ ایک اور روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس مفہوم کو اس طرح ادا فرمایا باسم اللہ والسلام علی رسول اللہ وعن غیرھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوتے وقت اللھم افتح لی ابواب رحمتک کے بعد ان الفاظ کا اضافہ بھی فرماتے تھے و یسرلی ابواب رزقک اور مذکورہ بالا احادیث کی طرح الفاظ حدیث ابو ہریرہ میں بھی یہی ملتا ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت اور مسجد سے باہر نکلتے وقت پہلے درود شریف پڑھے اور اس کے بعد منقولہ دعائیں پڑھیں۔

اہل مدینہ اور حاضری مواجہ شریف

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مبسوط میں لکھا ہے کہ اہل مدینہ کے لئے یہ لازمی نہیں کہ وہ مسجد شریفہ کی حاضری اور واپسی کے موقع پر مواجہ شریف میں حاضر ہوں یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جو مدینہ میں مسافر کی حیثیت سے آئیں لیکن اگر مدینہ کا کوئی شخص اگر مدینہ سے جاتے وقت اور واپسی پر مواجہ شریف حاضر ہو کر حضور علیہ السلام اور بارگاہ صدیقی و فاروقی میں ہدیہ سلام پیش کرے تو کوئی مضائقہ نہیں (لیکن آداب اور عقیدت کا تقاضا یہی ہے کہ مدینہ سے جاتے وقت اور واپسی پر بارگاہ رسالت میں حاضری دے کر ہدیہ درود و سلام پیش کرے۔ مترجم)

مواجہ شریفہ میں حاضری کے لئے امام مالک کا ایک قول۔ کہا جاتا ہے کہ امام مالک سے یہ سوال

کیا گیا کہ اہلِ مدینہ کا معمول یہ ہے کہ مدینہ سے جاتے اور آتے وقت وہ بارگاہ رسالت میں حاضری دیا کرتے ہیں یا اکثر جمعہ کے دن حضور مواجہ شریفہ میں حاضر ہوتے ہیں یا چند دن کے بعد دن میں ایک دو مرتبہ حاضر بارگاہ ہوتے ہیں۔ درود و سلام عرض کر کے ایک گھڑی مصروف دعا ہوتے ہیں۔ یہ بات سن کر امام مالک نے فرمایا کہ مدینہ طیبہ کے کسی فقیہ و عالم سے میں نے یہ بات نہیں سُنی اور میرے نزدیک ایسا نہ کرنا بہتر ہے اور جب تک متقدمین کے افعال درست نہ ہوں متاخرین کے احوال کی درستی ممکن نہیں اور میرے علم میں یہ بات نہیں آئی کہ دَورِ اول کے مسلمانوں کا یہ معمول ہو۔ یہ بات مدینہ کے انہیں لوگوں کے لئے ہے جو مدینہ طیبہ سے باہر جائیں اور واپس ہوں تو بارگاہ رسالت میں حاضری دیں۔

اہل مدینہ کا معمول

ابن قاسم فرماتے ہیں کہ مَیں نے اہل مدینہ کا یہ معمول دیکھا کہ جب وہ مدینہ سے باہر جاتے یا مدینہ واپس آتے تو بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مواجہ شریف میں کھڑے ہو کر ہدیہ صلوٰۃ و سلام پیش کرتے ہیں۔ راوی موصوف نے فرمایا کہ یہ میرا مشاہدہ ہے۔

اہل مدینہ اور مسافروں کے درمیان فرق

کہتے ہیں کہ اہل مدینہ اور مسافروں کے درمیان ایک واضح فرق یہ ہے کہ مسافر تو مدینہ طیبہ آتے ہی بارگاہ نبوی کی حاضری کے لئے ہیں اور اہل مدینہ کو جوارِ رسول علیہ السلام میں رہنے کی سعادت حاصل ہے اور انہیں زیارت حرم نبوی کے لئے سفر کی احتیاج نہیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی تھی خداوندا میری قبر کو بت نہ بنانا کہ لوگ اس کو پوجنے لگیں اور وہ قومیں غضب الٰہی کا شکار ہوئی ہیں جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ کی حیثیت دی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امت مسلمہ کو نصیحت فرمائی کہ اے میری امت تم انبیاء سابقین کے امتیوں کی طرح میری قبر کو عید نہ بنانا[1]

---

[1] عید کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح تہوار کے موقع پر لوگ جمع ہوتے ہیں اور اس اجتماع کو میلہ کی شکل دیتے ہیں اس کی حضور علیہ السلام نے حوصلہ شکنی فرمائی ہے۔ مترجم

مواجہ شریف میں کھڑے ہونے کے آداب

احمد سعید ہندی نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے کہ زائر مدینۃ الرسول کیلئے لازم یہ ہے کہ مواجہ شریفہ میں اس طرح مؤدب کھڑا ہو کہ نہ تو جالی شریفہ کو ہاتھ لگائے اور نہ دیواروں سے لپٹے اور نہ زیادہ دیر کھڑا ہو کہ یہ افعال خلاف ادب ہیں۔[1]

مسجد میں فرائض اور نوافل ادا کرنے کی جگہ

عقبہ میں مصنّف کتاب نے لکھا ہے کہ مسجد نبوی میں حاضر ہو کر بارگاہ نبوی میں حاضری سے قبل دو رکعت نماز تحیۃ المسجد ادا کریں۔ اس کے بعد بارگاہ رسالت میں ہدیہ درود و سلام پیش کریں۔ نوافل پڑھنے کے لئے بہتر اور افضل جگہ مصلّٰی نبوی ہے جہاں اب محراب بنادی گئی ہے۔[2] لیکن فرض نماز ادا کرنے کے لئے فرض نماز کی صفوں کی جانب سبقت کرے۔

مقامی اور غیر مقامی کے لئے نماز نفل کی جگہ

جناب مصنف فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک مسافر کے لئے مسجد نبوی میں نماز پڑھنا گھر میں نفل پڑھنے سے افضل ہے (احکام شرعیہ کے مطابق نماز کے لئے حکم یہ ہے کہ ان کو گھر میں ادا کرنا افضل ہے لیکن صاحب شفا کے فرمان کے مطابق نفل بھی مسجد نبوی میں ادا کرکے وہاں کے فضائل اور برکتیں حاصل کی جائیں۔ مترجم)

مسجد نبوی علیہ التحیۃ والثنا میں حاضری اور اس کے آداب

مسجد نبوی میں حاضری دینے والے کے لئے ان باتوں کے علاوہ جو ما قبل کے صفحات میں بیان

۱؎ مواجہ شریفہ میں جب کھڑا ہو تو اس کو یہ لحاظ رکھنا چاہیئے کہ اگر حضور علیہ السلام کی حیات ظاہری میں اس کو یہ شرف ملتا تو اس کی منزل کہاں ہوتی لہٰذا اس کا تصور کرکے اپنی منزل متعین کرے۔

۲؎ اللہ تعالیٰ سلطان ترکیہ کو جزائے خیر عطا فرمائے انہوں نے حرم نبوی کی

ہوئی ہیں چند باتیں اور بھی ہیں جن کو زائر کو مدنظر رکھنا ہے۔

حرم مکہ اور حرم مدینہ میں نمازوں کی فضیلت

مسجد نبوی اور حرم مکہ مکرمہ۔ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک کے زائر۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے رہنے والوں کو جس شرف و عزت سے نوازا گیا ہے اس کا مختصر تذکرہ کیا جائے گا۔ قرآن حکیم میں رب کریم نے ارشاد فرمایا۔

لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم احق ان تقوم فیہ۔

یقیناً وہ ایک ایسی مسجد ہے کہ ابتداہی میں جس کی بنیاد تقوای پر رکھی گئی ہے اور وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں قیام فرمائیں۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ کے سلسلہ میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ آیت مذکورہ میں جس مسجد کی جانب اشارہ ہے وہ کونسی مسجد ہے اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وہ میری مسجد ہے (اس سے مراد مسجد نبوی ہے) یہ قول زید بن ثابت اور ابن مسیب، ابن عمر اور امام مالک کا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ کا مصداق مسجد قبا ہے (اور یہی قول مشہور ہے۔ مترجم)

ہشام بن احمد مختلف رواۃ کے ذریعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرماتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین مسجدوں کے علاوہ اور کسی مسجد کے لئے رخت سفر نہ باندھا جائے اور وہ تین مساجد یہ ہیں۔ مسجد حرام۔ مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ[1]۔

مسجد نبوی میں داخلے کے وقت اور بارگاہ رسالت میں حاضری کے آداب، ماسبق صفحات

---

[1] اس حدیث سے منکرین نے اولیاء کرام کے مزارات کی حاضری کی ممانعت پر بہت زیادہ استفادہ کی کوشش کی ہے۔ اور ایک صاحب نے تو اپنے جوش تعصب میں ایک شعر بھی لکھا ہے۔ آستانوں کی زیارت کے لئے شد رحال۔ اسمیں کیا شان پرستاری اصنام نہیں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ آستانوں کی زیارت کے سفر اور جن سفروں کے لئے حضور علیہ السلام نے ممانعت فرمائی ہے کوئی نسبت نہیں کیونکہ ان مساجد کیلئے سفر بہ نیت عبادت ہوتا ہے اور مزارات کا سفر بہ نیت زیارت ہوتا ہے جو استحباب کا حامل ہے۔

میں تحریر کر دیئے گئے ہیں۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد شریف میں داخل ہوتے تو یہ کلمات ادا فرماتے اعوذ باللہ العظیم وبوجھہ الکریم وسلطانہ القدیم من الشیطان الرجیم۔

مسجد نبوی میں آواز بلند کرنا

امام مالک فرماتے ہیں کہ فاروق اعظم جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو مسجد نبوی میں بلند آواز سے باتیں کرتے سنا تو اس کو بلا کر دریافت فرمایا کہ تمہارا تعلق کہاں سے ہے۔ اس شخص نے کہا کہ میرا تعلق قبیلہ ثقیف سے ہے یہ جواب سن کر جناب فاروق اعظم نے فرمایا اگر تیرا تعلق ان دونوں آبادیوں (مکہ و مدینہ) میں سے کسی سے ہوتا تو میں تجھے سزا دیتا۔ تجھے یہ معلوم نہیں کہ ہماری مسجدوں میں بلند آواز سے باتیں کرنا ممنوع ہے۔

محمد بن مسلم فرماتے ہیں کہ کسی شخص کو یہ استحقاق نہیں کہ وہ مسجد میں بلند آواز سے گفتگو کرے یا کوئی ایسی چیز مسجدوں میں لے کر آئے جس سے لوگ نفرت کرتے ہوں اور یا وہ چیز لوگوں کے لئے اذیت کا سبب ہو۔ اس موضوع پر قاضی اسماعیل نے مبسوط میں فضل المسجد میں تبصرہ کیا ہے اور تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حکم مسجد نبوی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام مساجد کا یہی حکم ہے۔

محمد بن سلمہ اور قاضی اسماعیل فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی میں بلند آواز سے باتیں کرنا یا کسی کو پکارنا اس وجہ سے مکروہ ہے کہ اس سے لوگوں کی نماز میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے اور یہ حکم تمام مساجد کے لئے ہے لیکن دنیا میں دو مساجد ایسی بھی ہیں جو اس حکم کراہت سے مستثنیٰ ہیں وہ مساجد مسجد حرام اور منیٰ کی مسجد ہیں یہاں چونکہ لوگ بلند آواز سے تلبیہ کہتے ہیں۔ اس لئے ان دونوں مساجد کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا اجر اور حرم مکہ و مدینہ کا موازنہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مسجد میں نماز ادا کرنے کا اجر و ثواب دوسری مسجدوں کے اجر و ثواب کے مقابلہ میں ہزاروں نمازوں کے برابر ہے سوائے مسجد حرام کے۔

جناب مصنف فرماتے ہیں کہ مسجد حرام اور مسجد نبی علیہ السلام میں نمازوں کی فضیلت میں علماء کی مختلف آراء ہیں۔ اس سلسلہ میں امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول جو اشہب کے حوالہ سے منقول ہے کہ ابن نافع فرماتے ہیں کہ بہت سے صحابہ یہ فرماتے تھے کہ مذکورہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ ہے کہ مسجد نبوی میں نمازوں کا اجر دوسری مساجد کے مقابلہ میں مسجد حرام کے علاوہ ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ ایک بات یہاں توجہ طلب ہے کہ اوپر کی سطور میں یہ بیان ہوا ہے کہ مسجد نبوی میں نماز کا ثواب مسجد حرام کے علاوہ ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مکہ مکرمہ کے مقابلہ میں ہزار سے کم ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک قول اس طرح منقول ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز ادا کرنے کا ثواب دوسری مساجد کے مقابلہ میں سو درجہ افضل ہے اس طرح مسجد نبوی میں نماز ادا کرنا حرم مکہ کے مقابلہ میں نوسو درجہ افضل ہوا اور دوسری مساجد کے مقابلہ میں ہزار درجہ افضل ہوئی اور اسی وجہ سے ان حضرات نے جو مدینہ منورہ کو مکہ مکرمہ سے افضل قرار دیتے ہیں دلیل پکڑی ہے اور اس موضوع پر ہم نے ماسبق میں لکھا ہے اور یہی قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ امام مالک اور دوسرے علماء مدینہ کا ہے۔

لیکن علماء کوفہ و مکہ نے اس سے اختلاف کیا ہے ان کے فرمانے کے مطابق حرم مکہ کو مدینہ منورہ پر فضیلت حاصل ہے اور اس قول کی تائید عطاء ابن وہب (جو امام مالک کے شاگرد ہیں) وغیرہ نے بھی کی ہے۔

کعبہ ہی ہی افضل

ساجی نے امام شافعی رضی اللہ علیہم کا جو قول نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنا مسجد نبوی میں نماز پڑھنے سے زیادہ فضیلت کا حامل ہے اور اس فضیلت کے قائل عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی دلیل سے سند لاتے ہیں جس میں حضور علیہ السلام کا فرمان بیان کیا ہے اور حدیث کو اپنے ظاہری معنیٰ پر محمول کیا ہے۔ اس حدیث کے الفاظ اس طرح منقول ہیں کہ مسجد حرام میں نماز ادا کرنا، میری مسجد میں نماز ادا کرنے کے مقابلہ میں سو درجہ زیادہ ہے۔ حضرت قتادہ کی روایت بھی تقریباً انہی الفاظ سے ملتی جلتی ہے۔

لیکن اکثر علماء نے یہ لکھا ہے کہ حرم مکہ میں نماز ادا کرنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے

آرامگاہ نبوی دنیا کے ہر خطہ سے افضل ہے

اس بات میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں اور اس معاملہ میں سب لوگ متفق ہیں کہ آرامگاہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی تمام جگہوں سے افضل ترین ہے[1]۔

قاضی الولید باجی فرماتے ہیں کہ مقتضاء حدیث یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد حرام دوسری تمام مسجدوں کے مقابلہ میں مختلف ہے۔ اور اس سے وہ حکم معلوم نہیں ہوتا جو مسجد نبوی کے لئے ہے۔

مشہور محدث امام طحاوی کی رائے یہ ہے کہ مسجد حرام کی فضیلت صرف فرض نمازوں کے لئے ہے۔ مالکیوں کی ایک مقتدر شخصیت جناب مطوف کا قول یہ ہے کہ فضیلت فرائض ہی میں نہیں بلکہ نوافل میں بھی ہے۔ موصوف نے فرمایا کہ وہاں کا جمعہ دوسری جگہوں کے جمعہ سے اور رمضان المبارک دوسری جگہوں میں رمضان گزارنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

شیخ عبدالرزاق نے ایک اور حدیث نقل فرمائی ہے جس میں مدینہ طیبہ میں رمضان مبارک گذارنے اور دوسری عبادتیں کرنے پر فضیلت ثابت کی ہے اور اپنے دعویٰ کے سلسلہ میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مدینہ طیبہ کی فضیلت میں یہی ایک وزنی دلیل کافی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر (حجرہ عائشہ صدیقہ) اور منبر کا درمیانی خطہ جنت کے باغوں کی ایک کیاری کی مثل ہے۔

منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا منبر میرے حوض (کوثر) پر ہے ایک اور حدیث اس طرح ظاہر کرتی ہے کہ سرور عالم علیہ السلام نے فرمایا میرا منبر جنت کی پہاڑیوں میں سے ایک پہاڑی پر واقع ہے۔

---

[1] شارحین شفاء نے فرمایا ہے کہ آرام گاہ نبوی علیہ التحیۃ والثناء صرف روئے زمین ہی سے نہیں بلکہ کعبہ مکرمہ اور عرش اعظم سے بھی افضل ہے۔ (مترجم)

محدث طبری کا تبصرہ

محدث طبری فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا شیخ عبدالرزاق والی حدیث میں حضور علیہ السلام نے لفظ بیت گھر استعمال فرمایا ہے اس کے دو معنیٰ ہیں ایک تو اپنے ظاہری معنیٰ کہ جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قیام گاہ تھی۔ یہ حجرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھا اس اعتبار سے حدیث ظاہری معنیٰ میں واضح ہے اور اس کی تائید ایک اور حدیث سے ملتی ہے جس میں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے حجرہ اور منبر کا درمیانی خطہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

دوسرے معنیٰ اس سے یہ سمجھے جاتے ہیں کہ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور منبر شریف کے درمیان جگہ کو جنت کے باغوں میں سے فرمایا جا رہا ہے اور زید بن اسلم اس سے روضہ رسول علیہ السلام ہی مراد لیتے ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا بھی تو قابل توجہ ہے جس میں حضور نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ میری قبر شریف اور میرے منبر کی درمیانی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ ان روایات میں صاحب طبری نے مطابقت کرتے ہوئے فرمایا کہ حدیث کو دو معانی پر محمول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کیونکہ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسی حجرہ میں ہے جو حجرہ حضور کی قیامگاہ تھا۔ لہذا معانی میں تاویلات کی کوئی گنجائش ہی نہیں معلوم ہوتی۔

منبر رسول علیہ السلام کی جگہ

آیئے حضور علیہ السلام کے اس فرمان کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منبر شریف کے بارے میں جو فرمایا ہے کہ میرا منبر میرے حوض پر ہے اس کے ایک معنیٰ تو وہ ہو سکتے ہیں جو اس سے ظاہر ہیں اور یہی بات صاف ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور کا ایک اور منبر حوض پر بھی ہو۔

علاوہ ازیں ایک تیسری شق یہ بھی ہے کہ اس سے مجازی معنیٰ مراد ہوں کہ منبر رسول علیہ السلام کے قریب اعمال خیر کرنا، حوض پر حاضری کا سبب ہوگا اور یہی اعمال خیر حوض کے پانی سے استفادہ کا سبب ہوں گے۔

ابوداؤد باجی فرماتے ہیں کہ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ میں دو معنیٰ کا احتمال ہے۔

(۱) کہ یہ دخول جنت کے وجوب کا سبب ہو سکتا ہے۔

(۲) اس خطہ میں نماز ادا کرنا اور بارگاہ الٰہی میں دعا کرنا جنت کے استحقاق کا سبب ہو جاتا ہے اور یہ بات بھی توجہ کے قابل ہے کہ الجنۃ تحت ظلال السیوف تو یہ جملہ معنیٰ مجازی میں استعمال ہوا ہے کہ جہاد بالسیف دخول جنت کا مستحق کر دیتا ہے۔

بقول داؤدی بعض حضرات نے تو یہ فرمایا ممکن یہ بھی ہے کہ بقعہ طاہرہ کو بعینہٖ جنت میں اٹھا کر رکھ دیا جائے۔

مدینہ کے صابرین کو بشارت

حضرت ابن عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ جو شخص مدینہ منورہ میں پیش آنے والی سختیوں پر صبر کرے گا میں روز قیامت اس کے لئے شفیع وشاہد ہوں گا۔

مدینہ سے بھاگنے والے کے لئے وعید

اور جو شخص مدینہ طیبہ کی سختیوں پر صابر نہ رہ سکا اور یہاں سے بھاگ نکلا کاش اس کو معلوم ہوتا کہ آخر کار مدینہ ہی اس کے لئے بہتر ہے۔

مدینہ طیبہ کے فضائل

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مدینہ کی حیثیت ایک بھٹی کی سی ہے جو دھات کو میل سے پاک و صاف کر کے اس کو شفاف کر دیتی ہے۔

سکان مدینہ کا نعم البدل

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی مدینہ سے رغبت وخوشی سے نہیں نکلے گا لیکن اگر ایسا ہوا تو قدرت نعم البدل مہیا فرمائے گی۔

دوران حج وعمرہ حرمین میں موت

سرور عالم علیہ السلام نے فرمایا جو شخص دوران حج وعمرہ حرمین مکہ و مدینہ سے کسی ایک میں داعی اجل کو لبیک کہے تو قیامت کے دن اس کو حساب وکتاب سے مستثنیٰ کر دیا جائے گا اور ایک اور

روایت کے مطابق قیامت کے دن وہ مامون محشور ہوگا۔

مدینہ کی موت اور شفیع المذنبین کی شفاعت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ جس شخص کو یہ استطاعت حاصل ہے کہ وہ مرض الموت میں مدینہ منورہ جائے تاکہ اس کو مدینہ میں موت آئے تو اس کو ایسا ہی کرنا چاہیئے کیونکہ شفیع المذنبین صلی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو مدینہ میں موت آئے گی میں قیامت میں اس کا شفیع ہوں گا۔

؎ دنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا

رب کریم نے اپنی ذات کے منسوب گھر کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا۔

ان اول بیت وضع للناس	بے شک، وہ پہلا گھر جو لوگوں کے لئے
للذی ببکہ مبارکا الی	بنایا گیا وہ مکہ مکرمہ میں ہے۔
قولہ) آمنا۔	(آخر آیت تک)

بعض مفسرین نے لفظ آمنا سے آتش دوزخ سے امن مراد لیا ہے لیکن کچھ حضرات نے اس سے مراد وہ شخص لیا ہے جس نے حرم محترم سے باہر (ایسی باتیں کیں) آگ کو طلب کیا اور زمانہ جاہلیت کی باتوں کا اعادہ کیا اور اس کی جانب پناہ طلب کی۔

وَاذ جعلنا البیت مثابۃ للناس	اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے
وامنا۔	لئے جائے پناہ اور پر امن جگہ بنایا۔

اس آیت کریمہ سے بعض لوگوں نے مذکورہ معانی لئے ہیں۔

تین حج کرنے کا ثمرہ

کہا جاتا ہے کہ سعدون خولانی کے پاس مدینہ میں کچھ لوگ آئے اور اس سے کہا کہ قبیلہ کنانہ کے کچھ لوگوں نے ایک شخص کو قتل کر کے اس کی لاش کو جلا دیا ہے اور اس کی لاش تمام رات جلتی رہی لیکن اس کے مردہ جسم پر آگ کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ حسب سابق اپنے رنگ پر رہی، خولانی نے ان لوگوں کی بات سن کر کہا کیا اس نے تین حج کئے تھے؟ لوگوں نے جواب دیا بیشک اس نے تین حج کئے تھے۔

خولانی نے کہا میں نے سنا ہے کہ جس نے تین حج کئے وہ ان خصوصیات کا حامل ہو گیا۔

پہلا حج اس نے اپنے اوپر عائد فرض کو ادا کیا۔
دوسرا اس شخص نے رب تعالیٰ کو قرض دیا[1]
تیسرا حج کر کے اس نے اپنے جسم کو آگ سے محفوظ کر لیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تین حج کرنے والے کے جسم کو آگ پر حرام کر دے گا۔

خانہ کعبہ کی عظمت

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر جب خانہ کعبہ کی طرف اٹھی تو آپ نے فرمایا۔ مرحبا اے خانۂ کعبہ تجھے ذات باری کی جانب منسوب ہونے کی وجہ سے عظمت حاصل ہے۔ تجھے عزت و احترام حاصل ہے سرکار دو عالم علیہ السلام نے فرمایا جو شخص حجرِ اسود کے قریب بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہوگا اس کی دعا ضرور مستجاب ہوگی۔ اسی طرح میزابِ رحمت (خانہ کعبہ کے پرنالہ) کے نیچے کھڑے ہو کر دعا کرنے والے کی دعا بھی مستجاب ہوتی ہے۔

حضور علیہ السلام کی ایک اور حدیث اس بات کی جانب اشارہ کرتی ہے کہ مقام ابراہیم کے عقب میں اگر دو رکعت نماز نفل ادا کی جائیں تو اس عبادت کی وجہ سے ماضی اور مستقبل کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور ان نوافل کا پڑھنے والا قیامت کے دن مامون محشور ہوگا۔

قبولیت دعا اور راوی حدیث کا تجربہ

مصنف کتاب قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں نے حافظ ابو علی سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ ایک حدیث سنی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے ملتزم کے پاس جو دعا بھی کی ہوگی وہ ضرور مقبول و مستجاب ہوگی۔ راوی حدیث فرماتے ہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی سن کر میں نے جو دعا بھی ملتزم کے پاس مانگی وہ ضرور پوری ہوئی۔
عمر بن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت سنی تو اس کا تجربہ کیا اور جو دعا بھی ملتزم کے پاس مانگی وہ یقیناً مقبول ہوئی۔

---

[1] و اقرضوا اللہ آیت کریمہ اس کی شاہد ہے۔ ۱۲ مترجم

عنیزی فرماتے ہیں کہ جب میں نے حضرت سفیان کا یہ مقولہ سُنا کہ ملتزم کے قریب کی ہوئی ہر دعا قبول ہوتی ہے اس کے بعد میں نے اس کو اپنا معمول بنا لیا کہ ہر دعا ملتزم کے قریب کرتا اور میرے تجربہ نے یہ ثابت کر دیا کہ اس جگہ کی ہوئی ہر دعا مقبول و مستجاب ہوتی ہے۔

اور ایسے ہی تجربات کا اظہار محمد بن ادریس نے فرمایا اس طرح محمد ابو الحسن محمد بن حسن نے بھی فرمایا کہ میں نے بھی اس نسخہ کیمیا کا تجربہ محمد بن ادریس کے فرمان کے مطابق کیا اور اس کو ویسا ہی پایا جیسا کہ موصوف نے فرمایا تھا۔

لیکن ابو اسامہ فرماتے ہیں کہ میں نے حسن بن رشیق سے اس بارے میں کچھ نہیں سنا ہے لیکن موصوف سے جب میں نے اس سلسلہ میں استفسار کیا تو موصوف نے اس سلسلہ میں وہی فرمایا کہ جو دوسرے حضرات سے منقول ہوا ہے اور میرے تجربہ کے مطابق امور دنیا سے متعلق کی گئی ہے ہر وہ دعا جو ملتزم کے قریب کی گئی ضرور مقبول ہوئی اور میں یہ خیال کرتا ہوں کہ امور آخرت سے متعلق جو دعا بھی وہاں کی جائیگی وہ بھی ضرور مقبول ہوگی۔

حذری فرماتے ہیں کہ میں نے ابو اسامہ سے سن کر اس کا تجربہ کیا تو اس کو بعینہٖ درست پایا۔

اور ابو علی فرماتے ہیں کہ میں نے ملتزم کے قریب کھڑے ہو کر بہت سی دعائیں کیں ان میں سے بہت سی مقبول ہوئیں اور بقیہ بھی اللہ کا فضل شامل حال رہا تو ضرور قبولیت حاصل کریں گی۔

مصنف کتاب قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ میں نے اس فصل میں نکات کی ہلکی سی ایک جھلک پیش کی ہے اگرچہ وہ اس موضوع سے متعلق نہ تھے لیکن ان کا تعلق کسی نہ کسی طرح ماسبق موضوع سے ملتا تھا اس لئے ناظرین کے استفادہ کی خاطر ان کو نقل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ حق کی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

تیسرا باب

ان امور کے بارے میں جو حضور علیہ السلام کے لئے واجب ہیں اور وہ جو حضور علیہ السلام کے بارے میں محال، جائز یا ممتنع ہیں اور وہ بشری کیفیات جنکی نسبت ذات گرامی کے درست اور نادرست

ہے۔ کتاب ہدایت قرآن مجید میں ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کی شہادت

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل۔

(پ ۴ ع ۶)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں آپ سے پہلے بہت سے رسول تشریف لائے ہیں اگر آپ وفات پائیں یا شہید کردیے جائیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی رسالت

ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبله الرسل وامه صدیقه کانا یاکلان الطعام

حضرت مسیح ابن مریم نہیں ہیں مگر رسول ان سے قبل بھی بہت سے رسول آئے ان کی والدہ صدیقہ ہیں یہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔

انبیاء سابقین صفات بشری کے بھی حامل تھے۔

وما ارسلنا قبلک من المرسلین الا انهم لیاکلون الطعام و یمشون فی الاسواق۔

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ تمام (ان صفات کے حامل تھے) کھانا کھاتے بازاروں میں چلتے۔

حضور علیہ السلام سے خطاب ربی

قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ۔

اے حبیب مکرم آپ ان افراد کو بتا دیں کہ میں بھی (بظاہر) تمہاری طرح بشر ہوں مگر (فرق یہ ہے) میرے پاس وحی الٰہی آتی ہے۔

مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ کے مطالعہ کے بعد یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

اور دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام انسانوں کی جانب لباس بشریت میں تشریف لائے۔

اس کے برخلاف اگر انبیاء علیہم السلام لباس بشری میں تشریف نہ لاتے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ افراد معاشرہ انسانی ان حضرات سے گھل مل کر نہ تو ان کے احکام بجا لا سکتے اور نہ ان کی نافرمانی کر کے تاب مقاومت لا سکتے اور اس امر کی مصلحت کہ انبیاء لباس انسانی میں کیوں تشریف لائے۔ قرآن حکیم نے واضح کر دی۔ ارشاد ربانی ہے۔

لو جعلناہ ملکا لجعلناہ	اگر ہم اسکو (نبی) فرشتہ کرتے تب بھی
رجلا	وہ (نبی) صورت انسانی ہی میں ہوتے۔

یعنی اگر فرشتہ کو انسانوں پر نبی بنایا تو بھی اس کو لباس انسانی میں مبعوث کیا جاتا کیونکہ اگر نبی لباس بشری میں نہ ہوتے تو ذریعہ افہام و تفہیم کیا ہوتا۔ جب تک وہ سامنے نہ ہوتے تو ہم ان کے احکام کس طرح سمجھ سکتے اور اگر فرشتہ کو نبوت کے منصب پر فائز کیا جاتا تو نہ ہم اس کو دیکھ سکتے اور نہ اپنی صنف کا ہونے کی وجہ سے اس سے موانست و ملاطفت ہو سکتی۔ اسی لئے کتاب ہدایت قرآن مجید میں فرما دیا گیا۔

قل لو کان فی الارض	آپ فرما دیں کہ اگر زمین پر فرشتے آسانی
ملائکۃ یمشون مطمئنین	سے بستے اور رہتے ہوتے تو ہم ان
لنزلنا علیھم من السماء	پر رسول بھی فرشتوں ہی میں سے مبعوث
ملکا رسولا	فرماتے۔

تبلیغ دین اور سنت الٰہیہ: سنت الٰہیہ یہ ہے کہ جس قوم میں کسی ہادی کو مبعوث کیا جائے

ؔ حضور علیہ السلام کی بشریت موضوع بحث رہی ہے اور موضوع تلخیوں کا سبب بھی بنا رہا ہے حقیقت حال یہ ہے کہ حضور علیہ السلام مثل بشر ہیں اور میں اس سلسلہ میں تفصیل میں جانے کی بجائے صرف ایک شعر پیش کر کے قارئین پر فیصلہ چھوڑتا ہوں ؎

ہوا کرتی ہیں مثل اور اصل دو شئے
لکھا صاف قرآن میں مثل بشر ہے (مترجم)

وہ انہیں کا ہم جنس ہو یا وہ اس خصوصیت کا حامل ہو جسے خالق کائنات نے رسالت کے لئے منتخب کیا ہو اور اس کو پوری طرح اس قوم میں جس کے لئے مبعوث فرمایا ہے ان کے مقابلہ کی طاقت و قوت عطا کی ہو (اور وہ گروہ انبیاء و رسل علیہم السلام ہیں)

انبیاء و رسل ذات باری اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں

انبیاء کرام اور رسل عظام خالق کائنات اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ، وسیلہ اور ذریعہ ہیں اور یہ حضرات اوامر و نواہی احکام۔ وعد و وعید پہنچاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ذات و صفات باری اس کی عظمت، علو مرتبت۔ عزت و حرمت کی تعلیم دیتے ہیں اور ان امور سے آگاہ فرماتے ہیں جس سے مخلوق واقف نہیں ہوتی۔

عوام اور انبیاء علیہم السلام میں وجہ امتیاز

انبیاء علیہم السلام کا ظاہر ان کے اجسام اور ان کی ہیئت ترکیبی اوصاف بشری سے مرکب ہوتی ہے جو (عوارض) انسانوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مثلاً بیماری، موت۔ فنا وغیرہ لیکن ان کے نفوس قدسیہ اور باطنی کیفیات انسانیت کے ان اعلیٰ مقامات پر فائز ہوتے ہیں جو ملاء اعلیٰ سے متعلق ہوتے ہیں۔ صفات ملکی سے مشابہ یہ صفات تمام اقسام کے تغیر و تبدل اور جملہ آفات سے مامون و معصوم ہوتے ہیں اور انبیاء ان صفات کے حامل ہوتے ہیں کہ جن کو عجز بشری اور ضعف انسانی سے واسطہ نہیں ہوتا۔

کیونکہ اگر ظاہری بشری احوال کے مطابق ان کے باطن بھی انسانوں کی طرح ہوتے تو ان حضرات کے لئے دوسروں کی طرح یہ ممکن نہ ہوتا کہ وہ فرشتوں سے ملاقات کر سکیں، ان سے بات چیت کے ذریعہ احکام الٰہی حاصل کر سکیں۔

اگر انبیاء کے اجسام ظاہری انسانوں کے برخلاف اور فرشتوں کے مماثل ہوتے تو یہ کیفیت ہوتی کہ انبیاء و رسل جس مخلوق کی جانب مبعوث فرمائے گئے ہیں ان کے ساتھ ان حضرات کی مخالطت و مواظبت نہ ہوتی اور غیریت کا تصور باقی رہتا۔ اور اس کی تائید ماقبل مذکور آیت کریمہ سے ہوتی ہے۔

لہٰذا انبیاء کرام کو اجسام اور ظاہری کیفیات میں لباس بشری میں مبعوث فرمایا گیا اور باطنی و روحانی کیفیات میں ملائکہ سے مشابہت رکھی گئی۔

حضرت صدیق اکبر کو اعزاز نصیب ہوا

مذکورہ صفات کے سلسلہ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو توضیح فرمائی وہ محبت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام رکھنے والوں کے لئے سرمہ بصیرت ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر میں اپنی امت کے افراد میں سے کسی کو خلیل (دوست) بنانے کا اعزاز عطا فرماتا تو اس کے مستحق ابوبکر صدیق ہوتے لیکن یہاں صرف اخوت اسلامی ہے جبکہ تمہارا ہم جلیس (اشارہ خود علیہ السلام کی ذات گرامی کی جانب ہے) تو رحمٰن کا خلیل ہے۔

نبی اور امتی میں فرق

مراتب انبیاء اور امتیوں میں یہ نمایاں فرق ہے کہ امتی کتنے ہی بڑے مرتبے پر فائز ہو وہ نبی کا مماثل نہیں ہو سکتا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیند کی حالت میں بظاہر میری آنکھیں مصروف نوم ہوتی ہیں لیکن میرا قلب بیدار رہتا ہے۔

سرکار دو عالم ہماری طرح نہیں ہیں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں میری کیفیت تو یہ ہے کہ میں دن اس طرح پورا کرتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے۔

مذکورہ بالا سطور سے یہ واضح ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام کے باطن انسانی یا بشری کیفیات سے منزہ ہیں اور تمام عیوب و نقائص سے مبرا ہیں۔

اس موضوع کو یہاں ہم نے (جناب مصنف) اجمالاً ذکر کیا ہے جو صاحبان ہمت کے لئے کافی نہیں لہٰذا صاحبان ذوق کے لئے اس مضمون کو آئندہ دو ابواب میں شرح و بسط کے ساتھ تائید الٰہی کے بھروسہ پر بیان کریں گے اور اللہ کی ذات مقدس بہت بڑا سہارا ہے اور وہی کریم کارساز ہے۔

پہلا باب

دینی امور اور عصمت انبیا

اس مضمون کو جو عصمت انبیاء اور ان حضرات کے دینی امور سے متعلق ہے جناب مصنف نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ :۔

حالات وکیفیات کا صدور

انسانوں پر جو کیفیات طاری ہوتی ہیں یا وہ جن حالات سے دوچار ہوتے ہیں وہ دو حال سے خالی نہیں ہیں۔

(۱) یا تو یہ کیفیات جو جسم انسانی پر طاری ہوتی ہیں بلا قصد و اختیار ہوتی ہیں مثلاً بیماری یا کوئی دوسری ناگہانی آفت وغیرہ۔

(۲) یا ان حالات وکیفیات کے پیش آنے میں اپنے عمل و ارادہ کا دخل ہو۔

اور یہ دونوں باتیں عمل اور فعل سے تعلق رکھتی ہیں۔ مشائخ کرام اور علمائے اعلام نے ان اعمال کو تین قسموں میں تقسیم فرمایا ہے۔

افعال واعمال کی تقسیم

(۱) عقد بالقلب (عزم وارادہ) (۲) قول باللسان (زبانی گفتگو) (۳) عمل بالجوارح (تمام افعال)

انسان پر جو تغیراتی حالات وارد ہوتے ہیں خواہ ان میں ارادہ کو دخل ہو یا نہ ہو وہ تمام کے تمام ان تین قسموں میں منحصر ہیں (جن کی تشریح آئندہ بیان کی جائے گی)۔

حضور علیہ السلام کی بشریت

حضور علیہ السلام اگرچہ بظاہر نوع انسانی سے متعلق ہیں اور آپکی ذات اقدس پر ان تمام کیفیات کا صدور ممکن ہے جو انسانی جبلت کے لئے ہیں لیکن اس امر پر دلائل و براہین قائم ہو چکے ہیں اور اجماع کا حرف آخر بھی کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جبلت وطبیعت عام انسانوں کی طرح نہیں ہے

اور آپ کی ذات اقدس ان تمام آفات سے منزہ و مبرا ہے جو انسانوں پر بالقصد یا بلا قصد عارض ہوتی ہیں اور اس مضمون کو مزید تفصیل کے ساتھ آئندہ بیان کریں گے۔

پہلی فصل

عقد بالقلب اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم

توفیق ایزدی سے سرفرازی کے بعد عرض گذار ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو توحید باری علم وصفات الٰہی اور ذات باری کے علاوہ وحی الٰہی پر بھی پورا عبور ان کی معرفت واضح علم اور یقین کامل حاصل تھا۔ ان میں نہ تو کسی قسم کا انحصار تھا اور نہ کسی قسم کا شک وشبہ باقی تھا۔ علاوہ ازیں اس معرفت ویقین میں ہر قسم کی مخالفت سے آپ مبرا ومنزہ تھے اور اس عقیدہ پر ملت مسلمہ کا اجماع ہے اور دلائل وبراہین سے بھی یہ بات واضح نہیں کہ انبیاء کا اعتقاد اس کے سوا ہو۔ یہاں معترض کا یہ اعتراض غلط اور بیجا ہوگا کہ جناب ابراہیم خلیل علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

بلی ولکن لتطمئن قلبی — ایمان تو ہے لیکن اطمینان قلبی کا طالب ہوں۔ (پ ۳ ع ۳)

یہاں اس آیت کریمہ اور فرمان خلیل علیہ السلام سے چند باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے ارشاد در بارہ احیاء موتیٰ میں جناب خلیل علیہ السلام کو کوئی تردّد وشبہ نہ تھا آپ نے صرف اس لئے مشاہدہ کی تمنا کی تھی تاکہ تنازعہ ختم ہو جائے اور اطمینان قلبی میسر ہو ورنہ جناب خلیل علیہ السلام کو اس سے قبل احیاء موتیٰ کا علم تو تھا لیکن مشاہدہ کے ذریعہ اس علم میں اضافہ مقصود تھا۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے قرب ومنزلت بارگاہ ایزدی کا اندازہ لگانا چاہتے تھے اور بارگاہ الٰہی میں اپنے سوال کی قبولیت کو معلوم کرنا تھا کہ اس خالق کائنات کی بارگاہ میں کس مرتبہ کا حامل ہوں اور میری عرضداشت بارگاہ قبول میں کیا حیثیت رکھتی ہے؟

اس لئے رب کریم کا ارشاد ہے اولم تومن اے ابراہیم کیا تم ایمان نہیں رکھتے یعنی آپ کو اس برگزیدگی اور منصب خلت پر یقین نہیں جو ہم نے آپکو عطا کیا ہے اور وہ اعزاز جو تمہیں ہماری بارگاہ میں حاصل ہے۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ سوال ارنی کیف تحی الموتی' (مجھے مشاہدہ کرا دے کہ تو مُردوں کو کس طرح حیاتِ نَو عطا فرماتا ہے۔ یہ سوال یقین کی زیادتی اور اطمینان قلب کے لئے تھا ورنہ ایسا تو نہ تھا کہ آپ کو قدرتِ الٰہی میں کسی قسم کا شک وشبہ ہو۔

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ بعض اوقات علوم نظری اور ضروری قوت میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ بات امور مسلمہ میں سے ہے کہ نظریات میں شکوک کا جاری ہونا ممکن اور ضروریات میں ان کا اجراء محال ہے لہٰذا ابراہیم علیہ السلام نے علمِ نظری وخبری سے مشاہدہ کی طرف اور علم الیقین کی جانب ترقی کو مدنظر رکھا کیونکہ خبر خواہ کتنی بھی معتبر ہو وہ مشاہدہ کے برابر نہیں ہوسکتی۔

سہل بن عبداللہ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہ الٰہی میں اسلئے دعا فرمائی تھی خداوندا میری نظروں کے سامنے سے حجابات ہٹا دے تاکہ نور الیقین کے ساتھ اپنی موجودہ حالت پر یقین مزید حاصل ہو جائے۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ سوال اس لئے بھی تھا کہ اس مشاہدہ سے مشرکوں پر حجت قائم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح مارتا اور زندہ کرتا ہے تاکہ یہ حجت علانیہ طور پر قائم ہو جائے۔

(۵) بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ جناب خلیل علیہ السلام کا یہ سوال حسن طلب کا مظہر تھا وہ چاہتے یہ تھے کہ مجھے بھی احیاء موتیٰ کی صلاحیت عطا فرما دی جائے کہ لیطمئن قلبی سے مراد یہ تھی اس تمنا کے پورا ہونے سے میرے قلب کو اطمینان حاصل ہو جائے۔

(۶) چھٹی اور آخری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے اپنے نفس کی جانب سے شک محسوس کیا۔ لیکن حقیقتاً یہ شک نہ تھا بلکہ اس کے اظہار سے مزید قرب کا حصول مقصود تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شک پر حضور علیہ السلام کا تجزیہ :۔ سرکار دوعالم صلی اللہ

علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اس معاملہ میں شک کرنے میں جناب ابراہیم کے مقابلہ میں ہم زیادہ مستحق ہیں حضور علیہ السلام کے اس فرمان سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شک کی نفی اور قلوب سے ضعیف خطرات کا دفعیہ مقصود ہے تاکہ جناب خلیل علیہ السلام کی جانب کوئی ایسی نسبت نہ کر سکے کہ ہمارے ذہن میں یہ پراگندہ خیالات آئے ہیں اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ آپ نے شک کیا ہے مطلب یہ ہے کہ بعثت اور احیاءً موتیٰ دونوں پر ہمارا ایمان ہے۔ سو اگر (خدانخواستہ) حضرت ابراہیم علیہ السلام اس مسئلہ پر شک کرتے تو ہم اس معاملہ میں ان سے زیادہ حقدار ہیں۔

یہاں یہ بات بھی ممکن ہے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کا یہ فرمانا بر سبیل ادب ہو۔ اور یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ لفظ "ہم" سے امت کے وہ افراد مراد ہیں جن پر شک کا اجراء ممکن ہے اور اس کی توجیہہ اس طرح بھی ہو سکتی ہے کہ آپ کا یہ قول از راہ تواضع و شفقت نفسی ہے لیکن اس کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول کو ان کے اصل حال یعنی آزمائش اور یقین کی زیادتی محمول کیا جائے۔

یہاں قرآن کریم کی درج ذیل آیت کریمہ کے معانی کو سمجھنے میں اگر کسی کو تردد واقع ہو تو اس کا جواب بھی آئندہ سطور میں دیا جائے گا۔

فان كنت فى شك مما نزلنا اليك (پ ۱۱ ع ۱۵) — پس اگر تم شک میں ہو اس کے جو ہم نے تم پر نازل کیا۔

اے قاریِ قرآن تیرے دل میں (ناسمجھی کی وجہ سے) وہ شک نہیں آنا چاہیئے اور اگر ایسی کیفیت پیدا ہو تو ماہرین علوم قرآن سے رجوع کر اور اس آیت سے قبل کی دو آیتوں کے معنیٰ دریافت کر (اللہ تعالیٰ تیرے قلب کو استقامت عطا فرمائے) لیکن ایسا نہ ہو کہ اب بھی کسی کے دل میں ویسا ہی خدشہ پیدا ہو جائے جیسا کہ بعض حضرات کے دلوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے پیدا ہوا تھا جس سے یہ مفہوم لیا گیا کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں بشری طور پر کوئی شک واقع ہوا۔

حالانکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ سید المفسرین ابن عباس کا فرمانا تو ان بعض مفسرین کے مزعوم

کے خلاف ہے۔ ابن عباس نے تحریر فرمایا کہ نہ تو حضور علیہ السلام کے قلب مبارک میں کسی نازل شدہ امر (وحی) پر شک پیدا ہوا اور نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی سے ایسے امر میں کچھ دریافت فرمایا۔

اور اسی مضمون سے ملتے جلتے الفاظ ابن جبیر حسن بصری رحمہم اللہ سے بھی مروی ہیں جناب قتادہ نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی یہ ہے کہ نہ تو میں شک کرتا ہوں اور نہ کسی سے دریافت کرتا ہوں اور تمام مفسرین نے جناب قتادہ کے قول کی تائید کی ہے۔

البتہ مفسرین نے آیت کے معنیٰ میں مختلف تشریحات کی ہیں۔

(۱) اے پیارے نبی آپ شک کرنے والوں سے فرمادیں اگر تم شک کے مرض میں مبتلا ہو (تو تم کسی سے دریافت کرلو) آخر آیت تک۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں کوئی ایسی بات نہیں جو اس تاویل پر دلالت کرتی ہو لیکن دوسری آیت اس سلسلہ میں یہ بتاتی ہے۔

یا ایھا الناس ان کنتم فی شک من دینی (پ ۱۱ ع ۱۶) — آپ فرمادیں اے لوگو اگر تم میرے دین کی طرف سے کسی شک میں مبتلا ہو۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت کو اہلِ عرب کو خطاب ہے اور حضور علیہ السلام کی ذات شریفہ مراد نہیں ہیں۔ دوسری آیت اس کی تائید کرتی ہے۔

لئن اشرکت لیحبطن عملک (پ ۲۴ ع ۴) — اے سننے والے اگر تونے اللہ کا شریک ٹھہرایا تو یقیناً کیا دھرا اکارت رہ جائیگا

مذکورہ بالا آیت میں تخاطب تو حضور علیہ السلام سے ہے لیکن آیت کے مصداق دوسرے ہیں اور آئندہ آیت بھی اسی مضمون کو ظاہر کرتی ہے۔

فلا تلک فی مریۃ مما یعبد ھؤلاء — اے محبوب آپ اس سے کہ یہ لوگ عبادت کرتے ہیں تردد نہ فرمائیں۔

اور اس سلسلہ میں بہت سی آیات قرآن کریم میں ملتی ہیں بلکہ ابن علا فرماتے ہیں کہ تم نے رب العالمین کا

یہ ارشاد نہیں پڑھا جس میں کہ آپ نے فرمایا۔

ولا تکونن من الذین کذبوا	اور ہرگز ان میں سے نہ ہونا جنہوں نے
بآیات اللہ ۔ (پ۱۱ ع۱۵)	آیاتِ الٰہی کو جھٹلایا۔

اندازِ تخاطب اور مخاطب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تو وہ ہے جو دوسروں کو رشد و ہدایت اور صدق و عدل کا درس دیتی ہے اور کیونکر ممکن ہے کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان مکذبین کی تائید فرمائیں اور یہی اس دعویٰ کی دلیل ہے کہ آیات کریمہ مذکورہ بالا میں گو خطاب حضور علیہ السلام سے ہے مگر ان سے مراد دوسرے لوگ ہیں اور اگر اب بھی کسی مزید دلیل کی احتیاج باقی ہے تو قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ دعوت فکر و ہے۔

الرحمٰن فاسئل بہ خبیرا	رحمٰن ہے پس اس سے خبر دینے والے
(پ ع)	کو دریافت کرو۔

اس آیت کریمہ میں بھی خطاب حضور علیہ السلام ہی سے ہے لیکن بتایا دوسروں کے بارے میں جارہا ہے تاکہ یہ لوگ ذات باری کے بارے میں حضور سے معلوم کریں کیونکہ حضور علیہ السلام کی ذات گرامی تو مسئول عنہ ہے نہ کہ سائل (معلومات حاصل کرنے والے)

ازالہ شک کی ایک اور توجیہہ

بعض اہل علم نے اس سلسلہ میں فرمایا کہ یہ شک و تردد جس کے سلسلہ میں حضور علیہ السلام کے علاوہ ان لوگوں سے دریافت کرنے کا حکم دیا جارہا ہے جو کتاب (الٰہی) میں ان لوگوں کے قصے پڑھتے ہیں جن کا تعلق امم ماضیہ سے ہے نہ کہ توحید و شریعت جس کی طرف انہیں متوجہ کیا گیا ہے اور اس توجیہہ کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔

واسئل من ارسلنا من قبلک	اور ان سے معلوم کرو جن (حضرات)
من رسلنا (پ۲۵ ع۱۰)	رسولوں کو ہم نے تم سے قبل مبعوث فرمایا ہے۔

عتبی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں بھی مخاطب حضور علیہ السلام ہیں لیکن اس سے مشرکین مراد ہیں عتبی کے مذکورہ بالا قول کے علاوہ اور ارباب علم نے بھی فرمایا ہے کہ اس آیت کریمہ میں حکم ربی کے معنیٰ اس طرح سمجھے ہیں کہ خاتم الانبیاء علیہم السلام سے ان انبیاء کی بابت معلوم کرو جو حضور علیہ السلام سے قبل مبعوث کئے گئے ہیں۔

تشریح آیت اور عربی قواعد

مذکورہ بالا آیت میں خافض یعنی حرف جر عن مِنْ اَرْسَلْنَا میں محذوف ہے لیکن کلام مکمل ہے اور اس میں کسی قسم کا انخفاء باقی نہیں ہے (اور یہی اعجاز قرآنی ہے) شک و تردد کے ازالہ کے لئے انہیں آیات پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ بانداز دگر سمجھایا جا رہا ہے ملاحظہ ہو۔

اجعلنا من دون الرحمن الهة۔ (پ ع)	کیا ہم نے رحمٰن کے علاوہ کچھ اور خدا ٹھہرا لئے۔

استفہام انکاری اور یقین کامل

اس آیت کریمہ میں اس امر کا انکار کیا جا رہا ہے کہ ہم نے ایسا نہیں کیا اور ہم نے غیر خدا کو معبود نہیں ٹھہرایا اور اسی قول کی تائید مکی نے بھی کی ہے۔

واقعہ معراج اور انبیاء علیہم السلام سے سوال کا حکم

معراج کے موقعہ پر حضور علیہ السلام سے کہا گیا کہ آپ انبیاء سابقین سے اس بارے میں سوال کریں لیکن ایقان نبوی اس قدر مستحکم تھا جس میں مزید استفسار کی احتیاج نہ تھی لہٰذا حضور علیہ السلام نے عرض کیا کہ مجھے مزید استفسارات کی ضرورت نہیں میرا یقین کامل ہے (ابن زید) لیکن مجاہد ضحاک قتادہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ انبیاء سابقین کے امتیوں سے معلوم کیا جائے کیا وہ بغیر توحید کے آئے تھے۔

تمام انبیاء توحید و شریعت لے کر آئے

مذکورہ بالا آیات کریمہ اس بات کی تشریح و تاکید کر رہی ہے کہ مشرکین عرب کے اس عقیدے کی

تردید کی جائے کہ ان کا یہ عقیدہ انما نعبدھم لیقربونا الی اللہ زلفیٰ ہم بتوں کی عبادت تو اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں تقرب الٰہی سے ہمکنار کردیں غلط ہے اور یہ بات حق و درست ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اللہ کی وحدانیت کا درس دیتے ہوئے تشریف لائے اور لوگوں کو احکام الٰہی کی تعلیم دی ۔ (یہی شریعت ہے) اور یہی بات حضور علیہ السلام کو بتائی جا رہی ہے کہ تمام انبیاء کا طریق کار یہی رہا ہے اور ان کی تعلیم یہ رہی ہے کہ اللہ نے کسی کو اپنے غیر کی عبادت کا حکم نہیں دیا ۔

اسلام کا طرۂ امتیاز

رفع شک و تردد اسلام کا طرۂ امتیاز رہا ہے اور کوئی موقع ایسا نہیں ملتا جہاں اسلام نے کسی کو تردد و شک میں مبتلا کیا ۔ ہر ہر موقع پر اس کی تعلیمات ذہنی پراگندگی کو دور کرتی رہی ہیں ۔ مذکورہ بالا آیات میں نہایت واضح طور پر اس شک کو دور کیا گیا لیکن کج فہموں اور کٹ حجتی کرنے والوں کے منہ بند کرنے کے لئے مزید آئتیں پیش کی جا رہی ہیں ۔

والذین اتینٰھم الکتاب یعلمون	اور جن کو ہم نے کتاب دی وہ جانتے
انہ منزل من ربک بالحق	ہیں کہ تیرے رب کی جانب سے حق نازل
فلا تکونن من الممترین ۔	ہوا تو اے سننے والے تو ہرگز شک والوں
(پ ۸ ع ۱)	میں نہ ہو ۔

آیت کریمہ سے ظاہر ہے کہ یہ لوگ آپ کی رسالت میں شک تو کرتے ہیں لیکن زبان سے اس کا اظہار نہیں کرتے ۔ اس آیت سے حضور علیہ السلام کے شک و تردد کا مفہوم مترشح نہیں ہوتا جیسا کہ آیت ماسبق کے ذیل میں ذکر ہوا ۔

یہاں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اس آیت کا مفہوم بھی ہم اسی طرح سمجھیں جس طرح کہ آیات ماسبق کو سمجھا ہے کہ مخاطب حضور ہیں اور آپ سے کہا جا رہا ہے کہ آپ ان لوگوں کو بتا دیں کہ اے شک و تردد کرنے والو تم شک و تردد کا شکار نہ ہو اور اس قول کی دلیل ماسبق میں مذکور یہ آیت ہے ۔

افغیر اللہ ابتغی حکما (پ ۸ ع ۱)	تو کیا اللہ کے سوا میں کسی اور کا فیصلہ چاہوں ۔

اس انداز میں حضور علیہ السلام دوسروں کو تبلیغ فرما رہے ہیں۔

بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ تو تقریر و بیان ہے اور اس کی تائید اس آیت قرآنی سے ملتی ہے جس میں حضرت مسیح ابن مریم علیہم السلام کے بارے میں بتایا جا رہا ہے۔

ءانت قلت للناس اتخذونی و امی الٰھین من دون اللہ (پ ۷ ع ۶)

کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنالو۔

آپ کو یہ بات یقینی طور پر معلوم تھی کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا مذکورہ بالا قول نہ تھا لیکن ایک قول کے مطابق یہ اس لئے کہا جا رہا ہے کہ آپ کو تو یہ معلوم ہے کہ جناب ابن مریم علیہما السلام نے یہ نہیں فرمایا لیکن آپ کے معلوم کرنے سے علم میں زیادتی اور اطمینان قلب میں اضافہ ہوگا اور بعض اہل علم نے اس کی تشریح اس طرح فرمائی کہ ان فضائل و شرف میں جو آپ کو عطا کئے گئے ہیں آپ کو تردد ہے تو آپ ان لوگوں سے معلوم فرمائیں کہ آپ کے فضائل کتب سابقہ میں کس انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت ابوعبیدہ اس قول کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان کنت فی شک سے مراد آپ کی ذات اقدس کے علاوہ وہ لوگ مراد ہیں جن پر کلام الٰہی نازل ہوا۔

شبہ کا ازالہ

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ اس آیت کے معنی ان اقوال کی روشنی میں کیا ہوں گے۔

حتیٰ اذا استیئاس الرسل و ظنوا انھم قد کذبوا۔ (پ ۱۳ ع ۶)

یہاں تک کہ جب رسولوں کو ظاہری اسباب کی امید نہ رہی تو لوگ سمجھے کہ رسولوں نے ان سے غلط کہا تھا۔

اس شبہ کے ازالہ کے لئے حضرت عائشہ صدیقہ کا یہ جواب کافی ہے "معاذ اللہ کیا اللہ کے برگزیدہ رسولوں کے متعلق یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ بارگاہ الٰہی میں یہ شک کریں گے بلکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ حضرات انبیاء اپنے متبعین کے ان بلند بانگ دعووں سے جو ان حضرات انبیاء کی معاونت سے متعلق تھے مایوس ہوئے تو ان حضرات نے یہ خیال فرمایا کہ ان کے

دعوے غلط تھے اور حضرت عائشہ کے اس قول کی تائید دوسرے مفسرین نے بھی کی ہے۔ اس سلسلہ میں کچھ حضرات نے فرمایا کہ ظنوا میں جو ضمیر مستتر ہے اس کا مرجع امم اور متبعین کی جانب راجع ہے اس کا مرجع انبیاء و رسل نہیں ہیں۔ اس قول کی تائید حضرات ابن عباس اور ابن جبیر اور دوسرے حضرات نے کی ہے۔

مجاہدؒ کی تشریح

جناب مجاہد نے اس سلسلہ میں فرمایا کہ کُذِبُوا کا اعراب ذال کے کسرہ اور کاف کے پیش کی بجائے اگر کاف کے فتحہ اور ذال کے زیر کے ساتھ ہو تو اعتراض رفع ہو جاتا ہے اور کسی معترض کو اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

ان تشریحات کے بعد اب کسی شخص کو ایسی تفسیر جو شاذ اور نادر ہو متوجہ نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ جو بات اہل علم کے شایانِ شان نہ سمجھی جائے اس کا انطباق انبیاء علیہم السلام کی ذات مقدسہ پر کیا جانا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

ابتداء وحی والی حدیث اور شک کے معنیٰ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان جو حدیث سیرت اور ابتداء وحی کے سلسلہ میں منقول ہے کہ نزولِ وحی کے بعد سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جناب خدیجہ سے فرمایا لقد خشیت علیٰ نفسی یہاں خشیت کے معنیٰ شک نہیں بلکہ خشیت اپنے لفظی معنیٰ میں مستعمل ہے "میرے دل میں خوف پیدا ہوا" اس سے یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ فرشتہ جو حکم الٰہی سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اس میں آپ کو کوئی شک واقع ہوا تھا۔

لیکن یہ ممکن ہے کہ خشیت قوت تحمل و برداشت فرشتہ کی آمد اور تنزیل کی وجہ سے ہو کہ شاید قلب مبارک اس کو برداشت نہ کر سکے یا جان چلی جائے۔

یہ اس روایت کی تاویل ہے جو حدیث صحیح میں منقول ہے کہ آپ نے یہ بات یا تو فرشتہ کی ملاقات کے بعد فرمائی ہو یا اس سے پہلے کیونکہ اس دور میں آپ پر علامات ظاہر ہونی شروع ہو گئی تھیں اور یہ بات اس حدیث کی روایت کے دوسرے ذرائع سے معلوم ہوئی ہے کہ پہلے آپ کو رویاء صادقہ

نظر آئے اس کے بعد وہی واقعات عالم بیداری میں ملاحظہ فرمائے اور یہ سب اس لئے ہوا کہ قلب مبارک پر ایسی کیفیات کے وارد ہونے سے کوئی خاص مترشح نہ ہو اور آپ اس سے مانوس ہو جائیں تاکہ آپ کی بشری حالتیں ان حالات کو برداشت کرنے کے قابل ہو جائیں۔

پہلی وحی کے حالات و مکشوفات

امام بخاری و مسلم نے اپنی صحیحین میں سیدہ عائشہ صدیقہ کی نقل کردہ حدیث کے الفاظ اس طرح منقول کئے ہیں کہ سب سے پہلی وحی جو حضور علیہ السلام پر آئی وہ رویائے صادقہ تھی۔ اس خواب کے بعد حضور نے تنہائی اختیار فرمالی۔ پہلی وحی جو روح القدس لے کر آئے وہ واقعہ غار حرا میں پیش آیا۔

غار حرا کے واقعہ سے پہلے پندرہ سال

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکہ مکرمہ میں پندرہ سال اس طرح گذرے کہ ابتدائی سات سال تک تو آپ ایک آواز سنتے اور ایک روشنی ملاحظہ فرماتے لیکن کچھ نظر نہ آتا، بعد کے آٹھ سال اس طرح گذرے کہ آپ پر وحی آتی رہی۔

پہلی وحی اور حامل وحی سے گفتگو

ابن اسحاق نے بعض صحابہ کے حوالہ سے سرور عالم علیہ السلام کی ایک حدیث روایت کی کہ سرورِ دو عالم علیہ السلام نے اپنے قیام غار حرا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک دن میں سویا ہوا تھا۔ اس وقت میں سویا ہوا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا اقراء (پڑھیئے) میں نے جواب دیا ما اقراء (میں نے جواب دیا میں نہیں پڑھوں گا) میرے جواب کو سن کر فرشتے نے مجھے چپٹایا اور مجھے دبایا اور مجھ سے درخواست کی اقراء باسم ربک الذی خلق اپنے اس رب کے نام سے پڑھئے جس نے آپ کی تخلیق فرمائی (راوی حدیث نے اس کے بعد حضرت عائشہ کی حدیث کے مطابق روایت کی) سرکار دو عالم نے فرمایا کہ اس کے بعد وہ فرشتہ واپس چلا گیا میں نیند سے بیدار ہوا تو اس کی صورت میرے قلب میں مرتسم تھی۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس واقعہ کے بعد میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جب میں یہ واقعہ لوگوں کو بتاؤں گا تو سامعین کا تاثر کیا ہوگا۔ یہ لوگ مجھے شاعر و مجنون (نعوذ باللہ) خیال کریں گے حالانکہ یہ دونوں

سے زیادہ مجھے اور کوئی مبغوض نہ تھا اگر لوگوں نے ایسے تاثر کا اظہار کیا تو میرے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ ہوگا کہ میں پہاڑ کی چوٹی سے گر کر جان دیدوں۔

قلب مبارک کے خدشات اور ندائے غیبی

میرے دل میں یہ خیال آیا تھا اسی وقت مَیں نے ایک غیبی آسمانی آواز سُنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اللہ کے رسول ہیں اور مَیں جبریل آپ سے مخاطب ہوں۔ یہ سنتے ہی مَیں نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو دیکھا کہ جبریل انسانی شکل میں فضاء آسمانی میں موجود ہیں اور اس کے بعد پورا واقعہ نقل فرمایا۔

شک وخشیت قبل وحی تھی یا بعد وحی

مذکورہ بالا سطور سے یہ ظاہر ہوگا کہ حضور علیہ السلام کا یہ قصہ اس وقت تھا جب آپ نے جبریل امین سے ملاقات نہ فرمائی تھی اور اس وقت تک آپ کو یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب رسالت پر فائز فرمایا ہے۔

عمرو بن شرجیل سے بھی اسی مفہوم کی مماثل حدیث مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے جناب خدیجۃ الکبریٰ سے دریافت فرمایا جب مَیں تنہا رہتا ہوں تو ایک آواز مجھے سنائی دیتی ہے خدا کی قسم جس کی وجہ سے مجھے یہ خوف ہوتا ہے کہیں یہ اس امر (بد) سے نہ ہو۔

حماد بن مسلم کی روایت اور اس کی تاویل

راوی فرماتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ سے فرمایا کہ میں تنہائی میں ایک روشنی دیکھتا ہوں اور کچھ آوازیں بھی سنائی دیتی ہیں اور مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ جنونی کیفیت نہ ہو۔ حضور کے اس قول یا اس سے مماثل اقوال جو دوسری احادیث میں مشغول ہوئے اس کی تاویل یہ کی جائے گی کہ ایسی باتیں بالعموم شاعر یا مجنوں کیا کرتے ہیں اس لئے حضور علیہ السلام نے تمثیلاً فرمایا ہو۔

ایک اور توجیہہ

مذکورہ بالا سطور میں جو حضور علیہ السلام کی باتیں نقل کی گئی ہیں اس میں حتمی طور پر کچھ فرمانے کا مفہوم نہیں ملتا بلکہ اس گفتگو سے شک کا اظہار ہوتا اس کی توجیہہ و تاویل اس طرح کی جائے گی کہ تمام باتیں اس

دوسرے متعلق ہیں جبکہ آپ نے فرشتہ کو آنکھوں سے نہ دیکھا تھا اور بعثت کا باقاعدہ طور پر حکم موصول نہیں ہوا تھا اس طرح یقینی طور پر یہ کہنا درست نہ ہو گا کہ حضور علیہ السلام بھی شک و تردد سے دوچار ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں منقولہ احادیث کے بعض الفاظ کے متعلق صاحبان فن نے یہ بتایا کہ ان کے الفاظ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچے لیکن فرشتہ (جناب جبریل) سے ملاقات اور بعثت کے بعد نہ تو اس میں کوئی شک ہے اور نہ اس میں کسی تردد کی گنجائش ہے کہ آپ کو شک واقع ہوا ہو۔

رسول علیہ السلام کی ذات گرامی اور نظر بد

ابن اسحاق نے اپنے استادوں کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ نبوت سے قبل حضور علیہ السلام کی نظر سحر آتاری جاتی تھی۔ بعثت کے بعد ایک مرتبہ آپ کو نظر ہوئی تو جناب خدیجہ نے عرض کیا کہ میں کس کو بلاؤں جو آپ کی نظر آتار دے۔ اس وقت حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

جبریل امین کی آمد کی تصدیق

جناب جبریل امین کی آمد کے سلسلہ میں جو حدیث حضرت خدیجہ کی تصدیق کے سلسلہ میں وارد ہے جس میں کہ آپ نے اپنا سر کھول کر ان کی (جبریل) کی آمد کی تصدیق کی (آخر حدیث تک) اس کے سلسلہ میں اہل علم نے فرمایا کہ جناب خدیجہ کی خصوصیات میں سے ہے کہ وہ اس طریقہ پر یہ تصدیق کریں کہ کیا حضور علیہ السلام کے پاس ناموس اکبر تشریف لاتے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی تصدیق ہو جائے اور شک وشبہ کا ازالہ ہو جائے۔ منقول ہے کہ یہ سب کچھ جناب خدیجہ طاہرہ نے ورقہ بن نوفل کے مشورہ اور ان کے بتائے ہوئے طریق کار کے مطابق کیا تھا۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جناب خدیجہ کا تصدیق کرنا اس وجہ سے نہ تھا کہ جناب خدیجہ کو حضور علیہ السلام کے اعلان نبوت میں کسی قسم کا شک و تردد تھا۔ درحقیقت انہوں نے اپنے یقین میں اضافہ کے لئے جبریل امین کی آمد کے سلسلہ میں تحقیق و تجسس کی تھی۔

عبداللہ بن محمد نے حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت کردہ حدیث نقل کرتے ہوئے کہا کہ ورقہ نے حضرت خدیجہ کو مشورہ دیا تھا کہ جبریل امین کی آمد کی تصدیق اس طرح عمل کر کے کی جا سکتی ہے۔

حضرت خدیجہ کا حضور سے جبریل کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار

اسماعیل بن حکم کی روایت کردہ حدیث کے الفاظ اس طرح ملتے ہیں کہ جناب طاہرہ خدیجہ نے حضور علیہ السلام سے درخواست کی (یا ابن عم) اے میرے چچازاد کیا ایسا ممکن ہے کہ جب وہ ناموس اکبر (فرشتہ) آپ کے پاس حاضر ہو تو مَیں اس کو دیکھ سکوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا بیشک! چنانچہ جب جبریل امین حضور علیہ السلام کے پاس آئے تو جناب نبی علیہ السلام نے حضرت خدیجہ سے فرمایا کہ تم میرے پہلو میں بیٹھ جاؤ۔ (راوی نے اس واقعہ کو آخر تک نقل کیا ہے) اس وقت جناب خدیجہ نے فرمایا کہ یہ فرشتہ ہی ہے اور اس میں شیطانی اثرات کا اثر نہیں ہے مَیں آپ کو مشورہ دیتی ہوں کہ اپنے دعویٰ نبوت پر ثابت قدم رہیں اور مَیں آپ کو اس فرشتہ کی آمد پر مبارک باد دیتی ہوں اور ستزادیہ کہ میں آپ کے دست حق پرست پر ایمان لاتی ہوں۔

حضرت خدیجہ کا یہ تمام کام ان خصوصیات میں سے تھا جو ان کے ایمان کا علی الاعلان اظہار اور ان کی تصدیق مزید پر دال تھا۔ اس میں اس بات کو قطعاً دخل نہ تھا کہ وہ حضور علیہ السلام کی نبوت کے بارے میں ذرا بھی شکوک تھیں۔

انقطاع وحی پر حزن و ملال

یہاں اس بات کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے کہ معمر کے قول کے مطابق جب وحی کی آمد میں توقف ہوا تو حضور علیہ السلام کو بہت رنج و ملال ہوا اور وہ اس حد کو پہنچا کہ اس اثنا میں حضور نے کئی مرتبہ یہ سوچا کہ آپ پہاڑ سے خود کو گرا دیں۔ راوی موصوف نے اس سلسلہ میں یہ احتیاط کی اور یہ کہا کہ ہماری معلومات کی حد تک یہ بات ہے اس سلسلہ میں راوی نے ان اصحاب کا حوالہ نہیں دیا جن کے ذریعہ انہیں یہ بات معلوم ہوئی اور نہ اس بات کو اس طرح بیان کیا کہ یہ بات خود حضور علیہ السلام کی بیان کردہ ہے درحقیقت بات یہ ہے کہ یہ بات صرف حضور ہی کی ذات شریف سے متعلق ہے جب تک کہ حضور اس کو کسی پر ظاہر فرمائیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ بات ابتدائی دور سے متعلق ہو جب تک کہ بعثت کے احکام نہیں ملے تھے جیسا کہ ہم نے ماسبق میں ذکر کیا ہے اور اس کا بھی امکان ہے کہ آپ کو ان لوگوں نے پریشان کیا جنہو

ابتدا میں دعوت اسلام دی تھی جیسا کہ قرآن کریم میں وارد ہے

فلعلک باخع نفسک علیٰ اٰثارھم	تو کہیں آپ اپنی جان پر کھیل جائیں گے
ان لم یومنوا بھذا الحدیث	ان کی وجہ سے اگر وہ غم کی وجہ سے اس
اسفا ۔ (پ ۱۵ ع ۱۳)	واقعہ پر ایمان نہ لائیں ۔

اور اسی مفہوم اور تاویل کی وہ حدیث موید ہے جس کو شریک نے مختلف راویوں کے حوالہ سے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا کہ مشرکین مکہ کو جب دعوئ نبوت معلوم ہوا تو وہ دار الندوہ میں جمع ہوئے اور حضور کے دعوئ نبوت پر انہوں نے بالاتفاق یہ طے کیا کہ سب لوگ یہ اعلان کر دیں کہ (معاذاللہ) حضور علیہ السلام ساحر ہیں۔

مزمل و مدثر سے خطاب

حضور علیہ السلام کو جب ان کی سازش کی اطلاع ہوئی تو آپ کو اس سے سخت صدمہ اور تکلیف ہوئی اور یہ بات ان کو اس قدر گراں گزری کہ آپ دولت سرائے اقدس میں آئے اور کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے اور جسم اقدس کو اس میں لپیٹ لیا۔ اس وقت جبریل امین تشریف لائے اور حضور علیہ السلام کو یا ایھا المزمل (اے جھرمٹ والے نبی) اور یا ایھا المدثر اے کمبل اوڑھنے والے نبی کہہ کر مخاطب کیا۔

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ وحی کا انقطاع کسی ایسی وجہ سے نہیں ہوا جس میں حضور علیہ السلام کا کوئی عمل شامل ہو اور اس وجہ سے مواخذہ شرعی ہوا ہو جس کی وجہ سے وحی منقطع کر دی گئی ہو۔ حضور علیہ السلام کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ مجھ سے کوئی عمل ایسا ہوا ہے جس کی وجہ سے وحی نہیں آئی۔ یہ بات بھی مدنظر رکھنی چاہیئے کہ اس وقت شریعت کے احکام نازل ہی نہیں ہوئے تھے اور شریعت میں خیالات پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کی گئی تھی لہٰذا اس قسم کا کوئی اعتراض اس مرحلہ پر عائد نہیں ہوتا۔ اس سلسلہ میں حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ جناب یونس علیہ السلام کا اپنی قوم کے تکذیب کے ڈر سے آبادی کو چھوڑ دینا بھی اس وجہ سے تھا کہ کہیں ان کی تکذیب کی وجہ سے قوم پر عذاب الٰہی نازل نہ ہو جائے۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم کی یہ آیت شاہد ہے۔

فظن ان لن نقدر علیہ   سو انہوں نے (یونس علیہ السلام) یہ گمان کیا کہ ہم ان پر قادر نہ ہوں گے۔ (پ ع)

اس آیت کریمہ میں کہ یونس علیہ السلام نے یہ خیال کر لیا کہ ہم ان کی قوم پر سختی نہ کریں گے۔ اس بارے میں مکی کا کہنا یہ ہے کہ یونس علیہ السلام نے یہ خیال فرمایا کہ نہ میں اس زیادتی میں رہوں گا اور نہ قوم میری تکذیب کرے گی اس طرح وہ عذاب الہٰی سے محفوظ رہے گی لیکن بعض اہل علم نے اس بارے میں یہ کہا کہ یہ جناب یونس کا حسن ظن تھا کہ رب تعالیٰ ان کی قوم پر عذاب نہ کرے گا جس کا اظہار بعد میں ہوا۔ بعض حضرات نے نُقَدِّرُ کو تشدید قاف کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔ اس طرح آیت کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ یونس علیہ السلام نے یہ گمان کیا تھا کہ ہم ان پر عذاب نہ کریں گے۔ بعض مفسرین نے اس کے معنیٰ اس طرح بھی کئے ہیں۔ بعض مفسرین نے اس کے معنیٰ اس طرح بھی کئے ہیں کہ ہم یونس علیہ السلام کے فرار پر مواخذہ کریں گے۔

ابن زید نے اس آیت کے معنیٰ ایں فَظَنَّ سے ہمزہ استفہام کو محذوف مانا اور اس جملہ کو استفہامیہ قرار دیا۔

حتمی بات

اور یہ بات یقینی ہے کہ کسی کے لئے یہ بات کہنا مناسب نہیں کہ نبی اپنے رب کی صفات میں کسی صفت سے ناواقف ہو۔

اس سلسلہ میں ایک آیت کریمہ ملاحظہ ہو۔

اِذْهَبَ مُغَاضِباً (پ ۱۷ ع ۶)   وہ ناراض ہو کر چلے گئے

اس آیت کریمہ کے معنیٰ اور اس کی مراد یہ ہے کہ وہ نبی مکرم اپنی قوم کے طرز عمل اور کفر کی بنا پر ان سے ناراض ہو کر وہاں سے تشریف لے گئے۔ اس سے معنی یہ نہیں مراد ہوں گے کہ وہ اپنے رب سے ناراض ہو کر اس آبادی سے چلے گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے ناراضگی تو بغاوت کے مترادف اور سبب کفر ہے اور انبیاء علیہم السلام متعلق ایسا سوچنا بھی ایمان کی علامت نہیں ہے۔ یہی قول ابن عباس اور ضحاک وغیرہ کا بھی ہے جب اللہ تعالیٰ سے ناراضگی اور عداوت عامۃ المسلمین کے لئے ناروا ہے

توانبیاء کی جانب اس کی نسبت کس طرح کی جا سکتی ہے۔

ایک قول اور حدیث کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی مکرم اس وجہ سے وہاں سے تشریف لے گئے کہ لوگ ان کی تکذیب نہ کریں اور اپنے کفر و طغیان کی وجہ سے قتل نہ کر دیں (اگر وہ اس کے مرتکب ہوئے تو غضب الٰہی نازل ہوگا)

بعض اقوال کے مطابق حضرت یونس علیہ السلام کے تشریف لے جانے کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کا حکم کسی نبی نے بادشاہ وقت کو سنایا لیکن اس نے ان کی نافرمانی کی تو یونس علیہ السلام کو بادشاہ کی یہ حکم عدولی ناگوار معلوم ہوئی تو بادشاہ نے حضرت یونس علیہ السلام پر سختی کی تو آپ نے فرمایا کہ میرے لئے نبی کا حکم بادشاہ کے حکم کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہے اور نبی میرے لئے بادشاہ سے زیادہ قوی ہے۔ اس بنا پر آپ بادشاہ سے ناراض ہو کر وہاں سے تشریف لے آئے۔

حضرت یونس علیہ السلام کی نبوت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جناب یونس کو نبوت اس وقت ملی جب کہ آپ شکم ماہی سے باہر تشریف لائے تھے اور وہ اس آیت سے دلیل اخذ کرتے ہیں۔

فنبذناہ بالعراء وھو سقیم ط و انبتنا علیہ شجرۃ من یقطین وارسلناہ الی مائۃ الف۔ (پ ۲۳ ع ۶)

پھر ہم نے اسے میدان میں ڈال دیا اس وقت وہ بیمار تھا اور ہم نے اس پر کدو کی بیل اگائی اور ہم نے اسے لاکھ آدمیوں کی طرف بھیجا۔

اس سلسلہ میں ایک اور آیت اس طرح نازل ہوئی۔

ولا تکن لصاحب الحوت (پ ۲۹ ع ۴)

اور اس مچھلی والے کی طرح نہ ہونا۔

اس آیت کی تفصیل اس طرح بیان ہوئی۔

فاجتباہ ربہ فجعلہ من الصلحین۔ (پ ۲۹ ع ۴)

تو اسے اس کے رب نے چن لیا اور اپنے قرب خاص کے سزاواروں میں کر لیا۔

اس طرح یہ بات محقق ہو جاتی ہے کہ جناب یونس علیہ السلام مچھلی کے واقعہ کے بعد منصب نبوت پر فائز ہوئے۔

غین کے معنیٰ!

اگر کوئی صاحب یہ سوال کریں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (شب و روز میں) مجھ پر ایسی کیفیات طاری ہوتی ہیں جن کی وجہ سے میں سو مرتبہ روزانہ اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور ایک روایت کے مطابق ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا ہوں۔

سوال کے جواب سے پہلے معترض کو یہ بتانا ضروری ہے کہ کسی کے دل میں یہ خیال نہیں آنا چاہیئے کہ حدیث میں جو لفظ "غین" استعمال ہوا ہے اس کے معنیٰ شک یا وسوسہ کے نہیں ہیں جس کے متعلق یہ خیال کیا جائے کہ جو قلب نبوی پر طاری ہوئے غین سے مراد وہ چیز ہے جو دل کو ڈھانپ لیتی ہے اور ابو عبید نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ غین سے مراد غین السماء ابر یا بادل کی طرح کوئی تمثیل یا مشتق ہے جو آسمان پر چھا جاتا ہے۔

بعض اصحابِ علم نے اس کو اس طرح لکھا ہے کہ غین ایک ایسی کیفیت ہے جو دل کو اس طرح ڈھانپ لیتی ہے جس طرح آسمان پر ہلکا بادل چھا جاتا ہے لیکن آفتاب کی شعاعوں کو روکتا نہیں ہے بلا تمثیل و تشبیہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ بالا اعتراض اور لفظ غین کے استعمال سے یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ قلب مبارک پر روزانہ سو مرتبہ یا ستر مرتبہ سے زیادہ یہ کیفیت طاری ہوتی تھی اور ایک بات اور بھی قابل لحاظ ہے کہ لفظ مذکور اس کا مقتضی نہیں جس کا تذکرہ ہم اوپر کر آئے ہیں اور یہی اکثر روایات میں ہے اور یہ بھی قابلِ غور ہے کہ سو یا ستر سے زیادہ کی تعداد غین کی نہیں بلکہ استغنا کی ہے۔

اب یہاں اس لفظ غین سے وہ حالات مراد ہوں گے جو قلبی غفلتیں نفسانی خطرات اور انسانی سہو مراد ہیں جو آپ کی ذاتِ اقدس کو ذکر اور مشاہدہ حق کے مواقع پر اہل کی شفقت اور اغیار کے معاملات کی درستی بشری حالات، نفس کی کیفیتیں اور جو خصوصیات آپ کو عطا ہوئی تھیں۔ علاوہ ازیں رسالت کی ذمہ داریاں اور حمل امانت وغیرہ جن کے آپ حامل تھے ان کے باوجود آپ معروف عبادت رہتے تھے

اور یہ بات تو متحقق ہے کہ سرکار دو عالم علیہ السلام کا مرتبہ بارگاہ صمدیت میں تمام مخلوق کے مقام سے ارفع واعلیٰ تھا اور حضور علیہ السلام ذات وصفات باری کے بارے میں سب سے زیادہ علم رکھتے ہیں اور وہ حالات کہ جب آپ کا قلب مبارک غیر خدا کی جانب توجہ سے فارغ ہوتا اور آپ کی رفیع ہمت، ماسوائے اللہ سے فارغ ہوتی اور آپ ہمہ تن منفرد وحدہٗ لاشریک کی بارگاہ میں متوجہ ہوتے تو اس وقت آپ کی حالت مذکورہ دونوں حالتوں سے بلند تر رہتی اس وقت حضور علیہ السلام فترت واشتغال باللہ کو اس رفیع حال کے لئے انحطاط اور نقصان کا سبب خیال فرماتے تھے اور غیر اللہ سے اشتغال پر اللہ سے استغفار فرماتے تھے اور اس سے پناہ طلب کرتے تھے۔

حدیث کا مفہوم اور مصنف کی رائے

جناب مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا حدیث کے معانی کے سلسلہ میں جو وجوہ بیان کی گئی ہیں ان میں آخری وجہ سب سے زیادہ قوی مشہور تر اور اثر آفریں ہے اور اسی وجہ کو بہت سے اہل علم حضرات نے قبول کیا اور اس کی جانب مائل ہوئے ہیں۔ بہت سے حضرات نے اس سے ملتے جلتے معنیٰ مراد لئے ہیں مگر جس مقصود کو ہم نے حاصل کیا اس میں کسی کی رسائی ابتدا میں نہیں ہوئی تھی لیکن میں نے اس مشکل کو قریب قریب حل کر دیا ہے اور جو شخص استفادہ کرنا چاہے اس کے سامنے اصل شکل کو سامنے کر دیا ہے

مصنف کا استدلال

میں نے اس کلام کی جو توجیہ کی ہے اس کا استدلال یہ ہے کہ تبلیغ اور اس کے طریق کار کے سلسلہ میں دیگر امور کے علاوہ انبیاء علیہم السلام پر سہو ونسیان کا طاری ہونا ممکن اور جائز ہے اور اس سلسلہ میں تفصیل آئندہ بیان کی جائے گی۔ طبقہ صوفیا فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اس قسم کی غفلت وفترت سے بھی منزہ ومبرا ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ پریشانیاں اور وہ رنج وغم ہیں جو قلب نبوی پر امت پر شفقت کے سلسلہ میں واقع ہوئے تھے۔ اور یہ استغفار کرنا خود حضور کی ذات اقدس کے لئے نہیں ہوتا تھا بلکہ یہ امت کی مغفرت کے لئے ہوتا تھا۔

اور ایک خیال یہ ہے کہ اس غین سے مراد وہ طمانیت اور سکون ہو تو قلب نبوی پر جو آپ کے قلب مبارک کو حاصل ہوتا تھا اور اس سلسلہ میں آیت کریمہ بھی اشارہ فرما رہی ہے۔

فانزل اللہ سکینتہٗ علیہ	اللہ تعالیٰ نے آپ پر سکینت اور اطمینان
(پ ۱۰ ع ۱۵)	نازل فرمایا۔

مذکورہ بالا توجیہہ کے مطابق حضور علیہ السلام کا استغفار کرنا ثواب اور اظہارِ عبودیت کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔ ابن عطا فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا استغفار کرنا تعلیم امت کے لئے تھا تاکہ وہ بھی استغفار کی طرف متوجہ ہوں لیکن دوسرے اصحاب نے کہا کہ حضور کا یہ فعل امت کو مصائب و آلام سے محافظت کے طریقہ کی تعلیم ہے تاکہ وہ مصائب سے امن حاصل کریں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ غین سے خوف کی حالت خشیت و عظمت الٰہی مراد ہو جو قلب نبوی پر طاری ہوتی تھی اس وقت آپ اظہارِ عبودیت اور اظہارِ شکر کے استغفار فرماتے تھے جس کی دلیل ہمیں اس فرمان سے ملتی ہے۔ اَفَلَا اَکُونَ عَبدًا شَکُورًا۔ کیا میں اس کا شکر گذار بندہ نہ بنوں۔

انہی وجوہ کی بنا پر حضور علیہ السلام کے اس فرمان کو بھی محمول کیا جائے گا جو مختلف سندوں سے منقول ہے جس میں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے دل پر دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ ایسی حالت طاری ہوتی ہے اس وقت میں اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔

یہاں اگر کوئی شخص یہ دریافت کرے کہ ان آیاتِ کریمہ کا کیا مطلب ہوگا۔

ولو شاء اللہ لجمعھم علی الھدیٰ	اور اللہ چاہتا تو انھیں ہدایت پر جمع فرما
فلا تکونن من الجاھلین (پ ۷ ع ۱۰)	دیتا تو اے سننے والے ہرگز نادان نہ بن

دوسری آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کو مخاطب فرمایا گیا۔

فلا تسئلن ما لیس لک بہ علم انی	تو مجھ سے وہ بات دریافت نہ کر جس کا
اعظک ان تکون من الجاھلین	تجھے علم نہیں میں تجھے نصیحت کرتا ہوں
(پ ۱۲ ع ۴)	کہ نادان نہ بن۔

یہاں معترض اور سائل کے اعتراض کو قابل اعتنا نہ سمجھا جائے جس کا تاثر یہ ہو کہ وہ حضور علیہ السلام کے لئے بے خبری کا قائل ہے یا نوح علیہ السلام کے لیے بھی اس قسم کا تخیل رکھتا ہے۔

پہلی آیت میں یہ بتایا گیا کہ آپ ان لوگوں میں نہ ہوں جو اس امر سے بے خبر ہیں کہ اللہ چاہتا تو انہیں ہدایت پر مجتمع کر دیتا۔ اس طرح نوح علیہ السلام کو بھی یہ فرمایا گیا کہ آپ ان لوگوں میں سے نہ ہوں جن کا خیال اللہ کے وعدے کے سچا ہونے کے متعلق درست نہیں ہے۔

یہاں تفسیر کے ظاہری معنیٰ کی طرف توجہ اس لئے نہ دی جائے گی کہ اس طرح صفات باری میں (معاذ اللہ) جہل ثابت ہوتا ہے اور اس کا صدور انبیا علیہم السلام کے لئے مناسب نہیں۔ یہاں تو مقصود یہ نصیحت ہے کہ وہ اپنے کاموں میں جہلاء کی مطابقت نہ کریں اور ان کے کسی فعل میں جہلا سے مشابہت نہ پائی جائے۔ ایک جگہ فرمایا گیا۔ انی اعظک میں تم کو نصیحت کرتا ہوں لیکن آیت مذکور میں کوئی بات ایسی نہیں ملتی کہ وہ ان صفات ممنوعہ میں کسی صفت کے ساتھ متصف تھے اور اس کی کوئی وجہ بھی نظر نہیں آتی کیونکہ نوح علیہ السلام کا تذکرہ جس آیت میں ہوا ہے اس میں یہ بات پہلے سے موجود ہے جس میں صراحت وارد ہے کہ آپ ہم سے وہ بات معلوم نہ کریں جس کا تمہیں علم نہیں ہے کیونکہ یہ بات زیادہ مناسب ہے کہ مابعد والی آیت کو ماقبل آیت پر محمول کیا جائے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں دو پہلو ہیں (۱) ایسی چیز بعض اوقات اذن کی محتاج ہوتی ہے (۲) اور بعض اذن کی احتیاج نہیں رہتی اور ایسی حالت میں سوال کرنا مناسب ہوتا ہے۔

نوح علیہ السلام کو ان کے بیٹے کی ہلاکت کے سلسلہ میں دریافت کرنے سے ابتداً تو منع فرمایا اور اس امر کو اپنے علم میں رکھا اور اس کا اظہار نہ فرمایا اور اس کے بعد آپ پر اپنی نعمتوں کو مکمل فرمایا۔ بیٹے کے معاملہ میں صراحت فرمادی۔

انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح ۔ (پ ۱۲ ع ۴)	بے شک وہ تمہارے اہل سے نہیں کیونکہ اس کا عمل اچھا نہیں ہے۔

یہ تشریح مکی نے کی ہے۔

ایک اور آیت میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو انکی قوم کی نافرمانی پر صبر کی تلقین فرمائی گئی تاکہ آپ ان کے رویہ سے دل تنگ نہ ہو جائیں اور ان کی روگردانی کی وجہ سے شدید غم و اندوہ کا شکار نہ ہوں

یہ ابوبکر بن نورک کی رائے ہے۔

ابوبکر مکی فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں امت مخاطب ہے یعنی تم لوگ جہلا کا رویہ اختیار نہ کرو اور اس سلسلہ میں دوسرے اہل علم کے بکثرت اقوال بیان ہوتے ہیں اور اسی فضیلت کی وجہ سے یہ بات متیقن ہے کہ بعثت کے بعد انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

مذکورہ بالا آیات سے جب عصمت انبیاء علیہم السلام کو ثابت کر دیا تو اس آیت کریمہ کے معنیٰ کیا ہوں گے جس میں کہ حضور علیہ السلام کو وعید کی گئی کہ اگر وہ ایسا کریں۔

لئن اشرکت لیحبطن عملک (پ ۲۴ ع ۴) — اگر تم نے شرک کا ارتکاب کیا تو تمہارے اعمال حبط کر لئے جائیں گے۔

ایک اور مقام پر اس طرح فرمایا گیا۔

ولا تدع مع اللہ مالا ینفعک ولا یضرک (پ ۱۱ ع ۱۶) — اللہ کے سوا اس کی بندگی نہ کر جو نہ تجھے نفع پہنچا سکے اور نہ نقصان

ایک اور آیت میں اس طرح تخاطب فرمایا گیا۔

اذا لاذقناک ضعف الحیوۃ (پ ۱۰ ع ۸) — اور ایسا ہوتا تو ہم آپ کو دونی عمر کا مزہ دیتے۔

انیسویں پارہ میں اس طرح تخاطب ہوا۔

لاخذنا بالیمین (پ ۲۹ ع ۶) — ضرور ہم ان سے بقوت بدلہ لیتے۔

مختلف مقامات پر جو آیات کریمہ اس مضمون سے متعلق وہ ذیل میں تحریر کی جاتی ہیں۔

ان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ۔ (پ ۸ ع ۱) — زمین پر چلنے والے اکثر لوگ ایسے ہیں کہ آپ نے ان کے کہنے پر عمل کیا تو وہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے۔

فان یشاء اللہ یختم علی قلبک ۔ (پ ۲۵ ع ۴) — اور اگر اللہ چاہے تو آپ کے قلب پر اپنی (رحمت وحفاظت کی) مہر لگا دے ۔

فان لم تفعل فما بلغت رسلتک (پ ۶ ع ۱۴) — اور ایسا نہ ہو تو تم نے اس کا کوئی پیغام نہ پہنچایا ۔

اتق اللہ ولا تطع الکافرین والمنفقین ۔ — تو اللہ سے ڈر اور کافروں اور منافقوں کی پیروی نہ کر ۔

ان آیات کریمہ کے مطالعہ کے بعد اس امر کا لحاظ ضروری اور لازمی ہے کہ نہ تو حضور علیہ السلام کے لئے یہ ممکن تھا کہ تبلیغ دین میں کوئی کمی فرماتے یا حکم ربی کی تعمیل میں سر مو کوتاہی فرماتے اور حضور کی ذات اقدس سے ارتکاب شرک ممکن ہی نہ تھا ۔ نیز ایسی بات ذات باری کے ساتھ منسوب فرمائیں جو ذات باری کے شایان شان نہ ہو اسی طرح ذات باری پر افترا کریں یا (نعوذ باللہ) خود گمراہ ہو جائیں یا کافروں کی پیروی کریں یا اللہ تعالیٰ آپ کے قلب مبارک پر مہر لگا دے ۔

ان تمام باتوں کے صدور کی حضور علیہ السلام کی ذات اقدس سے کسی طرح توقع کی ہی نہیں جا سکتی ۔

ان آیات کریمہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رب کریم نے مکاشفہ اور بیان سے آپ کے لئے فریضہ میں آسانیاں بہم پہنچائی ہیں ۔ نیز اس بات کو بتایا گیا ہے کہ آپ طریقہ تبلیغ میں وہی طریقے استعمال فرمائیں جن کی آپ کو تعلیم دی گئی ہے اگر اس کے علاوہ کوئی طریقہ استعمال کیا گیا تو گویا آپ نے تبلیغ کی ہی نہیں ۔

نیز آپ کے قلب مبارک کو اپنے ان الفاظ سے تسلی و اطمینان دلایا گیا ہے ۔

واللہ یعصمک من الناس (پ ۶ ع ۱۲) — اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ فرما دے گا ۔

تسلی آمیز الفاظ ایسے ہی ہیں جس طرح کہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے دریافت فرمایا گیا تھا لا تخافا اننی معکما آپ دونوں خوف نہ کریں میں تمہارے ساتھ ہوں یعنی جب آپ دونوں فرعون کے پاس تبلیغ دین کے لئے جائیں تو اس کی شخصیت سے مرعوب نہ ہوں اور نہ آپ کے دلوں میں اس کے

ظلم و ستم کا کوئی خوف ہو اور تبلیغ دین میں ان کے دل قوی اور بصارت تیز ہو جائے۔

اور مندرجہ ذیل آیات جو نازل ہوئیں ان کے بارے میں بھی قلب میں خطرہ گزر سکتا ہے۔

ولو تقول علینا بعض الاقاویل	اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے۔
(پ ۲۹ ع ۶)	
اذاً لاذقناک ضعف الحیوٰۃ	اور اگر ایسا ہوتا تو ہم تمہیں دونی حیوۃ کا مزہ
(پ ۱۵ ع ۸)	دیتے۔

ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی ایسا کرتا ہم اس کے ساتھ یہ طرز عمل اختیار کرتے اور اگر آپ بھی ایسا کریں تو آپ کے ساتھ بھی یہی ہو (لیکن آپ تو ایسا کریں گے ہی نہیں)

اسی طرح ایک اور آیت میں تخاطب فرمایا گیا۔

وان تطع اکثر من فی	اے مخاطب خطہ زمین پر اکثر وہ لوگ ہیں
الارض یضلوک عن سبیل اللہ	کہ اگر تو ان کے کہے پر عمل کرے تو وہ تجھے
(پ ۸ ع ۱۰)	راہِ حق سے بھٹکا دیں گے۔
ان تطیعوا الذین کفروا یردوکم	اگر تم کافروں کا کہا مانو گے تو وہ تمہیں الٹے
علی اعقابکم۔	پاؤں لوٹا دیں گے۔
فان یشاء اللہ یختم علی	پس اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہارے دلوں
قلبک۔	پر مہر لگا دے۔
ولئن اشرکت لیحبطن	اگر تم شرک کرو گے تو تمہارے اعمال حبط
عملک۔	کر لئے جائیں گے۔

مذکورہ بالا تمام آیات میں حضور علیہ السلام مخاطب تو ہیں لیکن اس تخاطب سے مراد دوسرے لوگ ہیں اور اس بات کو واضح طور پر بتایا جا رہا ہے کہ یہ ان لوگوں کی حالت ہے جو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

لیکن حضور علیہ السلام کی ذات اقدس کے ساتھ تو اس قسم کا خیال کرنا بھی غلط ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان

یا ایھا النبی اتق اللہ ولا تطع الکافرین۔	اے نبی آپ اللہ سے ڈریں اور کافروں کی اطاعت نہ کریں۔

اس آیت سے یہ مراد نہیں لیا جائے کہ نبی کریم علیہ السلام نے نعوذ باللہ کافروں کی اطاعت کر لی تھی اس لئے آپ کو اس سے منع کیا جا رہا ہے بلکہ اللہ احکم الحاکمین ہے وہ جس کو جس طرح چاہے منع فرما سکتا ہے اور جو حکم چاہے دے سکتا ہے۔ مثلاً

ولا تطرد الذین یدعون ربھم۔	آپ ان لوگوں کو سرزنش نہ فرمائیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں۔

حالانکہ نہ تو آپ نے کسی کو سرزنش فرمائی تھی اور نہ صفات نبوی میں ایسی کوئی بات ملتی ہے کہ آپ نے کسی کو بے وجہ سرزنش کی ہو۔

دوسری فصل

بعثت سے قبل عصمتِ انبیاء

انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے بارے میں کہ یہ حضرات بعثت سے قبل بھی ذات وصفات باری میں کسی قسم کے شک میں مبتلا ہوتے ہیں یا ان سے صدور گناہ ہوتا ہے اختلاف ہے۔

بلکہ درست اور متحقق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نہ تو ذات وصفات باری تعالیٰ میں اور نہ امور آخرت میں کسی شک وتردد میں ہوتے ہیں اور نہ کسی اخلاقی کمزوری کے مرتکب ہوتے ہیں۔

تمام واقعات وحالات جو انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں یا خود انہیں سے منقول ہیں اس بات کے شاہد ہیں کہ ابتدا آفرینش سے یہ سب حضرات تمام نقائص سے بری ہوتے ہیں۔ یہ حضرات نہ صرف توحید الٰہی اور ایمان باللہ کے ساتھ پرورش حاصل کرتے ہیں بلکہ معارف وانوار کی بارشوں میں ان

کی نشو ونما ہوتی ہے۔

اس سلسلہ میں ہم نے حصہ اول کے دوسرے باب میں وضاحت کی ہے۔

کوئی کافر ومشرک منصب نبوت پر فائز نہیں ہوا

تاریخ کے اوراق اس بات کے گواہ ہیں کہ کبھی کوئی کافر ومشرک منصب نبوت پر فائز نہیں کیا گیا اسی لئے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اس قسم کا ارتکاب کرنے والے کا معاشرہ میں اعلیٰ مقام نہیں ہوتا لہٰذا وہ اس اعلیٰ منصب کا اہل قرار نہیں دیا جاتا۔

جناب مصنف کی تحقیق

مَیں قاضی عیاض کہتا ہوں کہ قریش مکہ نے حضور علیہ السلام کی ذات گرامی پر ہر قسم کی بہتان طرازی اور افتراپردازی کی اور طعن وتشنیع سے بھی باز نہ آئے اور یہی وطیرہ انبیاء سابقین کے امتیوں نے اپنے نبیوں کے ساتھ اختیار کیا لیکن یہ بات کبھی سننے میں نہیں آئی کہ کسی نبی کے متعلق یہ کہا گیا ہو کہ کسی نبی نے امر الٰہی کو ترک بھی کیا ہو یا کسی قسم کی سرتابی کے مرتکب ہوئے ہوں کیونکہ جو لوگ بے حقیقت بات کو آشکارا کرتے میں کوئی کمی نہیں کرتے وہ وقوع پذیر ہونے والی بات پر کس طرح خوش رہ سکتے ہیں تھے۔

لیکن ان بے اعتباروں کا کیا اعتبار کیا جا سکتا ہے جو اپنے معبودوں کے بارے میں ہی متلون مزاجی کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ وہ کفار تو اپنے نبیوں سے اس لئے ناراض رہتے تھے کہ وہ انہیں (کافروں کو) معبودانِ باطل کی پرستش سے روکتے تھے اگر یہ انبیاء (معاذ اللہ) ان کی حمایت کرتے تو ان (انبیاء) کا یہ فعل نہایت نامناسب ہوتا اور منکرین نبوی کے لئے یہ زبردست دلیل بنتا کیونکہ انبیاء تو ان کو بت پرستی سے منع ہی نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے آباؤ اجداد کی بت پرستی پر بھی تنقید کیا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ کفار ومشرکین کو کوئی ایسا موقع ملا ہی نہیں کہ وہ ان مقدس حضرات کے اقوال وافعال کو ہدف ملامت بناتے اگر کبھی ان کا شائبہ بھی ملتا تو وہ اس کی تشہیر میں کوئی فروگذاشت نہ کرتے اور وہ بات سب کے سامنے آشکارا ہو جاتی اور اس کی مثال تحویل قبلہ کے موقع پر ملتی ہے۔

ما ولٰھم عن قبلتھم التی کانوا   کس نے ان کو اس قبلہ سے پھیر دیا جس

علیہا۔ (پ ۲ع ۱) پردہ تھے۔

تحویل قبلہ کے موقع پر جب حضور علیہ السلام نے بیت المقدس کے بجائے کعبۂ ابراہیمی کی جانب رخ کر لیا تھا تو یہ بات ان کو پسند نہ آئی اور انہیں بزعم خود یہ موقع طعن ہاتھ آیا اور انہوں نے اس سے پورا پورا فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔

عصمت انبیاء اور قاضی قشیری کی تحقیق

قاضی قشیری نے عصمت انبیاء پر قرآن کریم کی ان آیات سے استدلال کیا ہے اور بتایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے امور قبیحہ سے محفوظ ہونے پر یہ آیات شاہد ہیں

(۱) واذ اخذنا من النبیین میثاقھم ومنک ومن نوح (پ ۲۱ ع ۱۷) — اے نبی (مقدس) آپ یاد فرمائیں جب ہم نے آپ سے اور دوسرے نبیوں سے عہد لیا۔

واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتب وحکمۃ (پ ۳ ع ۱) — اور جب اللہ نے انبیاء سے یہ عہد لیا کہ ہم نے تمہیں جو کچھ کتاب وحکمت عطا فرمائی ہے

قاضی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ خالق کائنات نے آپ کی ذات مقدس کو روز میثاق ہی پاک صاف منزہ و معصوم فرما دیا تھا اور یہ بات قرین قیاس نہیں کہ آپ سے اس وقت عہد عبادت لیا جبکہ آپ کی تخلیق بھی نہیں ہوئی تھی اور مزید برآں یہ کہ نہ صرف حضور سے عہد لیا گیا بلکہ دوسرے انبیاء علیہم السلام سے آپ کی تائید وتصدیق کا وعدہ کرلیا۔

اس عہدومیثاق کے بعد۔ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ آپ سے شرک ومعاصی کا صدور ہو اور سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ان نفوس قدسیہ کے متعلق ایسے خیالات رکھنے والا مسلمان ہی نہیں بلکہ ملحد ہی ہو سکتا ہے۔ یہ تھا خلاصہ جناب قشیری کی تحقیق کا جو پیش کیا گیا۔

شق صدر اور تطہیر قلب

اور یہ خیال کیونکر کیا جا سکتا ہے کہ حضور سے صدور گناہ ممکن ہے کیونکہ روایات وآثار سے یہ بات بالتواتر

ثابت ہے کہ حضور کی صغر سنی کے دور میں جبریل امین نے آکر آپ کا سینہ مبارک چاک کیا اور اس میں سے سیاہ خون کا لوتھڑا نکال کر حضور سے عرض کیا کہ یہ شیطانی اثر و نفوذ قبول کرنے والا حصہ تھا جس کو الگ کر دیا گیا ہے اور قلب مبارک کو غسل دے کر علم و حکمت سے لبریز کر دیا۔

شق صدر کے واقعہ کے بعد اب بھی یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی نسبت ایسے نامناسب خیالات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول کی توجیہہ

اگر کوئی کور باطن یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ سے سند حاصل کرتا ہے جس میں کہ حضرت خلیل علیہ السلام نے چاند تاروں کو دیکھ کر فرمایا تھا۔ ھذا ربی

آپ کے قول کی توجیہہ بعض لوگوں نے تو اس طرح کی یہ دور آپ کی طفولیت کا تھا جس کو غیر شعوری دور کہتے ہیں لیکن صاحبان علم بصیرت نے یہ فرمایا کہ جناب خلیل علیہ السلام نے بات اپنی قوم سے سوال کے طور پر فرمائی تھی اور ان پر حجت قائم کرنے کے لئے اور انہیں عاجز کرنے کے لئے فرمائی تھی۔

ایک گروہ نے یہ کہا کہ یہ جملہ استفہام انکاری ہے جس کا مفہوم یہ ہوگا کہ یہ میرے خدا ہو سکتے ہیں ہر گز نہیں زجاج فرماتے ہیں کہ ھذا ربی کا مطلب جناب خلیل کے الفاظ میں نہیں بلکہ کافروں کے الفاظ میں ادا کیا گیا ہے اور اس کی دلیل ان الفاظ سے ملتی ہے خطاب باری ہے۔ اَیْنَ شُرَکَائِیْ۔ اس سے مراد ظاہر ہے کہ وہ مفہوم جو کفار و مشرکین کا عقیدہ شرک تھا۔ اس لئے رب کریم نے فرمایا کہ وہ کہاں ہیں جن کو میرا شریک ٹھہراتے ہو۔

جناب خلیل نے کبھی بت پرستی نہیں کی

یہ امر محقق ہے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کے قلب مبارک میں ایک لمحہ کے لئے بھی غیر خدا کا تصور نہیں آیا اور نہ کبھی غیر خدا کی پرستش کی اور اس کی تائید اللہ کے اس قول سے ہوتی ہے۔

اذ قال لابیہ لقومہ ما تعبدون۔	جب کہا انہوں نے اپنے باپ (یہاں باپ سے چچا مراد ہیں) اور اپنی قوم سے تم کس کی عبادت کرتے ہو۔
(پ ۱۹ ع ۹)	

جناب ابراہیم کے اس سوال پر ان کی قوم کے لوگوں نے جواب دیا کہ ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور تمام مراسم عبادت بھی ادا کرتے ہیں ۔ کافروں کی زبانی یہ جواب سن کر حضرت ابراہیم نے فرمایا ۔

افرائیتم ما کنتم تعبدون انتم و آباؤکم الاقدمون فانھم عدو لی الا رب العالمین (پ ۱۹ ع ۶)

کیا تم اور تمہارے آباؤ اجداد یہ دیکھتے بھی نہیں کہ جنہیں پوج رہے ہیں وہ سب میرے دشمن ہیں مگر سوائے میرے پروردگار کے ۔

مزید آیتوں میں اس طرح فرمایا گیا ۔

اذ جاء ربہ بقلب سلیم (پ ۲۳ ع ۷)

وہ بارگاہ احدیت میں قلب سلیم (شرک و کفر کی آلودگی سے صاف) کے ساتھ آیا

واجنبنی و بنی ان نعبد الاصنام (پ ۱۳ ع ۱۸)

مجھے اور میری آئندہ نسلوں کو بتوں کی پرستش سے محفوظ فرما دے ۔

مگر قلب معترض پر اس آیت کے مفہوم سے کیا اثر ہوگا ۔

لئن لم یھدنی ربی لاکونن من القوم الضالین (پ ۷ ع ۱۵)

اگر میرا رب مجھے ہدایت نصیب نہ فرماتا تو میں بھی گمراہوں میں شامل ہوتا ۔

اس آیت کا مطلب اور مقصد یہ ہے کہ جناب خلیل علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ اگر اللہ تعالیٰ میری مدد نہ کرتا تو میری حالت بھی وہی ہوتی جو تمہاری ہے ۔ یعنی گمراہی اور برائی کا امتیاز تمہارے لئے ختم ہے ۔ یہ قول ڈر اور خوف کے اظہار کے لئے ہے ورنہ تمام انبیاء ازل سے ہی ہر قسم کی ضلالت اور گمراہی سے محفوظ ہیں لیکن اگر قلب مطمئن نہیں ہے تو اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں بھی دشواری پڑے گی ۔

وقال الذین کفروا لرسلھم لنخرجنکم من ارضنا او لتعودن فی ملتنا ۔ (پ ۱۳ ع ۱۴)

کافروں نے رسولوں سے کہا کہ ہم یا تو تمہیں اپنی آبادیوں سے نکال دیں گے یا تمہیں اپنے دین میں واپس لوٹا لیں گے ۔

کافروں کی خرافات کا جواب اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں دلوایا ۔

قد افترینا علی اللہ کذبا ان عدنا	اگر ہم تمہارے دین کی جانب لوٹ گئے تو
فی ملتکم بعد اذ نجانا اللہ منک	ہم اللہ پر جھوٹ باندھیں گے بعد اس کے
(پ ۹ ع ۱)	اللہ نے ہمیں اس درجیت سے محفوظ فرمایا۔

لغت و محاورہ کے مطابق "عود" لوٹ آنا سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ اسی دین میں لوٹ آئیں گے جس کو کر وہ پہلے سے اختیار کئے ہوئے تھے یہاں ایسا گمان کرنا مناسب نہ ہوگا۔ عربی قاعدہ کے مطابق لفظ عود کہیں ایسے موقع پر بھی بولا جاتا ہے کہ جس کی ابتداء نہ ہو ایسے موقع کو صیرورت یعنی ایک حالت سے دوسری حالت کی جانب تبدیلی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کی تائید اس قول سے ملتی ہے کہ دوزخیوں کے سلسلہ میں حدیث میں آیا ہے۔ عادوصیما وہ کوئلہ ہو جائیں گے۔ یہاں لفظ عادو سے یہ مراد نہ ہوگا کیونکہ وہ اس سے قبل کوئلہ نہ تھے۔ کسی شاعر نے اپنے شعر میں کہا ہے

تلک المکارم لا قبعان من لبن   شیبا بماء فعادا بعد ابوالا

ترجمہ:- یہ مکارم اخلاق ان دودھ کے برتنوں کی طرح نہیں ہیں جن میں پانی بھر اگیا تو وہ پیشاب کی مانند ہو گیا۔

یہاں شعر میں "عادا" صار یعنی ہو گیا کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ یعنی وہ پیشاب کی طرح ہو گیا حالانکہ در حقیقت پہلے وہ پیشاب وغیرہ نہ تھا اگر عود کے معنی لوٹنے کے لئے جائیں تو آیت کا مفہوم بھی خبط ہو جائے گا اور یہ بات محاورہ کے بھی خلاف ہوگی لہٰذا آیت کے معنیٰ وہی مراد ہوں گے جن سے مفہوم میں اشتباہ واقع نہ ہو۔

ضالاً کے معنی و مفہوم

اب آیئے اس آیت کی جانب توجہ کریں جس میں حضور علیہ السلام کے لئے ایسا لفظ استعمال ہوا ہے جو قرین عقل و یقین نہیں۔

ووجدک ضالاً فھدیٰ (پ ۳۰ ع ۱۸)	آپ کو ۔ ۔ ۔ ۔ پایا تو سیدھی راہ دکھائی۔

یہاں ضال کے اگر لفظی معنی مراد لئے جائیں تو یہ صریح کفر ہوگا کیونکہ اگر نبی گمراہ ہوا تو سیدھی راہ دکھانے والا کون ہے [1]

---

[1] سعدی شیرازی نے فرمایا ہے۔ (باقی ص ۱۹۸ پر)

یہاں ضال سے مراد روایتی گمراہی نہیں بلکہ اس سے مراد یہ بھی ضالا من النبوۃ فھداک کہ آپ نبوت سے وارفتہ تھے تو آپ کو اس کی طرف ہدایت فرمائی۔ یہ طبری کا قول ہے۔

ایک قول کے مطابق یہاں معنیٰ اس طرح کئے جائیں گے۔ اے محبوب ہم نے آپ کو گمراہوں میں گھرا ہوا پایا تو آپ کی حفاظت کر کے ایمان و رشد کی راہ دکھائی اسی مفہوم کو سدی اور دوسرے علمار نے بیان کیا ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کو ایسی حالت میں پایا کہ آپ اپنی شریعت سے بے خبر تھے سو آپ کو اس کی جانب متوجہ کیا۔

یہاں قشیری کی بیان کردہ توجیہہ قابل توجہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ ضال کے معنیٰ یہاں حیرانی اور تعجب کے ہیں اور حضور علیہ السلام اسی کیفیت میں تھے لہٰذا تلاش حق میں غار حرا میں جا کر خلوت نشین ہوتے تھے تاکہ تقرب حاصل اور شریعت مل جائے اور ایسا ہی ہوا کرم الٰہی متوجہ ہوا اور منصب نبوت پر سرفرازی ہوئی۔

علی بن عیسیٰ کہتے ہیں کہ یہاں توجیہہ معنیٰ اس طرح ہو گی کہ آپ پہچانتے نہ تھے تو خدا نے اس کی جانب رہبری فرمادی۔ قرآن حکیم فرماتا ہے وعلمک ما لم تکن تعلم اور اب سکھا دیا وہ سب کچھ جو آپ جانتے نہ تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام ضلالت و معصیت میں مبتلا نہ تھے اور بعض لوگوں نے ہدیٰ کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ امور نبوی کو اللہ تعالیٰ نے دلائل و براہین کے ساتھ واضح کر دیا۔

ایک اور قول کے مطابق حضور علیہ السلام مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان فیصلہ کرنے میں متردد تھے تو اللہ

صفحہ ۱۹۷ سے آگے

ہر کہ خود گم است کرا رہبری کند   خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

جو خود ہی گمراہ ہوتا تو وہ کسی کو راہ راست دکھا سکتا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فاضل بریلوی علیہ رحمتہ کے مرقد پر نور کی بارش برسائے انہوں نے کتنا لطیف ترجمہ فرمایا جس نے قلب روح کو نورانیت عطا فرمائی ملاحظہ ہو ترجمہ کنزالایمان اور حاشیہ خزائن العرفان۔ مترجم۔

اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کو اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی۔ ایک اور قول کے مطابق آپ کے سبب سے گمراہوں کو ہدایت فرمائی۔

جعفر بن محمد فرماتے ہیں کہ اس کا مقصد اور معنیٰ یہ ہیں کہ حضور علیہ السلام کو ازل سے جو محبت ذات باری تھی اس کی حیثیت سے بیخبر پایا تو اس کی اہمیت آپ پر ظاہر فرما کر آپ پر احسان عظیم فرمایا۔

ضالاً اور ضالٌ کا فرق

حسن بن علی نے ضالاً کے بجائے اس کو ضالٌ پڑھا یعنی آپ کو اگر گمراہ نے پایا تو وہ آپ کی وجہ سے راہ یاب ہو گیا۔

ابن عطا فرماتے ہیں کہ و وجدک ضالا فھدیٰ میں ضالا کے معنیٰ محبت و وارفتگی کے لیئے جائیں گے۔ وارفتگی کے علاوہ دوست کے معنیٰ بھی لیئے جا سکتے ہیں اور دوست کے سلسلہ میں قرآنی آیت بھی شہادت دیتی ہے۔

انک لفی ضلٰلک القدیم (پ ۱۳ ع ۵) یعنی آپ اسی پرانی محبت میں ہیں

یہ آیت حضرت یعقوب و یوسف علیہ السلام کی ذوات سے متعلق ہے۔ یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب پیراہن یوسفی کی خوشبو سونگھی تو اس کے متعلق بتایا تھا تو صاحبزادگان یعقوب و برادران یوسف علیہ السلام نے یہ کہا تھا کہ آپ تو ابھی تک اسی پرانی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ واقعات کی مطابقت سے اگر دیکھا جائے تو فرط محبت اور تعلق خاطر کے معنیٰ زیادہ مناسب ہوں گے کیونکہ اگر صاحبزادگان یعقوب کا مطلب ضلال کے لفظی معنی سے ہوتا تو وہ بالکل غلط ہوتے کیونکہ نبی کو گمراہ کہنا خود اپنے کو کافر کہنے کے مترادف ہے۔

ابن عطا فرماتے ہیں کہ اس معنیٰ کے سلسلہ میں حضرت زلیخا کے واقعہ کی جانب توجہ کی جائے جس میں صاف طور سے یہ بات ظاہر ہے۔

انا لنرٰھا فی ضلٰل مبین (پ ۱۲ ع) ہم (زلیخا) کو کھلی محبت میں دیکھتے ہیں۔

سید الطائفہ جناب جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اس آیت کے معنیٰ یہ سمجھے ہیں کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آپ کو نزول وحی کے بعد کلام و احکام کے بارے میں متحیر پایا لہٰذا اس کے بیان کی ہدایت فرمائی

اور شیخ جنید علیہ الرحمۃ نے اپنے ترجمہ کے ذیل میں اس آیت سے استدلال فرمایا۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم لعلھم یتفکرون۔ (پ ۱۴ ع ۱۲)

ہم نے آپ پر ذکر (قرآن) نازل کیا تاکہ آپ اسے لوگوں کو سنائیں اور وہ اس میں غور و فکر کریں۔

اس سلسلہ میں ایک اور تحقیق اس طرح منقول ہوئی ہے کہ آپ کی نبوت و رسالت سے کوئی واقف نہ تھا سو ہم نے اس کو ظاہر کر دیا جس کی وجہ سے سعادتمند اور ہدایت یافتہ ہو گئے۔

جناب مصنف کی تحقیق

قاضی عیاض رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے مطالعہ میں کوئی ایسی تحقیق نہیں آئی جس میں کہ کسی اہل علم نے آیت زیر بحث میں ضالاً کے معنیٰ یہ کئے ہوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم راہ ہدایت سے بھٹکے ہوئے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت کی راہ دکھائی اور اس کی دلیل میں جناب موسیٰ علیہ السلام کا وہ قول جس میں آپ نے قبطی والے واقعہ کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ الفاظ حسب آئندہ ہیں ملاحظہ کریں۔

فعلتھا اذا و انا من الضالین (پ ۱۹ ع ۶)

میں نے یہ کام اس وقت کیا جب کہ میں ... (ناواقفوں) میں سے تھا۔

ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جناب کلیم اللہ سے جو کام سرزد ہوا ہے اس میں قصد و ارادہ کا دخل نہ تھا بلکہ یہ کام اتفاقاً ہو گیا۔ اس میں کجروی و گمراہی کا دخل نہیں ہے۔ یہ بھی عرفہ کی تحقیق کے مطابق ہے لیکن ابن زہری فرماتے ہیں کہ ضالین کے معنیٰ یہاں ناسئین کے لئے جائیں گے جس کا مفہوم یہ ہو گا کہ یہ کام سہواً ہوا تھا بعینہٖ یہی معنیٰ و وجدک ضالاً میں کئے جائیں گے اور اس پر آیات قرآنی سے استدلال کیا جا سکتا ہے

ان تضل احداھما فتذکر احداھما الاخریٰ (پ ۳ ع ۱۷)

دو عورتوں میں سے اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری اس کو یاد کرا دے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

لیکن یہاں کوئی یہ اعتراض کرے کہ مذکورہ تحقیق و تدقیق کو اگر درست مان لیا جائے اور ضالاً کے

وہی معنی تسلیم کر لئے جائیں جو حضرات اہل علم نے بتلائے ہیں تو اس آیت قرآنی کا کیا مطلب ہوگا۔

ماکنت تدری ما الکتاب ولا — آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے

الایمان (پ ۲۵ ع ۶) — اور ایمان کیا ہے۔

سمرقندی فرماتے ہیں کہ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جیسا بعثت سے پہلے نہ تو قرآن کے متعلق علم رکھتے تھے اور نہ طریقہ تعلیم سے واقف تھے۔ بکر بن قاضی نے بھی یہی بات اس اضافہ کے ساتھ کہی کہ آپ قبل بعثت اللہ کی واحدانیت کا علم رکھتے تھے مگر فرائض و احکام اس وقت نازل نہ ہوئے تھے۔ اس لئے ان کا علم نہ تھا۔ اس وقت احکام تکلیفی یعنی مکلف نہ تھے جب احکام الٰہی فرائض وغیرہ معلوم ہوئے اور یہی ایمان کی زیادتی کا سبب ہوئے۔

جناب مصنف فرماتے ہیں کہ یہ وجہ دوسری تمام وجوہ سے زیادہ معلوم ہوتی ہے علاوہ ازیں اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ پھر اس آیت قرآن کا کیا مطلب ہوگا۔

وان کنت من قبلہ لمن الغافلین (پ ۱۲ ع ۱۱) — اور آپ اس سے پہلے بیخبر تھے

اس آیت کے وہ معنی نہیں جو حسب ذیل آیت کے ہیں۔

والذین ھم عن اٰیاتنا غافلون (پ ۱۱ ع ۶) — اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں سے غافل ہیں

ابو عبداللہ ہروی نے کہا ہے کہ آپ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے اس وقت تک واقف نہ تھے اور یہ واقعہ آپ کو بذریعہ وحی بتایا گیا ہے اس طرح وہ حدیث جو عثمان بن شیبہ سے ان کے ذرائع کے مطابق حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام مشرکین کے ساتھ ان کی محافل میں شرکت فرماتے تھے ایکدن ایسی ہی تقریب میں تشریف لے جا رہے تھے راہ میں آپ نے اپنے عقب میں دو فرشتوں کو باتیں کرتے سنا ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ جا کر اس کے عقب میں کھڑا ہو تو دوسرے نے جواب دیا کہ یہ میرے لئے ممکن نہیں کیونکہ وہ تو ماضی میں بتوں سے قریب رہا ہے لہٰذا اس کے ساتھ میرا ملنا ناممکن ہے فرشتوں کی یہ بات سن کر پھر کبھی حضور علیہ السلام مشرکین کے ساتھ ان کی مجالس میں شریک نہیں ہوئے۔

امام احمد بن حنبل نے اس کو قریب بہ موضوع بتایا ہے۔ صاحب دار قطنی نے کہا کہ عثمان نے اس

حدیث کی سند میں وہم کیا اور بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے جس کے راویوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا حدیث کا مضمون امر معروف کے خلاف نظر آتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بتوں سے عداوت تو مجھے ہمیشہ سے رہی ہے۔

چچا اور ان کے خاندان کے ساتھ ایک تہوار میں شرکت

ام ایمن سے ایک اور روایت اس طرح نقل کی گئی ہے کہ ایک تہوار کے موقع پر آپ کے چچا اور ان کے اہل خاندان نے حضور علیہ السلام سے ساتھ چلنے پر اصرار کیا تو حضور نے ان کے ہمراہ جانا پسند نہ فرمایا لیکن جب اصرار شدید ہوا تو مجبوراً ان کے ہمراہ تشریف لے گئے لیکن اس موقع پر جو حالات پیش آئے ان کی تفصیل اس طرح ملتی ہے۔ حضور فرماتے ہیں میں ان کے اصرار پر جب ان لوگوں کے ساتھ گیا تو میرا جب بھی کسی بت پر گذر ہوا تو وہاں مجھے ایک سفید فام طویل القامت شخص نظر آیا اور اس نے مجھ سے کہا کہ خبردار اس کے قریب بھی نہ آئیں اور اس کو نہ چھوئیں۔ اس جشن سے حضور علیہ السلام نہایت منقبض ہو کر تشریف لائے اور اس کے بعد کبھی کہیں تشریف نہ لے گئے۔

بحیرہ راہب کا قسم دلانا

اس کے مماثل وہ واقعہ بھی ملتا ہے جبکہ حضور علیہ السلام ابو طالب کے ساتھ شام کے سفر پر تشریف لے گئے۔ راہ میں بحیرہ راہب سے ملاقات ہوئی اور اس نے چہرہ تاباں کو دیکھ کر علامات نبوت کا اندازہ لگایا اور اپنے علم کے مطابق اس کی تصدیق کے لئے اس نے لات و عزیٰ کی قسم دے کر کچھ معلوم کرنا چاہا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کی قسم مجھ کو نہ دو کیونکہ یہ مجھے سب سے زیادہ مبغوض ہیں اس کے بعد اس نے مزید تصدیق کے لئے آپ سے کہا کہ آپ کو خدا کی قسم ہے آپ سے جو دریافت کیا جائے ان کا درست جواب دیں باری تعالیٰ کا نام سن کر حضور نے فرمایا کہ اب تو جو چاہے سوال کر۔

بعثت سے قبل حضور وقوف عرفات کی تاکید فرماتے تھے

سیرت نبوی کے درخشاں اور تابناک پہلوؤں میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ حضور نے قبل بعثت مشرکین عرب کے طریق کار حج کے موقع پر وقوف مزدلفہ کی مخالفت فرمائی اور وقوف عرفات کی

طرف توجہ دلائی کیونکہ جناب ابراہیم علیہ السلام نے بھی عرفات میں وقوف فرمایا تھا۔

تیسری فصل

حیات ظاہری میں حضور علیہ السلام تمام علوم سے واقف ہو گئے تھے

جناب مصنف فرماتے ہیں کہ توفیق الٰہی شامل حال ہونے کی وجہ سے میں اس قابل ہو سکا کہ توحید۔ ایمان۔ وحی کے بارے میں انبیاء علیہم السلام کے طرز عمل کو بیان کروں نیز ان امور کی نشاندہی کروں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔ نیز یہ کہ ان حضرات کے قلوب علم و یقین سے لبریز تھے اور دینی و دنیوی امور میں اس سے زیادہ واقفیت رکھنے والا اور کوئی نہ تھا

جناب مصنف فرماتے ہیں کہ ہر مستشرق خواہ وہ تاریخ سے استفادہ کرے یا احادیث کریمہ کا مطالعہ کرے وہ ان امور تک رسائی حاصل کرلے گا جن کی ہم نے اس کتاب کے چوتھے باب کی پہلی فصل میں نشاندہی کی ہے۔

سیرت طیبہ اور دنیاوی امور

یہاں ان امور کا تذکرہ کریں گے جو حیات طیبہ کے دنیاوی امور سے تعلق رکھتے ہیں یہاں ان کی تصریح بھی ضروری ہے کہ یہ اعتقاد بھی درست نہیں کہ انبیاء علیہم السلام دنیاوی امور سے کلیۃً بے تعلق ہوئے تھے اور ان امور کی معرفت میں بھی عصمت کا تصور باقی رہتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان حضرات کو یا تو بعض امور سے قطعاً لاتعلقی رہتی ہے یا بعض امور ان کے اعتقادیات سے مختلف ہوتے ہیں اور یہ عدم واقفیت ان حضرات کے عیب میں بھی شمار نہیں ہوتی کیونکہ ان کے تمام عزائم امور آخرت سے متعلق ہوتے ہیں اور ان کی گفتگو اور خبریں اور دیگر امور شریعت اور اس کے قوانین و احکام سے متعلق رہتے ہیں اور دنیاوی امور آخرت سے متعلق امور کی ضد اور ان کا غیر ہوا کرتے ہیں اور امور دنیوی سے

تعلق اہل دنیا کو ہوتا ہے جب کہ یہ حضرات دین کا پیکر اور نمونہ ہوتے ہیں اور اہل دنیا کی صفت کو قرآن کریم میں اس طرح ظاہر فرمایا گیا ہے۔

الذین یعلمون ظاهرا من الحیوۃ الدنیا وهم عن الاخرۃ هم غفلون۔ (پ ۲۱ ع ۱۴)	یہ لوگ دنیا کی ظاہری زندگی سے تو واقف ہوتے ہیں لیکن امورِ آخرت سے بے بہرہ رہتے ہیں۔

اور اس سلسلہ میں تفصیل انشاء اللہ دوسرے باب میں بیان کریں گے۔

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ یہ کہنا درست نہیں کہ یہ حضرات دنیاوی امور سے کلیۃً ناواقف تھے یہ کہنا اس لئے ناروا ہوگا کہ اس میں انبیاء علیہم السلام کے بارے میں منقصت کا پہلو نکلتا ہے کہ اس عدم علم کی وجہ سے وہ معاذ اللہ غفلت اور نادانی میں تھے۔ یہ حضرات تو دنیا میں مبعوث اس لئے فرمائے گئے ہیں تاکہ وہ اہل دنیا کی حکومت (اس کی سیاست)، انتظام و انصرام اہل دنیا کی ہدایت ان کی دینی دنیوی اصلاح کی طرف توجہ دیں اور ان کی نگرانی فرمائیں اور یہ لازمی بات ہے کہ اگر یہ خود ان امور سے لاعلم ہوں تو ان کی نگرانی اور اصلاح کس طرح کر سکیں گے۔ اس سلسلہ میں انبیاء کے حالات اور ان کی سیرتیں معلوم اور مشہور ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ حضرات ان سب امور سے واقف تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف عدم علم کی نسبت جہالت ہے۔

رہا اس نسبت کا گمان کہ حضور علیہ السلام امور دینی سے بھی واقف نہ تھے یہ غلط ہے اور یہ اعتقاد درست ہے کہ حضور علیہ السلام ان سے واقف تھے کیونکہ ان کا علم بذریعہ وحی ہوا ہوگا جیسا کہ ہم ماسبق میں بیان کر آئے ہیں اور اس بات میں شک و شبہ کرنا بھی جائز نہیں لہٰذا ناواقفیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا آپ کو علم الیقین حاصل ہو گیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے ان علوم کو وحی نہ آنے کی وجہ سے بذریعہ اجتہاد حاصل کیا ہو جیسا کہ حدیث ام سلمہؓ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جن معاملات میں وحی نہیں آتی ان کا فیصلہ اجتہاد سے کرتا ہوں۔ اس حدیث کو ثقہ راویوں نے روایت کیا اور اس کی مثال واقعہ بدر کے قیدیوں اور غزوہ تبوک کے جہاد میں پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں

اجازت نبوی سے ملتی ہے اور یہ بعض حضرات کی رائے بھی ہے، زیادہ وہ امر جس پر آپ اعتقاد و یقین رکھتے ہیں کہ یہ فیصلہ اجتہاد کی وجہ سے ہے جو یقیناً درست ہوگا اور اس بارے میں کسی مخالف کی رائے کی طرف اصلاً توجہ نہ دی جائے گی جس میں اس امر کا شائبہ بھی ہو کہ آپکے اجتہاد میں۔ خطا اور غلطی ممکن ہو سکتی ہے اور نہ اس قول کو درخور اعتنا سمجھا جائے گا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر مجتہد (غیر نبی) کے قول کے درست ہونے کی جانب اشارہ کرتا ہو اسی طرح یہ بات بھی ناروا سمجھی جائے گی کہ حق ایک جانب ہے اور ان امور کے سلسلہ میں دلیل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جو اجتہاد بھی امور شرعیہ میں فرماتے ہیں وہ یقیناً درست ہوتا ہے اور یہ حضرات غلطی کے ارتکاب میں معصوم ہیں۔

رہا معاملہ مجتہدین کی خطائے اجتہادی کا تو اس سلسلہ میں یہ مشہور قول کہ مجتہد اپنے اجتہاد میں کبھی غلطی کرتے ہیں اور کبھی حق و صواب دریافت کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ بات توجہ کے قابل ہے کہ یہ مقولہ تکمیل شریعت کے بعد کا ہے برخلاف اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد تکمیل شریعت سے قبل تھا اور حضور اس سلسلہ میں اجتہاد فرماتے تھے جس میں نہ تو ماقبل میں کوئی حکم شرع نازل ہوا اور نہ اس سلسلہ میں وحی الٰہی آئی ہو اور اس کا طریق کار یہ ہوتا تھا کہ جس سلسلہ میں آپ کا قلب سلیم ایک بات پر مطمئن ہو جاتا تھا اس کے مطابق فیصلہ فرما دیتے تھے لیکن جن امور میں قلب مطمئن نہ ہوتا ان امور کو وقتاً فوقتاً وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرما دیا اور آپ کو تمام حقائق کا علم ہو گیا لیکن بعض امور ایسے بھی رہے جن میں وحی نہ آئی تو اللہ تعالیٰ نے ان امور میں آپ کو اختیار فرما دیا کہ جس طرح مناسب خیال فرمائیں احکام جاری فرمائیں۔

لیکن اس کے باوجود آپ وحی الٰہی کے منتظر رہتے تھے یہاں تک کہ وفات کے وقت حضور علیہ السلام کو تمام حقائق کا علم حاصل ہو چکا تھا اور حضور علیہ السلام کو تمام علوم حاصل ہو گئے تھے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جن تفصیلات و احکامات شرعیہ جن کی دعوت کا آپ کو حکم دیا گیا تھا ان کے بارے میں آپ کی ذات اقدس سے متعلق ناواقفیت کی نسبت کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آپ نے ان امور کی دعوت دی جن سے آپ خود بھی واقف نہ تھے۔

آیئے اب ان علوم کا جائزہ لیں جو امورِ آخرت سے متعلق ہیں مثلاً آسمانوں، زمینوں، خلق الٰہی یقین اسماحسنیٰ۔ آیات کبریٰ۔ قیام قیامت۔ نیکوں اور بدوں کی پہچان اور ان کے حالات۔ ماکان و مایکون ماضی و مستقبل کے علوم جن کا علم بغیر وحی الٰہی ممکن نہ تھا۔ یہ تمام علوم آپ کو وحی الٰہی کے ذریعہ حاصل ہوئے اور جیسا کہ ہم نے گذشتہ صفحات میں بیان کیا۔ ان علوم کے سلسلے میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام معصوم ہیں اور یہ علوم آپ کو پوری طرح حاصل ہیں بلکہ آپ کو یہ علوم اپنی اعلیٰ منازل تک حاصل ہیں اور اس بارے میں ذرا بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ان علوم کی جزئیات کی جانب حضور کی توجہ بھی ہو۔ یہ امر تو یقینی ہے کہ ان علوم سے آپ کو اتنی واقفیت تھی جتنی تمام مخلوق کو نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اتنا ہی جانتا ہوں جتنا کہ میرے رب نے تعلیم فرمایا۔ قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہوا۔

فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین۔ (پ ۲۱ ع ۱۵)	پس کوئی ذی روح یہ نہیں جانتا کہ ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک میں کیا کیا پوشیدہ ہے

اور جناب موسیٰ کا حضرت خضر علیہم السلام سے یہ فرمانا

ھل اتبعک علیٰ ان تعلمن مما علمت رشدا۔ (پ ۱۵ ع ۲۱)	کیا میں اس شرط پر تمہارے ساتھ ہوں کہ آپ مجھے وہ نیک باتیں بتائیں گے جو آپ کو معلوم ہیں۔

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بارگاہ احدیت میں یہ عرض کرنا۔ خداوندا میں تجھ سے تیرے اسماء حسنیٰ کے وسیلہ سے عرض کرتا ہوں کہ مجھے وہ چیز تعلیم فرما دے جن کو میں جانتا یا نہ جانتا ہوں۔ دوسری جگہ ان الفاظ میں حضور نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا خداوندا میں تیرے اسمار صفات کے وسیلہ سے جو تو نے اپنے لئے پسند فرمایا ہے۔ سوال کرتا ہوں۔ ان علوم غیبیہ کا جو تیرے پاس ہیں اور قرآن کریم کا ارشاد ہوا ہے۔

فوق ذی علم علیم ط (پ ۱۳ ع ۳)	ہر ذی علم کے اوپر اس سے زیادہ عالم ہے۔

زید بن اسلم وغیرہ فرماتے ہیں کہ علم کی حدود ذات باری پر منتہی ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ معلومات الٰہیہ کا احاطہ کر سکے اور اس میں کسی غفار کی گنجائش نہیں کیونکہ معلومات الٰہیہ کی نہ تو کوئی انتہا ہے اور نہ ان کا احاطہ ہی ممکن ہے اس سے حضور علیہ السلام کے عقائد توحید شریعت اور امور دینیہ اور معارف الٰیہ کے احکام معلوم ہوتے ہیں۔

چوتھی فصل

حضور علیہ السلام شیطانی اثرات سے محفوظ ہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شیطانی اثرات سے محفوظ رہنے کے بارے میں امت مسلمہ کا اجماع ثابت ہے اور شیطانی اثرات نہ تو جسم اقدس پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور وجہ اذیت نہیں بن سکتے ہیں اور نہ یہ اثرات قلب انور میں وسوسہ ڈال سکتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رب کریم حضور علیہ السلام کا محافظ ہے۔

ہمزاد کے سلسلہ میں فرمان نبوی

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے راویوں کے حوالہ سے فرمان رسول علیہ السلام نقل فرمایا کہ حضور نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جس کا ہمنشیں جن نہ بنایا گیا ہو اور ایک ہمنشیں فرشتہ نہ ہو۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ہمنشیں آپ کے ساتھ بھی ہے حضور نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی ہے لیکن میری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کرم فرمایا اور وہ مسلمان ہو گیا۔

دوسری حدیث میں منصور نے اس اضافہ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ اب وہ مجھے صرف بھلائی کی جانب متوجہ کرتا ہے۔ ایک اور حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ماسبق حدیث میں جو فَاَسْلَمَ کا لفظ آیا ہے جس کے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ ہمزاد اسلام لے آیا ہے وہ فَاَسْلَمَ نہیں فَاَسْلَمُ ہے جس کے معنی اس طرح ہوں گے کہ میں اس سے احتیاط کرتا ہوں اور بچتا رہتا ہوں اور حضرت عائشہ کی روایت

کو بعض اہل علم حضرات نے ترجیح دی ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ ہمزاد کے اسلام لانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کفر سے اسلامی اخلاق کی طرف راجع ہو گیا ہے اور وہ بھلائی کی طرف متوجہ کرتا ہے جو فرشتوں کا طریقہ ہے۔ یہ حدیث کے الفاظ کا ظاہری مفہوم ہے۔ بعض اہل علم نے فرمایا فَاَسْلَمَ کی بجائے فاستسلم کئے جائیں تو یہ بات اور زیادہ صاف ہو جاتی ہے یعنی وہ میرا فرمانبردار ہو گیا ہے۔

مصنف علیہ الرحمۃ کی رائے

جناب قاضی عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جب اس ہمزاد کا یہ حال ہے جو حضور علیہ السلام کے ساتھ تھا تو ان کا کیا حال ہو گا جو حضور علیہ السلام سے دور ہیں یا جنہوں نے حضور کی حیات ظاہری کا دور نہیں پایا یا رفاقت نبوی میسر نہ ہو سکی۔ ایسے بہت سے واقعات مشہور ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے بہت سے مواقع آئے ہیں جن میں شیاطین نے ایسی حرکات کی ہیں جن سے ذات نبوی علیہ التحیۃ والثناء کو نقصان پہنچا یا شمع نبوت کو گل کرنا چاہا یا جب حضور مصروف عبادت ہوتے تو آپ کو ورغلانے کی کوشش کی لیکن جب وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے تو ناامید ہو کر بیٹھ رہے۔ اور ایک مرتبہ ایک بدبخت نے آپ کو نماز میں پریشان کرنا چاہا تو حضور علیہ السلام نے اسکو پکڑ کر قید کر دیا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم

صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث اس طرح منقول ہوئی۔ حضور نے فرمایا کہ شیطان میرے پاس آیا (دوسرے راوی عبدالرزاق نے اس حدیث کو اس اضافہ کے ساتھ نقل کیا) اور وہ بلی کی شکل میں تھا اس نے مجھے نماز میں پریشان کیا تاکہ میں نماز منقطع کر دوں۔ نصرت الٰہی میرے شامل حال ہوئی اور میں نے اسے پکڑ لیا مسجد کے ستون سے باندھنا چاہا تاکہ صبح کو تم لوگ اس کو دیکھو لیکن اس وقت مجھے اپنے بھائی جناب سلیمان علیہ السلام، کی وہ دعا یاد آگئی جس میں کہ آپ نے اپنے رب سے التجا فرمائی تھی جس کو قرآن میں اس طرح نقل کیا گیا ہے۔

ل اصل کتاب میں جناب قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے جو حدیث نقل فرمائی ہے اس میں قرینہ کا لفظ استعمال ہوا اور اسکے معنی دوسرے لوگوں نے ہمنشیں کئے ہیں لیکن مجھے اس کا ترجمہ ہمزاد اچھا معلوم ہوا ہے لہٰذا میں نے یہی ترجمہ کیا ہے۔ مترجم

رب اغفرلی و ھب لی	اے پروردگار تو میری مغفرت فرما اور
ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی	مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جس میں مجھے
انک انت الوھاب ۔	انفرادیت حاصل رہے بیشک تو عطا
(پ ۲۳)	فرمانے والا ہے ۔

لہٰذا میں نے اپنے بھائی کی دعا کو یاد کر کے اس سے تعرض نہ کیا اور وہ ناکام و نامراد واپس ہو گیا

مدینہ کے بچوں کو شیطان سے کھیلنے کا موقع نہیں ملا

حضرت ابوالدرداء سے مروی ایک اور حدیث سے معلوم ہوا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نماز میں مشغول تھا اسی اثنا میں شیطان ایک مشعل لئے ہوئے میرے پاس آیا اور اس کو میرے چہرہ پر لگانے کی کوشش کی لیکن حضور نے اس پر لعنت فرمائی اور اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھ کر یہ ارادہ فرمایا کہ اس کو پکڑ لیں (اس کے بعد کے الفاظ ماسبق حدیث کی طرح منقول ہیں) لیکن آخر میں تھوڑی سی تبدیلی کی گئی ہے) تاکہ آئندہ صبح مدینہ کے بچے اس سے کھیلتے ۔

شیطان شیخ نجدی کی شکل میں

واقعہ معراج میں نقل کیا گیا ہے کہ اس موقعہ پر شیطان حضور علیہ السلام پر ایک مشعل لے کر جھپٹا لیکن جبریل علیہ السلام نے اس وقت حضور سے تعوذ پڑھنے کے لئے کہا ۔ موطا امام مالک میں ہے کہ شیطان جب ایذا رسانی پر قادر نہ ہو سکا تو اس نے حضور کے دشمنوں کو ذریعہ ایذا رسانی بنایا اور یہ وہ مشہور واقعہ ہے کہ جب کفار مکہ حضور علیہ السلام کی تبلیغ اسلام کا مقابلہ نہ کر سکے تو انہوں نے دارالندوہ[1] میں ایک مجلس مشاورت منعقد کی اس نشست میں ابلیس لعین بھی اپنی مقصد برآری کے لئے شیخ نجدی کی شکل میں وہاں پہنچ کر مجلس مشاورت میں شریک ہوا ۔

دوسری مرتبہ اس مردود ازلی نے پھر کوشش کی اور سراقہ بن مالک بن جعشم کی شکل میں غزوہ بدر کے موقع پر شریک جنگ ہوا ۔ ارشاد خداوندی ہوا ۔

---

[1] وہ مکان جہاں سب لوگ اکٹھے ہوتے تھے جیسا کہ آج کل ہال وغیرہ یا کانفرنس روم ہوتے ہیں ۔

اذ زین لھم الشیطان اعمالھم۔ (پ ۱۰ ع ۲) — جب شیطان نے ان (کافروں) کے اعمال کو خوبصورت بنایا۔

قریش مکہ کو حضور علیہ السلام کی شان و شکوہ سے ڈر غالب تھا اور یہ سب کچھ اسی کا کیا ہوا تھا۔ اس نے مسلمانوں کے حالات سے کافروں کو آگاہ کیا لیکن نتیجہ الٹا ہی نکلا بجائے اس کے کہ کافر مسلمانوں سے مقابلہ کی بڑھ چڑھ کر تیاری کرتے وہ مسلمانوں سے مرعوب ہو گئے اور ہر مرتبہ اللہ تعالیٰ نے اس مردودِ ازلی کے شر سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو محفوظ رکھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شیطان انبیاً علیہم السلام کو طرح طرح سے پریشان کرتا رہا ہے۔ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد کو بچہ مارنا چاہا لیکن نصرتِ الٰہی جناب عیسیٰ علیہ السلام کے شامل حال تھی ابلیس کا ظاہری طور پر تو بس نہ چلا لہٰذا اس نے پس پردہ کو بچہ مار دیا۔

حضور علیہ السلام ذات الجنب سے محفوظ تھے

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیاتِ ظاہری کے اخیر میں جب علیل ہوئے اور لوگوں نے یہ خیال کر کے کہ کہیں یہ علالت ذات الجنب کی مرض کے سبب نہ ہو دوا دینی چاہی تو حضور نے منع فرما دیا کہ یہ بیماری شیطانی اثر سے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے اثر سے محفوظ فرما دیا ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

یہاں اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جب انبیاء شیطانی اثرات سے محفوظ ہوتے ہیں تو اس آیت کریمہ کا کیا مطلب ہو گا۔

واما ینزغنک الشیطان فاستعذ باللہ (پ ۹ ع ۱۴) — یہ خلش تو شیطانی اثرات کی وجہ سے پہنچی ہے۔ آپ اللہ سے پناہ طلب فرمائیں۔

اس آیت کے بعد فرمایا و اما ینزغنک یعنی آپ غصہ میں کمی کریں تاکہ یہ فعل آپ کو اس امر کی جانب رغبت دلائے کہ آپ ان سے پہلو تہی کرنا ترک فرما دیں۔ پس آپ اللہ سے پناہ طلب فرمائیں یہاں یہ بھی بعض اصحاب علم نے فرمایا کہ نزغ کے معنیٰ فساد کے ہیں جیسا کہ فرمایا گیا اس کے

بعد شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد پیدا کرے بعض حضرات نے کہا کہ ینزغنک کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ آپ کو ابھارے اور حرکت میں لائے اور نزغ وسوسہ کا ادنیٰ درجہ ہے۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضور کو حکم دیا کہ جب کہیں آپ کو دشمن پر غصہ آئے یا شیطان وسوسہ ڈالنے کی کوشش کرے (حالانکہ اس کو یہ قدرت حاصل نہیں) تو آپ اللہ سے پناہ مانگیں۔ اس طرح آپ کا کام بنا رہے گا اور آپ کی عصمت کا تحفظ و تکمیل ہوتی رہے گی۔ کیونکہ شیطان کو سوائے دخل دخل اندازی کے اور کوئی قدرت حاصل نہیں ہے اور آپ کے اعراض پر وہ غلبہ حاصل نہیں کر سکے گا اور نہ اس کو اس پر قدرت حاصل ہے کہ آپ کے مقابلہ پر آسکے۔ علاوہ ازیں اس آیت کے اور معانی بھی منقول ہیں۔

ابلیس فرشتہ کی شبیہ اختیار نہیں کر سکتا

اسی طرح یہ کہنا بھی درست نہیں کہ "شیطان فرشتہ کی شکل میں حضور علیہ السلام کے سامنے حاضر ہو سکتا ہے اور آپ کو شک و شبہ میں مبتلا کر سکتا ہے۔ یہ نہ تو قبل بعثت و رسالت ممکن تھا اور نہ بعد میں اور یہ تفصیلی بات قبیل معجزات سے ہے۔

نبی کو فرشتہ کے پہچاننے میں کوئی شک نہیں ہوتا

کسی نبی کو اس سلسلہ میں کہ یہ آنے والا فرشتہ ہے اور یہ اللہ کا پیغام اور اس کے احکام لے کر آیا ہے کوئی شک نہیں ہوتا اور یہ یا تو اس علم کے نتیجہ میں ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ انبیاء کو عطا فرما دیتا ہے یا ان دلائل و براہین کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ انبیاء کو ظاہر فرما دیتا ہے تاکہ یہ حضرات اپنے رب کے کلام کو صداقت و انصاف کے ساتھ پورا کر سکیں اور یہ بات تو متحقق ہے کہ کلام الٰہی تبدیلی سے منزہ و مبرا ہے۔

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ مذکورہ بالا وضاحتوں کی روشنی میں قرآن کریم کی اس آیت کا کیا مطلب ہوگا۔

وما ارسلنا من قبلک من   ہم نے آپ سے پہلے کوئی نبی و رسول

رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ۔ (پ ۱۷ ع ۱۴)	نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس نے جب تمنا کی تو شیطان نے ان کی تمنا میں دخل اندازی کی۔

اس آیت کریمہ میں مفسرین کے چند اقوال منقول ہیں ان میں چند اقوال تو آسان ہیں اور چند مشکل اور گراں فہم ان اقوال میں سب سے آسان اور سریع الفہم وہ قول ہے جس پر تمام مفسرین نے اتفاق کیا ہے کہ تمنا اور آرزو سے مراد تلاوت ہے اور شیطانی دخل اندازی سے مراد یہ ہے کہ دوران تلاوت شیطان کا طبیعت میں انتشار پیدا کرنا یا پریشان خاطر کرنا تاکہ قاری کا ذہن تلاوت سے منتشر کرے تاکہ تلاوت میں وہم ونسیان کا غلبہ ہونے لگے۔ اسی طرح وہ قاری کے ذہن پر تحریف یا بُری تاویل کے تاثرات پیدا کردے لیکن رب تبارک وتعالیٰ ان خدشات کو رفع ومنسوخ فرما کر قاری وسامع کے اشتباہ کو دور کردیتا ہے اور آیات کو محکم فرما دیتا ہے۔ اس موضوع پر انشاء اللہ سیر حاصل بحث کی جائے گی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت پر شیطان کے غلبہ وتسلط کے بارے میں جو قصے مشہور ہیں ان کی سمرقندی نے سختی کے ساتھ تردید کی ہے اور ان کو غلط بتایا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے واقعات تو تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں اور ہم نے اس قول کو ذکر کیا ہے جس میں اس شخص کی خرافات پر تبصرہ کیا ہے جس نے یہ کہا تھا جسد (جسم) سے مراد وہ فرزند ہے جو آپ کے یہاں تولد ہوا تھا۔

ابو محمد مکی نے حضرت ایوب علیہ السلام کے اس فرمان کے بارے میں لکھا ہے کہ جب آپ نے فرمایا تھا۔

ان مسنی الشیطان بنصب و عذاب (پ ۲۳ ع ۱۲)	بے شک مجھے تکلیف واذیت شیطان کی طرف سے پہنچی ہے۔

اس سے مراد یہ نہیں لیا جائے گا کہ ایوب علیہ السلام کا مطلب یہ تھا کہ انہیں یہ تکلیف شیطان نے دی تھی یا آپ کو شیطان نے بیمار کر دیا تھا۔ مکی فرماتے ہیں کہ اس میں مشیت ایزدی کارفرما تھی تاکہ

حضرت ایوب امتحان و آزمائش میں ثابت قدم رہیں اور اجر و ثواب حاصل کریں۔

اس سلسلہ میں ایک قول یہ بھی ملتا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری ان کی بیوی کے وسوسوں کا نتیجہ تھی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی علالت تو مشیت ایزدی کی وجہ سے تھی اور اس میں شیطان کا کوئی دخل نہ تھا تو حضرت یوشع و یوسف علیہما السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقوال کے سلسلہ میں کیا جواب ہوگا جن کو قرآن کریم میں اس طرح نقل کیا گیا ہے۔

وما انسانیہ الا الشیطان (پ ع)	(حضرت یوشع علیہ السلام نے فرمایا تھا) ان کو کسی نے نہیں بھلایا مگر شیطان نے
فانساہ الشیطان ذکر ربہ۔ (پ ع)	(حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا) شیطان نے ان کے رب کے ذکر کو بھلا دیا تھا۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک سفر میں تھے اور نیند میں بیدار نہ ہونے کی وجہ سے نماز قضا ہوگئی تھی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ یہ وادی شیطان کے زیر اثر ہے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب قبطی کو گھونسا مارا اور وہ ضرب موسوی کی تاب نہ لا کر مر گیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا تھا ھذا من عمل الشیطان یہ ضرب شیطانی اثر سے تھی۔

ان اقوال سے معلوم ہوا کہ ان نفوس قدسیہ نے تمام باتوں کو شیطان کی جانب منسوب فرمایا ہے اور قرآن کریم میں ان کی نسبت شیطان کی جانب کی گئی ہے۔ سو اس سلسلہ میں حقیقت حال یہ ہے کہ اہلِ عرب کا محاورہ یہ ہے کہ جب ان سے کوئی غلط کام سرزد ہو جاتا یا کوئی ناگوار بات ہو جاتی تو اس کو شیطان کی جانب سے سمجھا کرتے تھے۔ اس کی دلیل قرآن کریم سے ملتی ہے۔

طلعھا کانہ روس الشیاطین (پ۲۳ ع۶) اس کے پھل گویا کہ شیطان کے سر ہیں۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نمازی کے آگے سے گزرنے والے سے لڑو کیونکہ وہ شیطان ہے۔ علاوہ ازیں حضرت یوشع علیہ السلام نے جو فرمایا تھا اس کے بارے میں صرف یہ کہنا کافی ہوگا کہ جناب

یوشع نے جس وقت یہ فرمایا تھا اس وقت ان کی نبوت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ثابت نہیں ہوتی تھی ارشاد ربانی ہوا۔

اذ قال موسی لفتاہ ۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے

(پ ۱۵ ع ۲۰) خادم سے فرمایا۔

حضرت یوشع علیہ السلام کی نبوت کے متعلق مروی ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد منصب نبوت پر فائز ہوئے تھے اور یہ بھی منقول ہے کہ حضرت موسیٰ کی وفات سے قبل ہی منصب نبوت پر سرفراز کئے گئے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان سے فرمانا نبوت سے پہلے تھا جیسا کہ مذکورہ بالا آیت سے معلوم ہوا۔ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کا کہنا بھی بعثت سے پہلے تھا۔

انساہ الشیطان (ان کو شیطان نے بھلا دیا) کے معانی کے سلسلہ میں مفسرین کے دو قول ملتے ہیں۔

(۱) کہ جس شخص کو شیطان نے اپنے رب کے ذکر سے بھلا دیا۔ یہاں رب سے بادشاہ مراد ہے اور اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جس زمانہ میں یوسف علیہ السلام زندانِ مصر میں تھے۔ اس دوران شاہِ مصر کے دو غلام بھی آپ کے ساتھ اسیر تھے جن کے خوابوں کی تعبیر حضرت یوسف نے بتائی تھی اور یہ دونوں بادشاہ سے حضرت یوسف کے بارے میں تذکرہ کرنا بھول گئے تھے۔

(۲) اس قسم کے افعال کی نسبت شیطان کے ساتھ کرنے میں یہ مراد نہیں کہ حضرت یوسف و یوشع علیہ السلام پر شیطانی وسوسوں کا غلبہ ہو گیا تھا بلکہ انعطاف توجہ کسی دوسری جانب ہو گئی تھی اور ان دونوں مقدس حضرات کو یاد دلانا مقصود تھا جس کی جانب ان کی توجہ نہ رہی تھی۔

وادی کے متعلق حضور علیہ السلام کے فرمان کی تشریح

حضور علیہ السلام نے وادی میں شیطان کے اثرات کے بارے میں فرمایا تھا اس سے یہ بات تو ظاہر نہیں ہوتی کہ نعوذ باللہ حضور علیہ السلام کو شیطان نے وسواس میں مبتلا کر دیا تھا بلکہ اس عبارت سے معنیٰ تو بالکل صاف ظاہر ہیں اور اس کی مزید توضیح حدیث سے اس طرح ملتی ہے کہ جب حضور

علیہ السلام نے صحابہ کے اس وادی میں قیام فرمایا تو صبح کو نماز کے لئے بیدار کرنے کی ذمہ داری موذن رسول حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ذمہ تھی لیکن شیطانی اثر حضرت بلال پر اس طرح ہوا کہ شیطان نے انہیں بچوں کی طرح تھپک تھپک کر سلا دیا اور سب لوگ حضرت بلال کے بھروسہ پر سوتے رہے اور سب کی نماز فجر قضا ہو گئی۔

اس توضیح سے ظاہر ہے کہ یہ اثرات شیطانی صرف بلال رضی اللہ عنہ پر اثر انداز ہوئے نہ کہ حضور علیہ السلام کی ذات اقدس پر اور یہ تاویل بھی اس صورت میں ہے جبکہ حضور علیہ السلام کے اس ملفوظ کی روشنی میں کہ اس وادی میں شیطان کو نماز کے قضا ہونے کا سبب قرار دیں اور یہ کہا جائے کہ اس میں وادی سے کوچ کرنے اور ترک نماز کی علت بیان کی گئی ہے جو کہ زید بن اسلمؓ کی بیان کردہ حدیث کا سوال ہے تو کسی قسم کا کوئی اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا اور اشکال خود بخود مرتفع ہو جاتا ہے۔ [1]

پانچویں فصل

اقوال نبوی اور عصمتِ کلام

حضور علیہ السلام کے اقوال و ملفوظات میں عصمت کے ثبوت میں مزید کچھ کہنے کی اس لئے گنجائش نہیں ہے کیونکہ آپ کی صداقت پر دلائل واضح قائم ہو چکے ہیں اور آپ کے طریق تبلیغ اور آپ کے خلاف واقعہ خبریں نہ دینے پر امت کا اجماع ثابت ہے اور آپ قصداً اور عمداً سہواً اور غلطاً ہر اس امر سے معصوم و محفوظ تھے جو قولاً و عملاً غلط خلاف واقعہ یا منسوب بہ کذب ہوں۔

---

[1] میرے مطالعہ اور حافظہ کے مطابق یہ بھی ممکن ہے کہ مشیت ایزدی اس کی متقاضی ہو کہ امت مسلمہ کے لئے قدرت کو ایسی آسانی میسر فرمانی ہو جس طرح کہ آیت تیمم کے نزول کے موقع پر ہوا، اسی طرح نماز قضا کے احکام تعلیم فرمانے مقصود ہوں اس لئے ایسا ہوا ہو۔ مترجم۔

رہا عمداً حضور علیہ السلام کا کسی بات کو خلاف واقعہ کہنا یہ خیال تو سراسر باطل اور غلط ہے کیونکہ صدق کی صفت حضور علیہ السلام کے معجزات کے قبیل سے ہے اور یہ کلیہ اس بات کے قائم مقام ہے جس میں حق تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ صدق عبدی جو کچھ میرے بندے (رسول علیہ السلام) نے فرمایا وہ بالکل درست اور صحیح ہے اور اس پر تمام اہل علم حضرات اور امت مسلمہ کا اجماع ہے اور جس قول کے متعلق غلطی اور سہو کا شبہ بھی ہو تو وہ بھی استاد ابو اسحاق اسفرائنی کے بقول وہ گفتگو اسی قبیل سے ہوگی (جس میں اس شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ وہ خلاف واقعہ ہوگا۔ مترجم)

لیکن قاضی ابوبکر باقلانی اور ان کے متبعین کی تحقیق کے مطابق انبیاء علیہم السلام کی بات چیت کی صحت کا دار و مدار صرف معجزہ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس میں اجماع اور شریعت میں نفی کے ورود کی وجوہ بھی موجود ہیں اور ان دونوں حضرات کی اِدّلہ میں اختلاف کے وقوع اور دلائل کے تطبیق کے سلسلہ میں ہم اس موضوع پر اگر کچھ لکھیں تو طوالت کتاب کے ساتھ اس بات کا خدشہ ہے کہ ہم (جناب مصنف) اپنے موضوع سے ہٹ جائیں گے۔ لہٰذا اس موضوع عصمت پر چونکہ اجماع امت ہو چکا ہے لہٰذا اسی پر اعتماد کرتے ہیں کہ تبلیغ دین اور اعلام شریعت میں جو وحی الٰہی آتی ہیں ان کے خلاف قصداً و عمداً یا بلا قصد غصہ کا عالم ہو یا سکون کی حالت صحت مند ہوں یا دوران علالت کسی وقت اور کسی بھی حالت میں خلاف واقعہ بیان فرمائیں۔

کتابت حدیث عہد رسالت میں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں وہ تمام باتیں ضبط تحریر میں لاؤں جو آپ سے سنتا ہوں حضور نے اس کی اجازت مرحمت فرمائی تو میں نے اس پر مزید استفسار کیا کہ وہ تمام باتیں جو آپ حالت رضا و غضب میں فرماتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہاں کیونکہ میں جو کچھ بھی کہتا ہوں وہ حقیقت ہوتا ہے اور میں حق کے علاوہ کچھ نہیں کہتا۔

یہاں مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عصمت قول کے بارے میں معجزہ کی دلیل کے بارے میں چند اشارات لئے جائیں جس کے بارے میں کہ اوپر کی سطور میں ذکر کیا گیا ہے۔ جب یہ بات متعین اور متحقق ہو

چکی کہ آپ حق کے سوا اور کچھ نہیں فرماتے اور تبلیغ دین میں صرف حق ہی حق ہے اور یہ بات قبیل معجزات سے ہے لہٰذا یہ معجزہ صدق بھی منجانب اللہ ہے اور اس فرمان ربی کے مطابق ہے جس میں کہ فرمایا گیا کہ اے حبیب آپ نے میری طرف سے جو کچھ پہنچایا وہ سب درست حق و صواب ہے چنانچہ کلام ربانی میں حضور کے قول کو اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔

انی رسول اللہ علیکم (پ ۹ ع ۹) — مَیں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔

اور میری بعثت کا مقصد یہ ہے۔

لا بلغکم ما ارسلت الیکم (پ ۲۶ ع ۳) — تاکہ مَیں وہ باتیں (احکام) تمہیں بتاؤں جو مجھ پر نازل ہوئیں۔

کلام رسول سراسر وحی ہوتا ہے

حضور علیہ السلام کی بعثت کا مقصد ہی کلام الہٰی کا لوگوں تک پہنچانا ہے۔ اس کے لئے ایک اور آیت کریمہ اس کی طرف شاہد ہے۔ ارشاد ربانی ہوا۔

وما ینطق عن الھوٰی الا وحی یوحیٰ۔ (پ ۲۷ ع ۵) — آپ اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے ہے وہ تو وحی الہٰی ہے جو آپ پر نازل ہوتی ہے۔

دوسری آیات میں اس کلام ربانی کو جو حضور علیہ السلام کے واسطہ اور ذریعہ سے موصول ہوا قبول کرنے کی ہدایت اس طرح دی جا رہی ہے۔

وقد جاءکم الرسول بالحق من ربکم۔ (پ ۶ ع ۳) — اور بے شک تمہارے رب کی جانب سے تمہارے پاس حق و صداقت کے ساتھ رسول تشریف لائے۔

لہٰذا وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا۔ (پ ۲۸ ع ۴) — وہ رسول جو دیں وہ لے لو (یعنی جس بات کا حکم دیں اس پر عمل کرو) اور جس (بات) سے منع فرمائیں اس سے باز رہو۔

ان شواہد کے بعد یہ بات صاف ہوگئی کہ ان سے کوئی بات بھی خلاف واقعہ ظاہر نہیں ہوسکتی خواہ وہ عمداً ہو یا سہواً اور اس کی وجوہ میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر انبیاء کے متعلق (نعوذ باللہ) یہ شبہ کیا جائے کہ اس میں خلاف واقعہ ہونے کی گنجائش ہوسکتی ہے اور انبیاء کے بارے میں سہو اور غلطی کو جائز رکھیں تو نبی اور غیر نبی کی بتائی ہوئی باتوں میں امتیاز باقی نہ رہے گا اور صدق و کذب کا باہم اختلاط ممکن ہو جائیگا۔

معجزہ کے مقتضیات

اور معجزہ کے مقتضیات میں سے یہ بات ضروری ہے کہ نبی علیہ السلام کی بلا کسی تخصیص کے مطلقاً تصدیق کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ لہٰذا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان تمام ممکنات میں معصوم اور منزہ جاننا بھی اجماعاً و دلیلاً واجب اور لازم ہے اور یہی جناب اسحاق اسفرائنی کی تحقیق ہے۔

چھٹی فصل

معترضین کے اعتراضات کے جوابات

اس فصل میں ہم معترضین ان اعتراضات کا جوابات دیں گے جو وقتاً فوقتاً ان کی جانب سے کلامِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہوتے رہتے ہیں ان میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ جب سرکار دوعالم علیہ السلام نے سورہ نجم کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

افرأیتم اللات والعزّٰی ومناۃ	کیا تم نے لات وعزیٰ کو دیکھا اور اس
الثالثۃ الاخری (پ ۲۷ ع ۵)	تیسری آخری مناۃ کو۔

اس آیت کریمہ کو پڑھنے کے بعد آپ نے کلمات یہ ارشاد فرمائے تلک الغرانیق العلیٰ و ان شفاعتھا لترتجی ایک روایت کے مطابق ترتجی کی بجائے لترضٰی فرمایا تھا اور دوسری روایت کے مطابق وہ کلمات اس طرح منقول ہیں ان شفاعتھا لترتجی وانھا مع الغرانیق العلیٰ اور ایک قول کے

مطابق وانوانقة العلی تلک الشفاعة تو تجی آیا ہے۔

جب حضور علیہ السلام نے سورہ نجم کی تلاوت مکمل فرمائی تو بارگاہ الہٰی میں سر بسجود ہوئے اور حضور کے ساتھ مسلمانوں نے بھی سجدہ کیا نیز ان کافروں نے جب حضور سے اپنے معبودوں کی تعریف سنی تو وہ بھی سجدہ میں گر گئے کہ وہ بات ہے جس کا تذکرہ کیا گیا ہے بعض حضرات کا خیال ہے کہ (معاذ اللہ) شیطانی اثر کی وجہ سے یہ کلمات حضور کی زبان مبارک سے بے ساختہ جاری ہو گئے تھے۔ اس سلسلہ میں بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ ایسے احکام نازل ہوں جس سے آپ کی ذات اقدس اور قوم کے درمیان جو بعد واقع ہوا ہے وہ ختم ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ قرب ہو جائے۔

آیات مذکورہ اور جبریل امین

راوی نے اس پورے واقع کو بیان کرتے ہوئے بتایا کہ اس کے بعد جناب جبریل تشریف لائے اور ان کے سامنے حضور علیہ السلام نے سورہ نجم کی تلاوت فرمائی اور ان کلمات کو بھی پڑھا تو جبریل امین نے عرض کیا کہ میں تو ان کلمات کو لے کر نہیں آیا۔ یہ سنکر حضور علیہ السلام محزون ہوئے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

(۱) وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی (پ۱۷ ع ۱۴) — آپ سے پہلے کسی رسول اور نبی کو نہیں بھیجا۔

(۲) وان کادوا لیفتنونک۔ (پ ۱۵ ع ۸) — اور قریب تھا کہ وہ آپ کو فتنہ میں ڈال دیں۔

مذکورہ بالا اعتراض اور اس کا جواب

قارئین کرام اللہ تعالیٰ تمہیں عزت و شرف کے ساتھ ہمکنار فرمائے اس حدیث کے اشکال کو دور کرنے کے لئے ہمارے پاس دو دلیلیں ہیں (۱) یہ روایت اصول حدیث کے معیار پر ضعیف ہے (۲) اس کی تسلیم بھی محل نظر ہے۔ پہلی دلیل کی توجیہہ میں یہ ظاہر کرنا ضروری ہے کہ یہ روایت صحاح میں نقل نہیں گئی اور نہ کسی ثقہ راوی نے متصل سند کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے۔ یہ روایت صرف انہی راویوں کے ذریعہ منقول ہے جو عجیب و غریب خبروں کے دلدادہ رہے ہیں اور ہر رطب و یابس کو جمع کرتے رہے ہیں۔

قاضی بکر بن علا مالکی نے کیسی صاف اور سچی بات کہی ہے کہ عوام الناس انہیں اہل ہوا مفسرین کے

سبب فتنہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں کیونکہ انہوں نے راویوں کو نقل کرتے وقت روایت کو نہیں پرکھا۔ اضطراب روایت اور انقطاع سند کی طرف بھی توجہ نہیں دی اور کلمات کے اختلاف کا تو کیا ہی کہنا۔ انہوں نے ایسی ہی روایتوں کو سند قرار دے کر نقل کر دیا۔ بعض نے تو یہ کہا کہ یہ واقعہ نماز میں پیش آیا بعض نے کہا کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ قریش کی مجلس میں موجود تھے اور سورہ نجم نازل ہوئی تھی بعض لوگوں نے کہا کہ یہ کلمات آپ نے نیند کی حالت میں ادا فرمائے تھے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ آپ کے قلب مبارک میں وسوسہ پیدا ہوا جس کے سبب آپ بھول گئے۔

لیکن ایک صاحب نے ایک اور ہی بات کہی کہ یہ کلمات شیطان نے خود حضور علیہ السلام کی آواز میں ادا کئے تھے اور جب حضور علیہ السلام نے یہ سورت جناب جبریل کو سنائی تھی تو انہوں نے کہا تھا کہ میں نے یہ کلمات آپ کو نہیں سنائے تھے۔

بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ شیطان نے مشرکین سے یہ کہہ دیا تھا کہ یہ کلمات حضور علیہ السلام نے پڑھے ہیں لیکن باختلاف روایت یہ بات ثابت ہے کہ جب حضور علیہ السلام کے سامنے یہ باتیں کہی گئیں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا واللہ اس طرح یہ سورۃ نازل نہیں ہوئی اور جن حضرات مفسرین یا تابعین نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ انہوں نے اس کی سند حضور علیہ السلام تک ہی نہیں بلکہ کسی صحابی تک متصل یا مرفوع طریقہ پر بیان نہیں کی اور اُن سے جو اس قسم کی احادیث منقول ہوئی ہیں وہ ضعیف و موضوع ہیں۔

اس بارے میں مختلف راویوں نے مختلف ذرائع سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ حدیث مشکوک ہے مختلف راویوں کی روایت کے مطابق جب ثابت ہو گیا کہ یہ روایت درایت پر پوری نہیں اترتی لہٰذا قابل اعتماد نہیں۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ لفظاً یہ الفاظ حضور علیہ السلام سے منقول ہی نہیں تو اس موضوع پر بحث تحصیل حاصل ہے۔ اب اگر اس کے معنوی پہلو پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ اس امر پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اور یہ بات قوی دلائل سے ثابت ہو چکی ہے کہ حضور علیہ السلام کی ذات اقدس اس قسم کی لغو و لایعنی باتوں سے منزہ و مبرا ہے اور ایسی باتوں کے ارتکاب سے معصوم بھی۔

اور حضور علیہ السلام کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ معاذ اللہ حضور نے ایسی تمنا کی ہو کہ ان پر ایسی آئتیں نازل ہوں جن سے معبودان باطل کی تعریف ہوتی ہو۔ ایسا سوچنا تو سراسر کفر ہے۔

اسی طرح یہ خیال کرنا کہ شیطان کا آپ پر غلبہ ہو گیا تھا یا قرآن کریم مشتبہ ہو گیا تھا یا یہ سوچنا کہ قرآن کی کچھ آئتیں ایسی تھیں جواب اسمیں موجود نہیں یا یہ تصور کرنا کہ جبریل امیں آپ سے یہ کہیں کہ یہ کلمات تو میں آپ کے پاس لے کر نہیں آیا ایسا سوچنا سراسر کفر و طغیان ہے اور یہ امور حضور کے حق میں ممتنع اور محال ہیں۔

عصمت انبیا اور نصوص شرعیہ

حاصل کلام یہ کہ دلائل و شواہد اور براہین سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے کلمہ کفر کا اجرا خواہ وہ قصداً ہو یا سہواً قطعاً محال ہے خواہ وہ امور منزل من اللہ میں من گھڑت باتوں کا شمول ہو یا قلب مبارک پر شیطانی اثرات کا نفوذ یہ سب امور قطعاً محال اور ناممکن ہیں۔ اس سلسلہ میں آیات قرآنی شاہد ہیں۔

(۱) اذ تقول علینا بعض الاقاویل (پ۹ ع ۶)	اور اگر آپ ہم پر دل سے باتیں لگائیں تو۔
(۲) اذا لاذقناک ضعف الحیوۃ وضعف الممات۔ (پ ۱۵ ع ۸)	اس وقت ضرور تم کو دونی عمر اور دونی موت کا مزہ چکھائیں گے۔

دوسری وجہ

یہ پورا واقعہ ہی سرے سے عقلاً اور عادتاً محال ہے کیونکہ اگر حالات و واقعات وہی ہوں جن کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے تو ساری باتیں متناقض الاقسام ہو جائیں جس میں کہ تعریف و مذمت تحسین و نقص یکجا ہو جائیں جو نظم یا تالیف کے خلاف ہے اور اگر حقیقت میں یہی بات ہوتی جیسا کہ کہی جا رہی ہے تو یقیناً ذات نبوی مسلمانوں اور وہاں موجود مشرکوں سے پوشیدہ نہ ہوتی۔ جب عام لوگوں پر اخفار کا گمان نہیں ہو جاتا تو پھر اس ذات اقدس کا کیا کہنا جو علم میں ارفع و اعلیٰ اور علوم سے واقفیت میں سب سے اعلم و افضل ہوں۔

تیسری وجہ

منافقین و مشرکین کی شر پسند طبیعتوں اور مسلمانوں کے طبقہ جہلا کی کمزور طبیعتوں کا پہلے ہی سے اندازہ ہے کہ انہوں نے ذراسی بات پر ذات نبوی کو ہدف بنانے میں تامل نہیں کیا ہے اور کفار و مشرکین نے تو اظہار تنفر میں کوئی فروگذاشت نہیں کی ہے۔ یہ مفسد مسلمانوں کو عار دلاتے اور مسلمانوں پر پڑنے والے پے در پے مصائب پر خوش ہوا کرتے تھے اور ضعیف الاعتقاد مسلمان ایسے مواقع پر ثابت قدم نہ رہتے اور مرتد ہو جاتے۔

لیکن اِس موضوع پر روایت زیر بحث کے علاوہ اور کوئی واقعہ منقول نہیں اگر ایسا ہوتا تو قریش یہود و نصاریٰ اس موقع سے ضرور فائدہ اٹھاتے اور خوب زبان درازیاں کرتے مسلمانوں پر طعن کرنے کے موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے جیسا کہ انہوں نے واقعہ معراج کے موقعہ پر کیا تھا اور اس موقع پر چند ضعیف الاعتقاد مسلمان مرتد ہو گئے تھے ایسا ہی صلح حدیبیہ کے موقع پر پیش آیا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اس ضعیف الروایۃ واقعہ کے علاوہ اور کوئی واقعہ ایسا ملتا ہی نہیں اور اگر مل جاتا تو مخالفین و معاندین اس کی تشہیر اور اس کے بعد اس کے عواقب پہ ذرہ برابر کمی نہ کرتے اور مطلب برآری میں پیش پیش رہتے۔ اور یہی بات اس کی تردید میں کافی و وافی ہے۔

اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ قابل اعتراض کلمات شیاطین کی طرف سے قلب نبوی پر القا نہیں کئے گئے تھے بلکہ ممکن ہے کہ شیطان نے بعض محدثین کو وسوسہ اور دھوکہ میں ڈال کر یہ حدیث حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کرادی ہو تاکہ مسلمانوں میں انتشار واقع ہو جائے (اور یہی اسلام دشمنوں کا مقصد اولین ہے۔) (مترجم)

چوتھی وجہ

بعض راویوں نے ان دو آیتوں و ان کادوا لیفتنونک اور دوسری آیت ولو لا ان ثبتناک کا ذکر کیا ہے حالانکہ یہ دونوں آئتیں اس واقعہ کا رد کر رہی ہیں جو ان راویوں نے اپنے حصول مقصد کے لئے پیش کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو فرما رہا ہے کہ ان معاندین و منکرین کا مقصد تو آپ کی

ذات کے ساتھ ایسی بات کو منسوب کرنا تھا جو انتشار کا سبب بنے اور یہ اپنا مقصد حاصل کریں لیکن ہم نے (اللہ تعالیٰ) آپ کو محفوظ فرما دیا تاکہ آپ کا رجحان اس طرف نہ ہو۔ ان آیات سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس فتنہ سے معصوم و مامون فرما دیا اور آپ کا اس طرف ذرا بھی جھکاؤ نہ ہوا اور آپ اس طرح افتراء و بہتان سے محفوظ ہو گئے۔ ان فتنہ پردازوں نے رجحان ہی کی طرف نہیں بلکہ یہاں تک افترا کیا کہ معاذ اللہ حضور نے وہ کلمات ادا فرمائے جو منزل من اللہ نہ تھے حالانکہ آیت کا مفہوم اس واقعہ کی سراسر تردید کرتا ہے اور مفہوم حدیث مزعومہ کی تضعیف بھی اور اگر بالفرض محال اس کو درست تسلیم کر لیا جائے تو دوسری ایک اور آیت اس کی تردید میں ملتی ہے جس سے بات اور واضح ہو جاتی ہے۔

ولولا فضل الله عليك و رحمته لهمت	اے محبوب اگر ہمارا فضل آپ کے شامل
طائفه منهم ان يضلوك وما يضلون	حال نہ ہوتا تو بعض لوگ یہ چاہتے تھے
الا انفسهم وما يضرونك من شئ	کہ وہ آپ کو بہکا دیں۔ درحقیقت وہ خود
(پ ۵ ع ۶)	کو ہی بہکا دیتے ہیں اور وہ آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اصطلاح قرآن یہ ہے کہ جہاں کہیں لفظ کاد استعمال ہوا ہے اس سے مراد یہی ہوتا ہے کہ یہ واقعہ وقوع پذیر نہ ہوگا اور اس کی دلیل اس آیت سے ملتی ہے۔

يكاد سنا برقه يذهب بالابصار	قریب ہے کہ بجلی کی چمک اس کی
(پ ۱۸ ع ۱۲)	آنکھوں کی روشنی لے جائے۔

ایک اور جگہ اس طرح آیا اکاد اخفیھا عنقریب اسے مخفی کر دوں گا حالانکہ نہ تو بصارت زائل کی گئی اور نہ مخفی کیا گیا۔

قاضی قشیری فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور کہیں تشریف لے جا رہے تھے راہ میں قریش اور بنی ثقیف کے لوگ اپنے معبد میں موجود تھے انہوں نے التجا کی کہ آپ اگر ہماری طرف متوجہ ہوں تو ہم آپ

پر ایمان لے آئیں گے لیکن آپ نے ان کی جانب نظر بھی نہ اٹھائی اور حضور کا ان کی جانب نظر اٹھانا ممکن ہی نہ تھا۔ انباری نے کہا کہ اس موقع پر حضور ان لوگوں کے قریب نہ خود تشریف لے گئے اور نہ ان کی جانب توجہ فرمائی۔

مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں اور بھی اقوال ملتے ہیں اور اس موضوع پر ہم نے عصمت کے باب میں بھی تذکرہ کیا ہے کہ رب کریم نے آپ کی عصمت کے بارے میں توضیح و تشریح فرمادی ہے۔ جس سے ان نادانوں کی بیوقوفی کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور ان کے مزعومہ کی تردید بھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو استقامت عطا فرمائی اور کفار کے مکر اور فتنہ سے محفوظ فرما کر احسان فرمایا جس سے مراد آپ کا تقدس و عصمت ہے اور یہی آیت کریمہ کا مفہوم بھی ہے۔

ماخذ دوم

صحت و تسلیم حدیث پر مبنی ہے اور کلام الٰہی کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور اس کی صحت سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں محفوظ فرما دیا ہے لیکن اس کی صحت و عدم صحت سے قطع نظر اہل علم حضرات نے اس کے بہت جوابات دیے ہیں جن میں کچھ نہایت قوی اور وزنی ہیں اور بعض معمولی حیثیت کے حامل ہیں۔ ان میں سے چند ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔(۱) "قادہ و مقاتل فرماتے ہیں کہ اس سورہ (النجم) کو تلاوت فرماتے وقت حضور علیہ السلام کو اونگھ آگئی تھی اور نیند کی وجہ سے یہ کلمات زبان مبارک پر جاری ہو گئے تھے۔

لیکن یہ جواب اس لئے درست نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام کی ذات اقدس سے ایسا ہونا اس لئے ممکن نہیں کہ زبان مبارک سے کوئی ایسی بات نکلے جو خلاف واقعہ ہو اور نہ یہ ممکن ہے نیند کی حالت ہو یا عالم بیداری شیطان حضور علیہ السلام پر غلبہ کر ہی نہیں سکتا لہٰذا ان کلمات کا زبان رسالت سے

۱؎ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میری آنکھیں تو مصروف نوم ہوتی ہیں لیکن میرا قلب بیدار رہتا ہے جب قلب بیدار ہو تو ایسے کلمات کا زبان رسالت سے ادا ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور اگر کوئی اس کی نسبت حضور کی ذات اقدس سے کرتا ہے تو راقم الحروف کے خیال میں یہ اس کے ضعف ایمان پر دال ہے۔ (مترجم)

ادا ہونا قرین قیاس نہیں اور اس کے علاوہ سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی باتوں کے ارتکاب سے محفوظ فرما دیا ہے اور حضور عمداً و سہواً ایسی باتوں کے کہنے سے معصوم ہیں۔

(۲) کلبی کا کہنا یہ ہے کہ معاذ اللہ حضور علیہ السلام کے قلب مبارک میں خیال آیا اور شیطان نے ان الفاظ کو آپ کے لہجہ میں ادا کر دیا۔

(۳) ابن شہاب نے ابو بکر بن عبدالرحمان کے حوالہ سے نقل کیا کہ اس موقعہ پر حضور علیہ السلام کو سہو ہوا جب اس کا احساس ہوا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شیطان نے اس کو میری زبان پر جاری کرا دیا۔

یہ تمام مزعومات غلط اور بے بنیاد ہیں اور یہ بات ناممکن ہے کہ نبی علیہ السلام کوئی بھی ایسی قابل اعتراض بات عمداً یا سہواً فرما سکتے ہوں اور نہ یہ ممکن ہے کہ شیطان کو یہ قابو حاصل ہے کہ جیسا چاہے آپ سے کہلوا سکے۔

اس سلسلہ میں ایک ضعیف روایت یہ بھی ملتی ہے کہ دوران تلاوت حضور علیہ السلام نے ان کلمات کو بطور تقریر و تنبیہ کفار بیان فرما دیا ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں منقول ہے جس میں کہ آپ نے فرمایا تھا ھذا ربی یہ میرا رب ہے جناب خلیل علیہ السلام کے کلام کی بھی بہت سی تاویلیں کی گئی ہیں۔ اسی طرح آپ کا یہ فرمانا۔

بل فعلہ کبیرھم (پ ۱۷ ع ۵) بلکہ ان کے بڑے نے یہ کیا ہے۔

جناب ابراہیم علیہ السلام کے دونوں جملوں کے درمیان فصل اور وقفہ ہے، پہلے آپ نے ھذا ربی فرمایا اور تھوڑی دیر کے بعد اس نام کی نسبت بڑے بت کی جانب کی اور پھر اپنا کلام جاری رکھا لہٰذا قرینہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ آیات قرآنی نہیں ہیں۔ یہی رائے قاضی ابو بکر کی بھی ہے اور اس تاویل پر معترض کا اعتراض بھی منطبق نہیں ہوتا کہ دوران نماز آپ نے کوئی ایسا فعل کیا جس پر اعتراض وارد ہو سکتا ہو۔

ابتدائے اسلام میں نماز میں کلام کی اجازت تھی

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ابتدا اسلام میں اس بات کی اجازت تھی کہ دوران نماز کلام کیا

جا سکتا تھا اور اس کی ممانعت نہ تھی ایک اور بات جو قاضی ابو بکر اور دیگر محققین نے فرمائی وہ اس تاویل میں ظاہر و قابل ترجیح ہے وہ اس روایت کے تسلیم کرنے میں یہ ہے کہ حضور علیہ السلام و رتل القرآن ترتیلا کے حکم کے مطابق دوران نماز قرآن کریم ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے اور ہر آیت علیحدہ علیحدہ اور دو آیتوں کے درمیان وقفہ فرماتے تھے۔ اس بات کا امکان موجود ہے کہ شیطان اپنی عادت کے مطابق موقعہ سے فائدہ اٹھانے کے لئے یہ کرتا ہو اس وقفہ تلاوت کے درمیان اپنی طرف سے ملتی جلتی عبارت حضور علیہ السلام کی مشابہ آواز میں کہہ دیتا ہو تاکہ قریب کھڑے ہوئے لوگ اس کو حضور کا کلام سمجھ لیں اور وہ لوگ بعد میں اس بات کی اشاعت کریں لیکن یہ بات قرآن کریم کے بارے میں محل نظر ہے کیونکہ صحابہ کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو وہ اس کو یاد کر لیا کرتے تھے۔ منجملہ اس کے یہ سورہ بھی ان کو من و عن یاد تھی جیسی کہ نازل ہوئی تھی۔

علاوہ ازیں افراد ملت مسلمہ کو یہ بھی معلوم تھا کہ حضور علیہ السلام کو بتوں سے سخت نفرت تھی[1] اور یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہ تھی۔ اس کے ہم معنیٰ الفاظ میں موسیٰ بن عقبہ علیہ الرحمۃ نے اپنے مغازی میں لکھا بھی ہے۔

موصوف نے فرمایا ہے کہ شیطان کی خرافات کو اگر درست تسلیم کر بھی لیا جائے تو مسلمانوں نے اس کے الفاظ کو نہیں سنا بلکہ شیطانی خرافات صرف مشرکوں کے کانوں اور دلوں تک محدود رہی تھی اور حضور علیہ السلام کو جو حزن و ملال اس واقعہ سے ہوا وہ محض شبہ اور فتنہ کی وجہ سے تھا اور شیطان کی حرکتیں

---

[1] حضور علیہ السلام کی بتوں سے نفرت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ شام کے سفر میں جب بحیرہ نامی راہب سے حضور علیہ السلام کی ملاقات ہوئی اور ان سے آپ کو بتوں کی قسم دلا کر سوال کیا تھا تو آپ نے اسی وقت بتوں سے اپنے متنفر کا اظہار فرما دیا تھا اور جب اس نے خدائے واحد کی قسم دے کر دریافت کیا تھا تو آپ نے اس کی باتوں کے جواب عنایت فرمائے تھے جس ذات کو معبودان باطل سے نفرت کا یہ عالم ہو اس کے متعلق یہ خیال کہ ان کی زبان مبارک سے ایسے الفاظ ادا ہوں تعجب کی بات ہے، دوسرے یہ کہ حضور کا کردار و عمل سے پاک تھا۔ ایک طرف متنفر کا اظہار اور دوسری جانب تعریف یہ ذات نبوی سے ممکن نہیں۔ (مترجم)

ذات نبوی تک ہی محدود نہ تھیں بلکہ انبیاء سابقین کے بارے میں وہ افترا سے باز نہ رہتا تھا۔ آیت قرآنی اس کی شاہد ہے) قرآن کریم میں ہے۔

وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی۔ (پ ۱۷، ع ۱۴)	اور آپ سے پہلے ہم نے کسی نبی و رسول کو نہیں بھیجا مگر۔ ۔ ۔

مذکورہ بالا تصریح سے ظاہر ہو گیا کہ یہاں تمنٰی کے معنیٰ تلاوت کے ہیں اور اس کی دلیل بھی قرآن کریم سے ملتی ہے۔

لا یعلمون الکتاب الا امانی (پ ۱ ع ۹)	وہ نہیں جانتے کتاب کو مگر امانی (آرزو) یعنی تلاوت کو۔

اور شیطانی اثرات اور اس کے نفوذ کو زائل کرنے کی ذمہ داری تو خالق کائنات نے اپنے ذمہ لی ہے قرآن فرماتا ہے۔

فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان (پ ۱۷، ع ۱۴)	اللہ تعالیٰ اسے مٹا دیتا ہے جسے شیطان نے القا کیا۔

اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شیطانی اثر و نفوذ کو دور کر دیتا ہے اور اشتباہ کو زائل کر دیتا ہے اور اپنی آیات کو محکم بنا دیتا ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس آیت سے وہ سہو و نسیان مراد ہے جو حضور علیہ السلام کو دوران تلاوت ہوتا تھا اور آپ اس پر متنبہ ہو کر رجوع فرما لیتے تھے اور ایسی بات کلبی نے اس آیت کریمہ کی تفسیر کے سلسلہ میں کہی ہے انھوں نے کہا ہے کہ ایک خیال قلب مبارک میں آیا تھا۔ موصوف نے مزید کہا کہ اذا تمنی کے معنیٰ اس طرح کئے جائیں گے کہ آپ نے اپنے دل سے بات کی اور اس کے ہم معنیٰ بات عبد الرحمان نے کہی ہے۔

سہو کا مفہوم

سہو کا مفہوم یہ ہے کہ جس سے معانی تبدیل نہ ہوں اور نہ الفاظ میں تبدیلی آئے اور نہ قرآن میں

کسی لفظ کا اضافہ کیا جائے بلکہ روایت مشہورہ کے مطابق کوئی آیت یا کلمہ درمیان سے چھوٹ جائے۔

لیکن حضور علیہ السلام کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ اس سہو پر قائم نہ رہتے تھے بلکہ آپ کو اس پر فوراً آگاہ کر دیا جاتا تھا اور بتا دیا جاتا تھا اور اس سلسلہ کی تفصیلی بحث سہو کے باب میں کی جائے گی۔

آیت زیر بحث کے سلسلہ میں مجاہد نے بھی تاویل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس فقرہ والغرانقۃ العلی وان شفاعتهن ترتجی کا اشارہ نبیوں کی جانب نہیں بلکہ اس سے فرشتے مراد ہیں لیکن کلبی نے کہا ہے کہ کفار کا اعتقاد یہ تھا کہ فرشتے اور بت اللہ کی بیٹیاں ہیں (نعوذ باللہ) اور اس سلسلہ میں قرآنی شہادت ملاحظہ ہو۔

الکم الذکر ولہ الانثی۔ (پ ۲۷ ع ۵) کیا تمہارے لئے تو لڑکے ہوں اور اللہ تعالیٰ کے لئے لڑکیاں۔

اللہ تعالےٰ نے منکرین و معاندین کے مزعومات کو اس آیت سے رد و باطل کر دیا اور فرشتوں سے شفاعت کی امیدیں رکھنا بھی صحیح ہے جب مشرکین نے یہ کہا کہ آیت مذکورہ میں لفظ ذکر استعمال کیا گیا ہے اس سے بُت مراد ہیں، اس خیال کو شیطان نے ان کے دلوں میں راسخ کر دیا اور ان کے خیالات کو پختہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے شیطانی اثر کو زائل کرنے کے لئے آیت کو محکم فرما کر ان لفظوں کی تلاوت منسوخ قرار دے کر ان کو اٹھا لیا جن کی وجہ سے شیطان نے اشتباہ پیدا کر دیا تھا۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں اس سے پہلے بھی بہت سی آیات منسوخ کی جا چکی ہیں۔

اہل علم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کام حکمت سے خالی نہیں ہوتے اس میں بھی اس ذات کریم کی ایک حکمت پوشیدہ تھی تاکہ وہ یہ دیکھے کہ کون اس سے گمراہی اختیار کرتا ہے اور کون راہ ہدایت پر قائم رہتا ہے قرآن کریم میں ہے۔

وما یضل بہ الا الفاسقین (پ ۱ ع ۳) اس سے فاسق لوگ ہی گمراہ ہوتے ہیں

ان الظالمین لفی شقاق بعید (پ ۱۷ ع ۱۲) یقیناً ظالم لوگ ہی بہت ٹیڑھے ہیں۔

علاوہ ازیں یہ بھی معلوم ہو جائے کہ جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے اس کو وہ منزل من اللہ اور حق جانیں اور اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اس پر اور مضبوط ہو جائیں گے۔ (ترجمہ آیت ۱۷ رکوع ۱۲)

ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے اس آیت کی تلاوت کی اور آیت کریمہ اللات والعزیٰ پر پہنچے تو کفار کو خوف ہوا کہ اب اگلی آیت میں ان کی مذمت کی جائے گی تو انہوں نے دو جملے اپنے معبودوں کی مدح و تعریف میں پڑھ دیئے۔ ان کا اس سے مطمح نظر یہ تھا کہ حضور کی بتوں کی مذمت سے محفوظ ہو جائیں۔ دوسرے حضور علیہ السلام کی تلاوت میں رخنہ اندازی کریں اور بعد میں حضور اقدس کی ذاتِ اقدس پر طعنہ کا موقع مل جائے۔ ان کی ترجمانی قرآن کریم نے اس طرح فرمائی ہے۔

لا تسمعوا لھٰذا القرآن والغوا فیہ	اس قرآن کو نہ سنو اس کی تلاوت کے دوران
لعلکم تغلبون۔ (پ ۲۴ ع ۱۸)	شور مچاؤ شاید کہ غالب آجاؤ۔

اس فعل کی شیطان سے نسبت اس لئے کی گئی ہے کیونکہ اسی نے ان کفار کو اس کام پر برانگیختہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپ ان کے افترا اور کذب پر غمگین ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک آیت حضور علیہ السلام کی طمانیت قلب کے لئے نازل فرمائی۔ وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنیٰ القی الشیطان فی امنیتہ اور حق اور باطل کو ممیز فرمایا۔ اسی طرح رب کریم نے آیات قرآنی کو محکم فرما کر اس سے التباس و اشتباہ کو دور فرمایا۔ حفاظت قرآنی کے سلسلہ میں رب کریم نے فرمایا۔

انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ	ہم ہی نے اس قرآن کو نازل فرمایا اور اس
لحافظون۔ (پ ۱۴ ع ۱)	کی حفاظت ہم ہی فرمائیں گے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا قوم سے عذاب کا وعدہ

عصمت انبیاء علیہم السلام پر جو اعتراض کئے جاتے ہیں۔ ان میں حضرت یونس علیہ السلام سے متعلق ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو عذاب سے ڈرایا تھا لیکن جب قوم نے بارگاہ الٰہی میں توبہ کی تو اس سے وہ عذاب ٹل گیا۔ اس وقت حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میں اپنی قوم میں نہیں جاؤں گا کیونکہ وہ مجھے اب کذب و جھوٹ سے متہم کریں گے۔

وہ واقعات و حالات جو اس سلسلہ میں بیان ہوئے ہیں ان سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت یونس نے

اپنی قوم کو عذاب الٰہی سے متعلق تنبیہ کی ہو اور اس کی آمد کی اطلاع دی ہو۔ حقیقت حال یہ ہے کہ آپ نے اپنی قوم کی ہلاکت کے لئے بارگاہ الٰہی میں دعا فرمائی تھی (اور یہ بات امور مسلمہ میں ہے کہ دعا خبر نہیں جو صدق و کذب کی متحمل ہو بلکہ یہ انشا ہے) اور اپنی قوم کو بتایا تھا کہ تم پر فلاں وقت عذاب الٰہی آئے گا اور درحقیقت ایسا ہی ہوا۔ عذاب الٰہی آیا لیکن قوم یونس نے توبہ کی تو ان سے عذاب اٹھا لیا گیا اور اس قوم پر مہربانی فرمائی گئی۔

الا قوم یونس لما اٰمنو کشفنا عنھم	ہاں یونس کی قوم جب ایمان لائی تو ہم نے
العذاب الخزی۔ (پ ۱۱ ع پ)	ان سے رسوائی کا عذاب دور کر دیا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا یونس علیہ السلام کی قوم نے عذاب کی دلائل و علامات دیکھی تھیں لہٰذا وہ اسلام لے آئے تھے۔ سعید بن جبیر نے فرمایا ہے کہ قوم کو عذاب نے اس طرح ڈھانپ لیا تھا جس طرح چادر قبر کو ڈھانپ لیتی ہے۔

عبداللہ بن سرح کے کردار پر اعتراض اور اس کا جواب

عبداللہ بن سرح اسلام لانے کے بعد حضور علیہ السلام کا کاتب وحی مقرر ہوا لیکن کچھ عرصہ بعد مرتد ہو کر کافروں میں جا ملا۔ وہاں اس نے یہ خرافات بکنی شروع کیں کہ میں حضور کے کلام میں جس طرح چاہتا تبدیلی کر دیا کرتا تھا۔ وہ مجھے عزیز حکیم لکھنے کو فرماتے تو میں اس کی بجائے علیم حکیم کہہ دیتا اس وقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے کہ دونوں ٹھیک ہیں۔

ایک اور حدیث میں ابن سرح کی الفاظ کی تبدیلی کا واقعہ اس طرح منقول ہے کہ حضور اس سے فرماتے اس طرح لکھ تو وہ کہا کرتا تھا کہ میں تو اس طرح لکھوں گا۔ اس پر حضور فرما دیتے جیسے چاہے لکھ دے کبھی ایسا ہوتا کہ حضور اس سے فرماتے علیما حکیما لکھ تو وہ کہتا کہ میں تو سمیعا بصیرا لکھتا ہوں آپ اس سے فرماتے کہ جو چاہے لکھ دے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک نصرانی مشرف بہ اسلام ہوا اور اس کو کتابت وحی کی خدمت سپرد ہوئی لیکن بعد میں وہ مرتد ہو گیا اور پروپیگنڈہ کرنے لگا کہ (نعوذ باللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

کچھ بھی نہیں جانتے جو میں چاہتا تھا وہ لکھ دیتا تھا۔

جناب مصنفؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں دین حق پر استقامت عطا فرمائے اور شیطان کے اثر و نفوذ سے محفوظ فرمائے کہ اس قسم کی باتیں مسلمان کے دل میں کسی قسم کا شک و شبہ اول تو پیدا ہی نہیں کرتیں کیونکہ یہ ان لوگوں کے مقولے ہیں جو اسلام سے منحرف ہوئے اور احکام الٰہی کے منکر ہو کر کافر ہو گئے ان کی باتوں کو ہم کس طرح قبول کر سکتے ہیں جبکہ ہمارا وطیرہ تو یہ ہے کہ ہم اس مسلمان کی خبر کو بھی تسلیم نہیں کرتے جو جھوٹ کے ساتھ متہم ہو جائے۔ اور ہمیں تو ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ ان لوگوں کی باتوں پر کس طرح دھیان دیتے ہیں جو اسلام دشمن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان طرازی کرتے ہیں۔

ایسی روایات نہ تو کسی مسلمان کی زبان سے ادا ہوئیں اور نہ کسی صحابی رسول علیہ السلام سے اس قسم کی کوئی روایت منقول ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کتاب ہدایت میں فرمایا گیا ہے

انما یفتری الکذب الذین یؤمنون بایات اللہ واُولٰئک ھم الکٰذبون (پ ۱۴ ع ۲۰)	بلاشبہ افترا وہی لوگ کرتے ہیں جو آیات الٰہی پر ایمان نہیں رکھتے اور حقیقتاً یہی لوگ جھوٹے ہیں۔

انس رضی اللہ عنہ کی نقل کردہ روایت میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ایسے مواقع پر وہ موجود ہوا کرتے تھے اس بات کا البتہ امکان ہے کہ انہوں نے جو کچھ سنا اس کو نقل کر دیا ہو البتہ بزاز نے اس حدیث کو معلل لکھا ہے۔ اس کو انہوں نے ثابت کے حوالہ سے نقل کیا لیکن ثابت کی اس سلسلہ میں کسی سے متابعت ثابت نہیں ہے۔ البتہ اس واقعہ کو حمید نے حضرت انس سے سنا لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ حمید نے اس کو ثابت سے سنا ہے۔

قاضی ابوالفضل فرماتے ہیں کہ واللہ اعلم صاحب صحیحین نے اس وجہ سے ثابت اور حدیث کی تخریج نہیں کی ہے اور صحیح حدیث وہ ہے جو عبداللہ بن عزیز بن رفیع نے حضرت انس سے نقل کی ہے اس حدیث کی اہل علم نے تخریج کی ہے جس کا ہم نے بھی تذکرہ کیا ہے کہ اس میں صرف اس

مرتد نصرانی کا واقعہ ہے اور خود راوی کی جانب سے کوئی لفظ منقول نہیں ہے اگر اس روایت کو بفرض محال درست بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی اس سے حضور علیہ السلام کی ذات اقدس پر وحی کے بارے میں کوئی رد و قدح لازم نہیں آتی علاوہ ازیں اگر اعتراض کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی اس سے حضور علیہ السلام کی ذات اقدس پر وحی کے بارے میں کوئی رد و قدح لازم نہیں آتی۔ علاوہ ازیں اگر اعتراض کو درست تسلیم کر لیا جائے تو بھی کوئی قباحت لازم نہیں آئے گی کہ حضور علیہ السلام نے جو کلام الٰہی اور احکام شرعیہ کی تبلیغ فرمائی ہے وہ سب کے سب شبہ سے بالاتر نہیں ہیں اور نہ اس سے ذات نبوی علیہ التحیۃ والثنا پر سہو یا غلطی یا امور منزل من اللہ کی تحریف اور ان کی تبلیغ یا نظم قرآن میں کسی قسم کے طعن کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر اس کو بفرض محال درست تسلیم کر لیا جائے تو اس میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ کاتب سے علیم حکیم لکھنے کو کہا گیا ہو اور اس کو لکھ بھی دیا ہو۔ اور حضور علیہ السلام نے اس تحریر کو باقی رکھنے کی اجازت دیدی ہو۔ علاوہ ازیں اس سے پہلے ایسی آیات میں اس قسم کے کلمات آتے رہے تھے اس لئے کاتب موقع اور محل کے مدنظر اپنی جودت طبع اور ذکاوت ذہن سے ان الفاظ تک رسائی حاصل کر لیتا ہو۔ مضمون آیت کی ابتدا سے اسی آیت کے اختتامی کلمات تک اس کا ذہن منتقل ہو جاتا ہو۔ اور یہ ہماری زندگی کے معمولات میں ہے کہ کوئی شخص کلام کی ابتداء اور اس کے انداز سے اختتام کو سمجھ لیتا ہے لیکن یہ قاعدہ ہر جگہ استعمال نہیں ہوتا اور نہ یہ کلیہ نہیں جیسا کہ ایک سورۃ اور ایک آیت میں۔

یہاں اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ اگر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام درست اور صحیح ہے تو تمام دوسری چیزیں بھی درست ہیں اور اس سلسلہ میں یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ ایک آیت کے نزول کے موقع پر اس کے اختتامی کلمات کی دو قرآتیں نازل ہوئی ہوں۔ ایک آیت کے اختتامی جملے حضور علیہ السلام نے تعلیم فرمائے ہوں اور سیاق و سباق کلام سے کاتب نے دوسری قرأت کے کلمات تک رسائی حاصل کی ہو اور وہی کلمات اس کی زبان پر آئے ہوں اور اس نے حضور علیہ السلام سے ان کے بارے میں ذکر کیا ہو اور حضور نے ان کے لکھنے کی اس کو اجازت دے دی ہو۔

اس کے بعد اللہ رب العالمین نے ان دونوں کلمات میں سے جن معنیٰ کو یا محکم فرما دیا ہو اور جس کو مناسب خیال نہ فرمایا ہو اس کو منسوخ فرما دیا ہو۔ جیسا کہ بعض آیتوں کے آخری کلمات کے بارے میں پیش آیا۔ ان میں سے ایک آیت یہ ہے۔

ان تعذبھم فانھم عبادک وان	اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے
تغفرلھم فانک انت العزیز	ہیں اور اگر تو انہیں بخشدے تو تو ہی غالب
الحکیم۔ (پ، ع ۶)	حکمت والا ہے۔

یہ جمہور کی قرأت کے مطابق ہے لیکن بعض لوگوں نے فانک انت الغفور الرحیم (تو ہی بخشش فرمانے والا اور رحم فرمانے والا ہے) پڑھا ہے لیکن یہ الفاظ جو بعض لوگوں سے منقول ہیں وہ قرآنِ کریم[1] میں موجود نہیں۔ یہی کیفیت ان کلمات کی ہے جو درمیان میں دو الفاظ منقول ہیں اور جمہور نے اس قرأت کو اپنایا بھی ہے اور وہ کلمات قرآن میں نقل بھی ہوئے ہیں مثلاً وانظر الی العظام کیف ننشزھا ننشزھا اور بعض الحق اور بعض الحق دونوں طرح پڑھے گئے ہیں۔

یہ اختلاف قرأت نہ تو شک کا موجب ہے اور نہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلطی اور وہم کی نسبت کی جا سکتی ہے۔ یہاں اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ اس افترار پر دلندون نے یہ تبدیلی الفاظ قرآن کریم کی بجائے ان مکتوبات میں کی ہو جو سرکار دوعالم علیہ السلام نے لوگوں کو روانہ فرمائے تھے ان میں ان کاتبوں نے ان کلمات کے مترادف یا اس جگہ کے مناسب دوسرے الفاظ لکھ دیئے ہوں اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس لئے اس کو باقی رکھا ہو کہ ان الفاظ سے مطلب پورا ہوتا اور مقصود حاصل ہوتا تھا۔

---

[1] قرآن کریم کے اس نسخہ میں جو حضرات صدیق رضؓ و فاروق رضؓ کی مساعی سے مرتب ہوا اور خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضؓ کے دورِ خلافت میں اس کی ترتیب ہوئی۔ مترجم

ساتویں فصل

صدقِ مقال

سابقہ صفحات میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ امورِ تبلیغی سے متعلق تھا لیکن وہ امور جو تبلیغ دین سے متعلق نہیں ہیں وہ نہ تو امورِ آخرت سے تعلق رکھتے ہیں اور نہ وحی الٰہی سے متعلق ہیں بلکہ وہ خالص دنیاوی اور ذاتی حالات ہیں لیکن ان معاملات میں یہ یقین ہے کہ ان امور میں بھی وہی تصورِ عصمت باقی رہے گا جو دینی امور میں متحقق ہو چکا ہے اور یہ ممکن نہیں کہ حضور علیہ السلام سے کوئی خبر عمداً یا سہواً خلافِ واقعہ منسوب کی جا سکے۔ نیز یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ آپ خواہ حالتِ غضب میں ہوں یا فرح و مسرت، صحت و مرض کے عالم میں ہر حالت میں معصوم ہیں اور اس پر سلف و خلف کا اجماع ہے۔

اسوۂ رسول اور عملِ صحابہ

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول اور عادت یہ تھی کہ وہ ہر اس عمل کو جو حضور سے دیکھتے تھے اس کے کرنے میں وہ سبقت کرتے تھے۔ آپ کی بتائی ہوئی باتوں کی تصدیق کرتے اور آپ کے سنائے ہوئے واقعات پر بھروسہ کرتے تھے اور انہیں کسی بارے میں بھی کوئی تردد نہ ہوتا تھا۔ خواہ وہ امورِ عالمِ دنیا سے تعلق رکھتے ہوں یا عالمِ آخرت سے متعلق ہوں۔ یہ حضرات اس تجسس میں نہیں رہتے تھے کہ اس معاملہ میں حضور کو سہو ہوا تھا یا نہیں۔

جناب عمر اور یہودِ خیبر

جناب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر سے یہودیوں کو نکالا تو ابن ابی الحقیق نے جناب عمر رضی اللہ عنہ سے احتجاج کرتے ہوئے کہا تھا اے امیر المومنین آپ ہمیں یہاں سے نکال رہے ہیں حالانکہ سرکارِ دوعالم نے ہمیں یہیں رہنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس وقت امیر المومنین نے اس سے فرمایا اے دشمنِ خدا تجھے یاد نہیں کہ جب دانا رسول علیہ السلام نے تجھ سے فرمایا تھا" تیرا اس وقت کیا حال ہوگا جب تو خیبر سے نکالا جائے گا یہ جواب سن کر ابن ابی حقیق نے کہا کہ وہ تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاحاً فرمایا تھا لیکن امیر المومنین

جناب عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے دشمن خدا تو غلط بیان کر رہا ہے۔ حضور کی کوئی بات مذاقاً نہیں ہوتی تھی۔

اخبار و آثار و شمائل نبوی مدون و مرتب ہیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ انفرادیت ہے کہ آپ کے اخبار و آثار و شمائل نہایت اہتمام کے ساتھ مرتب و مدون کئے گئے ہیں اور نہایت تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں ان سے کہیں یہ مترشح نہیں ہوتا کہ کبھی آپ سے غلطی کا ارتکاب ہوا ہو۔ یا جو کچھ آپ نے فرمایا ہو اس میں کہیں وہم کا شائبہ بھی ہوا ہو اگر کبھی ایسا ہوا ہوتا تو (دشمنان رسول ضرور اس کو اجاگر کرتے اور اس کی تشہیر کرتے) وہ معلوم ہو جاتا۔

کھجور کے درخت کی پیوند کاری

اور مذکورہ بالا دعویٰ کی دلیل اس سے ملتی ہے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نے انصار مدینہ کو کھجور کے درختوں کی پیوند کاری کے سلسلہ میں کچھ فرمایا لیکن بعد میں اس سے رجوع فرما لیا تھا۔ اس کے بارے میں علماء نے فرمایا ہے کہ یہ کوئی فیصلہ یا خبر نہ تھی بلکہ ایک مشورہ تھا۔

اس کے علاوہ بہت سے امور اس موضوع سے غیر متعلق ہیں جیسا کہ حضور علیہ السلام کا ایک ارشاد اس طرح ملتا ہے کہ اگر میں کسی سلسلہ میں قسم کے ساتھ کوئی بات کہوں لیکن خیر کا پہلو مجھے اس کے برخلاف نظر آئے تو قسم توڑ کر میں وہ کام کر کے قسم کا کفارہ دے دوں گا۔

حضور علیہ السلام کا ایک ارشاد

اور حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ تم اپنے جھگڑے میرے پاس لاتے ہو[لے] یا حضور کا یہ فرمانا کہ اے زبیر زمین

لے جناب مصنف نے اس واقعہ کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ یہ پورا واقعہ اس طرح منقول ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا تم اپنے جھگڑے میرے پاس لاتے ہو۔ ممکن ہے کہ کسی کا دعویٰ اور اس کی دلیل ایک دوسرے کی دلیل سے زیادہ قوی ہو اور اس کے مطابق فیصلہ کر دوں اگر ایسا ہو جائے تو تم یقین کر و کہ میں ایک آگ کے ٹکڑے کا حکم کرتا ہوں۔ یہاں کلمات مذکورہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کا فیصلہ آپ کے ذاتی علم کی بنا پر نہ ہوتا بلکہ عام قانون کے مطابق تھا جو اس سلسلہ میں شریعت نے مقرر فرمائے ہیں کیونکہ جو بصیرت حضور

باقی اگلے صفحہ پر

کو اس قدر سیراب کر کر پانی دیواروں تک پہنچ جائے۔ یہ واقعہ اور اس کے علاوہ وہ واقعات جن کے متعلق شبہات پیدا ہوئے ہیں انشاء اللہ آئندہ بیان کریں گے۔

ایک عام ضابطہ جب کسی شخص کی کوئی بات خلاف واقعہ معلوم ہوتی ہے اور اسمیں اس کی غلطی بیانی واضح ہو جاتی ہے تو اس کا اعتبار ختم ہو جاتا ہے اور اس کی ہر بات مشکوک نظروں سے دیکھی جاتی ہے اور اس کی خبر پر اعتبار نہیں کیا جاتا ہے اس وجہ سے محدثین اور علماء نے ایسے حضرات کی روایتوں کو ان کے ثقہ ہونے کے باوجود قابل اعتنا نہیں قرار دیا ہے جو سوء حفظ، غفلت یا غلط بیانی کا شکار رہے ہیں[1]۔

غلط بیانی گناہ ہے دنیاوی امور میں غلط بیانی گناہ ہے اور اس کی کثرت بالاجماع گناہ کبیرہ ہے اور ایسا شخص مروت و عدالت کے منصب کا اہل نہیں رہتا اور یہ ایسی باتیں ہیں جن سے انبیاء علیہم السلام کا مبرا اور منزہ ہونا ضروری ہے ایسے جرم کا ارتکاب دنیوی اعتبار سے اس شخص کے کردار کو داغدار کر دیتا ہے اور دینی اعتبار سے وہ گناہگار ہوتا ہے خواہ وہ جرم اس سے ایک بار ہی کیوں نہ سرزد ہوا ہو۔ لیکن اگر وہ جھوٹ ایسا گمراہ کن یا نقصان دہ نہ ہو تو وہ بھی اپنے عمومی حکم میں ہوگا یا نہیں اس میں محققین کا اختلاف ہے اور یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا منصب ہر اس کمزوری سے جو قابل اعتراض ہو خواہ وہ عمداً ہو یا سہواً پاک ہے۔

نبوت کا مقصد اور فرائض نبوت کا مقصد احکام اسلامی کی تبلیغ و اشاعت ہے اور یہ تصدیق کرنا ہے کہ جو کچھ حضور علیہ السلام لائے ہیں وہ صحیح اور

صفحہ ۲۳۵ سے آگے

حاصل تھی وہ دوسرے فیصلہ کرنے والوں کو نہیں۔ اس لئے حضور نے قانون اسلامی کا احترام کرنے کا درس دیا کہ فیصلے ہمیشہ دلائل و شواہد کی روشنی میں کئے جائیں اور فیصلہ کنندہ اگر اپنے علم کے مطابق کرے گا تو اس کی حیثیت قاضی کی بجائے شاہد کی ہو جائے گی۔ مترجم۔

[1] تعجب کی بات یہ ہے کہ جناب مصنف نے ایسے اشخاص کے بارے میں ثقہ ہونے کے الفاظ استعمال (باقی اگلے صفحہ پر)

درست ہے لیکن اگر اس میں کچھ صغائر کا استثنار کر دیا جائے تو یہ منصب نبوت کے مخالف شکوک و شبہات پیدا کرنے والا ہو گا اور یہ مقصد تبلیغ میں شکوک پیدا کرنے اور معجزات کا متناقض ہو گا۔ لہٰذا یہ اعتقاد رکھنا ضروری اور لازمی ہے کہ انبیار علیہم السلام کے اقوال میں کسی طرح بھی اختلاف ممکن ہی نہیں۔ نہ قصداً اور نہ سہواً۔

اور وہ لوگ جو اس تسامح کے قائل ہیں ہم اس سلسلہ میں ان کے موید نہیں ہیں اور وہ لوگ جو ان امور غیر تبلیغی ہیں ہم ان سے اتفاق نہیں کریں گے اور یہی کہیں گے کہ انبیار علیہم السلام سے عمداً یا سہواً اخلاف گوئی صادر ہی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ ان کے شایانِ شان نہیں اور یہ الزام و اتہام فریضۂ تبلیغ پورا کرنے کے سلسلہ میں مزاحم ہوتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کر سکتا ہے

کفار قریش اور صداقت نبوی

یہاں یہ بات قابل لحاظ رہے کہ کفار قریش اور اہل مکہ کس طرح حضور علیہ السلام کے حالاتِ زندگی سے باخبر اور آپ کی صداقت و امانت کے معترف و مقر تھے اور تمام مؤرخین اور اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور علیہ السلام قبل نبوت اور بعد نبوت ہر اخلاقی کمزوری سے مامون و محفوظ رہے ہیں اور اس سلسلہ میں ہم نے تفصیلی بحث آغاز کتاب کے باب ثانی میں کی ہے اور اس کے مطالعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جو کچھ اس بارے میں ہم نے لکھا ہے وہ درست ہے۔

آٹھویں فصل

سہو کے بارے میں اعتراض

یہاں اگر کوئی اس واقعہ کے بارے میں شک و شبہ کا اظہار کرے جو جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نماز عصر کی امامت فرما رہے تھے اور دو رکعت

(صفحہ ۲۳۶ سے آگے) فرماتے ہیں حالانکہ غلط بیانی کرنے والا ثقہ ہو ہی نہیں سکتا۔ مترجم

پڑھنے کے بعد آپ نے قعدہ اخیرہ کیا اور نماز ختم کر دی۔ اس موقعہ پر حاضرین متعجب ہوئے اور جناب ذوالیدین نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے نماز میں قصر فرمایا یا سہو ہوا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے نہ تو قصر ہوا اور نہ سہو۔ ایک اور حدیث کے مطابق حضور علیہ السلام نے ذوالیدین سے فرمایا نہ تو میں نے قصر کیا اور نہ سہو واقع ہوا ہے۔ اس طرح آپ نے دونوں باتوں کی نفی فرمائی حالانکہ ان دونوں باتوں میں سے ایک بات کا ہونا عین قرین قیاس ہے جیسا کہ ذوالیدین نے کہا یا رسول اللہ ان میں سے کچھ تو ہے۔

اعتراض کا جواب جناب مصنف فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے جو شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے علمار کرام نے بہت سے جوابات دیے ہیں جن میں منصفانہ بھی ہیں اور متعسفانہ بھی۔

لیکن میری (مصنف) تحقیق یہ ہے کہ جن حضرات نے حضور علیہ السلام کے ان اقوال کو جو دینی امور سے متعلق نہ ہوں ان میں وہم اور غلطی کے امکان کو روا رکھا ہے۔ ان کے اس معتقدہ کو دو وجوہ سے رد کیا ہے اور اس کی روشنی میں حدیث زیر بحث پر کوئی اعتراض لازم نہیں آتا۔

لہٰذا اس اعتقاد کے مطابق جس میں ذات نبوی کے ساتھ ہر قسم کے سہو و نسیان کی نفی کی گئی ہے ان کے نزدیک بظاہر نسیان سے متعلق افعال قصداً اور عمداً کئے گئے ہیں تاکہ سہو کی صورت میں سنت نبوی سے ہدایت حاصل کی جا سکے۔ لہٰذا حضور کا یہ فرمانا نہ تو قصر کیا ہے اور نہ سہو ہوا ہے بالکل درست ہے لیکن اس میں ایک اشتباہ یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ ایسی صورت میں کسی شخص کا ایسا کرنا جائز اور درست ہو جو اس کا ارادہ رکھتا ہو یہ قول ناقابل قبول ہے اور اس پر ہم مناسب جگہ پر تبصرہ کریں گے لیکن اس پر دوسری صورت کہ وہ اقوال جو تبلیغ سے متعلق ہیں اس میں سہو محال ہے اور غیر تبلیغی امور میں سہو ممکن ہے اس کے بہت سے جواب ہیں جن کے متعلق ہم عنقریب تبصرہ کریں گے۔

پہلا جواب اس سہو و نسیان کے بارے میں حضور علیہ السلام نے اپنے اعتقاد اور خبر سے مطلع فرمایا اور قصد سے انکار ظاہری اور باطنی طور پر حق و صداقت پر مبنی ہے

رہا نسیان کا معاملہ تو اس سلسلہ میں آپ نے اعتقاد سے خبر دی کہ آپ نے اپنے گمان کے مطابق سہو نہیں کیا گویا اس اطلاع سے آپ نے اپنے گماں کے مطابق قصد وعمد کو مراد لیا ہے اگرچہ الفاظ اس کو ظاہر نہیں کرتے اور ان میں اعتقاد وگماں کا کہیں ذکر نہیں ہے اور یہ بات درست ہے

دوسرا جواب اس طرح آپ کا یہ جواب کہ میں بھولا نہیں میں سلام کی طرف راجع ہے یعنی میں نے سلام بھول کر نہیں پھیرا بلکہ قصداً پھیرا ہے البتہ تعدد رکعت میں نسیان واقع ہوا ہے یہ توجیح محتمل اور اور بعید از قیاس ہے۔

تیسرا جواب یہ کچھ زیادہ ہی بعید از قیاس ہے جس کی جانب بعض علماء نے اشارہ کیا ہے کہ ذوالیدین کے سوال کے جواب میں حضور کا جواب ہے کہ ان دونوں یعنی قصر و نسیان میں سے ایک بات بھی نہیں ہے اور ان دونوں میں ایک بات ہے یا قصر یا نسیان لیکن کہیں الفاظ کا یہ مفہوم دوسری صحیح حدیث کے معارض ہے جس میں حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد ملتا ہے کہ نہ تو نماز قصر ہوئی اور نہ میں بھولا ہوں۔ اور یہ وہ توجیہات ہیں جو اقوال ائمہ سے ملتی ہیں اور ان کے الفاظ محتمل ہیں جن میں بعد بھی ہے اور تعسف بھی۔

لیکن میری تحقیق کے مطابق ان اعتراضات کے جواب میں جو بات آتی ہے وہ مقصد سے قریب تر بھی ہے اور قرین قیاس بھی۔ حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ میں بھولا نہیں ہوں ان الفاظ کا انکار ہے جس کی آپ نے اپنی ذات سے نفی کی ہے اور دوسروں پر اس کا انکار فرمایا ہے۔ تمہارے لئے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ تم یہ کہو کہ میں کوئی آیت بھول گیا ہوں بلکہ تمہیں اس طرح کہنا چاہیئے کہ میں بھلا دیا گیا ہوں اور اس کی دلیل دوسری احادیث سے ملتی ہے جس میں کہ حضور نے فرمایا میں بھولتا نہیں ہوں بلکہ بھلا دیا جاتا ہوں اور سائل کے جواب میں کیا نماز میں قصر یا سہو واقع ہوا ہے اور حضور کا یہ جواب نماز قصر نہیں ہوئی درست ہے اور کوئی بات اگر واقع ہو گئی تو آپ بھلائے گئے پھر آپ نے دوسروں سے تصدیق فرمائی پھر جب یہ متحقق ہو گیا کہ آپ بھلائے گئے ہیں اور آپ پر یہ نسیان اس لئے طاری کیا گیا تھا کہ یہ سنت بن جائے اس طرح آپ کا فرمانا نہ تو میں بھولا ہوں اور نہ نماز قصر

ہوئی اس طرح صحیح و درست ہے کیونکہ حضور نے نہ تو نماز قصر فرمائی اور نہ خود بھولے بلکہ بھلائے گئے تھے

نسیان اور سہو میں فرق

اس کے علاوہ ایک توجیہہ میں نے علماء کے کلام سے اخذ کی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سہو و نسیان میں فرق ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سہو تو ہو سکتا تھا لیکن نسیان طاری نہیں ہوا۔ اس لئے حضور علیہ السلام نے نسیان کی نفی فرمادی کیونکہ نسیان (بھول) غفلت مصیبت و آفت ہے اور سہو کو اشتغال حال سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے حضور علیہ السلام کو نماز میں سہو ہو جاتا تھا لیکن آپ اس سے غافل نہیں ہوا کرتے تھے کیونکہ ارکان نماز کی ادائیگی میں کمال استغراق ہو جاتا تھا اس لئے سہو ممکن ہے لیکن غفلت و لاپرواہی کی بنا پر نہ ہوتا تھا۔ لہٰذا اس تفصیل کی روشنی میں حضور کا اس فرمان میں کہ نہ تو میں نے قصر کیا اور نہ بھول واقع ہوئی کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا۔

مصنف فرماتے ہیں کہ میری تحقیق کے مطابق حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا نہ میں نے قصر کیا اور نہ مجھے نسیان ہوا اس کے معنیٰ اس ترک کرنے کے ہیں جو نسیان کی دو وجوہ میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے اس فرمان سے یہ مراد ہو میں نے (خود) نہ تو دو رکعتوں پر سلام پھیرا ہے اور پوری نماز کا تارک بھی نہیں ہوا ہوں بلکہ میں بھلا دیا گیا ہوں اور اس میں میرا ذاتی فعل شامل نہ تھا اور اس سلسلہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوسری حدیث دلالت کرتی ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ میں (خود سے) نہیں بھولتا بلکہ بھلا دیا جاتا ہوں۔

حضرت ابراہیم کے تین اقوال

جناب ابراہیم علیہ السلام کے یہ تین قول زیادہ موضوع بحث آتے ہیں جنکو کذب سے موسوم کیا جاتا ہے جو احادیث نبوی اور آیات قرآنی میں اس طرح ملتے ہیں۔

(۱) انی سقیم (پ ۲۳ ع ۷)	میں بیمار ہوں۔
(۲) بل فعله کبیرهم هذا۔ (پ ۱۷ ع ۵)	بلکہ یہ ان کے بڑے نے کیا ہے۔

(۳) آپ کا جناب ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے سلسلہ میں یہ فرمانا کہ یہ میری بہن ہیں۔

یہ تینوں قول کذب و جھوٹ سے خارج ہیں بلکہ ان معارضات سے ہیں جن پر کذب کا اطلاق نہیں ہوتا خواہ یہ قصداً ہوں یا بلا قصد۔

نام نہاد کذب اور حسن بصری کی تحقیق

ان امور کے سلسلہ میں جناب حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جناب ابراہیم خلیل علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ میلے میں جانے سے عذر فرمایا اور یہ فرمایا انی سقیم اس سے مراد یہ لی ہے کہ میں عنقریب بیمار ہونے والا ہوں اور بیماری ہر شخص کو لاحق ہوا ہی کرتی ہے۔ اور ایک قول کے مطابق میں بیمار ہوں کے معنٰی یہ ہوں گے کہ موت مجھ پر مقدر ہو چکی ہے۔ (۳) تیسرا قول یہ ہے کہ اپنی قوم کی حرکتوں ان کے کفر و عناد کی وجہ سے میرا دل ٹھیک نہیں ہے۔ اور اس سلسلہ میں یہ بھی منقول ہے کہ ایک ستارہ جب طلوع ہوا کرتا تھا تو آپ کو بخار آجاتا تھا لہٰذا آپ نے جب اس ستارہ کو دیکھا تو (احتیاطاً تشریف نہ لے گئے) آپ نے فرمایا میں بیمار ہونے والا ہوں۔

ان تمام صورتوں میں کذب کا شائبہ بھی نہیں بلکہ صحیح اور درست خبر ہے بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ اس طرح آپ نے اپنی قوم کے لوگوں پر تعریفاً حجت قائم کی اور اس دلیل کو ضعیف ثابت کیا جو ستاروں کے بارے میں اپنی مشغولیتوں کی بنا پر قائم کیا کرتے تھے۔ لہٰذا آپ نے اپنی علالت کا اعلان اس سے پہلے کر دیا کہ وہ اس بارے میں (یعنی علم نجوم شناسی میں کچھ ہیں)۔ اور حقیقت یہ ہے کہ نہ تو آپ کا ایمان ضعیف تھا اور نہ شک و شبہ میں مبتلا تھے۔ لیکن وہ استدلال جو آپ نے ان کے سامنے پیش فرمایا اس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ کمزور تھا اور ایسے مواقع پہ یہ مثل کہی جاتی ہے کہ دلیل کمزور اور نظر معلول ہے۔ اور استدلال کے صحیح اور حجت ہونے کے بارے میں سورج چاند اور ستاروں سے متعلق وحی الٰہی آئی جس کا تذکرہ ماسبق میں کیا جا چکا ہے۔

دوسرے اعتراض کے جواب

اس سلسلہ میں جو اعتراض وارد ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس اطلاع کو جناب خلیل علیہ السلام نے بتوں

کی گویائی کے ساتھ مشروط فرمادیا - یعنی یہ کام اسی کا ہے اگر اس میں خوف نطق و گویائی ہے یہ فرمانا در حقیقت جواب الزامی ہے کہ تم ایسوں کو معبود تسلیم کرتے ہو جو نہ تو قوت گویائی رکھتے ہیں اور نہ نفع و نقصان کی صلاحیت - لہٰذا آپ کا یہ فرمانا بھی درست اور ناقابل اعتراض ہے۔

تیسرا اعتراض اور اس کا جواب

تیسری بات جس پر کہ اعتراض کیا جاتا ہے وہ جناب خلیل علیہ السلام کا حضرت ہاجرہ کے متعلق بادشاہ سے یہ فرمانا تھا کہ یہ میری بہن ہیں اور قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ بات درست ہے انما المومنون اخوۃ تمام مسلمان آپس میں رشتہ اخوت میں منسلک ہیں - اس طرح جناب ہاجرہ کو اخوت اسلامی کے رشتہ سے حضرت ابراہیم کی بہن کہا گیا تو غلط نہیں -

کلمات حضرت ابراہیم منسوب بہ کذب

ان تینوں باتوں کے بارے میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ جناب ابراہیم علیہ السلام روز قیامت اپنے تینوں کذب کو یاد کریں گے یا حضور علیہ السلام کا یہ فرمان کہ جناب ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ کہے ہیں - اس کا مطلب یہ ہے کہ جناب خلیل علیہ السلام نے ان باتوں کے سوا کوئی ایسی بات نہیں فرمائی جو صورتاً کذب کہی جا سکتی ہو لیکن حقیقتاً درست ہو۔

چونکہ ان الفاظ کا ظاہری مفہوم باطنی معانی کے خلاف ہے لہٰذا جناب ابراہیم علیہ السلام مواخذہ سے خائف ہوئے تھے -

حضور علیہ السلام کا غزوات کے سلسلہ میں طریق کار

حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تو بطور توریہ اس مقام کی بجائے کسی دوسری جگہ کا ذکر فرماتے تھے اور یہ بات فنونِ جنگ میں سے ہے تاکہ دشمن ارادوں سے واقف نہ ہو اور اپنی حفاظت کا انتظام نہ کر سکے لہٰذا یہ بھی غلط گوئی نہیں کہی جا سکتی - ان مواقع پر حضور علیہ السلام کا معمول یہ تھا کہ آپ منزل مقصود کا تعین نہیں فرماتے تھے کہ فلاں جگہ جنگ کے ارادے سے جا رہے ہیں اور یہ توریہ خبر نہیں جس کو غلط گوئی سے تعبیر کیا جا سکے -

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اعلم ہونے کا دعویٰ

اگر کوئی شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول کے متعلق دریافت کرے کہ جب جناب کلیم اللہ سے یہ معلوم کیا گیا کہ اس وقت لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والا کون ہے تو آپ نے فرمایا تھا میں ہوں اس پر ان سے عتاباً خطاب الٰہی ہوا کہ انہوں نے اپنے علم کی نسبت عطائے الٰہی کی جانب نہیں فرمائی (آخر حدیث تک)، اس حدیث میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ مجمع البحرین کے مقام پر ہمارا ایک بندہ آپ سے بھی زیادہ عالم ہے یہ اس حقیقت کا اظہار ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام اس منصب کے نہ تھے جس کا کہ انھوں نے اظہار فرمایا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دعویٰ کے سلسلہ میں جواب اعتراض

اس سلسلہ میں ایک اور حدیث مختلف سندوں سے مروی ہے. جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے۔ اس میں منقول ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ آپ اس شخص کو جانتے ہیں جو آپ سے بھی زیادہ عالم ہے، لہٰذا آپ کا جواب اپنے علم کے مطابق تھا وہ نہ غلط گوئی پر مبنی ہے اور نہ اس میں کوئی شبہ ہو سکتا ہے اور دوسری روایات کی بنا پر اس بات کا عمل وہ گمان واعتقاد ہے اگر آپ اس کی تصریح فرما دیتے کہ اپنے علم اور گمان کے مطابق میں ہی اپنے دور کا سب سے بڑا عالم ہوں کیونکہ یہ بات نبوت واصطفےٰ کے عین مطابق تھی۔ لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب ان حالات میں بالکل درست اور صحیح تھا۔ اور انا اعلم سے وہ امور بھی مراد ہو سکتے ہیں جو مقتضیٰ نبوت ہیں مثلاً توحید و رسالت اور سیاست امم۔ لیکن جناب خضر علیہ السلام دوسرے امور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ واقف تھے اور عطائے الٰہی سے انہیں ان امور غیبیہ سے واقفیت حاصل تھی جن کا تذکرہ ان دونوں حضرات مقدس کے احوال میں بیان ہوا ہے۔

لہٰذا جناب موسیٰ علیہ السلام فی الجملہ زیادہ جانتے تھے اور جناب خضر علیہ السلام عطائے الٰہی سے انہی علوم سے واقف تھے جن کی ان کو تعلیم دی گئی تھی اور اس سلسلہ میں آیت قرآنی اس طرح تشریح فرماتی ہے۔

وعلمناہ من لدنا علما — ہم نے انہیں اپنے پاس سے علم سکھایا۔ (پ ۱۰ ع ۲۱)

علاوہ ازیں یہ کہنا کہ اس کہنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر عتاب الہٰی ہوا تو وہ عتاب اس لئے ممکن ہے کہ اپنے علم کی نسبت جناب موسیٰ علیہ السلام نے عطائے الہٰی کی طرف نہیں کی تھی۔ جیسا کہ ملائکہ نے کہا تھا۔

لا علم لنا الا ما علمتنا — ہمیں اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں تعلیم فرمایا ہے۔ (پ ۱ ع ۴)

اور عتاب کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ شرعاً جناب موسیٰ علیہ السلام کا جواب اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا تھا کیونکہ اس سے یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ جو شخص اس درجہ کمال پر فائز نہ ہو اور اسکو وہ تزکیۂ نفس بھی حاصل نہ ہو وہ اگر اس معاملہ میں نبی وقت کی تقلید کرے تو اس کا یہ فعل کبر و تعلی، عجب و تعاطی ہوگا اور اس سے اپنی تعریف ہوگی جو اخلاقی عیب ہے اور ہلاکت کا سبب ہے اور انبیاء علیہم کی ذات اس سے منزہ اور مبرا ہے لیکن یہ عین ممکن ہے کہ دوسرے لوگ اگر اس راہ پر چل پڑیں تو عین ممکن ہے کہ ان کے پائے ثبات میں لغزش آجائے (مگر جس کی خدا تعالیٰ حفاظت فرمائے) لہٰذا نفس کی حفاظت سب سے مقدم ہے تاکہ دوسرے اس کی پیروی کریں۔

سرور عالم کا محتاط خطاب

یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے جب انا سید ولد آدم فرمایا تو اس کے آخر میں ولا فخر کے الفاظ کا اضافہ فرما دیا۔ اور جملہ اس طرح مکمل فرمایا میں اولاد آدم میں سب سے افضل و اعلیٰ اور ان کا سردار ہوں اور یہ بات فخریہ نہیں بلکہ اظہار حقیقت ہے۔

جناب خضر کی نبوت کی دلیل

جناب خضر علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ میں جناب موسیٰ (علیہ السلام) سے زیادہ عالم ہوں یہ ان کی نبوت کی دلیل ہے کیونکہ ولی مرتبہ میں کتنا ہی ارفع و اعلیٰ ہو وہ نبی کی برابری نہیں کر سکتا۔

معرفت علوم میں انبیاء ایک دوسرے پر سبقت رکھتے ہیں

انبیاء کرام علیہم السلام معرفت علوم میں ایک دوسرے پر سبقت رکھتے ہیں اور مرتبہ کے اعتبار سے ایک دوسرے سے آگے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں (اور یہی معرفت ممکن ہے کہ معیارِ فضیلت ہو۔ قرآن کریم میں ہے۔ تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض یہ ہیں وہ رسول جنہیں ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت عطا فرمائی۔ مترجم)

حضرت خضر نبی تھے

اہل بصیرت نے جناب خضر کے نبی ہونے کی اس بات سے دلیل پکڑی ہے کہ کام مَیں نے اپنے آپ نہیں کیا" جو اس بات کا مظہر ہے کہ آپ نے یہ کام وحی الہٰی کے ماتحت کیا ہوگا۔ اور وحی غیر نبی پر نہیں آتی اور اس کا منطقی نتیجہ یہی ہوگا کہ جناب خضر بھی منصب نبوت پر فائز تھے۔

لیکن جو حضرات حضرت خضر کی نبوت کے قائل نہیں ہیں وہ ایک ضعیف سی تاویل کرتے ہیں کہ ممکن یہ ہے کہ جناب خضر کے افعال کسی نبی کے احکام کے مطابق ہوں اور اس قول کو اس بنا پر ضعیف کہا گیا ہے کہ یہ بات متحقق نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دورِ نبوت حضرت ہارون کے علاوہ اور کوئی صاحب منصب نبوت پر فائز ہوں۔ سیرت و تاریخ کی کتابیں بھی اس سلسلہ میں خاموش ہیں۔

اعلم منک کی توضیح

یہاں یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ اعلم منک عموم پر محمول نہیں بلکہ خصوص پر اس کا حمل کیا گیا ہے اور مخصوص واقعات سے تعلق ہے لہٰذا اس کی ضرورت نہیں کہ جناب خضر کی نبوت پر دلائل قائم کیے جائیں۔ اس لئے بعض مشائخ نے یہ توجیہہ فرمائی کہ جناب موسیٰ علیہ السلام احکامِ الہٰی کے حصول میں زیادہ عالم تھے اور جناب خضر امور قضا میں جو ان کی سپرد کیے گئے تھے زیادہ جانتے تھے اور بعض حضرات نے یہ بھی کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جناب خضر کے پاس حصول علم کے لئے نہیں بلکہ حصول ادب اور ضبط نفس کے لئے مامور فرمائے گئے تھے۔

نویں فصل

تصورِ عصمتِ انبیاء دربارہ اعضاء وجوارح

اس فصل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء مبارک کی عصمت کا بیان کیا جائے

گا خواہ وہ قبیل ارشادات سے ہوں (جن کا تذکرہ ماسبق میں کیا جا چکا ہے) خواہ معتقدات سے متعلق ہوں ماسوا عقیدۂ توحید (جن کا تذکرہ معارف کے ضمن میں ہو چکا ہے) اور اس امر پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ انبیاء علیہم السلام اخلاقی کمزوریوں اور ہر قسم کے فواحش اور ارتکاب کبائر سے مامون و محفوظ ہیں اور دونوں کی دلیل علمائے امت کے اجماع سے ہی مل جاتی ہے لیکن اس کے باوجود علماء نے اس بارے میں عقلی دلائل بھی قائم کئے ہیں اور ان حضرات کی ذات سے فواحش کی مخالفت اور انبیاء کی عصمت ثابت کی ہے جسکی تائید اہل علم نے کی ہے اور استاذ ابو اسحاق نے اس کی تائید کی ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی ظاہر و باہر ہے کہ انبیاء اپنی نبوت کے اخفا اور تبلیغ کے احکام میں کوئی کمی کرنے سے مامون و محفوظ ہوتے ہیں اور یہی اقتضاء عصمت بھی ہے اور معجزات جن امور کے متقاضی ہوتے ہیں انہیں عصمت بھی شامل ہے۔

انبیاء کرام منجانب اللہ اور بذات خود گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں

لیکن ارتکاب گناہ صغیرہ کے بارے میں علمائے معتقدین کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ صغیرہ کا صادر ہونا ممکنات سے ہے جس کی تائید ابو جعفر طبری اور دوسرے فقہاء محدثین و متکلمین نے کی ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے جو دلائل دیے ہیں ان کو ہم آئندہ پیش کریں گے لیکن علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اس معاملہ میں توقف کرنا زیادہ بہتر ہے اور شریعت میں ان کے وقوع یا عدم وقوع پر کوئی ایسی دلیل بھی نہیں جو اس کا فیصلہ کر سکے۔

محققین کے ایک اور گروہ کی رائے یہ ہے کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام سے گناہ کبیرہ کا ارتکاب ممکن نہیں اسی طرح صغائر کا صدور بھی محال ہے اور یہ حضرات جس طرح کبائر سے معصوم ہیں اسیطرح صغائر

سے بھی۔ اور اس سلسلہ میں یہ حضرات یہ دلیل دیتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کی تعریف کے سلسلہ میں چونکہ اختلاف رائے ہے اور ان حضرات کے لئے اشکال کو رفع کرنے کے لئے یہی بہتر ہے کہ صغائر و کبائر کے امتیاز کو ختم کر کے یہ یقین کر لیا جائے کہ انبیاء صغائر و کبائر سے معصوم ہوتے ہیں۔

گناہ صغیرہ و کبیرہ کی تعریف

سید المفسرین جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس کام یا قول سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو وہ کبیرہ ہے اور جو اس سے کمتر ہو وہ صغیرہ کے زمرہ میں آتا ہے اور جس امر میں بھی مخالفت امر الٰہی ہو بالضرور وہ کبائر میں ہوگا۔

قاضی محمد ابن عبد الوہاب نے کہا یہ کہنا ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی صغائر کے زمرہ میں داخل ہے مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کبائر سے اجتناب کی وجہ سے صغائر بھی بخشے جا سکتے ہیں اور اس سلسلہ میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی اس بخشش پر کوئی حکم ربی ہو بخلاف گناہ کبیرہ کے جس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ بجز توبہ کے ان کو کوئی چیز محو نہیں کر سکتی اور یہ بھی اس وقت ممکن ہے جب مشیّت الٰہی ہو اور اس کی تائید قاضی ابوبکر اور اشعری جیسے اہل علم حضرات کے قول سے ہوتی ہے۔

لیکن چند مالکی مسلک کے اہل علم حضرات کا کہنا یہ ہے کہ مذکورہ بالا دونوں اقوال کی بنا پر یہ ضروری نہیں کہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ انبیاء صغائر کی تکرار اور ان کی کثرت سے بھی معصوم ہوتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صغائر کی کثرت کبائر تک پہنچاتی ہے اور وہ صغیرہ جو حیا اور عزت کے زوال، مروت کی کمی اور برائیوں میں اضافہ کرے اس کے بارے میں تو اختلاف کی گنجائش ہی نہیں ہے اور عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ان تمام خصائل ذمیمہ سے مامون و محفوظ رہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خصائل ذمیمہ ان کے مناصب جلیلہ کو کم کرتا ہے ایسے شخص کو لوگ حقیر سمجھنے لگتے ہیں۔ لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے اور نبیوں کا منصب تو بہت ہی بلند و بالا افضل و اعلیٰ ہے ان کی طرف ایسی کوئی نسبت ہی نہیں کی جا سکتی جو ان کے شان شان نہ ہو۔

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے سلسلہ میں بعض مباح امور بھی اسی

زمرہ میں شامل ہو جائیں گے جو خصائل ذمیمہ کی جانب منفی ہوں پھر اس مباح کے ارتکاب سے یہ مباحات سے نکل کر حرام میں شامل ہو جاتا ہے اور اس پر مباح کا اطلاق نہیں ہوتا۔

انبیاء مکروہات کا بھی ارتکاب نہیں کرتے

بعض علماء کا فرمانا یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کبائر و صغائر سے ہی نہیں بلکہ مکروہات کا بھی بالقصد ارتکاب نہیں کرتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ حکم الٰہی یہ ہے کہ انبیاء کے افعال کی اقتداء اور پیروی۔ ان کے نقوش قدم کا اتباع ان کے خصائل سیرتوں عادتوں کا مطلقاً اتباع کیا جائے اسی پر فقہاء اربعہ کا اجماع ہے اور اسمیں کسی قرینہ کی ضرورت نہیں بعض کے نزدیک یہ بات مطلق ہے اگرچہ اس حکم میں اختلاف ہے۔

اور ابن خوبز منداد نے امام مالک کے حوالہ سے اس التزام کو وجوب کا درجہ دیا ہے اور اس کی تائید ابہری۔ ابن قصار۔ عراق کے علماء میں سے ابن سویج اصطخری بن خیران نے بھی کی ہے۔ عراق کے اکثر علماء کا تعلق شافعی مسلک سے ہے لیکن شوافع کے اکثر علماء اس کے استحباب کے قائل ہیں لیکن دوسرے احباب اہل علم نے اس کے استحباب کی جانب بھی کیا ہے۔

لیکن بعض علماء نے اتباع کو امور دینیہ اور ان امور کے ساتھ مخصوص کیا ہے جن کے بارے میں یہ معلوم ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو قربتاً کیا تھا اور جو حضرات اس سلسلہ میں اباحت کے قائل ہیں۔ ان حضرات نے اس سلسلہ میں کوئی قید نہیں لگائی بلکہ یہ کہا کہ اگر ہم انبیاء کے لئے صغائر کو جائز رکھیں تو اس سلسلہ میں انبیاء کی پیروی ممکن نہ رہے گی کیونکہ ہمارے لئے یہ امتیاز ممکن نہ ہو گا کہ حضور علیہ السلام نے یہ فعل قربتاً۔ اباحتاً یا فطرتاً کیا تھا اور نہ یہ بات ممکن ہو گی کہ کسی کو حضور علیہ السلام کی اقتداء کی جانب متوجہ کیا جائے اور آپ کی اقتداء کی ترغیب دی جائے کیونکہ ان افعال میں اس امکان کا شائبہ رہے گا کہ (خدانخواستہ) یہ فعل معصیتاً صادر ہوا ہو۔

اور علم اصول کے ماہرین کا خیال یہ ہے کہ قول و عمل میں جب تعارض واقع ہو تو افعال کو اقوال پر ترجیح دی جائے گی۔ جناب مصنف فرماتے ہیں کہ ہم اس دلیل کو وضاحت سے بیان کرتے ہوئے

یہ کہتے ہیں کہ جو حضرات حضور علیہ السلام کی ذاتِ گرامی سے صغائر کے صدور کو جائز مانتے ہیں اور وہ حضرات بھی جو اس نظریہ کے مخالف ہیں۔ ان سب کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضور علیہ السلام کسی کو بھی قولی یا فعلی منکر پر قائم نہیں رہنے دیتے تھے۔

کسی فعل یا قول پر حضور علیہ السلام کی خاموشی

لیکن اگر کسی فعل یا قول پر حضور علیہ السلام خاموشی اختیار فرمائیں اور اس کے کرنے والے کو نہ تو منع فرمائیں اور نہ اس کے کرنے پر حوصلہ افزائی فرمائیں تو حضور علیہ السلام کی یہ خاموشی اس فعل کے جواز کی دلیل ہو جاتی ہے۔ اس اصول کے مطابق جب دوسروں کے بارے حضور علیہ السلام کا یہ طرزِ عمل ہو تو یہ کس طرح ممکن ہو گا کہ خود آپ سے کوئی منکر وقوع پذیر ہو جائے۔ اس وجہ سے یہ امر متحقق ہو جائے گا کہ مکروہات سے حضور علیہ السلام کی ذات بابرکات کا محفوظ ہونا واجب و لازم ہو گا اور یہی بات ماسبق میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہوتی ہے۔

اور یہ دعویٰ اس لئے بھی درست ہے کہ حضور علیہ السلام کی پیروی کا واجب یا مستحب ہونا مکروہ افعال پر زجر و نہی کے منافی ہے۔ نیز صحابہ کرام کے عمل سے یہ بات قطعیت کے ساتھ ثابت ہے کہ یہ حضرات افعالِ نبوی میں اسی طرح آپ کی اقتدا اور پیروی کیا کرتے تھے جس طرح آپ کے اقوال پر عمل میں اور اس سلسلہ میں کوئی امتیاز روا نہ رکھتے تھے۔

اقتدارِ نبوی کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشتری مبارک اتار دی۔ جب صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کی انگشت مبارک بغیر انگوٹھی کے دیکھی تو تمام صحابہ نے بھی اپنی انگوٹھیاں اتار دیں یا ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نے نعلین مبارک اتاریں تو تمام صحابہ بھی برہنہ پا ہو گئے۔

قضائے حاجت بیت المقدس کی جانب

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے دلیل اور حجت بھی حاصل کی جب کہ موصوف نے یہ فرمایا میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس

کی جانب قضاء حاجت میں مشغول دیکھا ہے۔ علاوہ ازیں صحابہ نے امور عبادت وعادت میں ابن عمر کی اس روایت سے اور بھی بہت سی معلومات حاصل کیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔

روزہ کی حالت میں تقبیل

اور حضور علیہ السلام ازواج مطہرات میں سے کسی ایک سے یہ فرمانا کہ تم نے اس سائل کو یہ کیوں نہیں بتایا کہ مَیں روزہ کی حالت میں تقبیل کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے بھی یہ انکشاف فرمایا کہ مَیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسا کرتے تھے۔

حضور علیہ السلام کا ایک شخص پر اظہار ناراضگی

تقبیل صوم کے سلسلہ میں ایک شخص کا قول جب حضور علیہ السلام کے علم میں آیا تو اس نے یہ کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو چند خصوصیات کے حامل ہیں اور اس سلسلہ میں اس بات کا بھی لحاظ ضروری ہے کہ یہ فعل بھی انہیں امور سے ہو کہ جو خصوصیات نبوی سے ہے اس کے یہ کلمات جب حضور علیہ السلام کے علم میں آئے تو آپ نے فرمایا تم میرے بارے میں یہ بات بھی ضروری خیال کرو کہ مَیں حدودِ الٰہی کا تم سب سے زیادہ خیال کرتا ہوں اور خشیت الٰہی کا مجھے تم سب سے زیادہ خیال رہتا ہے۔

اسوۂ رسول اور عمل صحابہ

اس تقریر سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ صحابہ کرام ہر ہر فعل میں حضور علیہ السلام کی اقتدار کو لازمی اور ضروری خیال کیا کرتے تھے اگر کسی فعل میں حضور کی مخالفت کرتے تو بات نہ بنتی اور صحابہ کے یہ افعال واقوال یقیناً منضبط تحریر میں آجاتے۔ علاوہ ازیں اگر صحابہ کے افعال واقوال میں مخالفت درست ہوتی تو حضور علیہ السلام اس شخص پر جس نے خصوصیات نبوی کو حجت بنایا اظہار ناراضگی نہ فرماتے اور دوسروں پر بھی اس ناراضگی کا اظہار نہ فرماتے۔

انبیاء علیہم السلام سے مباحات جائز الوقوع ہیں

البتہ انبیاء کرام سے مباحات کا صدور جائز ہے کیونکہ ان کے

صدور سے کسی برائی کا شائبہ تک بھی نہیں ہوتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امور مباح میں انہیں اجازت ہے اور عوام کی طرح انبیاء کو بھی ان پر قدرت حاصل ہے۔ ماسوا اس کے کہ انہیں بلند مقام پر فائز کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں خالق کائنات نے انہیں عصومیت عطا فرمائی ہے اور ان کے سینہ کو انوارِ معرفت سے منور و مشرح فرمایا ہے اور انہیں اپنے اور آخرت کے لئے منتخب فرما لیا ہے۔ اس طرح وہ مباحات پر صرف ضرورت کے وقت ہی عمل فرماتے ہیں تاکہ تبلیغ دین اشاعت اسلام اور دوسرے امور میں آسانی حاصل ہو جائے۔ اس طرح جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے گا وہ بھی طاعت سے ملحق اور تقرب کا ذریعہ بن جائے گا۔ اور یہ بات ہم نے کتاب کے اوائل میں خصائل نبوی کے ذیل میں بیان کی ہے۔

ناظرین کو یہ بات ظاہر ہو گئی ہو گی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام پر اللہ رب العالمین پر کتنا فضل و کرم ہے اور مطالعہ سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی ہو گی کہ ان نفوس قدسیہ کے افعال طاعت و عبادت ہیں اور معصیت و مخالفت احکام الٰہی سے بعید ہیں۔

دسویں فصل

عصمتِ انبیاء قبل بعثت

انبیاء علیہم السلام کی عصمت قبل بعثت کے سلسلہ میں علماء و مفکرین مختلف الرائے ہیں۔ بعض حضرات نے تصور عصمت کو جائز رکھا اور بعض نے اس کی مخالفت کی ہے جو حضرات اس کے قائل ہیں کہ عصمت نبوت سے قبل نہ تھی ان کا کہنا یہ ہے کہ عصمت خاصہ نبوت ہے لہٰذا یہ تصور صحیح نہیں کہ یہ حضرات قبل بعثت بھی گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں لیکن جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ یہ نفوس قدسیہ تمام عیوب سے منزہ اور مبرا ہوتے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ ان حضرات کی زندگی خواہ وہ دَورِ نبوت سے متعلق ہو یا قبل نبوت ان کی حیات طیبہ کا ہر دَور تمام عیوب و نقائص سے پاک صاف ہوتا ہے۔

جناب **مصنف فرماتے ہیں** کہ مشیت الٰہی یہ ہے کہ نائبین الٰہی ستودہ صفات کے حامل ہوں اور

ان کے اخلاق و کردار پر کسی قسم کی انگشت نمائی یا حرف زنی نہ کی جا سکے اور یہی نہیں بلکہ وہ تمام شکوک و شبہات سے بھی محفوظ ہوتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ منہیات اور اوامر کے احکام تقرر شریعت کے بعد مرتب ہوتے ہیں اور نبوت و بعثت سے قبل اس نبی کی شریعت ہوتی ہی نہیں لہٰذا شرط و مشروط کے قاعدہ کے مطابق یہ بات قرین قیاس اور قابل تصور ہے کہ وہ ارتکاب معاصی پر قادر تھے یا نہیں۔

کیا حضور علیہ السلام قبل بعثت کسی شریعت کے متبع تھے؟

سوال یہ پیدا ہوتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے قبل کسی شریعت کے پیرو تھے یا نہیں۔ اس سلسلہ میں جمہور علماء کا فرمانا یہ ہے کہ آپ کسی شریعت کے پیرو نہ تھے لہٰذا آپ کے بارے میں اس دور میں نہ تو معاصی کا تصور درست ہے اور ان امور پر کوئی توجہ دی جا سکتی ہے کیونکہ شرعی احکام تو تقرر شریعت کے بعد ہی مرتب ہوتے ہیں اور جب شرعی احکام ہی نہ ہوں تو اوامر و نواہی کہاں سے آئے۔ اور اس سلسلہ میں مفکرین علماء نے اپنے اپنے انداز فکر میں علیحدہ علیحدہ دلائل پیش کئے ہیں۔ چنانچہ سیف السنہ قاضی ابوبکر باقلانی کی دلیل یہ ہے کہ اس سلسلہ میں نقل یا حدیث متواتر کا منقول ہونا ضروری ہے اور اگر ایسا ہوتا یعنی صدور گناہ ہوا ہوتا تو ضرور روایت سے ثابت ہوتا کیونکہ اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسا اور مہتم بالشان امر ہے جس کا اخفا ناممکن ہے اور متبعین رسول علیہ السلام اس کو حجت و دلیل تسلیم کرتے تھے اور اس کی ترویج و اشاعت میں کوشاں رہتے تھے اور اس پر عمل کرنا قابل فخر جانتے تھے اگرچہ حضور علیہ السلام نے کسی دوسری شریعت پر عمل کیا ہوتا تو ان لوگوں کے لئے یہ کہنے کا جواز ہوتا تھا کہ پہلے تو آپ نے ماسبق شریعت پر عمل کیا اب بعد میں اس کو ترک کرنے کی وجہ کیا ہے لیکن کوئی ایسی بات ثابت نہیں ہوتی لہٰذا اب یہ سمجھنا حق بجانب ہے کہ حضور علیہ السلام قبل بعثت کسی شریعت کے متبع نہ تھے بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ یہ بات نقلاً تو ثابت نہیں ہوئی لیکن عقلاً بھی درست نہیں کیونکہ جو شخص متبوع کی حیثیت سے شہرت حاصل کرے وہ کسی دوسرے کا تابع ہو۔ ان حضرات

نے اس کو حسن و قبح پر محمول کیا ہے اور یہ بات غیر مناسب بھی ہے اور اس سلسلہ میں قاضی ابوبکر کے قول کے مطابق نقل سے استفادہ کرنا زیادہ مناسب اور احوط ہے۔

لیکن ایک گروہ اس نقطہ نظر کا حامل ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں توقف کرنا بہتر ہے اور اس میں کسی ممکن وجہ پر بھی حکم قطعی پر کوئی حکم نہیں لگاتا اور اس سلسلہ میں ان کا کہنا یہ ہے کہ ان مذکورہ بالا وجوہ میں دونوں عقلاً محال ہیں اور نہ ان پر کوئی نقلی دلیل ظاہر ہوئی ہے لہٰذا وہ درخور اعتنار نہیں۔ جناب ابوالمعالی کا یہی نظریہ ہے۔

تیسرے گروہ کے متعلق افراد کا کہنا یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے کسی شریعت کو اختیار کیا تھا لیکن یہ حضرات اس شریعت کا تعین نہیں کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ آپ نے پہلے ایک شریعت کو اختیار کیا تھا لیکن بعد میں شریعت تبدیل فرمالی لیکن ان میں سے کسی ایک جماعت نے شریعت کو متعین بھی کر دیا جس کو آپ نے اختیار کیا تھا لیکن بعد میں ان حضرات نے تعیں شریعت سے رجوع کر لیا بعض نے یہ کہا کہ آپ نے حضرت اسماعیل کی شریعت اختیار کی بعض نے حضرت ابراہیم کی شریعت کو متعین کیا بعض شریعت موسوی کی جانب اشارہ کرتے ہیں اور کسی نے شریعت عیسوی کو کہا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان مذکورہ اقوال میں سب سے زیادہ قریب المقصد قول جناب ابوبکر کا ہے اور سب سے بعید مقصد ان حضرات کا ہے جو تعیں مذہب کے قائل ہیں اور بقول جناب ابوبکر کے اگر ایسا ہوتا تو اس سلسلہ میں کوئی نقل شدہ روایت مسئلہ کی نوعیت کو ظاہر کرتی لیکن ایسی روایت کا اصلاً کوئی وجود نہیں (جیسا کہ ماسبق میں جناب ابوبکر کے ذیل میں ہم نے ذکر کیا ہے) اور ان حضرات کے لئے اس بارے میں کہ جناب عیسٰی علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے۔

حضور علیہ السلام کے علاوہ کسی نبی کی دعوت عام نہ تھی

یہاں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام حضور علیہ السلام سے قبل تشریف لانے والے انبیاء میں سب سے آخر ہیں لہٰذا کلیہ کے مطابق حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بعد تشریف لانے والے نبی کو بھی اپنی ماسبق شریعت کا اتباع کرنا چاہیئے تھا لیکن یہ کلیہ اس وقت

منطبق ہو سکتا ہے جب یہ متعین ہو جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت عام تھی لیکن یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی نبی کی نبوت عام نہ تھی بلکہ وہ مخصوص زمانہ اور مخصوص اقوام کے لئے مبعوث ہوئے تھے (اس کے برخلاف شریعت محمدی کی دعوت عام بلا امتیاز رنگ و نسل و وقت تھی اور ہے اور قیام تک جاری رہے گی)۔ نیز یہ قول بھی دوسروں کے لئے حجت نہیں ہے ارشادِ ربانی ہے۔

ان اتبع ملة ابراهيم حنيفا (پ ۱۴ ع ۲۲) — آپ یکسو ہو کر ملتِ ابراہیم حنیف کا اتباع کریں۔

اس آیت کے علاوہ یہ دوسری آیت بھی حضرت نوح کی شریعت متعین کرنے والوں کے لئے حجت نہیں بنتی کیونکہ اتباع صرف توحید تک موقوف ہے جس کی تائید دوسری آیت سے ہو رہی ہے

شرع لكم من الدين ما وصى به نوحاً (پ ۲۵ ع ۳) — تمہارے لئے دین کی وہ راہ ڈالی جس کا حکم اس نے نوح کو کیا۔

اولئك الذين هدى الله فبهداهم اقتده (پ ۷، ع ۱۶) — یہ ہیں وہ جن کو اللہ نے ہدایت دی تو آپ انہیں کی راہ چلیں۔

اس آیت کریمہ میں ان حضرات کا تذکرہ بھی ہے جو مبعوث نہ تھے اور ان حضرات کا تذکرہ بھی ہے جن کی اپنی کوئی شریعت نہ تھی جناب یوسف بن یعقوب علیہما السلام کے متعلق کہا گیا تھا کہ وہ رسول نہ تھے لیکن آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں مختلف تھیں جن کا اجتماع بیک وقت ممکن نہیں۔ لہٰذا آیت کا مصداق اس طرح ہو سکتا ہے کہ یہ متعین کیا جائے کہ حضور علیہ السلام کا ان سب پر مجتمع ہونا صرف اسی طرح ممکن ہے کہ توحید الٰہی و ذات باری میں ان حضرات کا ساتھ دیا جائے۔

اس تفصیلی جائزہ کے بعد اب اس شخص کے قول کی جانب توجہ کی جائے جس کا قول منع اتباع میں ہے اور اپنے اس قول کو حضور علیہ السلام کے علاوہ تمام انبیاء کی جانب محمول کرتا ہے اور یہ کہتا ہے

کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کی پیروی لازم نہیں اس طرح وہ انبیار علیہم السلام کے بشمول حضور علیہ السلام پر فرق کرتا ہے ۔ اور یہ بات تفصیل طلب ہے ۔

لیکن جو عقلاً اتباع کو ممنوع قرار دیتا ہے تو اس کا یہ قول بلا خوف تردید ہر رسول کے بارے میں ہوگا لیکن جو لوگ اس سلسلہ میں نقل کی طرف مائل ہوئے اور انہوں نے تحقیق مسئلہ میں نقل کو سند مانا ہے تو اس بارے میں جہاں جیسی نقل متصور اور ثابت ہوئی ہو وہاں اس کا اتباع بھی ہوگا اور جیسا کہ ہم نے ماسبق میں ایسے گروہ کا تذکرہ کیا تھا وہ اتباع شریعت ماسبق میں توقف کے قائل ہیں یہ لوگ اس معاملہ میں اپنی اصل پر قائم ہیں لیکن تیسرا گروہ جن کا دعویٰ وجوب اتباع کا تھا کہ آپ پہلی کسی شریعت کا اتباع کرتے تھے ۔ سو ان حضرات نے ہر نبی کے حق میں اس نبی کے اتباع و اقتدا کو واجب و لازم قرار دیا جس کے بارے میں کہ حجت و دلیل کا انتظار ہوتا ہے ۔

گیارھویں فصل

درباره احکام موسوم به معصیت

اس عنوان کے ذیل میں ان امور کو زیر بحث لایا جائے گا جن میں شریعت کے احکام کی مخالفت بالقصد کی جائے اس کو معصیت کہا جائے گا اور تکلیف (مکلف) کے تحت داخل کیا جائے گا۔

لیکن وہ امور اعمال و افعال اور اقوال جو بلا قصد غیر ارادی طور پر صادر ہوں مثلاً وہ احکام شرعیہ میں سہو یا نسیان جن کے بارے میں احکام شرعیہ کے مطابق مواخذہ نہیں اور ان امور کا تعلق خطاب سے بھی نہ ہو لہٰذا جب ان باتوں میں عوام سے مواخذہ نہیں ہے تو انبیار کا منصب عوام سے بے انتہا بلند و بالا ہونے کی وجہ سے عدم مواخذہ عفو و احسان لازمی ہے اور اس سلسلہ میں ان کے لئے وہی احکام ہیں جو عوام امت کے لئے ہیں جن افعال پر امت سے مواخذہ ہوگا وہی افعال انبیار کے لئے بھی سبب پرسش ہوں گے اور اس کی دو اقسام ہیں ۔

(۱) وہ افعال و احکام جو از طریق تبلیغ ۔ نفاذ شریعت ہوں اور جن کے صدور کے ساتھ

احکام شرعیہ اور تعلیم امت متعلق ہو اور جن کا امت سے مواخذہ ہوتا ہو۔

(۲) دوسرے وہ افعال ہیں جو شق اول سے خارج ہوں اور ان کا تعلق صرف انبیاء علیہم السلام کی ذات سے ہو۔

اس سلسلہ میں علماء کرام نے پہلی قسم کا جواب اور اس کا حکم سہو فی القول کے ضمن میں بیان کر دیا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے قصداً یا سہواً سہو فی الکلام محال ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے معصوم ہیں۔

سہو فی الکلام اور سہو فی العمل ایک زمرہ میں ہیں

علماء محققین فرماتے ہیں کہ جس طرح حضور علیہ السلام سہو فی الکلام سے معصوم ہیں اسی طرح سہو فی العمل سے بھی معصوم ہیں۔ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ اور تردد نہیں خواہ سہواً ہو یا قصداً اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے افعال بھی تبلیغی نقطہ نظر سے اقوال کی طرح ہیں اور ان افعال کا صدور شک و طعن کا سبب ہو سکتا ہے اور معترض کیلئے اعتراض کی گنجائش پیدا کرتا ہے۔ علماء کرام نے احادیث سہو کے بارے میں بہت سی توجیہات و تاویلات بیان فرمائی ہیں جن کو ہم آئندہ تحریر کریں گے۔

یہی مسلک جناب ابو اسحاق کا ہے لیکن فقہاء و متکلمین کا مسلک اس بارے میں یہ ہے کہ وہ افعال و احکام شرعیہ جو تبلیغ سے متعلق ہوں اور ان افعال کا صدور بلا قصد سہواً ممکن ہے محال نہیں اور وہ اپنے اس دعویٰ میں ان احادیث کو سند لاتے ہیں جو سہو کے سلسلہ میں منقول ہیں۔ علاوہ ازیں ان حضرات نے افعال شرعیہ اور اقوال بلاغیہ میں تفریق کی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ صدق فی القول پر معجزات کا صدور ثابت ہے اور اس کے برخلاف معجزہ کے متناقض ہوگا لیکن افعال میں سہو کا وقوع تو وہ نہ تو اس کے متناقض ہے اور نہ اس سے منصب نبوت پر کوئی حرف آتا ہے بلکہ افعال میں غلطی اور قلب کی غفلت لازمہ بشریت ہے۔

اس سلسلہ میں حضور علیہ السلام کا فرمان خود اس بات کا مصدق ہے۔ حضور نے فرمایا میں بھی

بشر ہوں اور میں بھی اسی طرح بھولتا ہوں جس طرح تم بھول جاتے ہو لہٰذا جب بھول جاؤں تو تم مجھے یاد دلا دیا کرو۔

نبی اور غیر نبی کے نسیان میں فرق

یہ بات قابلِ توجہ اور لحاظ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسیان احکام شرعیہ کی تعلیم اور امتیوں کو مسائل شرعیہ کی آگاہی اور ان کے علم میں اضافہ کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام کی وہ حدیث کہ میں بھولتا نہیں ہوں بلکہ بھلایا جاتا ہوں تاکہ وہ تمہارے لئے سنت ہو جائے۔ بلکہ ایک اور حدیث میں اس طرح آیا میں خود نہیں بھولتا بلکہ بھلا دیا جاتا ہوں تاکہ اسے تمہارے لئے سنت بنا دوں اور حضور علیہ السلام پر ایسی حالت کا واقع ہونا اتمام نعمت اور تبلیغِ احکام کی زیادتی کا سبب بنتی ہے اور یہ کیفیت نقص کے اندیشہ اور طعن کے اسباب سے بعید ہے۔

اور یہ بات اور بھی قابل لحاظ ہے کہ وہ بعض حضرات سہو و نسیان کو جائز ماننے والے بھی یہ بات تو مشروط طریقہ پر تسلیم کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام اگر ایسی کیفیت سے دوچار ہوتے بھی ہیں تو ان پر یہ حالت زیادہ دیر قائم نہیں رہتی بلکہ ان حضرات کو اس پر فوراً آگاہ کر دیا جاتا ہے اور یہی بات درست بھی معلوم ہوتی ہے لیکن بعض حضرات نے یہ بھی کہا کہ اس سہو کی اطلاع فوراً نہیں بلکہ وفات سے قبل آگاہ کیے جاتے ہیں۔

سہو و نسیان امور شرعیہ کے ماسوا ہیں

ہم نے سہو و نسیان کے بارے میں ماسبق صفحات میں دو تقسیمیں کی ہیں۔ سہو و نسیان امور شرعیہ میں اور غیر امور شرعیہ میں۔ امور شرعیہ کے بارے میں تو ہم نے گذشتہ صفحات میں جائزہ لیا ہے۔ اب ان

لے حضور علیہ السلام اور عامۃ المسلمین کی بشریت میں بہت سے فرق ہیں۔ سب سے نمایاں بات یہ ہے کہ نبی اور غیر نبی مماثل نہیں ہو سکتا اور دوسرا فرق شاعر کے اس شعر سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ ہوا کرتی ہیں مثل اور اصل دو شئے۔ لکھا صاف قرآن میں مثل بشر ہے۔ حضور کا یہ فرمانا تعلیم اور عقیدہ وحدانیت کا اظہار ہے۔ یہاں بھی میں مثل سابق تفصیل سے اعراض کرتا ہوں اور فیصلہ قارئین پر چھوڑتا ہوں۔

امور کے بارے میں جو امور شریعت سے براہ راست متعلق نہیں چند تفصیلات درج ذیل کی جاتی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ افعال واقوال جو طریق تبلیغ اور بیان احکام سے تعلق نہ رکھتے ہوں مگر وہ خود ذات نبوی کے امور دینی اور اذکار قلبی سے متعلق و مخصوص ہوں اور وہ افعال حضور علیہ السلام نے اس لئے نہ کئے ہوں کہ انہیں آپ کا اتباع کیا جائے۔

ایسے امور کے بارے میں علمائے امت میں سے اکثر حضرات نے یہ کہا ہے کہ ایسے افعال میں حضور علیہ السلام پر سہو یا غلطی۔ تساہل یا غفلت قلبی کا امکان متصور ہے اور اس کا سبب بھی وہی امور تکلیفی مراد ہوں گے جو امور خلق۔ سیاست امت۔ اہل خانہ کی شفقت و رعایت، اعداد مخالفین کے لحاظ کے سلسلہ میں آپ پر مقرر فرمائے گئے لیکن یہ امور مسلسل اور پے در پے نہ ہوتے بلکہ کبھی شاذ و ہی واقع ہوتے ہیں اور اس سلسلہ میں حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی کہ بعض اوقات میرے قلب پر ایسی کیفیات طاری ہوتی ہیں تو اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں (اس حدیث کا بھی ماسبق میں تذکرہ کیا گیا ہے) لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں جس سے آپ کے مرتبہ میں کوئی کمی واقع ہو یا معجزات نبوی اثر انداز ہوں۔

لیکن ایک گروہ علماء کا اس امر کا قائل ہے کہ حضور علیہ السلام کے حق میں سہو۔ نسیان، غفلت یا تساہل کی نسبت بھی محال ہے۔ یہی مسلک صوفیاء اور صاحبان علم و بصیرت کا ہے اور اس سلسلہ میں اور بھی اقوال ہیں جن کو آئندہ بیان کیا جائے گا۔

بارھویں فصل

احادیث متعلق سہو کا جائزہ

گذشتہ چند فصلوں میں ہم نے حضور علیہ السلام کی ذات سے متعلق سہو کے جواز و محال ہونے کے سلسلہ میں روشنی ڈالی ہے اور اس کے وقوع کی احادیث اور اقوال کی روشنی میں بحث کی ہے جس سے یہ ترشح ہوتا ہے کہ سہو

کا وقوع دینی امور میں ممکن ہے۔

لیکن جناب مصنف فرماتے ہیں میری تحقیق کے مطابق حضور علیہ السلام کو نماز میں سہو کے بارے میں صرف تین حدیثیں منقول ہوئی ہیں۔ پہلی حدیث جناب ذوالیدین کی ہے جو سلام کے بارے میں ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے دو کی بجائے ایک سلام پر اکتفا فرمایا تھا۔ دوسری حدیث ابن مکیفیہ کی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے قعدہ اولیٰ سے قبل تیسری رکعت کے لئے قیام فرمالیا تھا۔ تیسری حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس سے ظاہر ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز میں چار کی بجائے پانچ رکعت فرض ادا فرمائیں اور ان حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو ان تین مواقع پر (سہو فی الفعل) سہو ہوا جس کے بارے میں ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔

ان سطور کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوگا کہ یہ سہو درحقیقت حکمت الٰہی پر مبنی تھے تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت ثابت ہوجائے کیونکہ طریقہ تبلیغ میں فعل قول کے مقابلہ موثر ہوتا ہے اور رفع احتمال کی بھی اس میں گنجائش ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں حضور علیہ السلام کو سہو پر ثبات نہیں رہتا تھا اور اشتباہ دور ہونے کے بعد خود حضور علیہ السلام کو اس کا احساس ہوجاتا تھا تاکہ حکمت جو اس میں مضمر ہے وہ ظاہر ہوجائے اور اس موضوع پر بھی ہم نے ماسبق میں تبصرہ کیا ہے۔

حضور علیہ السلام پر سہو و نسیان کا طاری ہونا معجزات کے خلاف اور تصدیق کے منافی نہیں ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا میں بشر ہوں اور میں بھی ایسے ہی بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو اور جب مجھ پر نسیان طاری ہو تو مجھے یاد دلا دیا کرو۔ اور حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالےٰ فلاں شخص پر رحم فرمائے اس نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلادی جن کو میں نے ترک کر دیا تھا اور بعض روایات کے مطابق وہ مجھے بھلادی گئی تھیں۔

حضور علیہ السلام کا ہمیں اس سلسلہ میں یہ ارشاد گرامی بھی ملتا ہے جس میں کہ حضور علیہ السلام

نے فرمایا تھا میں بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں تاکہ یہ سنت مقرر ہو جائے۔ ان الفاظ میں راوی نے شک کا اظہار کیا ہے۔ انہیں حضور کے صحیح الفاظ یاد نہ رہے کہ حضور علیہ السلام بھولنے کا لفظ ارشاد فرما دیا تھا یا بھلائے جانے کا لیکن دوسری حدیث جس میں بعینہٖ وہی الفاظ ہیں جو ماسبق حدیث میں ہیں اس میں راوی نے کسی شک کا اظہار نہیں کیا ہے اور یہی مسلک ابن نافع اور موسیٰ بن دینار کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ درحقیقت الفاظ میں یہ گنجائش ہے جو ظاہر کرتے ہیں کہ میں ذاتی طور پر یہ نہیں بھولتا بلکہ اللہ تعالیٰ بھلا دیتا ہے۔

بھولنے اور بھلائے جانے کے بارے میں قاضی ابوالولید کی رائے

قاضی ابوالولید فرماتے ہیں ان دونوں ارشادات بھولنے یا بھلائے جانے میں یہ احتمال ممکن ہے کہ حالت بیداری میں تو خود بھولتا ہوں اور حالت نوم میں بھلایا جاتا ہوں اور یہ ممکن ہے کہ بشری طور پر تو میں بھول جاتا ہوں کیونکہ ذہول و نسیان خاصہ بشری ہے اور یہ بھی امکان پایا جاتا ہے کہ مکمل انہماک اور فارغ البالی کے سبب سے بھلا دیا جاتا ہوں۔ اس طرح حضور علیہ السلام نے ان دونوں مفروضات میں سے ایک کی نسبت اپنی جانب سے فرما دی اور دوسرے کی اپنی ذات سے نفی نہیں فرمائی کیونکہ اس میں اضطراری کیفیت کا دخل تھا۔

سہو و نسیان کے بارے میں متکلمین کی رائے

متکلمین کی ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو نماز میں سہو ہو جاتا تھا اور آپ نسیان سے منزہ اور مبرا تھے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نسیان، غفلت، ذہول اور معائب میں سے ہیں جن کی نسبت حضور علیہ السلام کی ذات سے نہیں کی جا سکتی۔

سہو کی تعریف

سہو اشتغال اور انعطاف توجہ کے معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے اور حضور علیہ السلام حالت نماز میں نہایت انہماک فرماتے تھے اس طرح اگر نماز میں کوئی ایسی خلاف معمول بات واقع ہوئی تھی تو وہ غایت انہماک کی وجہ سے ہوتی تھی نہ کہ غفلت کی وجہ سے اور اسی لئے ان حضرات نے اس حدیث سے جس میں حضور علیہ السلام نے

فرمایا میں بھولتا نہیں بلکہ بھلا دیا جاتا ہوں۔ دلیل لی ہے لیکن بعض حضرات کا خیال ہے کہ بھولنے والی بات اور بھلائی جانے والی بات دونوں محل نظر ہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ نماز میں خلاف معمول افعال کا صدور تعلیم امت کے لئے ہوتا تھا تاکہ ایسے مواقع پر حضور علیہ السلام کے فعل سے سند حاصل کی جائے لیکن یہ قول بذات خود محل نظر ہے کیونکہ بیک وقت حضور علیہ السلام پر دو کیفیات کا صدور یعنی جان بوجھ کر کسی فعل کا کرنا یا بھولنا بذاتِ خود امکانات سے خارج ہے لہٰذا اس قول پر توجہ نہیں دی جا سکتی اور ان کے قول کا بطلان حبیب فرمان رسول سے ہو جاتا ہے "میں بھولتا نہیں بھلا دیا جاتا ہوں" اب قول رسول کے مقابلہ میں دوسروں کا قول ورائے کسی حیثیت میں نہیں رہتے کیونکہ ان دونوں باتوں میں سے ایک کو اپنے لئے حضور نے جائز فرما دیا ہے جس سے فعل اختیاری کے اور قصد کے تناقض کی نفی فرما دی۔ اور صاف طور پر فرما دیا میں بشر ہوں تمہاری طرح بھولتا ہوں اور اس اس سلسلہ میں حضرات ائمہ نے اظہار خیال فرمایا ہے۔ ان میں ابوالمظفر اسفرائنی ہیں لیکن ان کے اس قول پر کسی نے اتفاق نہیں کیا ہے۔ مصنف فرماتے ہیں مجھے خود بھی اس سے اتفاق نہیں ہے جو بعض حضرات نے کہا کہ یہ خلاف معمول افعال قصداً اس لئے ہوتے تھے تاکہ وہ سنت ہو جائیں یا حضور علیہ السلام کو سہو ہوتا تھا نسیان لاحق نہ ہوتا تھا۔ اور بعض کا مسلک یہ ہے کہ میں بھولتا نہیں بلکہ بھلا دیا جاتا ہوں اس میں بالکل نسیان کی نفی نہیں ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ لفظ نسیان اپنے معنی کے اعتبار سے مکروہ اور ناگوار ہے جیسا کہ حضور کا ارشاد ہے وہ شخص بہت بُرا ہے کہ جو یہ کہے کہ میں فلاں آیت بھول گیا بلکہ در اصل کہنا یہ چاہیئے کہ میں بھلا دیا گیا ہوں۔

اس طرح آپ نے اپنے قلب مبارک سے قلت انہماک اور غفلت کی نفی فرمائی اور اس کا سبب نماز میں انہماک تام ہو سکتا ہے جس کی وجہ سے انعطاف توجہ ایک جانب سے دوسری جانب نہ ہو سکا اور بعض خلاف معمول افعال صدور میں آئے۔

حالت جنگ اور نماز

اور اس سلسلہ میں غزوہ خندق کے موقع پر پیش آنے والے واقعات رہبری کرتے ہیں۔ اس جنگ کے موقع پر ایک دن

نماز عصر ادا نہ فرمائی اور مصروف جنگ رہے۔ اس دوران نماز عصر کے وقت ختم ہو گیا۔ اس طرح حضور علیہ السلام نے اگر ایک فرض میں تاخیر فرمائی لیکن اس وقت آپ دوسرے فرض کی ادائیگی میں مصروف تھے۔

ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ مصروف جہاد رہنے کی وجہ سے اس دن ظہر عصر مغرب اور عشاء کی نمازیں قضا ہو گئیں۔ حضور علیہ السلام کے اس فعل سے علماء نے تاخیر نماز کے بارے میں سند حاصل کی ہے کہ جب اضطرار اور خوف کے وقت اگر نماز کی بروقت ادائیگی ممکن نہ ہو تو اس کو مؤخر کیا جا سکتا ہے۔ یہ علمائے شام کی تحقیق ہے اور یہ تاخیر نماز اس لئے جائز ہوئی کیونکہ اس وقت تک نماز خوف کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے لیکن جب نماز خوف کے احکام نازل ہو گئے تو اب تاخیر نماز کا جواز باقی نہیں رہا۔

میری آنکھیں سوتی اور دل جاگتا ہے

یہ حضور علیہ السلام کا ارشادِ گرامی ہے لیکن اگر کوئی شخص اس قول پر تعریض کر کے یہ کہے کہ وادی کے موقع پر حضور علیہ السلام سوئے ہوئے تھے اور نماز قضا ہو گئی اگر حضور علیہ السلام کا قلب بیدار تھا تو قضاء نماز کا جواز کس طرح ممکن ہے۔

اس سلسلہ میں علماء کرام نے مختلف انداز سے جواب دیئے ہیں۔

(۱) یہ فرمانا اکثر اوقات کے لئے ہے بعض احوال اس سے مستثنیٰ ہیں کہ بعض حالات میں دوسروں سے بھی خلاف عادت بات صادر ہو جاتی ہے اور اس کی دلیل بھی حضور علیہ السلام ہی کی حدیث سے ملتی ہے جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو قبض فرما لیا تھا۔ اور جناب بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول کہ اس موقعہ پر مجھ پر نیند طاری ہوئی جس کا میں اندازہ نہیں کر سکتا اور ایسی نیند مجھے کبھی نہیں آئی تھی۔ اور کیفیت اس وقت ممکن ہے جب کہ مشیّت ایزدی کسی بارے میں کوئی مثال قائم کرانا چاہتی ہو۔

اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم بیدار ہو جاتے لیکن آنے والی نسلوں کے لئے مثال قائم فرمانے کی وجہ سے ایسا نہ ہوا۔

انبیاء کی نیند ناقص وضو نہیں

حضور علیہ السلام کو گہری نیند نہیں آتی تھی تاکہ نیند کی حالت میں تاکہ نیند کی حالت میں موت واقع نہ ہو۔ اس لئے یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ آپ موت سے محفوظ تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کی نیند ناقص وضو نہیں ہے اور یہ معمولات نبوی میں سے تھا کہ آپ نیند سے بیدار ہو کر بغیر وضو کئے نماز ادا فرمالیا کرتے تھے حالانکہ اس نیند کے دوران نیند کی کیفیات کا ظہور ہوا کرتا تھا اور بعض اوقات مانوس خراٹوں کی بھی آواز آتی تھی۔

نیند سے بیدار ہونے کے بعد وضو اور حضرت ابن عباس

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث میں جس میں کہ آپ نے حضور علیہ السلام کا یہ معمول بیان فرمایا کہ حضور علیہ السلام جب اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ آرام فرماتے تو اس کے بعد اُٹھ کر وضو فرماتے تھے۔ اس حدیث سے یہ استدلال کہ نیند انبیاء علیہم السلام کے لئے ناقص وضو ہے درست نہیں کیونکہ اس میں ازواج مطہرات میں کسی کے ساتھ سونے یا کسی اور وجہ سے وضو کی ضرورت پیش آنے کا امکان ہے اور اس حدیث سے یہ استدلال نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حدیث کے آخری حصہ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کے اور حضور علیہ السلام مصروف خواب ہوئے اور خراٹوں کی آواز آنے لگی لیکن جب بیدار ہوئے تو بغیر وضو کئے نماز ادا فرمائی۔

حضور علیہ السلام کے قلب کی بیداری کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ دوران خواب آپ پر وحی الٰہی کا نزول ہوا کرتا تھا اور وادی کے موقع پر حضور علیہ السلام کی نیند کا سبب سورج کو نہ دیکھنا تھا۔ جس کا کیفیات قلبی سے کوئی تعلق نہیں ہے علاوہ ازیں حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری ارواح کو قبض فرمالیا تھا اگر اس کی مشیت نہ ہوتی تو وہ اس وقت (نماز کے وقت) اس کو واپس فرما دیتا۔

ل

نیند کا غلبہ اور بلالؓ کو جگانے کا حکم

یہاں اگر کوئی صاحب یہ اعتراض کریں کہ اگر حضور علیہ السلام کو نیند میں استغراق نہ ہوتا یعنی گہری نیند نہ آتی ہوتی تو آپ جناب بلال سے یہ کیوں فرماتے کہ تم ہماری نماز فجر کا خیال رکھنا؟

اس اعتراض کا جواب اہل بصیرت نے یہ دیا ہے کہ حضور علیہ السلام کی عادت کریمہ یہ تھی کہ آپ نماز فجر اندھیرے میں یعنی اول وقت میں ادا فرما لیتے تھے اور جو گہری نیند کا عادی ہو اس کے لئے اول وقت کا لحاظ آسانی سے ممکن نہیں ہوتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وقت کا ادراک اعضاء سے کیا جاتا ہے لہٰذا آپ نے اول وقت کی رعایت کی خاطر حضرت بلال کو نگہداشت کا حکم دیا تاکہ وہ وقت مقررہ پر آپ کو مطلع کر دیں اور ایسا اکثر بیداری کی حالت میں ہوتا رہا تھا اور آپ کسی کام میں مشغول ہوتے تھے تو کسی دوسرے کو اس وقت پر یاد دلانے کو متعین فرما دیا کرتے تھے۔

یہاں اگر کسی کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو کہ ایک طرف تو حضور علیہ السلام نے اس فقرے کے کہنے سے منع فرمایا "میں بھول گیا ہوں" اور دوسری جانب یہ فرمایا میں تمہاری طرح بھول جاتا ہوں جب میں بھولوں تو تم مجھے یاد دلایا کرو۔ یا آپ کا یہ فرمانا کہ فلاں شخص نے مجھے فلاں آیت یاد دلادی جس کو میں بھول گیا تھا۔

جناب مصنف ناظرین کو دعائے خیر سے یاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان اقوال میں بظاہر کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کا یہ کہنے سے منع فرمانا کہ میں فلاں آیت بھول گیا تھا۔ اس کو بات پر محمول کیا جائے گا کہ میں خود سے نہیں بھولا تھا بلکہ اس کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ یہ آیت منسوخ ہونے کی وجہ سے بھلادی گئی اور اس میں بندہ کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قلوب سے محو فرما دیا۔

لیکن وہ سہو اور غفلت جو بندہ کی جانب سے ہو تو یہ گنجائش موجود ہے کہ یوں کہدیا جائے میں بھول گیا ہوں۔

اس سلسلہ میں ایک قول یہ بھی ملتا ہے کہ حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا بر سبیل استعجاب ہے کہ

فعل کو اس کے خالق کی جانب منسوب کیا جائے علاوہ ازیں سہو و نسیان کی اپنی جانب نسبت پر سبیل جواز ہے کیونکہ اس میں بندے کا عمل شامل ہے۔

لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تبلیغ دین اور اسلام بندوں تک پہنچانے کے بعد کسی آیت کو ترک کرنا یا کسی کو یاد دلانا یا خود بخود یاد آجانا جائز ہے سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس کو منسوخ فرما کر دلوں سے محو فرمادے اور اس کے ذکر کرنے کا فیصلہ منسوخ فرمادے اور یہ بات بھی بلاشبہ جائز ہے کہ نبی علیہ السلام کہیں ایسے طریقہ پر بھلا دیے جائیں۔

نیز یہ بھی جائز ہے کہ کوئی ایسی آیت جو ابلاغ سے قبل ہی بھلا دی جائے جس سے نہ تو نظم قرآنی تبدیل ہو اور نہ حکم قرآنی غیر محفوظ ہو اور نہ اس طرح کسی حکم شرعی پر ضرب آئے اور نہ کسی حدیث میں کوئی خلل واقع ہو یا پھر اس کو آپ یاد فرمالیں ہم بالفاظ دیگر یوں کہیں کہ آپ کی ذات اقدس اس امر میں معصوم ہے کہ بر وقت تبلیغ دین میں کوئی کمی کریں۔

اور یہ بات تو محال ہے کہ آپ کسی بات کو بھولے رہیں اور یہ بات آپ کو یاد ہی نہ آئے کیونکہ آپ کی ذات اقدس اس کتاب ہدایت کی تبلیغ پر مامور ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود ذات باری نے لی ہے لیکن اس کے ابلاغ کی ذمہ داری نبی علیہ السلام کے ذمہ مقرر فرمائی ہے۔

تیرھویں فصل

انبیاء کی جانب گناہ صغیرہ کی نسبت درست نہیں

انبیاء علیہم السلام کی جانب گناہ صغیرہ کی نسبت کرنے والوں کے اقوال کی اس فصل میں تغلیط و تردید کی جائے گی۔

جن علماء نے انبیاء علیہم السلام کی نسبت صغائر کی جانب کی ہے اور انکو ان نفوس قدسیہ کے حق میں جائز رکھا۔ ان علماء و محدثین نے جن متکلمین کا اتباع کیا ہے ان حضرات نے قرآن اور حدیث کے حوالوں سے اپنے قول کی تاکید میں استدلال کیا ہے اگر ان کے استدلات کو درست تسلیم کر لیا جائے

تو یہ سلسلہ طویل ہو جائے گا اور اس سے انتشار اور افتراق کے دروازے کھل جائیں گے اور گناہ صغیرہ ہی نہیں بلکہ کبیرہ اور فرق عادت تک جا پہنچے گی جس کا کوئی مسلمان قائل نہیں اور یہ بات کیوں کر قرین قیاس ہو سکتی ہے جبکہ ان کے استدلالات کے معانی کے بارے میں محققین اختلاف کے قائل ہیں اور ان کے اقتضا میں دونوں جانب برابر کے احتمالات موجود ہیں۔ علاوہ ازیں اس سلسلہ میں سلف صالحین سے جو اقوال منقول ہیں وہ ان سیدین کے خلاف ہیں جس کا کہ وہ التزام کرتے ہیں۔

لہٰذا ان کا یہ عقیدہ اجتماعی نہیں اور ان کے استدلالات بھی مختلف فیہ ہیں اور یہ بات مسلم ہے کہ ان کا قول نادرست اور ان کے مخالف اعتقاد رکھنے والوں کی بات درست ہے تو ان اقوال سے رجوع ضروری اور ان کا ترک واجب ہے اب ہم ان کے استدلالات کا جواب دیتے ہیں۔ اور ثبوت میں یہ آیت کریمہ پیش کی جاتی ہے جس میں خطاب باری حضور علیہ السلام سے ہے۔

(۱) لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر (پ ۲۶ ع ۹)	تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے سبب آپ کے اگلے پچھلوں کے گناہ بخشدے۔
ایک اور آیت میں ہے۔	
(۲) واستغفر لذنبک وللمومنین وللمومنات : (پ ۱۶ ع ۶)	اور اے محبوب اپنے خاص و عام مسلمانوں مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی طلب فرمائیں۔
(۳) ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظهرک (پ ۳۰ ع ۱۹)	اور تم سے تمہاری پیٹھ کا بوجھ اتار اجس نے آپ کی پیٹھ توڑ دی تھی۔
(۴) عفا اللہ عنک لم اذنت لهم (پ ۳۰ ع ۲۹)	اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے آپ نے کیوں انہیں اذن دیا۔
(۵) لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم	اگر اللہ ایک بات پہلے نہ لکھ چکا ہوتا تو اے مسلمانو تم نے جو کافروں سے بدلے

(پ ۱۰ ع ۵) کا مال لے لیا تم پر بڑا عذاب آتا۔

(۶) عبس وتولی ان جاءہ الاعمیٰ (پ ۳۰ ع ۵) تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا اس وجہ سے کہ اس کے پاس وہ نابینا آیا۔

ان آیات کے علاوہ دوسری آیات جن میں کہ انبیاء سابقین کے واقعات بیان کئے گئے ہیں

(۷) عصیٰ آدم ربہ فغویٰ (پ ۱۶ ع ۱۶) اور آدم (علیہ السلام) سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی۔

(۸) فلما آتاھما صالحا جعلا لہ شرکاء (پ ۹ ع ۱۲) پھر جب اس نے مرضی کے مطابق بچہ عطا فرمایا تو انہوں نے اس کی عطا میں اس کے ساجھی ٹھہرائے۔

(۹) ربنا ظلمنا انفسنا (پ ۸ ع ۹) اے ہمارے رب ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔

اور یونس علیہ السلام کے واقعہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے آیت میں وارد ہوا۔

(۱۰) سبحانک انی کنت من الظالمین (پ ۱۷ ع ۶) تیرے لئے پاکی ہے بے شک میں ظالموں سے ہو گیا۔

اور جناب داؤد علیہ السلام کے بارے میں قرآن میں اس طرح وارد ہوا۔

(۱۱) وظن داؤد انما فتناہ فاستغفر ربہ وخر راکعا واناب (پ ۲۳ ع ۱۱) جناب داؤد نے خیال کیا کہ ہم نے ان کی جانچ کی تھی تو اپنے رب سے معافی مانگی سجدہ میں گر گئے اور رجوع ہوئے۔

ولقد ھمت بہ وھم بھا۔ اور زلیخا نے ان کا قصد کیا اور حضرت یوسف نے اس کا قصد کیا۔

اور وہ واقعہ جو برادران یوسف اور ان کے خود کے درمیان پیش آیا۔ اسی طرح حضرت موسےٰ

علیہ السلام کے بارے میں آیت میں وارد ہوا۔

(۱۳) فوکزہ موسیٰ فقضیٰ علیہ قال هذا من عمل الشیطان	پس موسیٰ علیہ السلام نے اس کے گھونسہ مارا جس کی وجہ سے وہ مرگیا اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ شیطان کا کام ہے۔

ان آیات کریمہ کے علاوہ وہ دعائیں جو حضور علیہ السلام سے منقول ہیں مثلاً خداوندا میرے اگلے پچھلے چھپے اور ظاہر سب گناہوں کی مغفرت فرمادے اور اسی قسم کی دوسری دعائیں بھی منقول ہیں

حدیث شفاعت اور جواب انبیاء

حدیث شفاعت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام روز قیامت اپنے گناہوں کا ذکر فرمائیں گے یا حضور علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ بعض وقت قلب کی جو (ناگفتہ بہ) حالت ہوتی ہے اس وقت میں اپنے رب سے استغفار کرتا ہوں۔ (یغان قلبی کے سلسلہ میں اس لفظ پر بحث کی جاچکی ہے) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت جس میں حضور علیہ السلام کے قول کو نقل کیا گیا ہے کہ میں اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور ستر مرتبہ سے زیادہ توبہ کرتا ہوں۔ یا حضرت نوح علیہ السلام کا قول جو قرآن کریم میں اس طرح منقول ہوا ہے۔

(۱۴) والا تغفرلی و ترحمنی اکن من الخاسرین۔	اگر تو میری بخشش نہ فرمائے اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں ٹوٹے والوں میں ہو جاؤں۔

اور اس سلسلہ میں جناب نوح علیہ السلام کو جواب باری تعالیٰ اس طرح ملا تھا۔

(۱۵) ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا انفسهم انهم مغرقون۔	تم مجھ سے ظالموں کے بارے میں مخاطب نہ ہونا بے شک وہ ڈوبیں گے۔

اور سیدنا ابراہیم خلیل علیہ السلام کے بارے میں آیت کریمہ میں اس طرح فرمایا گیا۔

(۱۶) والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین	اللہ وہ ہے جس سے مجھے اس امر کی امید ہے کہ وہ قیامت کے دن میرے

گناہ بخشندے۔

اور کلیم اللہ جناب موسیٰ کا یہ فرمانا تبت الیک (پ ۹ ع ۷) یا حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ربانی۔

(۱۷) ولقد فتنا سلیمان (پ ۲۳ ع ۱۲) بے شک ہم نے جناب سلیمان کو آزمایا۔

اور اس کے مثل اور بہت سی مثالیں ہیں جن کے جواب ذیل میں دیے جاتے ہیں۔ سب سے پہلی آیت جس سے استدلال یہ کیا جاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے صغائر کا ارتکاب ممکن ہے یعنی لیغفرلک اللہ ما تقدم اس آیت کی تشریح و توضیح میں مختلف اقوال ملتے ہیں بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ آیت مذکورہ سے وہ حالت مراد ہے جو قبل اور بعد نبوت تھی بعض حضرات نے کہا کہ آیت سے وہ لغزشیں مراد ہیں جو ہو چکی ہیں یا بعد میں واقع ہوں گی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بتا دیا ہے کہ آپ بخشے ہوئے ہیں۔

بعض حضرات فرماتے ہیں ما تقدم سے قبل نبوت اور ما تاخر سے بعد نبوت کا دور مراد ہے اور بعد نبوت اللہ نے آپ کو معصوم فرما دیا ہے اور یہی بات احمد بن نصر نے بھی کہی ہے اور بعض حضرات کی تحقیق یہ ہے کہ آیت کریمہ میں مخاطب تو حضور علیہ السلام ہیں لیکن مراد اس سے آپ کی امت ہے ایک گروہ کا کہنا یہ ہے کہ اس سے مراد آپ کا سہو، غفلت و تاویل ہے یہی طبری نے کہا اور قشیری نے اس کی تصدیق کی۔

ایک طبقہ نے یہ تاویل فرمائی ما تقدم سے جناب آدم علیہ السلام کی لغزش اور ما تاخر سے مراد امت مسلمہ کے گناہ ہیں۔ یہ قول ابن عطار کا ہے جس کو سمرقندی اور اور سلمی نے نقل کیا ہے۔

اور آیت کریمہ واستغفر لذنبک وللمومنین کی تاویل بھی ماسبق کے مطابق کی جائے گی۔ چنانچہ مکی نے کہا کہ اس آیت میں بھی ماسبق کی طرح خطاب حضور علیہ السلام سے ہے لیکن مراد امت مسلمہ ہی ہے۔

آیت لیغفر اللہ کا شان نزول: جب آیت کریمہ ما ادری ما یفعل بی ولا بکم

(پ ۲۶ ع ۱) میں نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا نازل ہوئی تو کفار میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ اسی وقت دوسری آیت لیغفر لک اللّٰہ ما تقدم من ذنبک نازل ہوئی اور مومنین کے انجام کے بارے میں آئندہ آیت میں ظاہر فرما دیا لیدخل المؤمنین والمومنات جو جناب ابن عباسؓ کی روایت سے ظاہر ہے۔

بعض علماء نے فرمایا اس جگہ مغفرت سے ہر عیب و نقص سے برأت مراد ہے۔

ووضعنا عنک وزرک اور رفع اشکال

اور اب دوسرے اعتراض پر نظر ڈالی جائے جس میں اس آیت کریمہ ووضعنا عَنکَ وِزْرَکَ (آپ سے آپ کے بوجھ دُور کر دیے) اس سلسلہ میں بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ اس آیت کریمہ سے قبل نبوت کا دور مراد ہے یعنی قبل نبوت جو واقعات صادر ہوئے تھے۔ ان کو محو فرما دیا گیا۔ یہ قول ابن زید اور حسن کا ہے اور یہی مفہوم ابن قتادہ نے بیان کیا ہے۔

لیکن بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ آپ بعثت سے قبل کے گناہوں سے مامون اور محفوظ ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ کی کمر یقیناً گناہوں کے بوجھ سے جھک جاتی یہی مفہوم جناب سمرقندی نے بیان فرمایا ہے لیکن بعض حضرات نے فرمایا کہ آیت کریمہ میں جو بوجھ کا لفظ استعمال ہوا ہے اس سے مراد رسالت کی ذمہ داریاں اور راہ میں پیش آنے والی مشقتیں ہیں جن کو کہ آپ نے کمال ذمہ داری کے ساتھ پورا فرمایا یہی ماوردی اور سلمی کی تحقیق بھی ہے اور مکی نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے آپ سے دورِ جاہلیت کا بوجھ اتار دیا۔

وِزْرَکَ کے معنیٰ اور قشیری کی تحقیق

قشیری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضور علیہ السلام کی وہ مصروفیات ہیں جو نفاذ شریعت کے سلسلہ میں تھیں مثلاً قلبی اشغال اور اس راہ میں پیش آنے والے ایسے امور جو متحیر کر دیتے ہیں یا حضور علیہ السلام کو طلب شریعت میں جو غیر معمولی انہماک رہتا تھا۔ ان امور کو شریعت کی وضاحت کے ذریعہ دور کر دیا۔

اور اس کے یہ معنیٰ بھی مراد لئے ہیں کہ ہم نے آپ سے ہر وہ بوجھ دُور کر دیا جو ان ذمہ داریوں کے

احساس کی وجہ سے تھا جو آپ کے ذمہ مقرر فرمائی گئی تھیں کیونکہ ہم نے ان تمام امور کی حفاظت کی جن کا آپ کو محافظ بنایا گیا تھا۔ اس طرح آپ کی ذمہ داریاں میں کمی ہو گئی اور آپ کو سکون مل گیا۔

انقض ظہرک کی تفسیر

(اس تمہید کے بعد) اس آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ قریب تھا کہ آپ کی کمر بوجھ سے دوہری ہو جائے۔ جن لوگوں نے آیت سے قبل بعثت کا دور مراد لیا ہے۔ ان کے مطابق ان الفاظ کی تشریح اس طرح کی جائے گی کہ وہ امور جو آپ قبل بعثت انجام دیتے تھے بعثت کے بعد وہ امور ممنوع قرار دیے گئے لہٰذا یہ بات قلب مبارک پر اثر انداز ہوئی کہ آپ نے ماضی قریب میں انہیں کیا ہی کیوں تھا اور یہ بات حضور کے لئے حزن و ملال کا سبب بنی کیوں کہ ان امور کو قرآن کریم میں بوجھ سے تعبیر کیا گیا تھا اب یا گناہوں کو دور کرنے کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو ان گناہوں سے محفوظ فرما دیا اگر ایسا نہ ہوتا تو یقیناً آپ کی کمر بوجھ سے ٹوٹ جاتی) (کمر کا ٹوٹنا ایک محاورہ ہے جب کسی پر ناقابلِ برداشت بوجھ ڈالا جاتا ہے اور بوجھ کی وجہ سے کمزوری ہو جاتی ہے اس موقعہ پر کمر ٹوٹنا استعمال کیا جاتا ہے۔ (مترجم)

وضع وزراء سے مراد رسالت کی ذمہ داریاں یا دورِ جاہلیت کے وہ امور ہیں جو آپ کو ناگوار اور بوجھ محسوس ہوتے تھے اور انعطاف توجہ کا سبب بنتے تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے یہ تسلی دلائی کہ جو امور و احکام آپ کو ملیں گے ان کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے (یہ فرمان حضور علیہ السلام کی تسلی اور سکون قلب کا سبب بنا)

عفا اللہ لما اذنت لھم

(اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے آپ نے انہیں کیوں رخصت دی)۔ اس آیت کریمہ کے بارے میں معترض کا اعتراض لغو اور لایعنی ہے کیونکہ اس سلسلہ میں رب تعالیٰ کی جانب سے کوئی ممانعت اور نہی وارد نہیں ہوئی تھی اور جب نہی وارد ہی نہیں ہوئی تو اس کو معصیت شمار ہی نہیں کیا جاتا بلکہ اس کو عتاب و معصیت کہنے والے کو غلطی کا مرتکب قرار دیا ہے۔

نفطویہ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اذن اور عدم اذن میں مختار فرمایا تھا لیکن اس نے

آپ کو محفوظ و معصوم فرمایا۔ اور بعض اہل علم کی تحقیق کے مطابق ان امور میں جن کے کرنے اور نہ کرنے کے سلسلہ میں وحی نازل نہ ہوئی اور ان کے کرنے یا نہ کرنے میں ان کو اختیار حاصل تھا کہ جس طرح چاہیں کریں۔ ان حالات میں جبکہ آپ کو کرنے اور نہ کرنے کا اختیار تھا پھر عتاب کا کیونکر سوال پیدا ہوگا۔ اور اس تحقیق کی تائید اس آیت سے پوری ہو رہی ہے فاذن لمن شئت منھم ان میں سے آپ جس کو چاہیں اذن عطا فرمائیں (پ ۱۸ ع ۱۵) اس اجازت کے بعد حبیب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اذن عطا فرمایا تب رب العالمین نے حضور علیہ السلام کو ان اسرار کی طرف متوجہ فرمایا جن کی جانب آپ نے توجہ نہ فرمائی تھی کہ اے محبوب آپ ان کے دلوں کے بھید سے واقف نہیں اگر آپ ان کو اجازت عطا نہ فرماتے جب بھی یہ لوگ بیٹھے رہتے اور اب اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ آپ نے انہیں اذن دے دیا۔

آیت میں عفا کے معنیٰ

آیت زیر بحث میں عَفَا (معاف کیا) غفر۔ (یعنی بخش دیا) کے معنیٰ میں نہیں ہے بلکہ چھوٹ دینے یا رخصت کے معنیٰ میں ہے جیساکہ حدیث نبوی سے معلوم ہوتا ہے عفا اللہ لکم من صدقۃ الخیل و الرقیق اللہ تعالیٰ نے تمہیں گھوڑے اور غلاموں کے صدقہ میں رعایت فرمائی اور اس صدقہ کو معاف فرما دیا کیونکہ اس وقت تک یہ صدقہ مقرر ہی نہیں کیا گیا تھا۔ یعنی اس صدقہ کی ادائیگی لازم ہی نہ تھی۔

امام قشیری کی رائے

مذکورہ بالا مضمون سے ملتی جلتی بات امام قشیری نے بھی فرمائی ہے موصوف فرماتے ہیں کہ عفا کو معافی کے معنیٰ میں وہی شخص مراد ہو سکتا ہے جس کو اہل عرب کے محاورات سے واقفیت نہیں ہے (کہ عفا کا لفظ کے ارتکاب گناہ کے موقع پر ہی استعمال ہوتا ہے) اب آیت کریمہ کے معنیٰ اس طرح ہوں گے کہ آپ پر کوئی گناہ لازم ہی نہیں ہے۔

داؤدی فرماتے ہیں کہ لفظ عفا کا استعمال عزت و تکریم کے لئے۔ لیکن مکی فرماتے ہیں کہ ابتدائے کلام میں جس طرح اصلحک اللہ یا اور کوئی دعائیہ کلمات کہتے ہیں بلا تمثیل و تشبیہ یہ کلمہ بھی افتتاح کلام کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

عفا کے معنیٰ اور فقیہ ابواللیث

فقیہ ابواللیث سمرقندی فرماتے ہیں کہ عفا کے معنیٰ عافاک اللہ یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو عافیت سے رکھے، لئے جائیں گے (جیساکہ داؤدی کی تحقیق ہے۔

بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں ایک اعتراض کا جواب

بدر کے قیدیوں کو فدیئے کر آزادی عطا کرنے کے سلسلہ میں معترض صاحب کے اعتراض اور آیت کریمہ ما کان للنبی ان یکون له اسریٰ (نبی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ ان کے لئے قیدی ہوں) اس آیت سے حضور علیہ السلام کی ذاتِ اقدس پر کسی قسم کا کوئی الزام نہیں آتا بلکہ اعتراض کے برخلاف اس آیت کریمہ سے اللہ تعالیٰ کے اس عظیم فضل کا اظہار ہے جو اس خالق کائنات نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر فرمایا اور حضور علیہ السلام کو دوسرے انبیاء پر فضیلت عطا فرمائی ہے بلکہ بتایا یہ گیا ہے کہ آپ کے علاوہ کسی دوسرے نبی کے لئے جائز نہ تھا۔ اور اس کی دلیل خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان سے ملتی ہے جس میں کہ حضور نے فرمایا ہے کہ مال غنیمت کو خصوصی طور پر میرے لئے حلال فرمایا حالانکہ غنیمت مجھ سے پہلے کسی اور نبی کے لئے حلال نہ تھی۔ لیکن اگر کوئی مذکورہ بالا جواب کے بعد بھی مطمئن نہ ہو اور یہ اعتراض کرے کہ اس آیت کے سلسلہ میں کیا جواب ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ واللہ عزیز حکیم (تم دنیا کے مال و متاع کے خیال میں ہو لیکن اللہ تعالیٰ آخرت کی فلاح چاہتا ہے جو زبردست عزت و حکمت والا ہے پ۱۰ ع ۵) اس خطاب کے مستحق وہ لوگ ہیں جن کا اصل مقصد حصول دنیا و دنیوی اغراض اور اس کی کثرت تھی۔ اس آیت سے صحابہ کرام اور ذات نبوی مراد نہیں ہے۔

آیت زیر بحث کا شان نزول

جناب ضحاک فرماتے ہیں کہ یہ آیت جنگ بدر کے دن اس وقت نازل ہوئی جبکہ کافروں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا اور اسلامی لشکر کے کچھ لوگ مال غنیمت سمیٹنے میں مشغول ہو گئے۔ اس وقت حضرت عمر فاروق

رضی اللہ عنہ کو یہ خیال ہوا کہ اسلامی لشکر کے کچھ لوگ مال غنیمت کی فکر میں لگ گئے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ کافر پلٹ کر حملہ کر دیں اور ہماری اس مصروفیت سے فائدہ حاصل کریں۔

اس کے بعد یہ ارشاد ربانی ہوا ولولا کتاب من اللہ سبق (اگر اللہ کی جانب سے لکھا نہ ہوتا جیسا کہ گزر چکا) پ۱۰ ع ۵) یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے یہ امر پہلے سے مقدر نہ فرما دیا ہوتا تو کفار پلٹ کر حملہ کر ہی دیتے۔

مفسرین نے اس آیت کے سلسلے میں مختلف انداز میں اپنی تحقیق کا اظہار فرمایا ہے۔

(۱) اگر یہ بات میں نے (اللہ تعالیٰ) پہلے ہی مقدر نہ فرما دی ہوتی کہ میں اس وقت تک کسی کو عذاب میں مبتلا نہ کروں گا جب تک کہ وہ میری طرف سے کسی امر ممنوع کی ممانعت کے باوجود اس کا ارتکاب کرے تو میں یقیناً اس عذاب میں مبتلا کرتا۔ اس تشریح کے مطابق بدر کے قیدیوں کے معاملہ میں کسی قسم کا اشکال باقی نہیں رہتا اور یہ بات کسی قسم کے گناہ اور نافرمانی میں داخل ہی نہیں اور آیت کریمہ کی تعلیق کا بھی اسی جانب اشارہ ہے۔

(۲) مفسرین کا دوسرا قول یہ ہے کہ ان لوگوں کا ایمان قرآن کریم پر اس طرح نہ ہوتا کہ یہ وہ پہلی (محفوظ ترین) کتاب ہے جس کے سبب تم عفو و درگزر کے مستحق ہوئے تو تم پر مال غنیمت کے جمع کرنے پہ عذاب کیا جاتا اور مزید تشریح و توضیح کے طور پر بات کو صاف کرنے کے لئے یوں کہا جا سکتا ہے کہ اگر قرآن کریم پر تمہارا ایمان نہ ہوتا اور تم ان لوگوں میں شامل نہ ہوتے جن کے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا ہے تو تم کو ضرور عذاب میں مبتلا کیا جاتا جیسا کہ حدود سے تجاوز کرنے والوں پر عذاب کیا گیا ہے

بعض اہل علم حضرات کی تحقیق یہ ہے کہ اگر یہ بات لوح محفوظ میں مرقوم نہ ہوتی کہ مال غنیمت تمہارے لئے حلال کیا گیا ہے تو یقیناً تمہیں عذاب دیا جاتا۔ یہ تمام وضاحتیں گناہ اور معصیت کی نفی کر رہی ہیں کیونکہ جائز کام کرنے پر کوئی معصیت و گناہ مرتب نہیں ہوتا۔ اور آیت قرآنی سے یہ بات ظاہر و باہر ہے کہ مال غنیمت مسلمانوں کو حلال کر دیا گیا تھا۔ قرآن کریم میں اس کی صراحت موجود ہے۔

فکلوا مما غنمتم حلالا طیبا (پ۱۰ ع ۵) پس کھاؤ مال غنیمت سے جو تمہارے لئے حلال و طیب ہے

حضور علیہ السلام کو بدر کے قیدیوں کے بارے میں اختیار دیا گیا

حضرت علی کرم اللہ وجہ سے مروی ہے کہ جنگِ بدر کے دن جبریل امین بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آج کی جنگ کے قیدیوں کے سلسلہ میں خالق و مالک نے آپ کو مختارِ کل بنا دیا ہے چاہیں تو آپ اسیر ہونے والوں کو قتل کرا دیں یا فدیہ لے کر انہیں معاف کر دیں لیکن فدیہ ایک شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ آئندہ سال ان قیدیوں کی تعداد کے مطابق مسلمان شہید ہو جائیں گے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے جس کا تذکرہ ہم نے ماسبق میں کیا ہے کہ انہوں نے وہی کیا جس کی کہ انہیں اجازت تھی لیکن بعض حضرات نے ان وجوہ مذکورہ میں ضعیف وجہ اختیار کی حالانکہ دوسری وجہ زیادہ مضبوط اور درست تھی اور اس بات کو ترک کر کے ایسے امر کو اختیار کیا جس سے ضعف کا پہلو ملتا ہے حالانکہ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ ان قیدیوں کو اظہارِ شان کے لئے جوش و خروش کے ساتھ قتل کیا جاتا لیکن ان کے کمزور پہلو کو اختیار کرنے پر توجہ دلائی گئی کہ تم نے کمزور پہلو اختیار کیا ہے لیکن نافرمانی نہیں کی ہے لہٰذا مواخذہ نہیں کیا جاتا ہے کیونکہ نافرمانی کے بغیر مواخذہ نہیں ہوتا ہے اور طبری نے بھی اس جانب اشارہ کیا ہے۔

رہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ اگر اس سلسلہ میں عذابِ الٰہی نازل ہوتا تو سوائے (جناب) عمر کے کوئی اس سے محفوظ نہ رہتا[1] اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کی رائے کی تائید کرنے والوں کی اصابتِ فکر کی جانب اشارہ ہے جو دینِ متین کی عزت۔ کلمہ اسلام کے غلبہ کا اظہار اور دشمنانِ اسلام کی ہلاکت و بربادی کا سبب بنتا۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر یہ امر مستوجبِ عذاب ہوتا تو سوائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کی رائے سے اتفاق رکھنے والے حضرات صحابہ کے علاوہ کوئی بھی عذاب سے محفوظ رہتا۔

حدیث میں حضرت عمر کی تخصیص کی وجہ

اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا ہے حالانکہ اور دوسرے صحابہ

[1] اور ایسا ہی ہوا جنگِ احد میں تقریباً ستر صحابہ بشمول حضرت امیر حمزہ رضی اللہ شہید ہوئے۔ مترجم

(سعد بن معاذ وغیرہ) بھی ان کے ہمنوا تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمر نے سب سے پہلے برملا اپنی رائے کا اظہار فرمایا تھا۔

لیکن اس معاملہ میں اللہ رب العالمین نے عذاب مقدر ہی نہیں فرمایا کیونکہ اس قضیہ کے دونوں پہلوؤں، قتل کرنے یا معاف کرنے میں اختیار تھا لہٰذا اس اختیار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں معاف کر دیا لہٰذا ان سے کسی نافرمانی کا ارتکاب نہیں ہوا تو تعذیب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اختیار کی روایت ثابت نہیں

داؤدی کہتے ہیں کہ اختیار کی روایت ثابت ہی نہیں ہے اور اگر ثابت بھی ہو تو حضور علیہ السلام کی بابت یہ گمان کرنا نامناسب ہے کہ آپ نے وہ حکم دیا جس کے بارے میں کوئی اشارہ یا دلیل صریح نہیں تھی اور نہ اس بارے میں آپ کو اختیار دیا گیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے (اختلافی) امور سے مامون و محفوظ رکھا ہے

عفو محبوس اور قاضی ابوبکر کی رائے

قاضی ابوبکر بن علا فرماتے ہیں کہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضور علیہ السلام کا طرز عمل بعینہٖ وہی تھا جس کی جانب آیۂ کریمہ میں اشارہ ہے کہ آپ نے وہی عمل کیا جو کہ غنائم اور فدیہ کے سلسلہ میں پہلے سے مقرر کر دیا گیا تھا۔

اور بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں یہ کوئی نئی بات نہیں اس سے پہلے بھی ایسا ہی سریۂ عبداللہ بن جحش کے موقع پر پیش آچکا ہے جبکہ ابن حضرمی کے قتل ہو جانے پر حکم بن کیسان اور ان کے ساتھیوں سے فدیہ لیا تھا اور اس وقت ان پر اللہ تعالیٰ نے عتاب نہ فرمایا تھا حالانکہ یہ واقعہ غزوہ بدر سے پہلے وقوع پذیر ہوا تھا۔

لہٰذا یہ بات واضح ہو گئی کہ بدر کے قیدیوں کا معاملہ حضور علیہ السلام کے علم، بصیرت اور تاویل کے مطابق تھا اور اس کی مثال ماسبق میں بھی ملتی ہے اور یہی بات ہم نے پہلے بھی لکھی ہے لیکن اس موقع پر بدر کے معاملہ کو اس لئے اہمیت دی گئی کیونکہ اس مرتبہ قیدیوں کی تعداد زیادہ تھی اور یہاں خالق کائنات اپنی نعمتوں کے اظہار اور احسان کو موکد فرما رہا ہے اور یہ تمام باتیں اس نے لوح محفوظ میں

ثبت فرمادی تھیں کہ ایسا ایسا واقع ہوگا۔ اور مال غنیمت تو اس نے حلال کر ہی دیا تھا لہٰذا جب تحدیث نعمت اور اظہارِ احسان مقصود ہے تو نسبت گناہ اور عقوبت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

آیت عبس و تولیٰ اور اعتراض کا جواب

اس آیت کریمہ کے بارے میں معترض کی رگِ اعتراض پھڑکتی ہے تو اس میں تعجب کی بات نہیں ہے آیئے تفصیل سے آیت کریمہ اور اس کی تفسیر کا جائزہ لیں۔

عبس و تولیٰ ان جاءہ الا عمیٰ وما یدریک (پ ۳۰ ع ۵)	تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا اس سے کہ آپ کے پاس نابینا آیا اور آپ کو کیا خبر۔

آیت مذکورہ سے یہ کہیں نہیں معلوم ہوتا کہ کہیں ارتکاب معصیت ہے یا (خاکم بدہن) حضور علیہ السلام کی جانب معصیت کی نسبت ہے بلکہ اس کے برخلاف یہاں یہ بتایا جارہا ہے کہ آپ جس کی جانب متوجہ ہیں وہ تو ان میں سے ہے جو کبھی پاک نہیں ہوتے اور اگر حقیقت حال واضح کردی جاتی تو آپ ان دونوں سے اس نابینا[1] کی جانب توجہ فرماتے۔

رہا حضور علیہ السلام کا اس کافر کی جانب منہ کر کے نہایت توجہ سے گفتگو فرمانا اس کی تالیف قلب اور اشاعت دین کے لئے غایت انہماک کا اظہار ہے اور یہ توجہ امور مشروعہ سے تھی لہٰذا یہ نہ تو معصیت ہے اور نہ خلاف شریعت۔

اور حقیقت حال تو یہ ہے کہ اس ارشاد ربانی سے جس میں دونوں اشخاص کا جائزہ لیا گیا ہے یہ بات بتانی مقصود ہے کہ اللہ کے نزدیک کافر ذلیل و خوار اور مسلمان قابل ترجیح ہے چنانچہ اگلی آیت میں اس کو صاف طور پر بیان کردیا گیا ہے کہ

وما علیک الا یزکیٰ (پ ۳۰ ع ۵)	اس سلسلہ میں وہ (کافر) پاک نہیں آپ کی کوئی ذمہ داری نہیں۔

---

[1] حضرت عبداللہ بن ام کلثوم رضی اللہ عنہ ان کو بارگاہ نبوی کا موذن ہونے کا شرف حاصل ہے۔

ابوتمام نے کہا ہے کہ اس آیت عبس وتولیٰ کا مرجع وہ کافر ہے جو اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت میں تھا اور اس نے اس وقت وہ عمل کیا تھا جس کا اظہار قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔

ابوالبشر علیہ السلام اور خطاب الٰہی ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ جو گندم کے کھانے سے متعلق ہے جس کے بارے میں نص قرآنی اس طرح شاہد ہے۔

فاکلا منہا۔ (پ ۱۶ ع ۶)	پس ان دونوں (حضرات آدم وحوا علیہما السلام) نے اس سے کھالیا۔

اس کے علاوہ دیگر آیات قرآنی میں اس طرح فرمایا گیا۔

(۱) ولا تقربا ھٰذہ الشجرۃ فتکونا من الظالمین (پ ۱ ع ۴)	تم دونوں اس درخت کے قریب جانا ورنہ ظالموں میں سے ہوجاؤ گے۔
(۲) الم انھٰکما عن تلکما الشجرۃ (پ ۸ ع ۹)	کیا ہم نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہ کیا تھا۔

ان آیات کے علاوہ ایک اور آیت میں صریح طور پر معصیت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

وعصیٰ آدم ربہ فغویٰ (پ ۱۶ ع ۱۶)	اور آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو گم گشتہ راہ ہوگئے یعنی نادان ہوگئے۔

اور بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ "خطا کی" لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں حالات و واقعات کی وضاحت فرما کر ان کی برأت کے سلسلہ میں مبہم فرما دیا کہ یہ فعل عمداً نہ تھا بلکہ اس میں سہو و نسیان کو دخل تھا۔

ولقد عھدنا الیٰ آدم من قبل فنسی ولم نجد لہ عزما (پ ۱۶ ع ۱۵)	بیشک ہم نے اس سے پہلے (حضرت) آدم سے عہد لیا تھا لیکن وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا پختہ ارادہ نہ پایا۔

ابن زید فرماتے ہیں کہ جناب آدم علیہ السلام پر یہ کیفیت ابلیس لعین کی عداوت کی وجہ سے طاری ہوئی تھی کیونکہ ابلیس لعین جناب آدم علیہ السلام سے سخت عداوت رکھتا تھا لہٰذا اس کا اثر جناب آدم علیہ السلام کی ذات اقدس پر ہوا اور اس عداوت کا حال قرآنی الفاظ میں اس طرح ملتا ہے۔

ان ھذا عدو لک ولزوجک (پ ۱۶ ع ۱۶)۔ بے شک یہ (ابلیس لعین) آپکا اور آپ کی زوجہ (محترمہ) کا دشمن ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ (آدم علیہ السلام) اس بات کو اس سبب سے بھول گئے جو اس (ابلیس) نے ان دونوں (حضرت آدم و حوا علیہم السلام) کے لئے ظاہر کیا تھا۔

انسان کو انسان کہنے کی وجہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انسان کو انسان اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے کئے ہوئے عہد کو بھول گیا تھا۔

اس سلسلہ میں ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ نے (حضرت آدم علیہ السلام) اس فعل کو حلال جان کر اس کی مخالفت کا قصد نہیں کیا تھا۔

مومن اللہ کا نام سن کر بھروسہ کر لیتا ہے

ابلیس لعین نے حضرات آدم و حوا کے سامنے خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم کھا کر اپنی خیر خواہی کا یقین دلایا تو حضرت آدم علیہ السلام نے یہ خیال فرمایا کہ کوئی متنفس خدا کی قسم کے ساتھ جھوٹ نہ بولیگا اس طرح وہ شیطان کے دھوکہ میں آگئے کیونکہ اس نے کہا تھا۔

انی لکما من الناصحین۔ میں تم دونوں کے خیر خواہوں میں ہوں۔

اور جناب آدم علیہ السلام کا یہ عذر بعض آثار سے بھی ثابت ہے۔

مومن سے اللہ کا نام لے کر سب کچھ کرایا جا سکتا ہے

ابن جبیر فرماتے ہیں کہ ابلیس لعین نے اپنی مقصد برآری کے

لئے حضرت آدم و حوا علیہم السلام کے سامنے اللہ تعالیٰ کی قسم کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار کیا۔ اور ان حضرات نے اس کی قسم کا یقین کر لیا اور حقیقت حال یہ ہے کہ یہ بات تو صفات مومن میں ہے کہ وہ دھوکہ کھا ہی جاتا ہے۔

ایک اور قول اس سلسلہ میں یہ بھی ملتا ہے کہ یہ آپ کے نسیان کی وجہ سے تھا ورنہ آپکا ارادہ مخالفت امر ربی نہ تھا یہی وجہ ہے کہ آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے فرمایا۔

ولم نجد له عزما (پ ۱۶ ع ۱۵) یعنی مخالفت کا قصد نہ تھا۔

اس آیت کریمہ کی تشریح و تفسیر میں مفسرین کی اکثریت کی رائے یہ ہے کہ یہاں عزم سے مراد صبر و استقلال ہے لیکن بعض حضرات نے یہ بھی کہا کہ اس وقت آپ پر سرور کی کیفیت طاری تھی حالانکہ یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کیونکہ مشروبات (خمر وغیرہ) جنت کی صفات میں رب تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے کہ وہ نشہ آور نہیں ہوتے لہٰذا سرور (نشہ) کی کیفیت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا البتہ یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ جناب آدم علیہ السلام سے اس معاملہ میں بھول ہو گئی تھی اور بھول معصیت اور نافرمانی کے زمرہ میں نہیں آتی۔

اس کے علاوہ ایک اور بات یہ بھی قابل غور ہے کہ اگر دو باتیں مشتبہ ہو جائیں اور اس اشتباہ کی وجہ سے غلطی کا ارتکاب ہو جائے تو اس کو معصیت بالقصد کے زمرہ میں نہیں شامل کیا جاسکتا اور یہ تو بدیہیات میں سے ہے کہ ناسی اور ساہی امور تکلیفہ میں بری الذمہ قرار دیے جاتے ہیں۔

قبل بعثت اور بعد بعثت کے احکام میں فرق

شیخ ابوبکر بن فورک نے فرمایا کہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ گندم کھانے کا واقعہ بعثت سے قبل واقع ہوا ہو اور اس کی دلیل آیت قرآنی سے بھی ملتی ہے۔

وعصى آدم ربه فغوى ثم اجتباه ربه فتاب عليه فهدى۔ اور آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور گم گشتہ راہ ہو گئے لیکن رب کریم نے ان کو منتخب (برائے نبوت) فرمالیا اور

توبہ قبول فرما کر سیدھی راہ دکھائی ۔ (پ ۱۶ ع ۱۶)

اجتباء اور عصیاں کا محل وقوع

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے اجتباء۔ اور ہدایت کے الفاظ عصیاں سے قبل ذکر فرمائے ہیں (جو ابو بکر بن فورک کی دلیل بنتے ہیں)

ایک قول یہ بھی ہے کہ جناب آدم علیہ السلام نے گیہوں کھاتے وقت در اصل اس درخت کو پہچانا نہ تھا اور ان کو یہ خیال نہ تھا کہ یہ وہی درخت ہے جس کے بارے میں منع کیا گیا ہے۔ در اصل گندم کا کھانا تاویلاً تھا اور اس کی وجہ یہ بھی کہ آپ نے یہ خیال فرمایا تھا کہ ممانعت صرف اس خاص درخت کے لئے تھی نہ کہ تمام اشجار گندم کے لیے اور اسی سبب سے کہا گیا ہے کہ توبہ ترک تحفظ کی وجہ سے تھی نہ کہ مخالفت امر ربی کی وجہ سے۔

علاوہ ازیں ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے مخالفت اس وجہ سے سرزد ہوئی کہ یہ مخالفت اس قسم کی نہیں تھی جس سے اس کی حرمت پائی جاتی ہو۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے۔

فعصیٰ آدم ربہ فغویٰ آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور گم گشتہ راہ ہو گئے۔ آگے آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا فتاب علیہ فہدیٰ یعنی توبہ قبول فرما کر راہ دکھائی۔

حدیث شفاعت اور جناب آدم علیہ السلام

حدیث شفاعت میں ہے کہ روز قیامت آدم علیہ السلام اپنے (مزعومہ) گناہ کو یاد کر کے فرمائیں گے مجھے درخت گندم سے منع کیا گیا تھا مگر میں نے امر ربی کی مخالفت کی تھی مصنف فرماتے ہیں کہ دوسرے اعتراضات کا جواب مجملاً آخری فصل میں دیا جائے گا۔

حضرت یونس علیہ السلام اور نسبت معصیت

حضرت یونس علیہ السلام کی ذات گرامی پر اعتراضات کے سلسلہ میں جملہ جوابات دیے گئے ہیں لیکن نصوص شرعیہ اس بات کی شاہد ہیں کہ جناب یونس علیہ السلام کی ذات اقدس

پر کسی گناہ کی نسبت نہیں کی جا سکتی اور نہ قرآن کریم میں ان کی ذات کے بارے میں کوئی ایسی بات ملتی ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ انہوں نے معصیت کا ارتکاب کیا تھا۔

یونس علیہ السلام کے واقعہ سے تو صرف یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آپ ناراض ہو کر آبادی سے چلے گئے تھے اس موضوع پر گذشتہ صفحات میں تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک اور قول اس طرح منقول ہے کہ رب کریم نے ان پر اس لئے اظہار ناراضگی فرمایا کیونکہ آپ غضب الٰہی کی وجہ سے اپنے قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

علاوہ ازیں آپ کے آبادی سے چلے آنے کی ایک وجہ یہ بھی بتائی گئی ہے کہ جب عذاب الٰہی کے وعدہ کے باوجود ان کی قوم کو معاف کر دیا گیا تو آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں جھوٹا منہ لے کر اپنی قوم میں نہ رہوں گا اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ قوم یونس (علیہ السلام) کا وطیرہ یہ تھا کہ وہ اپنے معاشرہ میں جو بھی غلط بیانی کا ارتکاب کرتا تھا اس کو قتل کر دیا کرتے تھے لہٰذا حضرت یونس علیہ السلام بھی اس لئے اپنی قوم سے علیحدہ ہو گئے کہ میری غلط بیانی کی وجہ سے یہ کہیں مجھے قتل نہ کر دیں اور بعض مفکرین کا خیال یہ ہے کہ وہ اس وجہ سے چلے گئے تھے کہ بار رسالت اٹھانے کی وجہ سے کمزور ہو گئے تھے۔

اور یہ بات تو ہم نے متعدد بار کہی ہے کہ نہ تو جناب یونس علیہ السلام نے غلطی بیانی کی اور نہ آپ سے کسی معصیت کا ارتکاب کرنے کی صراحت ملتی ہے سوائے ایک ناپسندیدہ قول کے لیکن اس آیت قرآنی میں جو فرمایا گیا ہے اس کے بارے میں صرف یہ کہا جا سکتا ہے۔

ابق الی الفلک المشحون — وہ (یونس علیہ السلام) بھری ہوئی کشتی کی جانب دوڑے

(پ ۱۷، ع ۱۷)

اس آیت میں ابق بھاگنے کے معنی میں مراد نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہو گا کہ وہ دُور چلے گئے لیکن حضرت یونس علیہ السلام کے دعائیہ کلمات کے بارے یہ بات قابل لحاظ ہے۔

انی کنت من الظالمین (پ۱۷ ع ۶) — بیشک میں ظالموں میں سے ہو گیا۔

اس آیت میں ظالمین کے لفظ کا استعمال ہوا ہے اور ظلم کے معنی لغت میں وضع شی فی غیر موضعہ یعنی کسی چیز کو اس کی اصل جگہ سے اس کی غیر جگہ رکھ دینا۔ چنانچہ حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ میں اس کا انطباق اس طرح ہوگا یا تو بعض حضرات کے کہنے کے مطابق چونکہ بغیر امر ربی اس جگہ سے چلے گئے تھے اس لئے آپ اپنے اس فعل سے مطمئن نہ تھے یا بار رسالت ناقابل برداشت ہو رہا تھا یا ایک وجہ یہ ممکن ہے کہ آپ نے اپنی قوم کے لئے عذاب کی دعا فرمائی تھی۔ اس کی وجہ یہ خیال کیا تھا کہ میں نے یہ دعا کیوں کی۔ حالانکہ جناب آدم ثانی نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کی ہلاکت کے لئے دعا فرمائی تھی اور ان سے کوئی مواخذہ نہ ہوا تھا۔

قوم یونس علیہ السلام کی معافی کا تجزیہ

واسطی نے لکھا ہے کہ جناب یونس علیہ السلام نے ظلم کی نسبت پاس ادب کی وجہ سے رب کریم کی طرف نہ فرمائی (اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حکیم وخبیر کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہے اور نہ وہ بلا وجہ کسی پر تشدد فرماتا ہے لہٰذا اس کی جانب ظلم کی نسبت درست ہی نہیں ہے) اور اپنے نفس کی جانب اس کی نسبت کی اور خود اپنی ذات کو اس کا مستحق سمجھا۔

اسی طرح حضرت آدم وحوا علیہما السلام کا یہ فرمانا ربنا ظلمنا انفسنا (پ ۸ ع ۹) اے ہمارے رب ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے کیونکہ ان دونوں کا اپنی منزل اول جنت کے علاوہ دوسری جگہ اتارا جانا۔ جنت سے اخراج اور دنیا کی سکونت کا سبب وہ خود بنے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ پر اعتراض کا جواب

حضرت داؤد علیہ السلام کے سلسلہ میں ان واقعات و قصص پر بھروسہ کرنا جو اہل کتاب سے منقول ہیں درست نہیں کیونکہ یہ مؤرخین تغیر و تبدل اور تحریف کرنے میں مشہور ہیں۔ ان مؤرخین کے اقوال کو بعض مفسرین نے اپنی تفاسیر میں نقل کیا ہے ان مرقومات پر عدم یقین کی وجوہ میں ایک وزنی دلیل یہ ہے کہ ان کی تائید میں نہ تو نص قرآنی سے ملتی ہے اور نہ کسی صحیح حدیث سے ان واقعات کی تائید ہوتی ہے۔

آیت قرآنی سے اس سلسلہ میں جو معلومات فراہم ہوئی ہیں وہ صرف یہ ہیں۔

وظن داؤد انما فتناہ فاستغفر ربہ وخر راکعا و اناب فغفرنا لہ ذالک و ان لہ عندنا لزلفی وحسن ماب (پ ع)	اور داؤد علیہ السلام نے خیال کیا کہ ہم نے انہیں آزمایا ہے۔ پس انہوں نے مغفرت طلب کی اور سر بسجود ہو گئے اور رجوع الی اللہ کیا تو ہم نے ان کی مغفرت فرمادی۔

ایک اور جگہ اس طرح فرمایا گیا انہ اواب یعنی وہ بڑا رجوع ہونے والا ہے اس تشریح کے بعد فتناہ کے معنیٰ اس طرح لئے جائیں گے کہ ہم نے انہیں آزمایا۔

جناب قتادہ نے اواب کے معنیٰ مطیع و فرمانبردار کے لئے ہیں جناب مصنف فرماتے ہیں یہ معنیٰ حقیقت کے مطابق ہیں۔

واقعہ داؤد علیہ السلام اور حضرات ابن عباس و ابن مسعود کی رائے

مفسرین گرامی قدر فرماتے ہیں کہ جناب داؤد علیہ السلام نے ایک شخص سے صرف یہ فرمایا تھا کہ میری خاطر اپنی عورت سے جدائی اختیار کر یا اس کو میری تحویل میں دے دے لیکن صرف اسی فقرہ پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو متنبہ فرمایا اور آپ کو دنیاوی امور سے غیر متعلق ہونے کی تلقین فرمائی لیکن انداز آگاہی و تلقین میں تنبیہ کا پہلو تھا اس واقعہ کے بارے میں صرف اتنی ہی بات ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

لیکن بعض اقوال کے مطابق آپ نے باقاعدہ اس عورت کے لئے ایک پیغام ہونے کے باوجود پیغام دیا تھا اور ایک قول کے مطابق اس کو پسند فرمایا تھا اور یہ چاہا تھا کہ وہ شخص شہید ہو جائے۔

واقعہ داؤد علیہ السلام اور سمر قندی

سمر قندی فرماتے ہیں کہ جس بات پر جناب داؤد علیہ السلام نے مغفرت کی دعا کی تھی وہ دو آدمیوں کے تنازعہ کے سلسلہ میں آپ کا فیصلہ تھا۔ آپ نے ایک فریق کے کہنے پر دوسرے سے یہ فرمادیا کہ اُس نے

تجھ پر ظلم کیا ہے ۔

اس سلسلہ میں ایک اور بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ آپ نے اپنی جان کے خوف اور آزمائش کے ڈر اور حکومت حاصل ہونے کے سبب سے مغفرت طلب کی تھی ۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ اور مفکرین اسلام کے اقوال

حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ کے سلسلہ میں ابونصر اور امام احمد بن تمام وغیرہ نے فرمایا ہے کہ اس واقعہ میں کوئی حقیقت نہیں ۔ داؤدی فرماتے ہیں کہ اوریا اور جناب داؤد علیہ السلام کا جو واقعہ مشہور ہے اس کے بارے میں کوئی ایسی صحیح روایت نہیں ملتی جس سے واقعہ کی صداقت کے بارے میں کوئی تحقیقی مواد مل سکے اور یہ بات بھی قرینِ قیاس نہیں ہے کہ کسی نبی کی جانب ایسی بدگمانی کی جائے کہ وہ اپنے مفاد یا اپنی محبت کی خاطر کسی مسلمان کی موت کو پسند کریں ۔

گذشتہ سطور میں جناب داؤد علیہ السلام اور دو شخصوں کے تنازعہ کے بارے میں کچھ کہا گیا ہے اس کے متعلق بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ دو شخص جناب داؤد علیہ السلام کی خدمت میں فیصلہ کے لئے حاضر ہوئے تھے یہ بکریوں کے بچوں کے سلسلہ میں جھگڑا کر رہے تھے اور یہی آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے ۔

حضرت یوسف اور بھائیوں کا واقعہ

فرزندان یعقوب علیہ السلام یعنی حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں کے سلسلہ میں جو باتیں کہی جاتی ہیں اس سلسلہ میں صرف ایک ہی بات بہت کافی و وافی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر اعتراض وارد نہیں ہوتا، اور جب ان کی ذات اعتراض سے ماورا ہے تو مواخذہ کیسا البتہ برادران یوسف علیہ السلام کا منصب نبوت پر فائز ہونا ہی محل نظر ہے لہٰذا ان کے افعال پر بحث کرنا عبث ہے ۔

قرآن کریم میں اسباط کے ذکر کی وجہ : قرآن کریم میں اسباط کا تذکرہ انبیاء علیہم السلام

ساتھ کرنے کی توجیہہ مفسرین کرام نے یہ فرمائی ہے کہ اسباط کے ذکر سے یہ تصریح نہیں ہوتی کہ یہ بھی نبی تھے ان حضرات مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسباط سے مراد وہ نبی ہیں جو ان کی اولاد سے ہوئے۔

حضرت یوسف اور برادران کا واقعہ صغر سنی میں ہوا تھا

حضرت یوسف اور اور ان کے بھائیوں سے جو واقعہ منسوب ہے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ واقعہ جب پیش آیا تھا اس وقت یہ لوگ صغیر السن تھے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب سرزمین مصر پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کی ملاقات ہوئی تھی تو یہ لوگ ان کو پہچان نہ سکے تھے اور نص قرآنی بھی اس کی شہادت دیتی ہے۔

ارسل معنا غدا یرتع و نلعب۔ (پ ۱۲ ع ۱۲)	ان کو (یوسف علیہ السلام) کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ ہم ان کے ساتھ دوڑیں اور کھیلیں۔

(اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمانہ برادران یوسف کے لڑکپن کا تھا کیونکہ کھیل کود بھاگ دوڑ یہ تمام لڑکپن کی باتیں ہیں سن شعور کو پہنچنے کے بعد یہ باتیں ختم ہو جاتی ہیں اور احساس ذمہ داری ہو جاتا ہے) اور ان کی نبوت اس کے بعد ثابت ہوئی لہٰذا یہ واقعہ قبل نبوت یوسفی سے ہی متعلق ہو

حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کا واقعہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں زلیخا کے قصہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔

ولقد همت به وهم بها لولا ان رای برهان ربه (پ ۱۲ ع ۱۳)	زلیخا نے آپ کی جانب قصد کیا اور آپ نے اس کی طرف ارادہ کیا اگر وہ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے۔

اکثر فقہاء و محدثین کی تحقیق کے مطابق صرف ارادہ قلبی پر کوئی مواخذہ نہیں اور نہ یہ ارادہ۔

معصیت میں شمار ہوتا ہے تا آنکہ اس کا صدور ہو اور ہادی انسانیت محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کریم کا حکم اس طرح سنایا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب بندہ گناہ کا ارادہ کر کے اس پر عمل نہیں کرتا تو اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ اس فرمان الٰہی سے معلوم ہوا کہ صرف خواہش نفسانی پر کوئی مواخذہ نہیں۔

لیکن محققین فقہاء اور متکلمین کی تحقیق کے مطابق جب کسی کا ارادہ مستقل ہو اور قلب اس پر راسخ ہو جائے اور اس عمل کا صدور ممکن ہو اس وقت اس کو گناہ میں شمار کیا جائے گا اور جن امور پر قلب راسخ نہ ہو اور صدور گناہ کا اندیشہ نہ ہو وہ قابل مواخذہ نہیں اور یہی حق وصواب ہے لہٰذا حضرت یوسف علیہ السلام کا ارادہ جس کی جانب قرآن کریم میں اشارہ کیا گیا ہے اسی قبیل سے شمار ہوگا کیونکہ یہاں مجرد ارادہ کا ذکر ہے اور اس سے زیادہ کی تفصیل معلوم نہیں لہٰذا اس پر یا تو مواخذہ نہیں یا اعتراض نہیں ہو سکتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا اظہار برات

انبیاء علیہم السلام کی بعثت انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ہوتی ہے اور ان کا ہر فعل محبت و دلیل ہوتا ہے اس لئے یہ حضرات ہر اس فعل سے اجتناب فرماتے ہیں جس میں غلطی یا برائی کا شائبہ بھی ملتا ہو۔ قرآن کریم کی اس آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ فرمانا

وما ابرئ نفسی ان النفس	میں اپنے نفس کی برأت کا اظہار نہیں کرتا
لامارۃ بالسوء الا ما رحم	نفس تو برائی کی جانب رغبت دلاتا ہے
ربی ان ربی لغفور رحیم	مگر یہ کہ اللہ کا رحم شامل حال ہو بیشک
(پ ۱۳ ع ۱)	اللہ تعالیٰ رحمت و مغفرت فرمانے والا ہے

اس آیت کریمہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ میں اپنے نفس سے اس ارادہ کی برات نہیں کرتا اور ممکن ہے کہ آپ نے ازراہ تواضع یہ کلمات فرمائے ہوں اور مخالفت نفس آپ کے مد نظر ہو کیونکہ وہ (نفس) تو پہلے ہی سے منزہ اور مصفیٰ تھا) اور ایسا کیونکر نہ ہوتا کیونکہ انبیاء مراتب و کردار

اور اخلاق کے اعتبار سے بلند مراتب کے حامل ہوتے ہیں۔

جناب ابو عبیدہ نے فرمایا ہے کہ جناب یوسف علیہ السلام نے ارادہ کیا ہی نہ تھا بلکہ عبارت میں تقدیم وتاخیر ہے دراصل ماحول کا تقاضا یہ ہے کہ تقریر عبارت اس طرح ہوتی ولقد همت بہ ولولا رای برهان ربه هم بها۔ یعنی زلیخا نے حضرت یوسف کی جانب قصد کیا اور اگر آپ (یوسف علیہ السلام) اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے تو (شاید) آپ بھی قصد وارادہ فرماتے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالٰی نے زلیخا کے الفاظ کو اس طرح قرآن کریم میں نقل فرمایا ہے۔

(۱) ولقد راودته عن نفسه فاستعصم (پ ۱۲ ع ۱۴)	بے شک پھسلایا میں نے ان کو لیکن انھوں (حضرت یوسف علیہ السلام) نے اپنے آپ کو بچایا۔
(۲) کذالک لنصرف عنه السوء والفحشاء (پ ۱۲ ع ۱۳)	اور اس طرح ہم اس (یوسف علیہ السلام) سے برائی اور بے حیائی کو دفع کرتے ہیں۔
(۳) وغلقت الابواب وقالت هیت لک قال معاذ الله ان ربی احسن مثوای انه لا یفلح الظالمون (پ ۱۲ ع ۱۳)	اور زلیخا نے دروازہ بند کر کے کہا آؤ میں تم سے کہتی ہوں لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا اللہ کی پناہ وہ میرا رب ہے جس نے مجھ کو اچھی طرح رکھا ہے

ربی کی تفسیر

ربی کی تفسیر میں مختلف مفسرین کے مختلف اقوال منقول ہیں۔ بعض نے اس سے ذات باری مراد لی ہے اور بعض نے بادشاہ کی جانب اشارہ کیا ہے (کیونکہ اس نے آپ کو انتہائی اعزاز واکرام کے ساتھ رکھا تھا)

هم بها کی تفسیر

هم بھا کے سلسلہ میں بعض حضرات اہل علم کا خیال یہ ہے کہ جناب یوسف علیہ السلام نے زلیخا کو تنبیہ وتہدید کی اور پند ونصیحت فرمائی۔ بعض مفسرین نے یہ تفسیر بھی کی ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے خود کو زلیخا سے باز رکھا تو آپ کے اس طرز عمل سے اس کو رنج وملال

ہوا لیکن بعض اقوال میں اس کی مختلف تاویلات ملتی ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے زلیخا کی جانب غصہ سے دیکھا تو اس کو رنج ہوا یا اس موقعہ پر جب یوسف علیہ السلام نے زلیخا کو دھکا دے کر اپنے سے دور کر دیا تو اس کو رنج و ملال ہوا۔ محتاط حضرات نے فرمایا کہ یہ واقعہ حضرت یوسف کی بعثت سے پہلے کا ہے

بعثت یوسفی اور اس کی وجہ

بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ جمال یوسفی کو دیکھ کر زنان مصر حضرت یوسف علیہ السلام کی جانب شہوانی طور پر مائل ہو جایا کرتی تھیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو منصب نبوت پہ فائز فرما دیا جس کی وجہ جب کوئی عورت آپ کی جانب مائل ہوتی تھی تو چہرہ یوسفی کو دیکھتے ہی اس پہ رعب نبوت غالب آجاتا تھا اور جمال کے مشاہدہ سے غافل ہو جاتی تھی۔

جناب موسیٰ کلیم اللہ کا قبطی کو گھونسا مارنا

کلیم اللہ جناب موسیٰ علیہ السلام کا ایک قبطی کے گھونسا مارنے اور اس کے مرجانے کا واقعہ موضوع گفتگو رہا ہے اور دیگر کتابوں میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہاں جناب مصنف نے صرف اس موضوع پر بحث کی ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کی ذات اقدس پر جو اعتراض کیا جاتا ہے اس کا بطلان کیا جائے۔

جناب قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ مصنف کتاب فرماتے ہیں کہ اس اعتراض کا جواب تو آیت قرآنی سے مل جاتا ہے۔ رب کریم نے خود ہی فرما دیا کہ وہ شخص جناب موسیٰ علیہ السلام کا دشمن تھا اور دفیعہ شر کے لئے جناب موسیٰ علیہ السلام نے اس کو گھونسا مارا۔ یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ گھونسا مارنے سے موت واقع نہیں جس کا ذکر تفصیلاً آئندہ آرہا ہے۔) سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ شخص جس کے جناب موسیٰ علیہ السلام نے گھونسا مارا تھا وہ قبطی دین موسوی کا منکر اور فرعون کا متبع تھا دیگر یہ کہ آیات قرآنی اس امر پہ دلالت کرتی ہیں کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے قبل واقع ہوا تھا لیکن جناب قتادہ کی تحقیق کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو لاٹھی سے پیٹا تھا یا ٹھوکے دیئے تھے جس کا ظاہری پہلو یہ ہے کہ آپ کا مقصد اس کو جان

سے مارنے کا نہ تھا۔ لہٰذا ان حالات میں آپ پر معصیت کا اطلاق کرنا غلط اور حقیقت کا انکار ہے

هذا من عمل الشیطان اور دوسری آیت کی تشریح

لیکن اگر معترض یہ کہے کہ جب صورت حال وہی تھی جس کی جانب اوپر کی سطور میں اشارہ کیا گیا ہے تو حضرت یونس علیہ السلام کا یہ کہنا هذا من عمل الشیطان (پ۲۰ ع ۵) یہ کام شیطان کے عمل سے ہوا ہے اور ظلمت نفسی فاغفر لی (پ۲۰ ع ۵) اے میرے رب ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے تو مجھے بخشدے کی کیا ضرورت تھی۔

نبی کا کوئی فعل حکم ربی کے بغیر نہیں ہوتا

ابن جریج نے فرمایا ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے یہ اقوال اس لئے ہیں کہ کسی نبی کے لئے یہ سزاوار نہیں کہ وہ کسی کو بلا حکم ربی قتل کر دیں۔ جناب نقاش نے کہا کہ آپ کا ارادہ اس کو جان سے مار ڈالنے کا نہ تھا بلکہ آپ نے اپنے دفاع میں اس کے گھونسہ مارا اور وہ قبطی (ضرب موسیٰ کی تاب نہ لاکر) مر گیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ بعثت موسوی سے پہلے کا ہے اور یہی مقتضائے آیت قرآنی بھی ہے۔

فتناک فتونا کی تفسیر

اس آیت کریمہ کی تفسیر کے سلسلہ میں مفسرین نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہیں آزمائش کے بعد ایک اور آزمائش میں ڈالا بعض اصحاب علم نے فرمایا اس سے مراد وہ امور ہیں جو فرعون اور جناب موسیٰ علیہ السلام کے درمیان واقع ہوئے بعض لوگوں نے اس کو چند واقعات پر محمول کیا ہے مثلاً جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عہد طفولیت میں تابوت میں ڈال کر دریائے نیل میں ڈالا گیا یا اس کے علاوہ اور دوسرے واقعات جو پیش آئے

فتناک اور محاورہ عرب

ابن جبیر اور مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے آپکو خالص کر دیا اور یہ تشریح اہل عرب کے محاورہ کے مطابق ہے انہیں جب چاندی کو میل سے صاف کرنا مقصود ہوتا تو وہ اس مفہوم کو ان الفاظ میں ادا کرتے تھے

فتنۃ الفضۃ فی النار میں نے آگ میں ڈال کر چاندی کو صاف کر لیا۔

فتنہ کے لغوی معنیٰ

فتنہ کے لغوی معنی آزمائش اور پوشیدہ شئے کو ظاہر کرنے کے ہیں مگر اصلاح میں اس کا استعمال امور مکروہہ میں ہو گیا ہے۔

جناب موسیٰ اور ملک الموت علیہم السلام

یہ واقعہ حدیث میں منقول ہے جس کی تفصیل سے قطع نظر صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس فعل پر تبصرہ مقصود ہے کہ جب جناب عزرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس صورت انسانی میں تشریف لائے اور اپنا مقصد ان الفاظ میں بیان کیا کہ میں آپ کی جان لینے آیا ہوں غضب موسوی کو یہ سننے کی تاب کہاں ملک الموت کے ایک طمانچہ مارا جس کی وجہ سے ان کی آنکھ حلقۂ چشم سے باہر آگئی (آخر حدیث تک)

اس واقعہ میں کوئی قابل اعتراض بات نظر آتی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذات پر ظلم و تعدی کا کوئی الزام نہیں لگتا کیونکہ جناب ملک الموت انسانی شکل میں آئے اور آپ کی جان لینے کا اظہار فرمایا لہٰذا جناب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی مدافعت میں ایسا کیا اور یہ بات ظاہر و باہر ہے کہ ایسے مواقع پر ہر شخص ایسا ہی کرتا ہے۔

اس کے علاوہ اگر یہاں یہ اعتراض کیا جائے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت حضرت عزرائیل کو پہچانا کیوں نہیں تو یہ بھی کوئی قابل اعتراض بات نہیں بہت سے مواقع پر ایسا ہوتا ہے کہ انعطاف توجہ نہ ہونے کی وجہ سے بادی النظر میں کوئی شخص کسی کو نہیں پہچانتا ہے لہٰذا جناب موسیٰ علیہ السلام کا طمانچہ مارنا خالصتاً مدافعانہ تھا۔

لیکن جب دوبارہ اپنے انداز میں تشریف لائے اور انہیں حکم ربی سے مطلع کیا تو جناب موسیٰ علیہ السلام نے امر ربی کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔

علمائے متقدمین و متاخرین نے اس حدیث کے سلسلہ میں جناب موسیٰ علیہ السلام کے اس طرز عمل کے بہت سے جوابات دیے ہیں جناب مصنف فرماتے ہیں کہ مجھے ان جوابات میں سب سے

بہتر جواب امام عبداللہ بازوری کا معلوم ہوتا ہے اور متقدمین میں سے ابن عائشہ کا جواب جس میں انہوں نے ملک الموت کو طمانچہ مارنے اور ان کی آنکھ پھوڑنے کی تاویل کی ہے (کہ وہ جناب موسیٰ علیہ السلام) ملک الموت سے حجت و دلیل میں غالب آ گئے اور انہوں نے ان کی دلیل کی آنکھ پھوڑ دی یعنی اس کو بے رونق کر دیا۔ اور یہ بات لغت اور محاورہ میں مستعمل ہے (یعنی آنکھ پھوڑنے کا واقعہ فی الحقیقت ظہور پذیر نہیں ہوا) اور معاملہ بات چیت تک محدود رہا اور ایک دوسرے کو اپنی دلیلوں سے قائل کرتے رہے حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی دلیلوں کی وجہ سے غالب آ گئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی ذات اقدس پر اعتراض کا جواب

آیئے اب حضرت سلیمان علیہ السلام کی ذات اقدس پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان کے بارے میں جائزہ لیں اور ان کے افعال کو جو معصیت میں مبتلا ظاہر کیا گیا ہے اس پر روشنی ڈالیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ وہ آیت جس سے معترض دلیل لاتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمائش میں مبتلا فرمایا اور اسی آزمائش کو گناہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ آیت کریمہ یہ ہے۔

ولقد فتنا سلیمان (پ ۲۳ ع ۱۲) — اور بے شک ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کو آزمائش میں ڈالا۔

واقعہ سلیمان علیہ السلام اور سرور عالم کا ارشاد گرامی

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ آج شب کو میں اپنی سو یا ننانوے (شک راوی) عورتوں سے ہمبستری کروں گا[1] اور ان سب کے ایسے فرزند تولد ہوں گے جو سوار ہو کر راہ ربی میں جہاد کریں گے۔

---

[1] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ادیان سابقہ میں بیویوں کی تعداد پر پابندی نہ تھی یا شریعت کی مقرر تعداد کے علاوہ بقیہ عورتیں آپ کے حرم میں تھیں۔

اس موقعہ پر آپ کے ایک صحابی نے عرض کیا کہ آپ انشاء اللہ بھی تو فرمادیں لیکن آپ نے اس موقعہ پر انشاء اللہ نہ فرمایا لیکن اس شب میں صرف ایک عورت حاملہ ہوئی لیکن جب اس کے یہاں ولادت ہوئی تو وہ بچہ بھی ناقص الخلقت تھا۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام اس وقت انشاء اللہ کہہ دیتے تو یقیناً ویسی ہی اولاد پیدا ہوتی جس طرح آپ (حضرت سلیمان علیہ السلام) چاہتے تھے

حدیث نبوی اور لفظ شق

حدیث نبوی میں لفظ شق رجل استعمال ہوا ہے۔ اس کے بارے میں محدثین ومفسرین نے فرمایا ہے کہ شق رجل سے مراد وہ گوشت کا لوتھڑا ہے جس کو کرسی جیسی چیز پر ڈال کر آپ کے (سلیمان علیہ السلام) کے سامنے پیش کیا گیا تھا تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ یہ آپ کی محنت و مشقت کا ثمرہ ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ بچہ مر گیا تھا جس کو مردہ حالت میں کرسی پر ڈال کر آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا لیکن کسی صاحب کا قول یہ بھی ہے کہ جناب سلیمان علیہ السلام نے اس پر حرص و تمنا کی تھی بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ نے غلبہ حرص و تمنا میں انشاء اللہ نہ کہا تھا۔

ان اعتراضات کے بارے میں ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ جناب سلیمان علیہ السلام نے یہ چاہا تھا کہ ان کے سسرالی یا ننھالی اعزہ کا حق دشمنوں کو تسلیم ہو جائے لیکن اس کی عقوبت یہ ملی کہ آپ کا ملک مسلوب کر لیا جائے۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ آپ کی بعض ازواج سے کسی غلطی کا ارتکاب ہوا جس کے نتائج آپ کو بھگتنا پڑے۔

شیطان انبیاء کی صورت اختیار نہیں کر سکتا

بعض مورخین نے یہ کہا ہے کہ شیطان نے جناب سلیمان علیہ السلام کی شکل میں آکر آپ کے ملک پر قبضہ کر لیا اور ظلم وستم کا بازار گرم کیا جس سے رعایا میں خوف وہراس پھیل گیا لیکن یہ روایت درست نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اس سے معصوم بنایا ہے کہ شیطان انبیاء کی شکل وصورت میں متشکل ہو سکے لہٰذا جن مورخین نے

نے یہ لکھا ہے وہ غلط ہے۔

جناب سلیمان علیہ السلام کی انشاء اللہ نہ کہنے کی وجوہ

گذشتہ سطور میں جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس قول کے بارے میں جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ آج شب میں سو یا ننانوے عورتوں سے ہمبستری کروں گا لیکن اس موقعہ پر آپ نے انشاء اللہ نہ کہا تھا باوجودیکہ ایک شخص نے آپ کو اس کی جانب توجہ بھی دلائی تھی اس کی کئی وجوہ ہیں۔

(۱) آپ اس وقت انشاء اللہ کہنا بھول گئے۔

(۲) آپ نے اس رفیق کے یاد دلانے کے باوجود جو آپ نے انشاء اللہ نہ کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اس کی بات سنی ہی نہ تھی۔

(۳) یا آپ کسی اور بات کی طرف متوجہ ہو گئے تھے جس کی وجہ سے اس شخص کی بات گفتگو میں دب گئی تھی۔

ھب لی ملکا کی تشریح

حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ خواہش جس کا اظہار قرآن کریم کی اس آیت میں منقول ہے وھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی (پ ۲۳ ع ۱۲) اے میرے رب مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لئے سزاوار نہ ہو۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ تمنا دنیا طلبی یا اس سے رغبت کی بنا پر نہ تھا بلکہ مطمح نظر یہ تھا کہ آپ کو ایسا ملک عطا ہو جس پر کسی دوسرے کا حق نہ ہو کیونکہ ایک قول کے مطابق آپ کے زمانہ ابتلاء میں شیطان نے آپ کی مملکت پر غلبہ حاصل کر کے وہاں جور و ستم کا بازار گرم کیا تھا۔ بلکہ اس سلسلہ میں یہ جواب زیادہ قرین قیاس ہے کہ اس تمنا اور آرزو سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ بارگاہ الہٰی سے مجھے ایسی خصوصیت عطا ہو جائے جس میں مجھے انفرادیت حاصل ہو جو میری فضیلت کا سبب ہو اور یہ تمنا کوئی انوکھی نہ تھی اس سے قبل دوسرے انبیاء کو یہ خصوصیات حاصل ہوئی تھیں مثلاً ماضی

میں جناب سلیمان علیہ السلام کے والد حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ انفرادیت حاصل تھی کہ ان کے ہاتھ میں لوہا موم کی طرح نرم ہو جایا کرتا تھا لہٰذا سلیمان علیہ السلام نے اگر اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ اگر یہ خصوصیت مجھے بھی حاصل ہو جائے تو میری نبوت کے ثبوت کے لئے معجزہ بھی بنے کوئی تعجب کی بات نہیں اور مستقبل میں بھی یہ خصوصیات دوسرے انبیاء کو عطا ہوئیں۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام کو مردوں کے زندہ کرنے کا معجزہ عطا ہوا اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت عظمیٰ سے سرفراز فرمایا گیا اسکے علاوہ اور بہت سی خصوصیات ہیں جو دوسرے انبیاء کو حاصل ہوئی تھیں

آدم ثانی جناب نوح علیہ السلام کے اہل کے بارے میں وضاحت

اس سلسلہ میں یہ بات قابل توجہ و لحاظ ہے کہ جناب نوح علیہ السلام نے ظاہر کلام کی جانب توجہ فرمائی انہیں خطاب باری اس طرح ہوا تھا جس میں آپ کو یہ حکم تھا کہ آپ جانوروں کی جملہ اقسام میں سے ایک ایک جوڑا (نر و مادہ) اور اپنے اہل و عیال کو لے کر کشتی میں چلے جائیں۔ ظاہر ہے کہ نوح علیہ السلام نے حسب ارشاد ربانی عمل کیا لیکن مقتضائے عبادت کے مطابق آپ تشریح و توضیح کے طالب ہوئے ایسا نہیں کہ آپ کو وعدہ الٰہی میں خدانخواستہ کوئی شک تھا۔

کافر مومن کا اہل نہیں ہو سکتا

جناب نوح علیہ السلام نے جس بات کی تشریح و توضیح طلب کی اس کے بارے میں ارشاد الٰہی ہوا انہ لیس من اهلک یعنی وہ اپنے کفر کے سبب آپ کے اہل میں سے نہیں اور اسی وجہ سے نجات کا حقدار بھی نہیں ہے علاوہ ازیں اپنے کفر کے علاوہ اس کے اعمال بھی اچھے نہیں لہٰذا وعدہ الٰہی کے مطابق وہ انعام خداوندی کا اہل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جناب نوح علیہ السلام کو بتایا تھا کہ وہ منکرین و ظالمین کو غرقاب فرمائے گا اور آپ کو اس سلسلہ مزید سوال کرنے سے منع فرمایا۔

لیکن جب نوح علیہ السلام نے اس بارے میں سوال فرمایا اور تشریح و توضیح چاہی تو آپ کو

اس ممانعت کا خیال آیا کہ ہم نے ایسا سوال کیا ہے جس کے بارے میں مجھے اذن سوال نہ تھا تو آپ متفکر ہوئے اور آپ کو اندیشہ مواخذہ لاحق ہو گیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کو بیٹے کی بے راہروی کا علم نہ تھا

نقاش نے لکھا ہے کہ جناب نوح علیہ السلام کو اپنے بیٹے کے کفر اور دینی بے راہ روی کا علم نہ تھا۔

اس آیت کی تاویل میں بہت سے اقوال اور بھی منقول ہیں لیکن حضرت نوح علیہ السلام کی اس بات کے علاوہ اور کوئی بات ایسی نہیں ملتی جس سے آپ کے بارے میں کسی اعتراض کا موقع میسر آئے اور اس سلسلہ میں بعض ارباب علم نے یہ فرمایا ہے کہ جناب نوح علیہ السلام کو اگر اس بارے میں سوال کی اجازت نہ تھی تو آپ کو سوال کرنے کی ممانعت بھی نہیں کی گئی تھی لہٰذا اگر آپ نے سوال کیا تو ایسی قابل اعتراض بات نہیں۔

ایک نبی کا چیونٹیوں کو مارنا

اللہ رب العالمین کے ایک نبی کا واقعہ حدیث میں نقل کیا گیا ہے کہ ان کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا تو ان نبی نے چیونٹیوں کی ساری آبادی کو تباہ کر دیا اس پر ان سے اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے تو صرف ایک چیونٹی نے کاٹا تھا تم نے سب کو کیوں تہس نہس کر ڈالا اور انہیں جلا دیا جو تسبیح الٰہی میں مشغول رہتی تھیں۔

اس حدیث کے مضمون سے ایسی کوئی بات ظاہر نہیں ہوتی جس سے ان نبی پر معصیت کا الزام آتا ہو بلکہ انہوں نے ضرورت اور حالات کے مدنظر ان کی ایذا سے محفوظ کرنے کے لئے ایسا کیا تھا تاکہ ایذا رساں مخلوق کو ختم کر دیا جائے تاکہ آئندہ کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

اس سے کیا یہ بات ظاہر نہیں کہ جب ان مقدس نبی نے ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا تو چیونٹی نے ان کو کاٹ کھایا تو وہاں سے دوسری جگہ اس لئے منتقل ہوئے تاکہ آئندہ اس کے شر سے محفوظ ہو جائیں اور کلام الٰہی سے بھی کوئی ایسی بات نہیں معلوم ہوتی جس سے ان

نبی کی معصیت کا اظہار ہوتا ہو۔ بلکہ اس سے تو اس کے برخلاف صبر و تحمل کا درس ملتا ہے۔

لئن صبرتم لھو خیر للصابرین (پ ۱۴ ع ۲۳) — آج تم صبر کرو تو یہ یقیناً صبر کرنیوالوں کے لئے بہتر ہے۔

ان حالات میں ان نبی کا یہ فعل بظاہر اس لئے تھا کہ وہ آئندہ چیونٹیوں کے شر سے محفوظ ہو جائیں کیونکہ ان کی سرشت میں کاٹنا ہی ہے لہٰذا حفظ ماتقدم کے طور پر ایسا کیا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں علاوہ ازیں اس بارے میں کوئی ایسا حکم انہیں نہیں ملا تھا جس سے اس کی ممانعت ظاہر ہوتی اور نہ اس سلسلہ میں کوئی الٰہی آئی تھی اور نہ ان نبی سے اس فعل پر توبہ و استغفار ہی مسموع ہوا (واللہ اعلم)

سرکار دو عالم علیہ السلام کے ایک فرمان کی تشریح

یہاں اگر یہ سوال کیا جائے کہ سرکار دو عالم علیہ السلام کے اس فرمان کی کیا تاویل ہوگی جس میں کہ حضور نے فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں جس نے ارتکاب گناہ نہ کیا ہو یا گناہ کے قریب نہ گیا ہو سوائے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے۔

اس سلسلہ میں وہی جواب کافی و وافی ہے جو ان معصیتوں کے بارے میں گذرا جو انبیاء علیہم السلام سے منسوب کی گئی ہیں کہ یہ گناہ بلا قصد سہو و نسیان کی وجہ سے سرزد ہوئے۔

چودھویں فصل

اعتراف معصیت کے اسباب

انبیاء علیہم السلام سے متعلق منسوب معاصی و گناہ کے بارے میں محققین و مفسرین کے اقوال اور ان کے مناسب جوابات کے بعد آیت قرآنی وعصیٰ آدم ربہ فغویٰ اور احادیث صحیحہ سے جو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام تضرع الحاح و زاری میں مشغول رہے اور اپنے گناہوں سے توبہ و استغفار کرتے اور اپنی لغزشوں کا اعتراف بھی کرتے رہے اس کی وجوہ کیا ہیں

اور کیا یہ ممکن ہے کہ جو شخص ارتکاب گناہ نہ کرے وہ خائف ہو اور توبہ و استغفار میں بھی مشغول ہو۔

مصنف فرماتے ہیں کہ توفیق الٰہی ہم سب کے شامل حال ہو موضوع زیر بحث کے سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام بلند رتبہ پر فائز ہوتے ہیں۔ وہ معرفت الٰہی اعلیٰ مدارج پر فائز ہونے سنت بندگان خالق و مالک سے واقفیت اس کی عظمت، غلبہ۔ قوت۔ ہیبت۔ اس کی مضبوط گرفت اس کی طاقت کے عرفان کا حصول یہ تمام امور ان کو۔ خوف، خشیت اور اندیشہ گرفتِ باری پر برانگیختہ کرتے رہتے تھے اور انہیں ہر وقت مواخذہ کا ڈر رہتا تھا حالانکہ ایسے امور میں غیر انبیاء پر مواخذہ نہیں ہوتا لیکن یہ نفوس قدسیہ ایسے امور کے بارے میں خوفزدہ رہتے تھے جن کے بارے میں نہ تو ان کو کوئی حکم دیا گیا تھا اور نہ کسی قسم کی مخالفت وارد ہوتی تھی لیکن بعض ایسے امور میں ان سے مواخذہ بھی کیا گیا اور معتوب بھی ہوئے اور انہیں مواخذہ سے بھی ڈرایا گیا۔

حالانکہ یہ حضرات یا تو بر سبیل تاویل و سہو یا امور مباح کی طلب میں دنیاوی امور کے مرتکب ہوئے تھے اور اس وجہ سے ہمہ وقت لرزاں و ترساں رہتے تھے۔

نزدیکاں را بیش بود حیرانی

حالانکہ یہ امور جو گناہ میں شمار کئے گئے وہ ان کے مدارج علیا کی مناسبت سے ہیں اور ان حضرات کے کمال طاعت کی وجہ سے ان کو معاصی سے تعبیر کیا گیا ورنہ عوام کے گناہوں کی طرح گناہ اور معاصی نہیں کہے جا سکتے ہیں۔

ذنب (گناہ) کے معنیٰ

ذنب گناہ کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے جو اچھے معنی نہیں لیکن لغت میں اس سے کسی شئے کی تلچھٹ اور آخر میں بچ جانے والی چیز مراد ہوتی ہے اسی طرح بُرے آدمی کو اذناب الناس کہتے ہیں گویا یہ اشخاص اپنے اپنے افعال کے لحاظ سے بدترین ہیں

انبیاء علیہم السلام اپنے عادات اخلاق کردار کے اعتبار سے اعلیٰ مراتب و مدارج کے حامل

ہوتے ہیں ان کے افعال و اقوال ان کے ظاہر و باطن اذکار جلی و خفی سے آراستہ اور خشیت الٰہی سے لبریز ہوتے ہیں اور ان کی کیفیات ترقی کرتی رہتی ہیں جبکہ دوسرے لوگ فواحش کبائر اور خواہشات نفسانی میں ملوث رہتے ہیں ۔

جو باتیں انبیاء علیہم السلام کی لغزشیں کہی جاتی ہیں وہ غیر انبیاء کے لئے نیکیوں میں شمار ہوتی ہیں اور مشہور ضرب المثل کے مطابق حسنات الابرار سیئات المقربین نیکوں کے اعمالِ خیر مقربین بارگاہِ الٰہی کی برائیاں ہیں یہ حضرات اپنے اعلیٰ مراتب کے لحاظ سے ان اچھائیوں کو بھی برائیوں کی طرح سمجھتے ہیں ۔

یہی حال عصیان و ترک مخالفت کا ہے لہٰذا الفاظ کے اعتبار سے کسی قسم کا سہو و تاویل ان نفوس قدسیہ کے لئے مخالفت اور ترکِ عمل ہے ۔

غویٰ کے معنی مذکورہ بالا سطور کی روشنی میں اب غویٰ کے معنیٰ بے خبری کے کئے جائیں گے اور جناب آدم علیہ السلام کے سلسلہ میں آیت کا ترجمہ اس طرح کیا جائے گا کہ حضرت آدم علیہ السلام اس درخت کے تعیّن میں بے خبر ہو گئے کہ یہ وہی درخت ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے ۔

غی کے معنی غی کے معنی جہل ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کے سلسلہ میں بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ آپ سے جنت میں خلود و دوام (یعنی ہمیشہ کے لئے) کے شوق میں یہ لغزش سرزد ہوئی تھی لیکن جب انہوں نے اس درخت سے کچھ کھا لیا تو ان کی آرزوئیں پوری نہ ہوئیں ۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا رفیق قید خانہ سے فرمانا

حضرت یوسف علیہ السلام سے صرف اتنی سی بات پر مواخذہ کیا گیا کہ آپ نے قید خانہ کے ایک ساتھی سے فرمایا تھا

اذکرنی عند ربک فانساہ — میرا تذکرہ اپنے رب کے سامنے کرنا

الشیطان ذکر ربه فلبث فی السجن بضع سنین ۔ (پ ۱۲ ع ۱۵)	تو شیطان نے اس کو بادشاہ کے سامنے ان کا (یوسف علیہ السلام) تذکرہ کرنے سے بھلا دیا لہٰذا آپ قید خانہ میں چند سال رہے ۔

اس بارے میں محققین نے مختلف انداز میں اپنی آرار کا اظہار فرمایا ہے ۔

(۱) جناب یوسف علیہ السلام کو ذکر الٰہی سے بھلا دیا گیا۔

(۲) اس شخص کو جس سے قید خانہ میں جناب یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے تذکرہ کرنے کو کہا تھا بھلا دیا گیا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یوسف علیہ السلام اس شخص سے یہ نہ فرماتے تو وہ اتنے طویل عرصہ تک جیل خانے میں نہ رہتے۔

(۳) ابن دینار فرماتے ہیں کہ جب یوسف علیہ السلام نے یہ الفاظ فرمائے تو ان سے کہا گیا تھا کہ تم نے میرے (اللہ تعالیٰ) کے سوا دوسرے کو وکیل بنایا اور اس کے ذریعہ بادشاہ تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی) لہٰذا اب تمہیں قید میں زیادہ عرصہ رہنا پڑے گا اس وقت یوسف علیہ السلام نے عرض کیا تھا۔ خداوندا بلاؤں کے اژدہام نے مجھے یہ بات بھلا دی تھی۔

بعض اہل علم نے اس سلسلہ میں اپنی تحقیق کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے کہ انبیار علیہم السلام سے ان کے علو مرتبت کے سبب ادنی ادنی بات پر بھی مواخذہ کیا جاتا ہے اور دوسرے انسانوں سے باوجود ان کی گوناگوں خطاؤں کے درگذر کیا جاتا ہے اور ان کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا جاتا ہے

اس موضوع پر ہم نے دو گروہوں کے اقوال بیان کئے ہیں ان میں سے ایک گروہ نے فریقِ اول کے قول سے استدلال کیا اور ہماری اس تحریر پر اعتراض کیا کہ جب انبیار علیہم السلام سے ان کے سہو و نسیان پر بھی مواخذہ ہوتا ہے (اور ہماری اس عبادت پر اعتراض کیا کہ ان کے یعنی) انبیاؑ کے مراتب بھی بلند اور اعلیٰ ہیں لہٰذا یہ مواخذہ ان کے حق میں دوسروں کے مقابلہ میں سخت ہوگا

جناب مصنف فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں عزت عطا فرمائے اس تحریر سے ہمارا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ انبیاء اور غیر نبی کے مواخذہ میں کوئی مناسبت ہے یا وہ دوسروں کی برابر ہوتا ہے اس طرح سے ہمارا مطمح یہ ثابت کرنا تھا کہ ان حضرات پر جو دنیا میں مواخذہ ہوتا ہے وہ ان کے علو مرتبت کے لئے کیا جاتا ہے اور اس کی شہادت آیات قرآنی سے ملتی ہے

فغفرنا لہ ذالک (پ۲۳ ع ۱۱) تو ہم نے ان کی لغزش کو معاف فرمادیا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بارگاہ احدیت میں عرض کیا تبت الیک میں نے تیری طرف رجوع کیا اور توبہ کی تو ان کے علو مرتبت کے اظہار کے لئے رب تعالیٰ نے فرمایا۔

انی اصطفیتک علی الناس برسالتی وبکلامی (پ۹ ع ۷) ہم نے تم کو لوگوں پر اپنی رسالت اور کلام سے برگزیدگی عطا فرمائی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش کے بعد انابت و رجوع کے سلسلہ میں ارشاد ربانی ان الفاظ میں ہوا۔

فسخرنا لہ الریاح (الی) حسن مآب (پ۲۳ ع ۲) ہم نے ان کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا (آخر آیت حسن مآب تک)

بعض ارباب علم و تحقیق نے فرمایا ہے کہ یہ لغزشیں بظاہر تو لغزشیں ہی معلوم ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں وہ ان کی کرامتیں اور تقرب کا ذریعہ بنتی ہیں اور یہی بات ہم نے پہلے بھی بیان کی ہے

اس کے علاوہ ایک بات اور بھی ہے کہ یہ حضرات اس واسطے بھی مبتلاء مواخذہ ہوتے ہیں تاکہ ان کے مواخذہ کی وجہ سے دوسرے لوگ جو ان کے ہم مرتبہ نہیں متنبہ ہو جائیں کہ ایسی باتوں پر ان سے بھی مواخذہ ہو سکتا ہے۔ خواہ وہ خائف ہو کر حساب و کتاب پر اعتقاد بھی رکھیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر بجالاتے رہیں اور ایسی شخصیتوں سے سبق حاصل کریں جو اعلیٰ مناصب کے حامل ہوں اور ارتکاب معاصی سے معصوم ہو کر بھی ان سے مواخذہ ممکن ہے تو یہ بھی مصائب پر صبر کرنا سیکھیں اور جب انبیاء کا یہ حال ہو تو دوسروں کا کیا حال ہوگا۔

صالح مری نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ توبہ کرنے والوں کے لئے باعث تقویت ہے۔

یونس علیہ السلام کا واقعہ سرکارِ دو عالم صلّی علیہ وسلم کے لئے باعث عزت ہے

ابن عطا فرماتے ہیں کہ جناب یونس علیہ السلام سے متعلق واقعہ ان کی توہین و تنقیص کا سبب نہیں بلکہ اس واقعہ کا تذکرہ اللہ رب العالمین نے حضور علیہ السلام کی اظہارِ شان کے لئے فرمایا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے صبر و تحمل کی زیادتی کی تلقین ہے۔

گناہ کبیرہ سے اجتناب صغائر کی معافی کا سبب ہوتا ہے

بعض حضرات یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ کبائر سے اجتناب کرنے کی وجہ سے گناہ صغیرہ معاف ہوجاتے ہیں اور یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے معصوم ہیں۔ اب ان حضرات سے یہ الزامی سوال کیا جاسکتا ہے کہ آپ جو انبیاء علیہم السلام پر گناہ صغیرہ کی نسبت کرتے ہیں وہ گناہ کبیرہ سے اجتناب کی وجہ سے خود بخود معاف ہوجاتے ہیں لہٰذا اب انبیاء کرام سے مواخذہ کا کیا مطلب ہوگا اور ان حضرات کے ڈرنے اور ان کی توبہ کرنے کے کیا مفہوم و معنی ہوں گے اور انبیاء کے متعلق تو یہ بتا دیا گیا ہے کہ یہ حضرات مغفور ہیں یا یوں کہیں کہ اگرچہ گناہ فی الواقعہ موجود تھے تو وہ اب معاف ہوچکے۔

لہٰذا اب یہ حضرات جو جواب بھی دیں وہی ہم ان کے اعتراض کا جواب دے دیں گے کہ یہ مواخذہ ارتکاب کی وجہ سے نہیں بلکہ سہو و تاویل کی وجہ سے ہوا ہے۔

کثرت استغفار کی وجہ

اہل بصیرت فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے کثرت سے استغفار کرنے کی وجہ خشوع اور خضوع اور بندگی کے اظہار کے لئے تھا نہ کہ گناہوں سے استغفار کی وجہ سے، مزید برآں اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر بجا لانے کے لئے بھی۔ اور اس کی دلیل خود سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام

کا ارشادِ گرامی ہے۔ کہ مَیں گذشتہ اور آئندہ کے مواخذات سے مامون و محفوظ ہوں لیکن کیا مَیں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ اور حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ مَیں تم سے زیادہ خشیت الٰہی رکھتا ہوں اور تقوے کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔

حارث بن اسد فرماتے ہیں کہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کا خوف اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال اور اپنے اظہار بندگی کے لئے ہے ورنہ وہ تو تمام مواخذات سے مامون و محفوظ ہیں۔

بعض ارباب علم نے کہا کہ خشیت و خوف الٰہی کا اظہار تعلیم امت کے لئے تھا تاکہ یہ لوگ دیکھیں کہ جب یہ حضرات معصوم ہونے کے باوجود کثرت سے استغفار کرتے ہیں تو ہم بھی ایسا ہی کریں تاکہ یہ امر مسنون ہو جائے اور امت انبیاء علیہم السلام کا اتباع کرے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا اگر تمہیں بھی ان باتوں کا علم ہوتا جو مَیں جانتا ہوں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ تم لوگ ہنستے کم اور گریہ زاری میں زیادہ مشغول رہتے [1]

توبہ و استغفار کے معنیٰ اور ایک لطیف اشارہ اس سلسلہ میں صاحبانِ علم و بصیرت نے ایک لطیف نکتہ کی جانب اشارہ کیا ہے کہ اس سے مراد محبت الٰہی کی طلب ہے اور ان حضرات نے اپنے اس دعویٰ کی دلیل میں یہ آیتِ قرآن پیش کی ہے۔

ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین (پ ۲ ع ۱۲)	اور اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور خوب پاکیزہ رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہے

اس آیت کریمہ کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام کا استغفار توبہ و انابت اور رجوع میں مشغول رہنا محبت الٰہی کے حصول کے لئے ہوتا ہے۔ ایک بات یہاں قابل توجہ یہ ہے کہ یہاں استغفار (طلب مغفرت) کے معنیٰ توبہ کے ہیں اور خالق کائنات نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے گذشتہ اور آئندہ کی لغزشوں کی معافی کی خوشخبری کے بعد یہ بشارت سنائی۔ لقد تاب اللہ

---

[1] فلیضحکوا قلیلا ولیبکوا کثیرا۔ (مترجم)

علی النبی والمہاجرین والانصار۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مہاجرین اور انصار کی توبہ قبول فرمائی۔

اس بشارت کے بعد ایک اور مژدہ ان الفاظ میں سنایا گیا۔

فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا۔ — تو اپنے رب کی حمد و تسبیح کرو اور اس سے بخشش طلب کرو وہی توبہ قبول کرتا ہے۔

پندرھویں فصل

نبوت و رسالت کے حقوق اور ان کی اہمیت

قارئین کرام! مذکورہ بالا ابحاث سے حق آشکارا ہو گیا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ذات وصفات الہٰی کی بیخبری سے معصوم ہیں اور حضور علیہ السلام کی ذات اقدس سے کبھی اور کسی نہج پر وہ نسبت نہیں کی جا سکتی جو علم کے منافی ہو۔

نبوت کے بعد تو مذکورہ بالا باتوں کی نسبت حضور علیہ السلام کی جانب کرنے کی ممانعت عقلی ونقلی اور اجماعی دلائل سے ثابت ہے اور قبل نبوت سماعاً اور عقلاً ثابت ہے۔

اور نہ کوئی ایسی نسبت جو منافی علم ہو یا کوئی اور ایسی حالت جس میں کہ یہ شائبہ بھی ہو کہ امور شرعیہ جن کو حضور علیہ السلام نے مقرر فرمایا ہے یا وہ حکم ربی جو بذریعہ وحی آپ کو موصول ہوا اس کے ابلاغ میں ذرا بھی کمی ہوئی ہے اس کا اطلاق بھی جائز نہیں۔ اور یہ بات عقلاً نقلاً اور شرعاً ثابت ہے۔

بعثت کے وقت سے انبیاء خلف وعدہ سے معصوم ہیں

اس طرح یہ بات شرعاً عقلاً اور اجماعاً ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام وقت بعثت سے غلط بیانی اور جھوٹ سے قصداً اور بلا قصد منزہ و مبرہ اور

معصوم ہونا قطعی اور حتمی طور پر ثابت ہے، ارتکاب کبائر سے محفوظ ہونا اجماعاً، اور صغائر سے معصوم ہونا تحقیقی طور پر ثابت ہے۔

اور وہ امور تشریعی جن کو صاحب شریعت، ہادی انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لئے مشروع و مقرر فرمایا ہے۔ ان کے سلسلہ میں دائمی سہو، غفلت۔ ودامی غلطی اور نسیان کی نسبت بھی غلط ہے کیونکہ حضور علیہ السلام ان تمام امور سے منزہ اور مبرہ ہیں خواہ آپ حالت غضب میں ہوں یا حالت رضا و مسرت ہیں۔

اس تشریح کے بعد اب یہ لازم ہے کہ آپ کے اقوال و افعال کا اتباع کیا جائے اور ان پر نظم و ضبط اور استقامت کے ساتھ عمل کیا جائے اور اس استقامت کی مثال یہ ہے کہ جس طرح بخیل کسی چیز کو پکڑتا ہے اور اس کو کسی حالت میں نہیں چھوڑتا۔

معرفت احکام نبوی ذریعۂ نجات ہے

معزز قارئین آپ کے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ ان مذکورہ ابواب کی قدر کریں اور ان کے عظیم فوائد سے استفادہ کریں کیونکہ جو شخص ان امور سے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس کے لئے واجب و لازم ہیں یا آپ کے لئے نامناسب اور ممتنع ہیں ان سے اگر واقف نہیں تو ممکن ہے کہ ان باطل معتقدات سے جو حضور علیہ السلام کی جانب غلط طریقہ سے منسوب کئے جاتے ہیں مامون و محفوظ رہے۔ اور نہ اس کے لئے یہ ممکن ہوگا کہ وہ عصمت انبیاءً کے متعلق معلومات رکھ سکے۔ یا یہ کہ کن باتوں کی نسبت ان نفوس قدسیہ کی جانب کی جائے اور کن امور کی نسبت سے احتراز کیا جائے اگر خدا نخواستہ وہ ان امور میں ملوث ہو گیا تو لاشعوری حالت میں وہ ہلاکت میں پڑ جائے اور جہنم کے نچلے حصہ میں جا پڑے گا حالانکہ اس کو اپنے جرم کا علم بھی نہ ہوگا۔

بد اعتقادی کا مجرم دار البوار میں

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ان امور کی نسبت کرنا جو آپ کے لئے مناسب نہیں یا

آپ کی ذات اقدس سے ایسے امور کو متعلق کرنا جن کا جواز بے محل نظر آتا ہے۔ اس نسبت کرنے کو دار البوار (ہلاکت کے گڑھے) کا مستحق بنا دیتی ہے۔

غلط فہمی کا ازالہ اور سرورِ عالم علیہ السلام کا طرزِ عمل

ایک مرتبہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں معتکف تھے آپ کی خدمت میں ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اس وقت دو اشخاص نے انہیں دیکھا تو حضور علیہ السلام نے ان حضرات کو احتیاط کا حکم فرمایا اور یہ بتایا کہ یہ میری زوجہ (محترمہ ام المومنین حضرت) صفیہ ہیں۔

اس کے بعد حضور علیہ السلام نے ان اشخاص سے فرمایا کہ شیطان جسم انسانی میں دوران خون کے ساتھ دوڑتا ہے لہٰذا مجھے یہ خیال ہوا کہ تم لوگ غلط فہمی کی وجہ سے ہلاکت کا شکار نہ ہو جاؤ۔

غرض تشریح اور اس کا پہلا فائدہ

ناظرین کرام! گذشتہ فصلوں میں جو ابحاث ہم نے نقل کی ہیں ان سے ایک فائدہ تو یہ ہے کہ کوئی جاہل اپنی جہالت اور لاعلمی کے سبب اس بات کو نہ جانتے ہوئے یہ کہنے لگے کہ ان امور میں کلام فضول بیکار اور بے فائدہ ہے اور اس سلسلہ میں سکوت زیادہ انسب و افضل ہے لیکن آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ وہ فوائد جن کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کا اظہار نہایت ضروری اور اہم ہے۔

توضیح کا دوسرا فائدہ

اصول فقہ میں ان امور کی بہت ضرورت ہوتی ہے جن پر بکثرت مسائل موقوف ہوتے ہیں۔ جن کا علم فقہ سے تعلق نہیں۔ علاوہ ازیں ان کے سبب سے بہت سے مسائل میں فقہاء کے اختلاف سے گلوخلاصی ہو جاتی ہے۔

اصول فقہ کی اصطلاح "حکم"

اقوال و افعال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اصطلاح فقہ میں حکم کہا جاتا ہے۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ درحقیقت حکم فرمودات و اعمال نبوی علیہ التحیۃ والثناء ہی میں موقوف ہے اور یہ علم الاصول کا ایک عظیم باب

اور اس کی اصل ہے اور اس کی بنا رہی اس امر پر ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن امور کی تبلیغ فرمائی یا جن باتوں کی خبر دی اس میں آپ صادق تھے اور اس بات کو جاننا اور ماننا ضروری اور لازمی ہے علاوہ ازیں ان امور میں آپ کی ذات اقدس کی جانب سہو و نسیان کے شائبہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اس کے علاوہ یہ اعتقاد بھی ضروری ہے کہ آپ کی ذاتِ اقدس شرعی امور کی کسی مخالفت کے صدور سے معصوم و مامون اور محفوظ ہے۔

صغائر کا ارتکاب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گناہ صغیرہ کے ارتکاب کے سلسلہ میں اہل علم حضرات نے مختلف آراء کا اظہار کیا ہے اسی طرح امتثال افعال (یعنی بجا آوری) میں اختلاف آراء ملتا ہے جس کی تفصیل اصول فقہ کی کتابوں میں ملتی ہے اور ہم نے اس بحث کو طوالت کے خوف سے ترک کر دیا ہے۔

تیسرا فائدہ ان فصول[1] سے وہ مفتی اور قاضی (حاکم) حضرات استفادہ کرتے ہیں اور اس شخص کے بارے میں فیصلہ کرتے ہیں جو ان امور میں سے کسی ایک بات کو حضور علیہ السلام کی جانب منسوب کرتا ہے یا (عین کسی ایک سے حضور علیہ السلام کو متصف کرتا ہے اور اس حالت کسی فیصلہ کرنے کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اس بات کو جانے بغیر کہ کس چیز یا بات کی نسبت حضور علیہ السلام کی طرف کرنی جائز ہے اور کس کی نہیں اور کس بات پر علمائے امت کا اجماع ثابت ہے اور کس بات میں علماء مختلف الخیال ہیں لہٰذا وہ مفتی یا قاضی بغیر علم حاصل کئے اطمینان قلب کے ساتھ کوئی حتمی حکم صادر نہ کر سکے گا کیونکہ عدم علم کی وجہ سے اس کو یہ معلوم ہی نہ ہو گا کہ اس نے جو کچھ فیصلہ دیا ہے وہ مدح کا پہلو لئے ہوئے ہے یا اس میں نقص کی گنجائش ہے اگر وہ بغیر معلومات کے فیصلہ دے دے گا تو اس میں یہ گنجائش رہے گی کہ وہ یا تو ایک مسلمان کو قابل گردن زدنی قرار دے دے یا حقوق و حرمت نبوی علیہ التحیۃ والثناء کو پامال کرے۔

---

[1] وہ ابحاث جو مختلف فصول کے ذیل میں بیان کی گئی ہیں۔

علمائے امت نے جس طرح عصمت انبیاء کے بارے میں مختلف آراء کا اظہار کیا ہے اسی طرح علم اصول کے جاننے والوں نے عصمت ملائکہ کے سلسلہ میں مختلف اقوال بیان کئے ہیں۔

(۱۶) عصمت ملائکہ

مسلمانوں کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ تمام فرشتے مومن اور قابل قدر و منزلت ہیں اور علماء محققین کا اس پر اجماع ہے کہ رسل ملائکہ ان انبیاء کی طرح ہیں جو عالم بشریت کی ہدایت و رہنمائی کے لئے مبعوث ہوئے اور جن جن باتوں میں یہ انبیاء معصوم ہیں یہ رسل ملائکہ بھی معصوم ہیں اور یہ رسل ملائکہ احکام اسلامی انبیاء تک اسی طرح ذمہ داری کے ساتھ پہنچاتے ہیں جس طرح انبیاء علیہم السلام امتیوں تک تبلیغ احکام بہ با خوبی کرتے ہیں۔ اس طرح رسل ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام حکم عصمت میں مساوی ہیں۔

مرسل ملائکہ اور غیر مرسل کا موازنہ

رسل ملائکہ اور عام ملائکہ کی عصمت کے بارے میں دو رائیں ہیں۔ ایک جماعت عام ملائکہ کی عصمت کی قائل ہے اور وہ ان آیتوں سے استدلال کرتے ہیں۔

(۱) لا یعصون اللہ ما امرھم و یفعلون ما یومرون (پ ۲۸ ع ۱۹)	یہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے اور حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں۔
(۲) وما منا الا لہ مقام معلوم و انا لنحن الصافون و انا لنحن المسبحون۔ (پ ۲۳ ع ۹)	اور ہم میں ہر ایک کا مقام معلوم ہے بے شک ہم پر پھیلائے حکم کے منتظر ہیں اور بلاشک ہم اس (خدائے تعالیٰ) کی تسبیح کرنے والے ہیں۔
(۳) ومن عندہ لا یستکبرون عن عبادتہ ولا یستحسرون (پ ع)	اور اس کے پاس والے اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ وہ عبادت سے تھکتے ہیں۔
(۴) یسبحون اللیل والنھار لا	وہ شب و روز مصروف تسبیح رہتے ہیں

یفترون (پ ۱۷ ع ۲)

(۵) ان الذین عند ربک لا یستکبرون عن عبادتہ۔ (پ ۹ ع ۱۴) — بے شک وہ جو تیرے رب کے پاس ہیں اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے

(۶) کرام بررۃ (پ ۳۰ ع ۵) — عزت والے نیکوکار

(۷) لا یمسہ الا المطہرون۔ — اسے نہ چھوئیں مگر پاک وصاف ستھرے

ان استدلال کرنے والوں نے دوسرے سمعی دلائل سے بھی دلیل پکڑی ہے لیکن ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ یہ تمام خصوصیات رسل ملائکہ کی ہیں اور اپنے اس اعتقاد کے سلسلہ میں انہوں نے مورخین سیرت نگاروں اور مفسرین کے اقوال سے سند حاصل کی ہے جن کو ہم مزید دلائل کے ساتھ آئندہ تحریر کریں گے لیکن یہ بات محقق اور ناقابل تردید ہے کہ تمام ملائکہ معصوم ہیں اور ان کے بلند مراتب ہر اس کمزوری سے پاک وصاف ہیں جن سے ان کے اعلیٰ مراتب پر کوئی حرف آئے۔

عصمت ملائکہ کے موضوع پر کف لساں کیا جائے — جناب مصنف فرماتے ہیں کہ عصمتِ ملائکہ کے بارے میں ہم نے اپنے شیوخ کی طرف سے یہ اشارہ پایا ہے کہ یہ موضوع ایسا ہے جس پر کف لسان کرنا بہتر ہے اور اس موضوع پر بحث نہ کرنا ہی اچھا ہے۔

عصمت ملائکہ اور مصنّف کی رائے — جناب مصنّف فرماتے ہیں کہ میری رائے اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اس موضوع پر اظہار خیال بھی انہی فوائد کا حامل ہے جس طرح کہ انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ میں کہا گیا ہے (اور اس موضوع پر گذشتہ صفحات میں کافی بحث کی گئی ہے) البتہ اس موضوع پر صرف ملائکہ کے افعال واقوال کا استفسار کیا جائے کیونکہ یہ ہمارا موضوع نہیں۔

ہاروت وماروت کا واقعہ: جو حضرات عصمتِ انبیاء کے قائل نہیں وہ اپنے قول کے تائید

میں ہاروت و ماروت کا واقعہ پیش کرتے ہیں۔ یہ واقعہ دو طرح سے منقول ہے۔

(۱) مورخین کے ذریعہ سے مفسرین نے نقل کیا ہے۔

(۲) ان دونوں (فرشتوں) کے بارے میں ابتلار و آزمائش کی روایت کو حضرت علی و ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے

ناظرین کرام! اللہ تعالیٰ آپ کو عزت و حرمت سے سرفراز فرمائے آپ کی اطلاع کے لئے عرض یہ ہے کہ ان روایتوں میں سے کوئی روایت خواہ وہ درجہ صحت کو پہنچی ہو یا پایہ تصدیق کو نہ پہنچے وہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں۔ علاوہ ازیں یہ بات ایسی نہیں جس کو قیاس سے سمجھا جا سکے اور قرآن کریم میں منقول آیت کریمہ کی تفسیر کے بارے میں مفسرین نے مختلف آرا۔ کا اظہار کیا ہے۔

بعض علماء نے اس سلسلہ میں جو کچھ کہا اس کی اکثر سلف صالحین نے تردید کی ہے اور ان کے قول کا انکار کیا ہے اور اس موضوع پر ہم آئندہ بحث کریں گے۔

البتہ یہ بات پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہے کہ یہ اور دوسرے ایسے واقعات اسرائیلیات سے متعلق ہیں (اور اس سازش کی ایک کڑی ہیں جو یہودی اسلام کے خلاف کرتے رہے ہیں) اور انہیں میں سے ایک وہ واقعہ ہے جو وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی جانب منسوب کرتے ہیں البتہ یہودیوں کے اقتدار اور ان کے کفر کے بارے میں آیت کے ابتدائی حصہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

یہ واقعہ بہت سی برائیوں اور شناعتوں پر مشتمل ہے لہٰذا ہم اس واقعہ کے اشکالات کو رفع کرنے اور اصل واقعہ سے پردہ اٹھانے کی کوشش کریں گے تاکہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آجائے اور قیاس کی گنجائش باقی نہ رہے۔

ہاروت و ماروت کون تھے؟

یہاں ہمیں سب سے پہلے اس امر پر غور کرنا ہے کہ ہاروت و ماروت کون تھے؟ کیا انہیں فرشتوں میں شمار کیا گیا ہے؟ یا انسانوں میں؟ جب یہ بات ہی متعین نہیں تو ان پر کس طرح حکم لگایا جا سکتا ہے۔

آیتِ قرآنی اور اختلاف قرآن

آیت قرآنی میں ملکین (پ ا ع ۷) سے مراد دو فرشتے ہیں یا نہیں؟ اور اس میں حرف لام پر جو اعراب (زبر زیر پیش) آیا ہے وہ زبر ہے یا زیر اس کا تعین کرنا ہے تاکہ رفع اشکال کیا جائے اگر لام پر زبر مراد لیا جاتا ہے تو اس سے مراد فرشتے ہوں گے اور اگر لام کے نیچے زیر پڑھا جائے تو اس کے معنے دو بادشاہ لئے جائیں گے[1]۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی متعین کرنی ہے کہ وما انزل اور دوسری آیت وما یعلمان من احد (پ ا ع ۱۲) میں لفظ ما نفی کے لئے آیا ہے یا لہ ایجاب کے لئے استعمال ہوا ہے۔

تفصیل واقعہ

اس سلسلہ میں اکثر مفسرین نے فرمایا ہے کہ حقیقت حال یہ تھی کہ اللہ رب العالمین نے بندوں کا امتحان لینے کے لئے دو فرشتوں کو مقرر فرمایا اور اس کا طریق کار یہ مقرر فرمایا کہ وہ فرشتے بندوں کو جادو سکھائیں اور بندوں کو یہ بتائیں کہ جادو کا عمل کفر کا مستوجب ہوگا جو اس کو کرے گا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا اور جو اس عمل قبیح سے اجتناب اور احتراز کرے گا وہ مومن رہے گا اور اس سلسلہ میں ارشاد باری ہوا۔

انما نحن فتنۃ فلا تکفر (پ ا ع ۱۲)	کہ ہم بڑی آزمائش میں ہیں لہٰذا اپنا ایمان دیکھو۔

لہٰذا جو لوگ ہاروت و ماروت کے فرشتے ہونے کے قائل ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ ان کے پاس جو کوئی بھی جادو سیکھنے کے لئے آتا تھا یہ دونوں اس کو اس فعل سے منع کرتے اور بتاتے تھے کہ یہ عمل کفر کا سبب ہوتا ہے اس کی وجہ سے زن و شوہر کے درمیان افتراق اور جدائی ڈلوائی جاتی ہے اور ایسے ہی دوسرے کام کئے جاتے ہیں لہٰذا اس سے احتراز کرو اور اس چکر میں نہ پڑو جو ایمان جانے کا سبب بنے۔

اس تقدیر پر ان دونوں فرشتوں کا معمول لوگوں کو ڈرانا یا لوگوں کو تعلیم دینا اس عمل کی برائیوں

---

[1] عربی قواعد کی رو سے زبر اور پیش (فتح و ضمہ) اس حرف کے اوپر ہوتا ہے اور کسرہ یا زیر حرف کے نیچے ہوتا ہے (مترجم)

کا اظہار تھا جو عین طاعت الٰہی اور مامور بہ پر عمل کرنا تھا جس کو کسی حالت میں بھی معصیت نہیں کہا جاسکتا حالانکہ یہی فعل دوسروں یعنی ان لوگوں کے لئے جو ان کے کہنے سے اس عمل سے باز نہ رہتے تھے فتنہ اور امتحان تھا۔

خالد بن عمران اور ہاروت و ماروت کا تذکرہ

ابن وہب فرماتے ہیں کہ جناب خالد بن عمران کے سامنے جب کسی نے ہاروت اور ماروت اور ان کے جادو سکھانے کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا غلط اور بالکل غلط لم ینزل ہم ان دونوں کو اس سے بری جانتے ہیں۔ یہ جواب سن کر سائل نے اس آیت کریمہ وما انزل علی الملکین کے بارے میں تشریح و تفسیر معلوم کی تو آپ نے فرمایا کہ اس آیت کا مصداق یہ دونوں فرشتے نہیں ہیں۔

خالد بن عمران جیسی جلیل القدر علمی شخصیت ان دونوں فرشتوں کو تعلیم سحر سے بری قرار دیتے ہیں لیکن دوسرے ارباب علم کا کہنا یہ ہے کہ یہ دونوں فرشتے تعلیم سحر کے لئے ماذون تو تھے لیکن بایں شرط کہ وہ تعلیم دیتے وقت یہ بتادیں کہ یہ فعل مستوجب کفر اور اللہ کی جانب سے ابتلاء و آزمائش کا سبب ہے جب صورت حال یہ ہو تو ان دونوں فرشتوں سے ارتکاب کبائر اور کفر کی نفی کیونکر نہ کی جائیگی۔ اور ان فرشتوں کی عصمت کو کیونکر متحقق نہ کیا جائے گا اور مورخین کے قول کی تردید نہ کی جائے گی۔

اور جناب خالد نے یہ جو فرمایا ہے کہ لم ینزل اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ دوسری آیت میں جو وما انزل کے الفاظ آئے ہیں اس میں ما موجبہ نہیں بلکہ نافیہ ہے اور یہی سید المفسرین جناب ابن عباس نے فرمایا ہے

حاصل کلام یہ ہے

جناب مکی فرماتے ہیں کہ سحر کی نسبت جو شیاطین نے من گھڑت طور پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف کی اور یہود نے ان کی دیکھا دیکھی اس فعل میں ان کی تقلید کی وہ حضرت سلیمان کے کفر کا سبب بن سکتا ہے اور ان کے کہنے کے مطابق فرشتوں پر کسی شئے کا نزول ہوا۔

مکی ہی نے کہا ہے کہ یہود نے سحر لانے کے سلسلے میں جن فرشتوں کا ذکر کیا ہے وہ ان دونوں حضرات جبریل و میکائیل کو مراد لیتے ہیں اور ان کا یہ دعویٰ ویسا ہی ہے جیسا کہ انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے کیا تھا۔ اور اس سلسلہ میں کتاب ہدایت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے دعاوی کی تردید فرمادی۔

ولکن الشیاطین کفروا یعلمون الناس السحر (پ۱ ع ۱۳)	ہاں شیطان ہی مرتکب کفر ہوتے جو لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں۔

ہاروت و ماروت کی حقیقت کیا ہے؟

ہاروت و ماروت کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ یہ دونوں عالم انسانیت سے متعلق تھے جو لوگوں کو بابل کی سرزمین پر جادو کی تعلیم دیتے تھے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ہاروت و ماروت بابل کے دو پہلوان تھے اور انہوں نے آیت کریمہ وما انزل علی الملکین میں لام کے کسرہ کے ساتھ قرأت کی اگر جناب حسن کی قرأت کو درست تسلیم کیا جائے تو یہاں ما نفی کے لئے نہیں بلکہ موصولہ ہوگا جو ایجاب کے معنیٰ دے گا۔

عبدالرحمان بن ربزی نے ملکین کی قرأت کسر لام کے ساتھ کی لیکن انہوں نے ان دونوں بادشاہوں سے حضرات داؤد و سلیمان علیہم السلام کی ذات مراد لی ہے۔ اور ما کو نفی کے لئے قرار دیا اور اس سلسلہ میں یعنی ما کے مثبت و منفی ہونے کے بارے میں ہم نے گذشتہ صفحات میں بحث کی ہے۔

سمرقندی فرماتے ہیں کہ یہ دونوں بادشاہ بنی اسرائیل سے تھے جن کو تعلیم سحر کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے مسخ فرمادیا البتہ کسر لام کی قرأت شاذ اور قلیل الاستعمال ہے۔ اس طرح اس آیت کریمہ کو ابو محمد مکی کی تحقیق کے مطابق محمول کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ ان کی تحقیق کے مطابق فرشتوں کی بابت تمام اعتراضات رفع ہوجاتے ہیں اور ان کا دامن عصمت پاک وصاف

ہوجاتا ہے اور ہر برائی سے منزہ و مبرہ ہوجاتے ہیں۔

ملائکہ اور کلام الٰہی

اور اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی تعریف و توصیف میں مطھرون۔ کرام بررہ۔ اور لا یعصون۔ اللہ ما امرھم جیسے کلمات ارشاد فرما کر ان کی عزت افزائی فرما دی۔

ابلیس کی حیثیت

ابلیس کے سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ وہ فرشتوں میں سے تھا اور ان کا سردار بھی اس کے علاوہ اس کو خازن جنت ہونے کا بھی شرف حاصل تھا ان اعزازات علاوہ اس کے متعلق اور بہت سی باتیں مشہور ہیں کہ اس کو زمرہ ملائکہ سے خارج کیا گیا اور اس کی شہادت آیت قرآنی سے ملتی ہے۔

فسجدوا الا ابلیس (پ۱ ع۴) — تمام ملائکہ نے ماسوا ابلیس کے سجدہ کیا

یہ وہ موضوع ہے جس پر کہ اہل علم نے اتفاق نہیں بلکہ مختلف آراء کا اظہار کیا ہے بعض نے اس بات کی نفی کی ہے کہ وہ ابو الاجنہ تھا (بلا تمثیل تشبیہ) جس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام ابو البشر ہیں — یہ حسنؒ قتادہ اور ابن زید کی تحقیق ہے لیکن ابن حوشب فرماتے ہیں کہ ابلیس ان اجنہ میں سے تھا جنہیں فرشتوں نے زمین کی طرف ان کے فتنہ و فساد کرنے کی وجہ سے دھکیل دیا تھا۔

آیت کریمہ کا انداز

آیت کریمہ میں الا کا لفظ استثناء کے لئے آیا ہے جو غیر جنس کے لئے ہے اور یہ کلام عرب کے محاورہ کے مطابق ہے اور اس کا ثبوت اس آیت سے ملتا ہے۔

مالھم بہ من علم الا تباع الظن (پ ۶ ع ۲) — انہیں کچھ بھی خبر نہیں مگر صرف گمان کی پیروی کی بنا پر

ایک مشہور واقعہ کی تردید

یہ واقعہ بہت شہرت رکھتا ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی انہیں حکم الٰہی یہ تھا کہ وہ حضرت آدم

علیہ السلام کو سجدہ کریں لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا جس کی پاداشں میں انہیں جلادیا گیا اور یہی دوسروں کے ساتھ کیا گیا یہاں تک کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کر لیا لیکن ان میں صرف ابلیس ایسا تھا جس نے اب بھی حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا اور اس کی شہادت کلامِ الٰہی سے ملتی ہے۔

یہ ان واقعات میں سے ہے جس کی کوئی اصل نہیں بلکہ صحیح روایتوں سے ایسے واقعات کی تردید ہوتی ہے لہٰذا ہم ان فضولیات سے قطع نظر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ حقیقت حال کو جاننے والا ہے۔

دُوسرا باب

عوارض بشری امورِ دنیوی اور خصوصیات انبیاء علیہم السلام

گذشتہ صفحات میں ہم نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام اس خاکدان عالم پر لباس بشری میں تشریف لائے ہیں اس طرح ان کے اجسام اور ظاہری حالات تمام کے تمام انسانوں کی طرح ہیں اور ان اجسام پر آفات تغیرات، مصائب اور عوارض صحت وعلالت کا ظہور ممکن ہے اس طرح ان حضرات کو بھی موت کا ذائقہ چکھنا ہے غرضیکہ ان حضرات پر بھی عوارض کا دوسرے انسانوں کی طرح طاری ہونا جائز ہے اور اس عارضہ کے صدور کی وجہ سے ان کی ذات قدسیہ میں کسی نقص کا اطلاق نہیں ہوتا۔

نقص کی وجہ نقص کا اطلاق ایسے مواقع پر ہوتا ہے جبکہ اس کے مقابل دوسری چیز اس پہلی سے زیادہ اکمل واتم ہو اور اللہ تعالیٰ اس دنیا کے بسنے والوں کے لئے پہلے ایسے امور کو مقرر فرما دیا ہے کہ یہ عالم انسانیت کے بسنے والے اسی دنیا میں زندگی

کے لمحات گزاریں گے اور اسی خطۂ زمین پر جان جانِ آفریں کے سپرد کریں گے اور اسی خطۂ زمین سے دوبارہ اٹھائے جائیں گے (پ ۱۶ ع ۹) اور اللہ تعالیٰ نے تو عالم انسانیت کے رہنے والوں کو تغیر و تبدل پذیر بنایا ہے۔

چنانچہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم علیل بھی ہوئے آپ کو گرمی و سردی کا احساس بھی ہوا بھوک پیاس بھی لگی اور راحت و آرام، غم و غصہ سے بھی واسطہ ہوا۔ تکان اور ملال بھی ہوا۔ کمزوری اور کبرسنی بھی لاحق ہوئی۔ ایک مرتبہ آپ سواری سے گرے جس کی وجہ سے پہلو زخمی ہوا۔ جنگ احد میں اگلے چار دندان مبارک شہید ہوئے۔ آپ کو زہر بھی دیا گیا اور آپ پر جادو بھی کیا گیا اور آپ نے پچھنے بھی لگوائے۔ آپ نے جھاڑ پھونک بھی کیا اور اللہ سے پناہ بھی طلب کی پھر حیات ظاہری کا وقت مکمل ہوا اور اس حیات ظاہری کی تکمیل کے بعد اس دار المحن سے سفر آخرت فرما کر اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

یہ سب وہ بشری کیفیات ہیں جس سے چھٹکارا ممکن نہیں علاوہ ازیں حضور علیہ السلام سے پہلے معبوث ہونے والے انبیاء کو بظاہر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تکالیف سے واسطہ پڑا۔ چنانچہ انہیں قتل بھی کیا گیا۔ آگ میں ڈالا گیا۔ آرے سے بھی چیرا گیا۔ بعض نبیوں کی اللہ تعالیٰ نے بہت سے اوقات حفاظت بھی فرمائی اور ان میں وہ حضرات بھی شامل ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے غلبۂ کفار سے محفوظ فرمایا۔ مثلاً سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلبۂ کفار کے وقت حفاظت فرمائی غزوۂ احد کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے ابن قمہ کے ہاتھ کو حضور علیہ السلام پر حملہ کرنے سے روک لیا۔

طائف میں جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ دین کے لئے تشریف لے گئے اور کفار نے آپ پر حملہ کیا تو خالقِ کائنات نے ان کافروں کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ جب حضور علیہ السلام غار ثور میں پناہ گزین تھے تو اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ کی آنکھوں کو حضور علیہ السلام کو دیکھنے سے بے بس کر دیا۔

اسی طرح رب العالمین نے ہادی انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کو غورث کی تلوار۔ ابوجہل کے تیروں اور سراقہ کے گھوڑے سے محفوظ فرمایا۔

اگرچہ آپ مشیت ایزدی کی وجہ سے ابن الاعصم کی زہر خورانی سے محفوظ نہ ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہودیہ کے زیادہ تیز زہر سے نجات عطا فرمائی۔

مصائب و آلام میں ابتلاء کی وجہ

بعض محقق حضرات نے فرمایا کہ بعض اوقات انبیاء علیہم السلام کو ابتلاء و آزمائش میں ڈالا گیا اور بعض اوقات ان کو آفات سے محفوظ فرمایا گیا۔ اور یہ دونوں باتیں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی حکمت کو ظاہر کرتی ہیں تاکہ ان نفوس قدسیہ کا ان مواقع پر شرف اور ان کی بزرگی ظاہر ہو اور حکم الٰہی بھی ثابت ہو جائے علاوہ ازیں ان آزمائشوں اور آلام سے ان حضرات کی بشریت کا بھی اظہار ہو جائے اور ضعیف الاعتقاد قوتوں کے دلوں سے شکوک و شبہات بھی رفع ہو جائیں اور ان حضرات سے جو خارق عادت افعال اور معجزات ظاہر ہوتے ہیں۔ ان سے لوگوں میں گمراہی اور شکوک پیدا نہ ہوں جس طرح متبعین شریعت عیسوی شک و شبہ میں مبتلا ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ ان حضرات کی مشقت اور تکلیف اٹھانے کی وجہ سے امتیوں کی تسلی اور اعتقاد میں زیادتی کا سبب ہو جائے اور خود ان حضرات کے حق میں اجر و ثواب اور انعام و احسان الٰہی کا سبب قرار دے۔

بعض اہل علم حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ عوارض و تغیرات جن کا تذکرہ ما سبق میں کیا گیا ہے صرف ان حضرات کے اجسام بشریہ کے ساتھ خاص تھے جن سے جنسی مشاکلت کے سبب سے بشری مقاومت اور بنی آدم کی مخالطت مقصود ہے رہے باطنی حالات تو اس حالت میں وہ اکثر ان عوارض سے منزہ و مبرہ اور معصوم ہوتے ہیں اور ان کے حالات باطنی تو ان میں وہ حضرات ملائکہ سے خبریں حاصل کرتے ہیں اور حصول وحی کی وجہ سے باخبر ہوتے ہیں۔

حضور علیہ السلام ہماری طرح بشر نہ تھے

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو مجھے اپنے جیسا خیال نہ کرو اور میری ذات سے مماثلت کا تصور ذہن میں نہ لاؤ کیونکہ میری کیفیت تمہارے ظاہری حالات سے مختلف ہے میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا قلب بیدار رہتا ہے نیز حضور نے فرمایا کہ میری اور تمہاری کیا برابری

میں تو ایسی حالت میں وقت گذارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ میں خود نہیں بھولتا بلکہ مجھے اس لئے بھلا دیا جاتا ہے تاکہ اس کے نتیجہ پر میرا اتباع کیا جائے اور امت کے لئے میرا فعل سنت قرار پائے۔

حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کی روشنی میں یہ بات ظاہر ہو گئی کہ آپ کا باطن قلب و روح آپ کے جسم مبارک اور ظاہر حالت کے خلاف ہے اور جو مصائب و آلام آپ کی ذات کو پہنچیں مثلاً بھوک ضعف نیند بیداری وہ تمام کی تمام جسم ظاہر سے متعلق رہی ہیں اور ان تمام سے آپکا باطن محفوظ رہا ہے اسلیئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ حضور علیہ السلام کی حیثیت دوسروں (انسانوں) سے منفرد اور ممتاز تھی اور حضور علیہ السلام باطنی اعتبار سے دوسروں سے بالکل الگ اور جدا ہیں کیونکہ انسانوں میں سے اگر کوئی شخص سوتا ہے تو نیند اس کے جسم اور قلب پر بھی حاوی ہوتی ہے اس کے برخلاف حضور علیہ السلام حالت نوم اور بیداری میں ایک ہی طرح حاضر القلب رہتے تھے اور ان دونوں میں آپ پر کوئی فرق نہ ہوتا تھا۔ بعض روایتوں میں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وجہ سے آپ حالت نوم حدث سے محفوظ و معصوم تھے اور اس کی وجہ قلب کی بیداری تھی اور عصمت کے بارے میں ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں۔

اسی طرح بھوک کی وجہ سے انسانوں کے اجسام کی توانائی ختم ہو جاتی ہے رنگ و روپ جاتا رہتا ہے۔ قوت مدافعت ختم ہو جاتی ہے جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسی تمام تکالیف سے محفوظ رہتے تھے خود حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے ایسی کوئی بات لاحق نہیں ہوتی اور حضور علیہ السلام دوسروں کے برخلاف تندرست و توانا رہتے تھے نہ قوت کم ہوتی تھی اور نہ چہرہ تاباں میں کوئی تبدیلی نظر آتی تھی۔

اور اس سلسلہ میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہماری رہبری کرتا ہے حضور نے فرمایا کہ جب میں سوتا ہوں تو میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

مصنف فرماتے ہیں کہ اس سبب سے میں کہتا ہوں کہ حضور علیہ السلام کے تمام حالات جو عالم دنیا سے متعلق ہوں مثلاً مرض ہو یا جادو یا غصہ وہ آپ کے باطن پر اثر انداز نہ ہوتے تھے اور نہ ان کی وجہ سے معمولات میں کوئی خلل واقع ہوتا تھا اور حضور علیہ السلام کی ذات اقدس پر ایسی

کوئی نسبت جس سے اس امر کا اظہار ہو کہ ان امور سے آپ کے باطن میں کسی قسم کا ضعف یا خلل واقع ہوا تھا مناسب نہیں۔ اسی طرح یہ خیال کرنا کہ آپ کی زبان مبارک یا جوارح سے کسی ایسے امر کا ظاہر ہونا جو آپ کی ذات اقدس کے شایان شایان نہ ہو درست نہیں اور نہ ایسی بات کا خیال کرنا جائز ہے یا یہ خیال کرنا کہ جس طرح ایسے امور میں دوسرے انسانوں کی کیفیات ہوتی ہیں ویسی ہی کیفیت حضور علیہ السلام پر بھی طاری ہوئی ہو گی۔ یہ بھی غلط ہے اور اس سلسلہ میں مزید وضاحت ہم آئندہ سطور میں کریں گے۔

(۱) حضور علیہ السلام پر جادو کا اثر

اگر کوئی ضعیف الاعتقاد یہ کہے کہ احادیث صحیح سے یہ بات ثابت ہو چکی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کیا گیا تھا اور اس سلسلہ میں دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے حاصل کرے جو اس امر کی صراحت کرتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰہ والسلام پر جادو کیا گیا اور اس کے اثر کی وجہ سے آپ کو یہ خیال ہونے لگا کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے حالانکہ آپ نے وہ کام نہ کیا ہوتا۔

اس کے علاوہ ایک اور روایت ایسی بھی ملتی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام سحر کے اثر کی وجہ سے ایسے حالات سے دوچار تھے کہ کوئی کام نہ کیا ہوتا لیکن آپ کو یہ خیال ہوتا کہ آپ نے وہ کام کر لیا ہے مثلاً یہ خیال ہوتا کہ آپ دوسری ازواجات مطہرات کے مکانوں میں تشریف لے گئے لیکن درحقیقت ایسا نہ ہوتا۔ (آخر حدیث تک)

مسحور پر سحر کے اثرات

یہاں معترض کی بات ذہن نشین رہے کہ یہ بات مشہور ہے کہ مسحور پر تمام امور مشتبہ ہو جاتے ہیں اور اسے حقیقت حال کا واضح طور پر پتہ نہیں ہوتا تو حضور علیہ السلام جب معصوم ہیں تو آپ پر یہ کیفیت کس طرح واقع ہو سکتی ہے۔

اعتراض کا جواب

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ مجھے اور آپ کو شکوک و شبہات سے مامون و محفوظ فرمائے بلاشبہ یہ حدیث صحیح اور متفق علیہ ہے کہ ملحدوں نے اس حدیث پر طعن و اعتراض کر کے دوسروں کو شریعت کے احکام کے بارے میں شک و شبہ میں

مبتلا کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنی حماقت و تلبیس کی وجہ سے دوسروں کو ورغلایا ہے اور حقیقت حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شریعت اور صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات سے منزہ و مبرا فرمایا ہے کہ کوئی ان کے بارے میں شک و شبہ کرے جیسا کہ دنیاوی امور میں دوسروں پر شکوک و شبہات کئے جاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ کہنا درست ہوگا کہ سحر و جادو کے اثرات بھی امراض کی طرح ہوتے ہیں اور جب امراض میں آپ کا مبتلا ہونا ممکن ہے لہٰذا سحر کے اثرات اگر آپ کی ذات اقدس پر طاری ہوں تو اس میں کوئی قباحت نہیں اور اس سے آپ کی نبوت اور عصمت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

اعتراض کا جائزہ

آیئے اب معترض صاحب کے اس اعتراض کا جائزہ لیں جو موصوف نے حدیث کے الفاظ پر کیا ہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی بابت یہ بات منسوب ہے کہ حضور علیہ السلام کو بعض اوقات یہ خیال آتا تھا کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہوا کرتی تھی کہ آپ نے وہ کام نہ کیا ہوتا۔ اس حدیث کے مفہوم سے حضور علیہ السلام کی ذات اقدس پر کسی قسم کا کوئی اعتراض واقع نہیں ہوتا کیونکہ اس سے نہ تو تبلیغ دین اثر انداز ہوتی اور نہ شریعت و صداقت میں کسی قسم کا کوئی قدح وارد ہوا۔ یہ بات اجماع امت سے ثابت ہو چکی ہے کہ حضور علیہ السلام تمام کمزوریوں اور کوتاہیوں سے معصوم و منزہ و مبرہ ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بات قابل توجہ ہے کہ مذکورہ بالا اعتراض عالم دنیا سے متعلق ہے جس کے متعلق یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ ان کا صدور آپ پر ممکن ہے کیونکہ آپ کی بعثت کا مقصد اولین دینی امور سے متعلق ہے نہ کہ امور دنیا سے اور آپ کی ذات اقدس کو جو فضیلت حاصل ہے وہ بھی دنیاوی امور سے نہیں بلکہ دین سے متعلق ہے یہاں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو بھی وہی عوارض پیش آسکتے ہیں جو عوام الناس کو پیش آتے ہیں۔ ان حالات میں یہ بات ممکن ہے کہ آپ کو دنیاوی امور میں ایسے خیالات سے واسطہ ہو جنکی فی الحقیقت کوئی حیثیت نہ ہو اس کے بعد آپ کی ذات اقدس پر حقیقت حال روشن ہو جائے۔

اسی موضوع پر مذکور دوسری حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ دوران اثر سحر آپ کو یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کے پاس تشریف لے گئے تھے لیکن فی الحقیقت ایسا نہ ہوا ہوتا۔

سفیان نے فرمایا ہے کہ یہ کیفیت جادو کے اثر کی وجہ سے تھی کسی حدیث اور ان کے علاوہ کسی دوسرے ذریعہ سے یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ اس شدید قسم کے جادو کی وجہ سے اس دوران آپ سے (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی بات ایسی وقوع پذیر ہوئی ہو جو خلاف واقعہ ہو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دوسری روایت سے جو یہ بات منقول ہے کہ اس دوران حضور علیہ السلام کی یہ کیفیت تھی کہ آپ اس دوران یہ خیال فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ کام کیا ہے لیکن درحقیقت آپ نے وہ کام نہ کیا ہوتا تو اس سلسلہ میں یہ کہنا ہی کافی ہے کہ وہ صرف تخیلات تھے اور ان کی صحت پر آپ کو اعتماد تام نہ ہوتا تھا۔

یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ آپ کے تمام اعتقادات اور ارشادات صحت پر مبنی ہوتے تھے اور اس موقف کی بنا پر ائمہ کرام نے مذکورہ بالا حدیث کا جواب دیا ہے۔

مصنف کتاب فرماتے ہیں کہ ائمہ کرام کے جواب سے میں نے استفادہ کر کے ان کے کلام کی تشریح و توضیح کی ہے اور اس سلسلہ میں جو دلائل پیش کئے ہیں وہ اپنی جگہ واضح اور کافی وزنی ہیں لیکن اس کے علاوہ اس سلسلہ میں مجھے ایک اور نکتہ واضح ہوا اور میرے خیال کے مطابق وہ مذکورہ تاویلات و توضیحات سے زیادہ واضح ہے جو منکرین اور گمراہوں کے خیالات سے بہت بعید ہے اور حدیث کی روشنی میں ہی ہے۔

ایک اور حدیث جو حضرات ابن مسیب اور عروہ بن زبیر سے روایت کی گئی ہے کہ بنی رزیق کے یہودیوں میں کسی نے حضور علیہ السلام پر جادو کیا اور جن چیزوں کو جادو میں استعمال کیا تھا ان کو ایک کنوئیں میں ڈالدیا اس جادو کا اثر یہ ہوا کہ حضور علیہ السلام کی بصارت متاثر ہوئی لیکن رب العالمین نے حضور علیہ السلام کو حقیقتِ حال سے مطلع فرمایا تو حضور علیہ السلام نے ان تمام چیزوں کو کنوئیں سے نکلوایا۔

ایک اور حدیث واقدی کے حوالہ سے عمرو بن حکم اور عطا خراسانی نے یحیٰی بن عمر کے حوالہ سے روایت کیا کہ حضور علیہ السلام حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہ سے دو سال تک رو کے گئے اس دوران حضور علیہ السلام کے آرام کے وقت دو فرشتے حاضر رہتے ایک آپ کے سرہانے اور دوسرا پائنتی کی جانب

ہوتا تھا (آخر حدیث تک) اس مضمون کی حدیث عبدالرزاق کے حوالہ سے بھی منقول ہے کہ حضور علیہ السلام جناب عائشہ رضی اللہ عنہا سے تقریباً ایک سال کے لئے رو کے گئے یہاں تک کہ آپ نے ضعف البصر کی شکایت فرمائی۔ محمد بن سعد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام علیل ہوئے اور دوران علالت کھانے پینے اور ازواج مطہرات کے پاس جانے سے رو کے گئے اور آپ کے پاس دو فرشتے نازل ہوئے (اس کے بعد پورا واقعہ بیان کیا گیا)

اس تحریر سے قارئین نے اندازہ کیا ہوگا کہ آپ پر جادو کا جو کچھ بھی اثر تھا وہ جسم ظاہر پر تھا اور اس سے قلب وعقل کے علاوہ یقیناً مبتاثر نہ ہوا تھا اور جسم ظاہری میں بھی بینائی متاثر ہوئی تھی یا آپ ازواج مطہرات کے ساتھ شب باشی سے رو کے گئے تھے ماسوا اس کے کھانے اور پینے کے ترک سے ظاہری کمزوری اور نقاہت معلوم ہونے لگی تھی اور جسم مرض سے متاثر نظر آتا تھا (یا اس کو یوں کہیں کہ نہ کھانے کی وجہ سے مرض اور نقاہت لاحق ہو گئے تھے)

ازواج مطہرات کے بارے میں مستعمل الفاظ کی تشریح

آئیے اب اس قول کا جائزہ لیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو بعض اوقات یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ نے ازواج مطہرات میں سے کسی کے ساتھ رات بسر کی حالانکہ ایسا نہ ہوا ہوتا اس سے یہ بھی سمجھا جا سکتا تھا کہ آپ پر وہ کیفیات طاری ہوتی تھیں جو شب باشی کے مقدمات میں سے ہوتی ہیں یا قدرت مجامعت کو ظاہر کرتی ہوں لیکن جب آپ ایسا کرنے کا ارادہ فرماتے تو سحر کی وجہ سے مزاحمت ہوتی اور آپ جسمانی طور پر ادھر التفات نہ کر پاتے ہوں گے جس طرح کہ یہ کیفیت دوسرے لوگوں پر بھی طاری ہوتی ہے۔ شاید سفیان نے بھی اسی جانب اشارہ کیا ہے کہ یہ جادو کا سب سے زیادہ تیز اثر تھا۔

حضرت عائشہ کی حدیث کا مفہوم

اس کے علاوہ وہ روایت جس پر کہ معترض کو اعتراض ہوا یہ ہے کہ حضرت عائشہ کی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے حالانکہ

حقیقت یہ نہ ہوتی اور آپ نے وہ کام نہ کیا ہوتا۔ اس کا سبب ضعف نظر کہا جا سکتا ہے جیسا کہ الفاظ حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو یہ خیال ہوا کرتا تھا کہ آپ نے ازواج مطہرات میں سے یا کسی اور کو کوئی کام کرتے دیکھا تھا حالانکہ یہ خیال محض نظر کی کمزوری کی وجہ سے تھا نہ کہ معاذ اللہ عنہا خلل دماغی کی وجہ سے۔

اب جب یہ بات ظاہر ہو گئی کہ یہ کیفیات جادو کے اثر کی وجہ سے تھیں تو اب معترض کا اعتراض غلط ہوا اور اس کے لئے اعتراض کی کوئی گنجائش نہ رہی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس پر شک وشبہ اور اعتراض سے بالا ہی رہی۔

سرکار دو عالم علیہ السلام کے دنیاوی حالات

ہم نے آپ کے جسم اقدس کے بارے میں گذشتہ فصل میں بیان کیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات کا اب ہم عقد۔ قول اور فعل کی روشنی میں تفصیل وار موازنہ کرتے ہیں اس سلسلہ میں اعتقادی بات یہ ہے کہ دنیاوی امور میں کسی بات کے متعلق جو آپ کا خیال ہو لیکن نتیجہ اس کے خلاف ظاہر ہو ایسا ہونا ممکن ہے اور یہ بھی خارج از امکان نہیں کہ کسی دنیاوی معاملہ میں آپ کو شک وگمان ہو دینی معاملات میں نہیں (کیونکہ دینی معاملات میں شک وشبہ کا خیال محال ہے۔)

کھجوروں کی قلم بندی کا واقعہ

حضرت رافع نے خدیج نے بالاسناد روایت کی ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اہل مدینہ کو دیکھا کہ وہ کھجور کے درختوں کی قلم بندی (یعنی نر و مادہ درختوں کی قلم بندی) کرتے ہیں یہ دیکھ کر حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ تم کیا کرتے ہو تو انہوں نے اس کے بارے میں حضور علیہ السلام کو بتایا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر تم ایسا نہ کرتے تو تمہارے لئے زیادہ بہتر ہوتا۔ اہل مدینہ نے حضور علیہ السلام کے فرمانے کے مطابق اس سال قلم بندی نہ کی جس کے نتیجے میں اس سال فصل کم ہوئی تو لوگوں نے حضور علیہ السلام سے فصل کی کمی کی بابت عرض کیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب میں تمہیں کسی دینی بات کی بابت بتاؤں تو اس پر ضرور عمل کرو اور اگر دنیاوی بات کے متعلق کہوں تو اسے ایک مشورہ تصور کرو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق اس قلم بندی اور اس کے ترک سے فصل کی کمی کے باعث شکایت کے جواب میں حضور علیہ السلام نے یہ الفاظ فرمائے تھے کہ تم اپنی دنیاوی ضروریات کو مناسب جانتے ہو[1]۔ ایک حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ان لوگوں کی شکایت پر فرمایا تھا کہ میں نے تو تم کو گمان سے بتا دیا تھا لہٰذا تم پر میرے گمان کی پیروی لازم نہیں۔

واقعہ خرص اور حضرت ابن عباس کی روایت

حضرت ابن عباس کی روایت کے مطابق واقعہ خرص کے موقعہ پر حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میں جو بات حکم الٰہی کے مطابق کہوں تو وہ حق و ثواب ہے جو بات اپنی جانب سے کہوں اس میں بشری تقاضوں کے مطابق غلطی ممکن ہے اور اس سلسلہ میں ہم نے پہلے بھی لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام نے واقعہ خرص کے موقع پر جو فرمایا وہ اسی قبیل سے ہے کہ یہ باتیں دنیوی امور سے متعلق تھیں لہٰذا آپ نے ان کو اپنی رائے کے مطابق فرما دیا تھا۔ رہا شرعی امور کا معاملہ تو اس میں حضور علیہ السلام کا فرمانا تو اس سلسلہ میں یہ بات مسلم ہے کہ حضور علیہ السلام کا فرمایا ہوا شریعت ہوتا ہے جس پر عمل کرنا لازم ہوتا ہے۔

حضور علیہ السلام صحابہ کا مشورہ قبول فرماتے تھے

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر کے موقع پر حضور علیہ السلام نے بدر میں کنوئیں سے دور قیام فرمایا اس وقت حباب بن المنذر نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کیا آپ کا یہاں قیام حکم ربی کے مطابق ہے اگر ایسا ہی ہے تو اس میں ہمیں عرض کرنے کی گنجائش نہیں ہے یا آپ کی کسی جنگی مصلحت کی وجہ سے ہے یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ حکم الٰہی کے مطابق نہیں بلکہ میری رائے کے مطابق ہے یہ سن کر حباب کو جرأت ہوئی اور حضور علیہ السلام سے عرض گذار ہوئے کہ جنگی نقطہ نظر سے یہ جگہ مناسب نہیں، مناسب یہ ہے کہ ہم کنوئیں کے قریب قیام کر کے بقیہ کنوؤں کو بند کر دیں اس طرح

---

[1] یہ الفاظ جو حضور علیہ السلام کی جانب منسوب ہیں ان سے حضور علیہ السلام کے عدم علم یا قلت علم کا اظہار نہیں بلکہ یوں سمجھا جائے کہ حضور علیہ السلام نے دنیاوی امور کی جانب زیادہ توجہ نہ دی تھی۔ (مترجم)

جنگ کے موقع پر ہمیں پانی تو ملتا رہے گا اور دشمن پانی سے محروم ہو جائے گا ان کی رائے سے حضور نے اتفاق فرمایا۔ اور آیت کریمہ وشاورھم فی الامر (پ ۴ ع ۸) معاملات میں باہمی مشورہ کرو، کے مطابق جہاں جناب ابن المنذر نے بتایا تھا وہیں پڑاؤ ڈالا۔

کھجوروں کی تقسیم اور سرور عالم کا عمل

مدینہ کے شورہ پشت اسلام دشمنوں سے جب حضور نے وہاں کی فصل کی تہائی کھجوریں دے کر مصالحت کرنے کا ارادہ کیا اور انصار مدینہ سے مشورہ فرمایا تو ان حضرات نے اس تجویز سے اتفاق نہ کرتے ہوئے اپنی رائے کا برملا اظہار کیا تو حضور علیہ السلام نے بطیب خاطر ان کے مشورہ کو قبول فرما لیا اور اپنی رائے سے رجوع فرما لیا۔

ان واقعات کا تعلق ان دنیاوی امور سے ہے جن کا تعلق نہ تعلیم دین سے ہے اور نہ اعتقادیات سے لہٰذا مذکورہ بالا واقعات دنیاوی امور ہیں کیونکہ امور عادی ہونے کی وجہ سے اس سے آپ کی ذات وصفات میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

تجربہ رکھنے والے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر دیکھتے ہیں کہ قلب نبوی علیہ التحیۃ والثنا معرفت الٰہی اور علوم شرعیہ سے معمور تھا اور امت مسلمہ کے لئے دینی و دنیوی بھلائیوں کی تدبیر میں قلب مبارک مشغول رہتا تھا لیکن شاذ و نادر ایسے واقعات مل جاتے ہیں جو خالص دنیاوی امور سے متعلق رہے ہیں جس میں دنیاوی امور کی حفاظت اور اس کے بارے میں موشگافیاں مل جاتی ہیں لیکن اکثر امور وہ ہیں جن میں کوئی ایسی بات نہیں ملتی جس سے آپ کی ناواقفیت یا غفلت و عدم توجہی کا شائبہ بھی نظر آتا ہو۔

علم نبوی بھی معجزات میں سے ہے

دنیاوی امور کی معرفت اس کے دقیق معاملات مصالح امور دیگر فرقوں اور گروہوں کے درمیان مصالحت اور حکومت کے جو طریقے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے ہیں وہ حد اعجاز تک پہنچ چکے ہیں اور یہ قبیل معجزات سے ہیں جن کا تذکرہ ہم نے معجزات کے باب میں کیا ہے۔

(۳) بشریت اور معتقدات کے متعلقہ احکام

آئیے اب ان واقعات کا جائزہ لیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیصلوں سے متعلق ہیں۔ اس سلسلہ میں حق کو باطل اور اعلیٰ کو ادنیٰ اور کھرے کو کھوٹے سے ممتاز کرنے میں جو طریقے حضور علیہ السلام نے تعلیم فرمائے ہیں اور خود حضور علیہ السلام بھی انہی طریقوں پر عمل پیرا ہوئے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی ایک بشر ہوں تم لوگ میرے پاس اپنے دنیاوی معاملات لے کر آتے ہو اس سلسلہ میں یہ ممکن ہے کہ ایک شخص اپنے دعوے کو پیش کرنے میں زیادہ بہتر طریقے استعمال کرے اور اپنے دعویٰ کو پیش کرنے کے سلسلہ میں وہ دوسرے سے بڑھ کر ہو لہٰذا میں ظاہری شواہد کی بناء پر اگر اس کے حق میں کر دوں تو تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ شخص جو اپنے مقدمے کو بہتر طریقے پر پیش کرنے کی وجہ سے اپنے حق میں فیصلہ کرالے تو اس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ اس فیصلہ کے متعلق یہ سوچ لے کہ وہ اس میں سے کچھ نہ لے کیونکہ اس کو میں جہنم کا ایک ٹکڑا دے رہا ہوں جو اس نے اپنی حفاظتی اور دلائل کی وجہ سے حاصل کیا ہے۔

مذکورہ بالا الفاظ حدیث بالاسناد فقیہ ابو الولید نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے نقل کیے ہیں۔

امام زہری نے حضرت عروہ کے حوالہ سے حضور علیہ السلام کے الفاظ اس طرح نقل فرمائے ہیں "شاید تم میں کوئی مدعی یا مدعا علیہ ایک دوسرے سے زیادہ بہتر طریقہ پر اپنے مدعا کی وضاحت کرے اور اپنے انداز بیان سے اپنے مدعا کا اظہار اس طرح کرے کہ میں یا کوئی دوسرا فیصلہ کرنے والا یہ خیال کرے کہ مدعی یا مدعا علیہ جس نے بہتر طریقہ پر اپنا معاملہ پیش کیا ہے وہ سچا اور حق پر ہے اور میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مقدمہ کا فیصلہ اس کے ظاہری حال پر فرمایا کرتے تھے اور اس سلسلہ میں شہادتوں یا قسم کھانے والے کی قسم یا واقعات و حالات کی روشنی میں اور اس کی ضخامت کے مدنظر اس کے حالات کے مطابق حکم دیا کرتے تھے لیکن حکمتِ الٰہی کا تقاضا بھی آپ کے مدِنظر رہا کرتا

تھا کیونکہ اگر مشیتِ الٰہی ہوتی تو اللہ تعالیٰ بندوں کے اسرار اور ان کے مخفی امور پر آپ کو مطلع فرما دیتا اور آپ اپنے علم و یقین کے مطابق فیصلہ فرماتے۔ اس طرح آپ کو اعتراف دلائل و براہین اور ثبوت کی ضرورت پیش نہ آتی۔

ایک عجیب نکتہ رب کریم نے یہ حکم فرمایا ہے کہ افرادِ امت، ہادیِ انسانیت علیہ السلام کے افعال۔ احوال۔ سیرتِ طیبہ نظامِ جہاں بانی عدلیہ و انتظامیہ میں اپنے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں اگر ان تصفیہ طلب امور کی بابت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خصوصی علوم کے مطابق فیصلہ فرما دیا کرتے یا اللہ تعالیٰ حضور علیہ السلام اس مقدمہ کے سلسلہ میں معلومات فراہم فرما دیتا تو ان مقدمات و فیصلہ طلب امور میں کوئی صورت اتباع و اقتدا کی باقی نہ رہتی اور نہ یہ بات ممکن ہوتی کہ حضور علیہ السلام کے فیصلہ و احکام کی کوئی ثبوت قطعی قائم ہو سکے۔ کیونکہ افرادِ امت کو یہ بات، واضح نہیں ہوتی کہ کسی قضیہ کے تصفیہ میں حکمت الٰہی کس طرح ظاہر ہوتی۔ اس طرح دوسروں کے لئے بھی فیصلہ کے وقت ثبوت قطعی میں دقت، پیش آتی لیکن یہ حضور علیہ السلام کو ان امور کی اطلاع ان غیوب، کی تعلیم سے ہوتی جو علم الٰہی میں ہیں اور اس میں سے وہ رب کریم جتنا علم چاہتا ہے حضور علیہ السلام کو تعلیم فرما دیتا ہے لیکن ان غیوب کی اطلاع افرادِ امت کو نہیں ہے[1]

لہٰذا خالق کائنات نے فیصلے اور اجراءِ احکام کو ظاہری حالات کے تابع فرمایا اور یہ حکم دیا کہ ایسے تمام امور کا تصفیہ یا اجرا احکامِ ظاہری حالات کے مطابق کیا جائے اور اس سلسلہ میں حضور علیہ السلام نے افرادِ ملت کے لئے یکساں طریق کار مقرر فرمایا۔ تاکہ وہ افرادِ امت جن کے ذمہ ایسے احکام کی بجا آوری کی ذمہ داری ہو یا وہ فیصلہ مقدمات کے لئے متعین کئے گئے ہوں یا ہم اس کو یوں کہیں کہ وہ افرادِ امت جو انتظامیہ اور عدلیہ سے متعلق ہوں وہ ایسے معاملات میں اتباع نبوی کو لازم

---

[1] انبیاء علیہم السلام کے ذریعے خاصانِ خدا کو غیوب سے آگاہ کیا جاتا ہے اور اس سلسلہ میں اکابر اولیاء سے بہت سے ایسے واقعات منقول ہیں جو اس کی شہادت دیتے ہیں۔ تفصیلات کے لئے اس موضوع پر کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔ مترجم

جائیں اور فیصلے یا اجراءِ احکام کے وقت (حکم الٰہی کے ساتھ ساتھ) سُنّتِ نبوی کا بھی خیال رکھیں۔ (کیونکہ احکامِ الٰہی بھی سُنّتِ نبوی ہی سے معلوم ہوتے ہیں) اور علم و یقین کے ساتھ سُنّتِ نبوی کے مطابق عمل کریں۔

فعل قول سے زیادہ وقیع ہوتا ہے

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ فعل کو زبانی کہنے سے زیادہ وقعت حاصل ہوتی ہے کیونکہ عمل لفظی احتمالات سے زیادہ واضح ہوتا ہے۔ اسی طرح ظاہر حالات میں حضور علیہ السلام کا حکم فرمانا بیان سے زیادہ روشن اور احکام کی وجوہ کے اظہار میں واضح تر اور تنازعہ و اسباب مخالفت کے رفع کرنے میں بہت مفید ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے اس بات پر اصرار کیا گیا کہ ارباب حل وعقد خواہ وہ انتظامیہ سے متعلق ہوں یا عدلیہ سے وہ اجرار احکام کے مواقع پر شریعت اسلامیہ کے احکام کو منضبط و مرتب کرنے کے لئے ان احکام پر اعتماد کرتے ہوئے فرموداتِ نبوی پر عمل کریں۔

اور مصلحت الٰہی کے مطابق ایسے مواقع پر بعض علوم غیبیہ (اس وقت) حضور علیہ السلام پر ظاہر نہ فرمائے گئے اور ان کو خصوصیات باری میں شمار فرمایا گیا۔ ارشاد باری ہے۔

فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول۔	اللہ تعالیٰ اپنے خاص غیوب سے کسی کو مطلع نہیں فرماتا مگر اس کے لئے اپنے خاص رسولوں میں سے جس کو منتخب فرمائے۔
(پ ۲۹ ع ۱۲)	

لہٰذا وہ ان منتخب شدہ رسولوں میں سے جس کو جتنا علم چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے اور جتنا چاہتا ہے مخفی رکھتا ہے لیکن اس سے نہ نبوت میں کوئی نقص وارد ہوتا ہے اور نہ عصمت انبیاء علیہم السلام پر کوئی حرف آتا ہے۔

حضور علیہ السلام کے امور دنیا سے متعلق اقوال

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ فرمودات جو آپ نے اپنی ذات گرامی کے لئے

یا دوسرے لوگوں کے متعلق ارشاد فرمائے خواہ وہ زمانہ ماضی سے تعلق رکھتے ہوں یا حال و مستقبل سے ان کے بارے میں ہم نے پہلے ہی لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام کی جانب اصل واقعہ کے خلاف کچھ اور کہنے کی نسبت منع ہے خواہ اس کو عمداً کہیں یا سہواً وہ فرمانا حالت علالت میں ہو یا صحت کی حالت میں معمولی حالت ہو یا غیر معمولی۔ غصہ کی حالت ہو یا رضا و خوشنودی کی حضور علیہ السلام کی ذات گرامی ہر حالت میں ہر ایسی بات سے جو خلافِ واقعہ ہونے کو ظاہر کرے عقلاً نقلاً و شرعاً محال ہے اور آپ کی ذات اقدس ہر اس نسبت سے جو منفعت کا سبب بنے معصوم تھی رہے اور قیامت تک رہیگی۔

اور یہ بات توان اقوال سے ہے جو خبر محض کے طور پر معلوم ہوں جن میں صدق و کذب کے دونوں پہلوؤں کا احتمال پایا جا سکتا ہے لیکن وہ اشارات جن کے بارے میں یہ احتمال پایا جاتا ہو کہ وہ بظاہر باطن کے خلاف ہیں ان کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے ایسے اشارات کا صدور آپ کی ذات اقدس سے ممکن ہے لیکن یہ بھی ایک شرط کے ساتھ کہ اس موقع پر کوئی مصلحت موجود ہو۔ مثلاً غزوات کے موقع پر آپ کا توریہ[1] فرمانا تاکہ دشمن اپنی حفاظت کا انتظام نہ کرے اور آپ کے ظاہری عمل کی وجہ سے غلط فہمی میں پڑا رہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صحابہ کرام کے درمیان محبت کی زیادتی اور صحابہ کرام کی خوشی اور آپس میں مسلمانوں کے رشتہ محبت استوار کرنے کے لئے کبھی کبھی مزاحیہ کلمات ارشاد فرمایا کرتے تھے (لیکن یہ کلمات خلاف واقعہ یا غلط نہ ہوتے تھے)

ایک مرتبہ آپ نے ایک صحابی یا صحابیہ سے فرمایا تھا کہ میں تم کو اونٹنی کے بچہ پر سوار کروں گا یا ایک عورت نے جب اپنے شوہر کے بارے میں معلوم کیا تو آپ نے فرمایا وہی جس کی آنکھ میں سفیدی ہے؟۔ آئیے اب الفاظ کی حقیقت پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ہر اونٹ اونٹنی کا بچہ ہوتا ہے لہٰذا حضور کا فرمانا عین حقیقت کے مطابق ہے اسی طرح آنکھ کی سفیدی کے بارے میں فرمانا تو یہ بھی درست ہے

---

[1] کسی بات کو اس انداز سے بیان کرنا کہ مخاطب اپنے علم کے مطابق اس سے وہ مفہوم مراد لے جو قائل کا مقصود نہ تھا۔

کیونکہ ہر انسان کی آنکھ میں سفیدی ہوتی ہے۔

مزاح کے متعلق حضور کا ارشادِ گرامی

حضور علیہ السلام نے امت مسلمہ کی تعلیم کے لئے فرمایا کہ مَیں خوش طبع ہوں اور مزاحیہ کلمات کہتا ہوں لیکن میری بات حقیقت کے مطابق ہوتی ہے اور اس میں غلط بیانی کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔

مذکورہ بالا واقعات اقسام خبر سے ہیں لیکن وہ باتیں جو خبر کے اقسام سے نہیں ہیں بلکہ دنیاوی امور میں اوامر و نواحی سے متعلق ہیں۔ ان باتوں میں بھی یہ قیاس درست نہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی شخص کو کسی بات کا بظاہر حکم فرمائیں یا کسی شخص کو کسی بات سے منع فرمائیں لیکن آپ کے قلبِ مبارک میں اس امر یا نہی کے خلاف کوئی بات پوشیدہ یا مخفی ہو۔

انبیاء علیہم السلام کی سیرت و کردار

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی نبی کے لئے یہ بات مناسب نہیں کہ اس کی آنکھ خیانت کرے اور جب ان کی آنکھ خیانت نہیں کر سکتی تو ان کے قلوب کس طرح خیانت کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔

حضرت زید اور جناب زینب کے معاملہ میں رفع شک

اگر کوئی شخص جناب زید رضی اللہ عنہ کے واقعہ طلاق اور اس آیتِ قرآنی کے بارے میں شک و شبہ کا خیال کرے۔

واذ تقول للذی انعم اللہ	اور جب اس شخص جس پر اللہ تعالیٰ نے
وانعمت علیہ امسک علیک	اور آپ نے انعام فرمایا یہ فرماتے تھے
زوجک ۔	کہ اپنی بیوی کو روکے رکھو (یعنی طلاق
(پ ۲۲ ع ۴)	نہ دو)

عزیزِ گرامی قدر (رب کریم تم کو بزرگی عطا فرمائے) آپ اس ظاہر حال سے حضور علیہ السلام کے کردار کی پاکیزگی میں شک و شبہ کا شکار نہ ہوں اور اپنے دل میں یہ فاسد خیال نہ آنے دیں کہ بظاہر

تو حضور علیہ السلام حضرت زید کو جناب سیدہ زینب کو طلاق نہ دینے کا حکم فرماتے تھے لیکن دل سے یہ چاہتے تھے کہ جناب زید حضرت زینب بنت جحش کو طلاق دے دیں اور اس کا اظہار بعض مفسرین نے بھی کیا ہے۔

لیکن میری تحقیق کے مطابق سب سے بہتر تاویل وہ ہے جس کو اکثر مفسرین نے جناب علی بن حسین کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ رب العالمین نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی یہ تعلیم فرما دیا تھا کہ جناب زینب مستقبل میں ازواج مطہرات میں شامل ہو جائیں گی لیکن جناب زید نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب زینب کے رویہ کی شکایت کی تو حضور علیہ السلام نے انہیں نصیحت فرمائی کہ اپنی بیوی کو (اپنے نکاح میں) روکے رکھو اور اللہ سے ڈرو۔ لیکن حضور علیہ السلام نے جناب زید سے وہ بات جو خصوصیت کے ساتھ حضور کے علم میں لائی گئی تھی ظاہر نہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ مستقبل قریب میں جناب زینب کو حضور علیہ السلام کے نکاح میں لائے گا۔ اور وہ مسبب الاسباب اس کے لئے سبب بنائے گا تاکہ جناب زید حضرت زینب کو طلاق دے دیں گے اور اس طرح یہ محترمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حبالہ عقد میں آجائیں گی۔

یہی بات جناب زہری نے بھی فرمائی کہ جناب جبریل علیہ السلام خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ جناب زینب بنت جحش کو آپ کے نکاح میں لائے گا اور اس بات کا اظہار حضور علیہ السلام نے جناب زید سے نہ فرمایا تھا۔ اور مفسرین کے اس قول کی تائید آیت قرآنی سے ملتی ہے۔

وکان امر اللہ مفعولا (پ۲۲ ع ۲) اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہو کر رہے گا۔

اس آیت کریمہ میں اس جانب اشارہ کیا جا رہا ہے کہ یہ بات آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ جناب زینب سے نکاح فرمائیں علاوہ اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ رب کریم نے اس پورے واقعہ میں سوائے تزویج زینب رضی اللہ عنہا کے اور کوئی بات ظاہر نہیں فرمائی جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس تزویج کے متعلق حقائق حضور علیہ السلام کے علم میں تھے لیکن حضور علیہ السلام نے

نے اس بات کا جو خصوصیت کے ساتھ حضور علیہ السلام کو بتا دی گئی تھی اس کا اظہار نہ فرمایا۔ آیت قرآنی شاہد ہے۔

ما کان لنبی من حرج فیما فرض اللہ لہ سنۃ اللہ (پ ۲۲ ع ۲)	نبی علیہ السلام کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں جسے اللہ تعالےٰ نے ان کے لئے فرض کیا یہ سُنّتِ الٰہی ہے۔

یہ بات اس امر کی شاہد ہے کہ حضور علیہ السلام کا جناب زید کو اصل واقعہ کی بابت نہ بتانے میں کوئی مضائقہ نہ تھا لیکن طبری نے کہا ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا ہے وہ ان امور میں اپنے نبی کو گناہگار نہیں فرماتا۔ اور یہی طریقہ انبیاء سابقین کے ساتھ بھی رہا ہے۔ آیت قرآنی کی شہادت ملاحظہ ہو۔

سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل (پ ۲۲ ع ۲)	یہ سُنّتِ الٰہیہ ہے جو پہلے سے ہوتی چلی آئی ہے۔

یعنی یہ انبیاء علیہم السلام کا ایسا طریقِ کار تھا جو ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا تھا اور اس کے کرنے میں ان حضرات کے لئے کوئی مضائقہ نہ تھا لیکن اس سے وہ مفہوم مراد ہوتا جس کا اظہار حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہوا کہ جناب زید انہیں (حضرت زینب کو) طلاق دیدیں کیونکہ حضور علیہ السلام کے قلب مبارک میں ان محترمہ سے الفت پیدا ہو گئی تھی۔

رفع شک حدیث قتادہ رضی اللہ عنہ سے دو باتوں کا اظہار ہوتا ہے جو کسی حالت میں بھی قرین قیاس نہیں۔

(۱) حضور علیہ السلام کی جانب سوء ظن کہ خدا نخواستہ حضور علیہ السلام کے قلب مبارک میں کسی دوسرے شخص کی بیوی کی محبت پیدا ہوئی جو حضور علیہ السلام کے شایانِ شان نہ تھی۔

(۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیاوی عیش و آرام اور دنیاوی خوبصورتی پر نظر فرمانے کی ممانعت

فرمائی گئی تھی کہ آپ اس بابت نظر مبارک اٹھائیں۔ اور اگر بفرض محال ایسا ممکن ہوتا تو وہ حسد کے زمرہ میں آتا جس کو کہ آپ کسی حالت میں بھی گوارا نہیں فرماتے تھے اور حسد تو وہ بُری چیز ہے جس سے متقی حضرات بھی متصف نہیں ہوتے چہ جائیکہ سید الاتقیاء والاصفیاء کی ذات گرامی۔

حدیث قتادہ اور قشیری کا جواب

جناب قشیری فرماتے ہیں کہ یہ اعتراض ان بڑی باتوں میں سے قائل کی وہ جراٗت رندانہ ہے کہ اس نے سید الابرار علیہ السلام کے منصب کو پہچانا ہی نہیں۔ آپ کی فضیلت اور حقوق نبوی کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔

علاوہ ازیں محبت کی بات اس لئے بھی قرین قیاس نہیں کیونکہ جناب زینب حضور علیہ السلام کی پھوپھی زاد بہن تھیں جنہیں آپ ان کے بچپن سے ہی دیکھتے چلے آئے تھے نیز عورتیں حضور علیہ السلام سے پردہ بھی نہ کرتی تھیں اور خود حضور علیہ السلام ہی نے آپ کا نکاح کرایا تھا لہذا یہ تمام خیالات جو ذہن میں آتے ہیں ان کا شمار واقعات سے نہیں بلکہ مفروضات میں ہوگا۔

جناب زید سے نکاح کی توجیہہ

حضرت زید سے جناب زینب کے نکاح ان کی طلاق اور حضور علیہ السلام سے سیدہ زینب کے نکاح ثانی سے حرمت متبنیٰ کے ازالہ اور عرب کی اس رسم کے ازالہ کے اسباب اللہ رب العلمین نے اس طرح مرتب فرمادیے۔ قرآن کریم میں وارد ہے۔

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ۰ (پ ۲۲ ع ۲)	محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔
لکیلا یکون علی المومنین من حرج فی ازواج اولیاوھم (پ ۲۲ ع ۲)	تاکہ مسلمانوں پر اپنے متبنیٰ کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اور ابن خورک نے بھی اس رائے کا اظہار فرمایا ہے لیکن فقیہ ابو اللیث سمرقندی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اگر یوں کہا جائے کہ حضور علیہ السلام کا جناب زید کو طلاق نہ دینے سے منع کرنے کا کیا

فائدہ تھا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا تھا کہ عنقریب جناب زینب آپ کی زوجیت میں آجائیں گی لیکن حضور علیہ السلام نے اس علم کے باوجود کہ جناب زید اور سیدہ زینب کو آپس میں میاں بیوی کی سی الفت نہیں ہے (اتمام حجت کے طور پر باز رکھا) طلاق دینے سے منع فرمایا اور اعلام الٰہی کو اپنے قلب میں پوشیدہ رکھا لیکن جب جناب زید نے سیدہ زینب کو طلاق دے دی تو حضور علیہ السلام نے اس خیال کے ماتحت کہ اگر میں نے جناب زینب سے نکاح کر لیا تو لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوں گی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے (منہ بولے) بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔

جناب زینب سے نکاح کے لئے حکم خداوندی

فقیہ ابو اللیث فرماتے ہیں اسی لئے اللہ رب العالمین نے حضور علیہ السلام کو سیدہ زینب سے نکاح کا حکم فرمایا تاکہ حضور ان چہ میگوئیوں کی جانب توجہ نہ دیں اور حضور علیہ السلام کے جناب زینب سے نکاح کر لینے سے امت مسلمہ کے لئے اس قسم کے نکاحوں کے لئے راہ ہموار ہو جائے گی اور عرب کی وہ قبیح رسم جو متبنیٰ کی بیوی سے نکاح کے سلسلے میں رائج تھی ختم کر دیا جائے ارشاد باری ہوا۔

لکیلا یکون علی المؤمنین حرج	تاکہ مسلمانوں میں متبنیٰ کی بیویوں سے
فی ازواج ادعیاء ھم	نکاحوں میں حرج نہ ہو۔

لیکن بعض حضرات نے تو اس سلسلہ میں یہ توجیہہ فرمائی ہے کہ حضور علیہ السلام کا جناب زید کو طلاق دینے سے روکنے سے مقصد یہ تھا کہ آپ قطع شہوت فرمائیں اور نفس کو اس خواہش سے محفوظ فرمائیں۔

لیکن یہ بات اس وقت قرین قیاس ہو سکتی ہے جب کہ یہ بات درست سمجھیں کہ آپ نے جناب زینب کو دیکھ کر پسند فرمایا ہو کیونکہ انسان طبعاً حسن پسند ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ بھی توجہ طلب ہے۔

کہ شرعاً میلِ نظر قابل مواخذہ نہیں ہے۔ لہٰذا اگر حضور علیہ السلام کے قلب میں اگر ایسا خیال آیا بھی ہو تو آپ نے اس کو دُور فرما کر جناب زید کو طلاق نہ دینے کا مشورہ دیا ہو۔ لیکن ہمیں ان خیال آرائیوں سے انکار ہے جو اس واقعہ کے سِلسلہ میں کی گئی ہیں۔

اس سلسلہ میں جناب علی بن حسین رضی اللہ عنہ کی تاویل جس کو ہم نے گذشتہ صفحات میں ذکر کیا ہے نہایت حقیقت پسندانہ ہے اور اس کی تائید ابن عطا۔ قشیری اور ابن خورک نے بھی کی ہے ان حضرات کا کہنا ہے کہ ذمہ دار محققین و مفسرین کے نزدیک یہی قول درست ہے (کہ یہ تمام باتیں حاشیہ آرائی ہیں۔

حکمِ الٰہی کے اخفا کی توجیہہ

ابن خورک فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے نکاح سیدہ زینب کے بارے میں حکم ربی کا اخفا فرما کر کسی ایسی بات کا ارتکاب نہیں کیا جو قابلِ اعتراض ہو اور اس کو نفاق بھی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ حضور علیہ السلام اپنے مافی الضمیر کے خلاف اظہار فرمانے سے منزہ ہیں اور خود ذاتِ باری نے آپ کی پاکیزگی کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

ما كان على النبى من حرج	نہیں ہے نبی (علیہ السلام) کے لئے
فيما فرض الله	کوئی مضائقہ ان باتوں کے بارے میں
(پ ۲۲ ع ۲)	جو اللہ نے فرض فرمایا۔

ابن خورک نے مزید فرمایا کہ جس نے حضور علیہ السلام کی بابت ایسا گمان کیا اس نے یقیناً غلطی کی اور خطا کا ارتکاب کیا۔

ابن خورک فرماتے ہیں کہ خشیت کے معنیٰ یہاں خوف کے نہیں بلکہ شرم و حیا کے ہیں یعنی حضور علیہ السلام کو اس بات سے حیا آئی کہ اس وقت کیا ہو گا کہ جب لوگ یہ کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے متبنّٰی بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ دراصل حضور علیہ السلام منافقین اور یہودیوں کی ریشہ دوانیوں سے واقف تھے کہ یہ لوگ کوئی موقع نہیں چھوڑتے اور ہر موقع پر اپنی شرارتوں سے

باز نہیں آتے لہٰذا اب بھی وہ یہ کہیں گے کہ بیٹے کی بیوی سے نکاح سے منع کرنے کے باوجود خود اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا (اور ایسا ہوا بھی ان لوگوں نے اس موقعہ پر اپنی طینت کا اظہار کیا اور حضور علیہ السلام کی ذات اقدس پر اعتراض کیے۔

لہٰذا اس موقع پر اللہ رب العالمین نے حضور کے اس رویہ کو پسند نہ فرمایا اور حضور علیہ السلام کو ان کی بکواس کی طرف توجہ کرنے سے منع فرمایا اور حضور کی ذاتِ اقدس کو ان اعتراضات سے منزہ فرما کر یہ بتایا کہ آپ کا یہ فعل تو حکم ربی کے مطابق ہے لہٰذا ان کے ملال کی وجہ کیا ہے اور اس اظہار ناپسندیدگی کا ایک اور واقعہ بھی ملتا ہے کہ جب آپ نے اپنی بعض ازواج مطہرات کی خوشی کو ملحوظ رکھا تھا جس کا سورہ تحریم میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے۔

لم تحرم ما احل اللہ لک (پ ۲۸ ع ۱۹) — اے محبوب اپنے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو اپنے اوپر کیوں حرام کر لیا۔

اور اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی تشفی کے لئے یہ فرمایا کہ آپ اس واقعہ پر توجہ نہ دیں اور معاملہ ہم پر چھوڑ دیں۔

وتخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ۔ (پ ۲۲ ع ۲) — آپ لوگوں سے شرماتے ہیں حالانکہ اللہ سے شرم کرنا زیادہ مناسب ہے۔

اخفاء کے متعلق دو مقتدر رائیں

حضرت حسن و ام المومنین صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اخفاء ہوتا (اس واقعہ سے متعلق کسی بات کو چھپانا مقصود ہوتا) تو آپ مذکورہ بالا آیت کو ظاہر نہ فرماتے کیونکہ اس سے (بظاہر) تنبیہہ کا اظہار بھی ہوتا ہے اور اس بات کا اظہار بھی ہے جس کو آپ نے مخفی رکھا تھا۔

(۵) حدیث قرطاس سے متعلق ایک اعتراض اور اس کا جواب

یہاں اگر یہ کہا جائے کہ جب حضور اکرم کی عصمت اقوال وافعال ثابت ہو گئی اور یہ بات بھی ظاہر و باہر ہو گئی کہ حضور علیہ السلام سے

غلط بیانی کسی حالت میں خواہ وہ حالت سکون ہو یا اضطراب۔ عمداً ہو یا سہواً۔ صحت ہو یا بیماری۔ خوش مزاجی کی حالت ہو یا غیض وغضب کی ناممکن ہے۔

لہٰذا حدیث وصیت کے بارے میں کیا تاویل وتشریح کی جاسکتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک دن حضور علیہ السلام کی علالت کے دوران کاشانۂ نبوت میں کچھ لوگ موجود تھے۔ اس وقت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لاؤ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں تاکہ میری حیات ظاہری کے بعد تم لوگ گمراہی میں مبتلا نہ ہو لیکن حاضرین میں سے بعض اصحاب نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام پر اس وقت مرض کی شدت ہے (آخر حدیث تک) اور دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ملتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ لاؤ میں تمہارے لئے ایک تحریر مرتب کر دوں تاکہ تم بعد میں گمراہی میں نہ پڑجاؤ لیکن حاضرین کی اس موقع پر دورائیں ہوئیں ایک گروہ نے کہا کہ حضور علیہ السلام پر اس وقت بیماری کا غلبہ ہے لہٰذا حضور کی اس کیفیت کا لحاظ کیا جائے اور تحریر کے سلسلہ میں کچھ نہ کہا جائے لیکن دوسرے گروہ نے تحریر پر اظہار رضامندی کیا لیکن جب حضور علیہ السلام نے ان لوگوں کے منع کرنے کو سُنا تو آپ نے فرمایا میری حالت کا خیال نہ کرو میں جس حال میں ہوں بہتر ہوں۔

اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوا کہ اس وقت سرکار ابد قرار علیہ السلام شدید تکلیف میں تھے اس سلسلہ میں مختلف راویوں نے اس مفہوم کو اپنے انداز میں مختلف الفاظ میں ادا کیا ہے بعض نے ھجر اور ایک نے اھجر اور ایک صاحب نے "اُھجر" کے الفاظ نقل کئے ہیں اور ان تینوں الفاظ سے مفہوم ایک ہی ملتا ہے کہ آپ نے تحریر کا معاملہ ترک فرمادیا۔

تحریر کے بارے میں جناب فاروق اعظم کی تجویز

جیساکہ ہم پچھلی سطروں میں لکھ چکے ہیں کہ تحریر کے سلسلہ میں صحابہ مختلف الخیال تھے بعض حضرات دستاویز لکھانے کے حق میں تھے بعض حضرات اس شدت مرض میں حضور علیہ السلام کو تکلیف نہ دینا چاہتے تھے اس وقت وہاں چہ میگوئیاں ہونے لگیں تو جناب فاروق اعظم نے فرمایا

کہ حضور علیہ السلام مرض کی شدت کی وجہ سے تکلیف میں ہیں (لہٰذا حضور کو تکلیف دینا مناسب نہیں)
اور ہمارے لئے تو کتاب اللہ بہت کافی ہے جب حضور علیہ السلام نے چہ میگوئیاں سنیں تو آپ نے
حاضرین سے فرمایا کہ آپ لوگ یہاں سے اٹھ جائیں۔ ان حالات میں اہل بیت نبوت بھی مختلف الخیال
ہوئے اور بعض نے کاتب کو بلانے پر اصرار کیا اور بعض نے جناب عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کیا۔

حضور علیہ السلام پر بھی بیماری کا اثر ہوتا تھا

مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں ائمہ کرام
نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام پر امراض اور
اس کے عوارض مثلاً درد اور غشی وغیرہ جو جسم مبارک پر طاری ہوتے تھے اس طرح آپ امراض کے
لاحق ہونے سے معصوم نہ تھے اور عوارض مرض میں تو درد کی شدت کو محسوس کرتے تھے۔

البتہ حضور علیہ السلام ہر ایسی تکلیف سے محفوظ و معصوم تھے جس سے شدتِ مرض کوئی ایسی حالت
پیدا ہو جس سے معجزات متاثر ہوں یا شریعت اسلامیہ کی روح متاثر ہو جیسے ہذیان اور کلام میں
خلل واقع ہونے والی کوئی کیفیت وغیرہ۔ اس عقیدہ کی بنا پر وہ روایت جس میں کہ ھجر کا لفظ استعمال
ہوا قرین قیاس نہیں کیونکہ اس لفظ سے ہذیان کا مفہوم مترشح ہوتا ہے کیونکہ عرب کا مقولہ ہے
ھجر ھجراً اذا ھذی اور اھجر ھجر اذا افحش۔ عربی علم القواعد کے مطابق اھجر ھجراً کا فعل متعدی ہے۔

البتہ اھجر کا لفظ جبکہ الف کو ہمزہ استفہام انکاری کے طور پر سمجھا جائے تو یہ قول زیادہ مناسب
معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس طرح مفہوم یہ ہوگا کہ اس شخص کے قول کا ہم انکار کرتے ہیں جس کا کہنا یہ ہے
کہ ہم نہیں لکھتے (کہ کیا حضور علیہ السلام بہک گئے تھے۔)

جناب مصنف فرماتے ہیں کہ میرے اس قول کی تائید امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس ترتیب
سے ہوتی ہے جو موصوف نے اس سلسلہ میں جمع احادیث کے سلسلہ میں اختیار کی۔ انہوں نے سب
سے پہلے امام زہری اور محمد بن سلام کی نقل کردہ احادیث تحریر فرمائی ہیں اور یہی طریقہ جناب اصیلی
نے اپنی کتاب میں جو خود ان کی تحریر میں ہے اختیار کیا ہے۔ ان کے علاوہ دوسروں نے بھی یہی طریقہ
اختیار کیا ہے اور بخاری کے علاوہ امام مسلم نے جناب سفیان اور دوسروں کی روایت کردہ احادیث

بھی یہی طرز اختیار کیا ہے۔

اب اس شخص کی روایت کو ان محدثین کے انداز کی روشنی میں دیکھا جائے گا جس نے ھجر کا لفظ ہمزہ استفہام کے بغیر استعمال کیا ہے یا یہ کہ ہجر کے لفظ کو اھجر پر محمول کیا جائے اور اس کو اس انداز میں سمجھا جائے کہ اس نے حضور علیہ السلام کے مرض کی شدت اور تکلیف کی زیادتی کو دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ آپ نے تحریر کا ارادہ ترک فرمایا تو اس پہ ایسی دہشت طاری ہوئی کہ اس نے الفاظ کے دروبست اور صحت الفاظ کو بھی یاد نہ رکھا اور شدت مرض کی بجائے ہذیان جیسا لفظ استعمال کر لیا حالانکہ ان کو یہ معلوم تھا کہ حضور علیہ السلام کو ہذیان نہیں ہوتا اور حضور علیہ السلام کے لئے اس کا اطلاق بھی جائز نہیں۔

اور اس تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ صحابہ کمال شفقت و جاں نثاری سے حضور علیہ السلام کی حفاظت فرمائی باوجودیکہ حضور علیہ السلام کی حفاظت کے لئے نص قرآنی موجود تھی۔ ارشاد ربانی ہوا۔

واللہ یعصمک من الناس	اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ کو محفوظ
(پ ۶ ع ۱۴)	فرمائے گا۔

اس سلسلہ میں اس آیت کے علاوہ اور بھی بہت سے قرآنی شواہد موجود ہیں۔

لیکن اُھجر روالی روایت جسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابو اسحاق مستملی کے ذریعہ سے نقل کیا ہے اور اسی روایت کو ابن جبیر نے قتیبہ کے حوالہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور امکان یہ ہے کہ اس کا مرجع ان لوگوں کی جانب ہو جنہوں نے تحریر کے بارے میں اختلاف کیا تھا اور ایک دوسرے سے اس بارے میں گفتگو بھی کی تھی لیکن اس کو اس طرح بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں کو خیال ہوا ہو کہ مستقبل میں تم سے کیا توقع کی جا سکتی ہے جبکہ تم حضور علیہ السلام کی حیات ظاہری ہی میں ایک دوسرے سے غیر مناسب طریقہ پر مخاطب ہو۔

ھجر ھ کے ضمہ کے ساتھ اگر پڑھا جائے تو لغت میں اس کے معنیٰ بیہودہ اور فحش بات کے ہوتے ہیں۔

اہل علم حضرات نے اس سلسلہ میں مختلف رائیں ظاہر کی ہیں۔ بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر لکھوانے کے لئے فرمایا تو لوگوں نے اس بارے میں اختلاف رائے کا اظہار کیوں کیا۔

احکام نبوی مختلف نوع کے حامل ہوتے ہیں

اس سلسلہ میں بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرامین مختلف الانواع پر مشتمل ہوتے تھے۔ واجب۔ مستحب اور مباح اور ان کی تشریح و تعیین قرائن کے ساتھ کی جاتی تھی لہٰذا اس موقع پر قرینہ کے تعیین میں لوگوں نے اختلاف رائے کیا ہو۔ بعض نے یہ خیال کیا ہو کہ اس وقت اس حکم میں عزم مصمم نہیں بلکہ یہ امر اختیاری ہے جو مستحب و مباح کی مشبہ ہے اور اس بات کا امکان بھی ہے کہ بعض لوگوں نے اس حکم کو سمجھا ہی نہ ہو اور جب مختلف الخیال ہونے کی وجہ سے مزید تشریح چاہی تو آپ نے تحریر سے اغماض فرمایا جو اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ آپ کا اس سلسلہ میں عزم بالجزم نہ تھا۔

علاوہ ازیں بعض حضرات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس رائے کو کہ حضور علیہ السلام کو مرض کی شدت کی وجہ سے مزید تکلیف دینا مناسب نہیں درست جانا کیونکہ اس موقع پر جناب فاروق اعظم نے ان حاضرین سے جو تحریر کے حق میں تھے فرمایا تھا کہ تم دیکھتے نہیں کہ حضور اس وقت کس قدر تکلیف میں ہیں

اس بارے میں بعض حضرات نے ایک ضعیف توجیہہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس وقت یہ خیال ہوا کہ کہیں مرض کی شدت کی وجہ سے حضور علیہ السلام کوئی ایسی بات نہ لکھوا دیں جس کی تعمیل سے امت مسلمہ قاصر رہے اور عدم تعمیل کی وجہ سے مصیبت میں پڑ جائے۔ نیز انہوں نے یہ خیال کیا ہو کہ امت کے لئے غور و فکر اور اجتہاد کے دروازے کھلے رہنے چاہئیں تاکہ وہ حق و صواب کی جستجو میں کوشاں رہیں اور شریعت کے احکام کے مطابق مصیب و مخطی دونوں ماجور ہوں[1]

---

[1] مجتہد کو اس کے اجتہاد پر اجر ملتا ہے اگر وہ مسئلہ کی حقیقت کو پہنچ جائے تو دو اجر ملتے ہیں اور مقصود تک رسائی نہ ہو تو صرف اجتہاد کا ثواب ملتا ہے۔ مترجم

حضرت عمر کی رائے کی صحت کی دلیل

اس سلسلہ میں یہ بات توجہ طلب ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم تھا کہ ہم اس دین کے متبع ہیں جس کی اساس مستحکم رکھی گئی ہے جس کے بارے میں رب کریم نے بھی بشارت دے دی ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم آج تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا

(پ ۶ ع ۵)

اور صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی واشگاف الفاظ میں فرما دیا کہ میں تمہیں کتاب الٰہی اور اپنی عترت کے اتباع کا حکم دیتا ہوں۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت فرمایا تھا۔ حسبنا کتاب اللہ ہمیں (اپنے امور کے سلسلہ میں) کتاب اللہ کافی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا منع فرمانا فرمان نبوی کے عین مطابق اس معترض کے اعتراض کو رفع کرنے کے لئے تھا جس نے اس وقت الیسیؔ نزاعی گفتگو کی تھی۔ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تحریر لکھوانے کے بارے میں حکم نبوی کی مخالفت کا شائبہ تک نہ تھا۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تحریر کے سلسلہ میں منع کرنا اس وجہ سے بھی تھا کہ یہ تحریر عوام کے سامنے نہ لکھی جائے لہٰذا مفسدین اور منافقین کو طعنہ زنی کا موقعہ مل جاتا اور وہ لوگ یہ کہتے کہ وصیت تنہائی کی گھڑنت ہے اور اس کی مثل اور دوسری خرافات بھی منصۂ شہود پر آجاتیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اصابت رائے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اصابت رائے کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس وقت آپ نے جو خیال کیا تھا وہ بعینہٖ وقوع پذیر ہوا) اور روافض نے تو وصیت کا دعویٰ کر ڈالا اور اس کے ماسوا اور بہت سی باتیں بھی کہیں ہیں۔

تحریر کے سلسلہ میں ایک توجیہہ

اس سلسلہ میں بعض حضرات نے یہ توجیہہ کی ہے کہ تحریر کے سلسلہ میں نبی علیہ السلام کا فرمانا یا تو بر سبیل مشورہ تھا یا بر سبیل امتحان کہ افراد ملت اس سلسلہ میں متفق ہوتے ہیں یا اختلاف کا اظہار کرتے ہیں لیکن

جب حاضرین کے اس معاملہ میں مختلف الخیال ہونے کا حضور علیہ السلام کو علم ہوا تو آپ نے اس ارادہ کا اعادہ نہ فرمایا۔

تحریر کے سلسلہ میں دوسری توجیہہ

جناب مصنّف فرماتے ہیں کہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے تحریر کی بابت خود بخود نہیں فرمایا تھا بلکہ اس سلسلہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بعض حضرات نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا اور حضور نے ان کی خواہش کے مدنظر اس بارے میں فرمایا لیکن بعض ان وجوہ کی بنا پر جو ماسبق میں مذکور ہوئے۔ اکابر صحابہ نے حضور علیہ السلام کو تکلیف دینا گوارا نہ کیا۔

تحریر کے سلسلہ میں حضرات ابن عباس و علی کی گفتگو

مذکورہ بالا واقعات و حالات کے سلسلہ میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو عم زاد برادراں کی گفتگو بھی قابل توجہ ہے۔ اس سلسلہ میں اہل علم حضرات نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول سے استدلال کیا ہے۔

موصوف نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا تھا کہ ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس معاملہ کی اہمیت کے متعلق استفسار کر لیں لیکن مولائے کائنات نے اس تجویز سے اختلاف کرتے ہوئے فرمایا بخدا میں حضور کی خدمت میں اس بارے میں استفسار کے لئے نہ جاؤں گا (آخر حدیث تک) نیز ایک جماعت نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ تم مجھے میرے حال پر چھوڑ دو میں اس میں خوش ہوں یعنی اگر تم کتابت وثیقہ سے متفق نہیں ہو تو میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنی حیات ظاہری کے بعد تمام معاملات کو کتاب اللہ اور تم پر چھوڑ دوں اور تم مجھ سے اس سوال سے باز رہو جس کے تم طالب ہو۔

وثیقہ کی عبارت

اس سلسلہ میں جن حضرات نے حضور علیہ السلام سے وثیقہ کی تحریر کی بابت استدعا کی تھی ان کی خواہش یہ تھی کہ امر خلافت اور خلیفہ کے نام کا تعین وثیقہ کی تحریر کے ذریعہ ہو جائے۔ (تاکہ بعد میں خلفشار نہ ہو)

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض دعائیہ کلمات کی تشریح و توجیہہ

(معاشرہ کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ اگر بعض کلمات اہل معاشرہ کی سمجھ میں نہیں آئیں تو اعتراضات کی بھرمار شروع ہو جاتی ہے منجملہ ان اعتراضات کے) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر بھی اعتراض کیا گیا ہے جس میں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فرمودات کے متعلق انہوں نے فرمایا کہ میں نے سرکار دو عالم علیہ السلام کے دعائیہ کلمات سُنے، حضور نے فرمایا اے پروردگار عالم محمد بھی بشر کی طرح غصہ کرتا ہے اور میں نے تیری ذاتِ گرامی سے وعدہ لیا ہے جس کے تو خلاف نہ فرمائے گا اگر میں نے کسی مومن کو تکلیف دی ہو یا دوں یا اس کو برا بھلا کہوں یا اس کو کوڑے ماروں تو میرے اس فعل کو اس کے لئے کفارے اور قربت کا سبب بنا دے اور قیامت کے دن اس کو اپنا قرب نصیب فرمانا (یہ کلمات نبوت مختلف رواۃ سے منقول ہیں اور ان حضرات نے مختلف انداز میں ان الفاظ کو نقل کیا ہے) ایک روایت کے مطابق حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا جس کو میں بد دعا دوں۔ ایک راوی نے اس میں یہ اضافہ کیا کہ وہ شخص اس دعائے بد کا سزاوار نہ ہو ایک صاحب نے فرمایا کہ حضور نے یہ بھی فرمایا تھا جس مسلمان کو میں برا کہوں یا اس کے لئے راندہ درگاہ کا لفظ استعمال کروں یا اس کو تازیانہ لگاؤں تو خداوندا میرے افعال کو اس شخص کے لئے بخشش و رحمت کا سبب بنا دیا۔

یہاں یہ بات توجہ کے قابل ہے کہ حضور علیہ السلام کی ذاتِ اقدس سے یہ توقع کرنا کہ آپ کسی غیر مستحق پر لعنت فرمائیں یا اس کو نازیبا کلمات فرمائیں یا بیجا طور پہ تازیانہ لگائیں یا حالت غضب میں کوئی اور ایسی بات کریں جو آپ کے شایان شایان نہ ہو۔ ایسا غلط تخیل اس لئے غلط ہے کہ حضور کی ذات گرامی ناپسندیدہ بات کے ارتکاب سے معصوم ہے۔

اعتراض کا جواب

جناب مصنف دعائیہ کلمات کے بعد فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا ایسے شخص کی سزا دہی کے لئے فرمانا جو اس کا مستحق نہ ہو۔ ان الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن کو جاننے والا ہے اور اس کے علم کے مطابق اس شخص کی باطنی حالت اس امر کی مستحق نہ تھی اور حضور علیہ السلام کا فرمانا ظاہر پر محمول تھا اور حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا بھی اس حکمت پر مبنی تھا جس کا تذکرہ ماسبق میں کیا جا چکا ہے (یعنی وہ اقوال حضور علیہ السلام کے تواضع و انکسار کو ظاہر کرتے ہیں اور یہ اظہار تعلیم امت کے لئے تھا۔ لہٰذا اگر حضور نے کسی کی تادیب کے لئے تازیانہ لگایا یا سخت سُست الفاظ استعمال کئے یا اس کی ظاہری حالت کے مطابق اس کے متعلق کچھ فرمایا۔ پھر ان صفات رحمت کے مطابق جو خصوصی عطیہ الٰہی ہیں۔ اس شخص کے متعلق خصوصی طور پر دعا فرمائی۔ تاکہ وہ کلمات جو ماسبق میں اس کے حق میں فرمائے ہیں وہ بددعا نہ بن جائیں اور اس شخص کو کہیں نقصان نہ پہنچ جائے تو حضور نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا خداوندا میرے اس فعل (جو مَیں نے اس کی سزا کے بارے میں کیا ہے) اور میرے کلمات کو اس شخص کے حق میں رحمت قرار دیدے یہ دعائیہ کلمات سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمت حضور کی رافت و رحمت کا اظہار کر رہے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ان کی اصلاح حال کے لئے سخت بددعا کے کلمات ارشاد تو فرمائے لیکن شانِ رحمت نے یہ گوارا نہ کیا کہ حضور علیہ السلام کسی کے لئے بددعا فرمائیں لہٰذا بارگاہ خداوندی میں دعا فرما کر ان کلمات سے اجر و ثواب ہی نہیں بلکہ بددعا کو دعا میں تبدیل فرمانے کی التجا فرمائی اور یہی آپ کے ارشادِ گرامی کا مفہوم اور اس کی توجیہہ ہے کہ وہ شخص اس کا اہل نہ تھا اور اس سے یہ مراد نہیں لیا جا سکتا کہ حضور علیہ السلام غیض و غضب کی حالت میں ایک ایسے شخص کے لئے کچھ فرمائیں جن کا وہ سزاوار نہ ہو۔ اسی طرح سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کا کہ "مَیں انسان کی طرح ہی غصہ میں ہوتا ہوں" کا مفہوم یہ نہ لیا جائے کہ آپ کو کسی غیر ضروری بات پر غصہ آتا ہو بلکہ اس سے یہ مراد ہو سکتا ہے کہ اس سے وہ غصہ مراد ہے جو سزا کے طور پر کسی پر ظاہر کیا گیا ہو خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہو یا حقوق العباد سے۔ اور اس سلسلہ میں حضور علیہ السلام نے اپنے ان

اختیارات کا استعمال بھی فرمایا ہو جو عفو و درگذر سے متعلق ہوں یا جزا و سزا سے۔

بددعا سے متعلق چند اور احتمالات

اس بددعا کے سلسلہ میں منجملہ اور احتمالات کے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کلمات بددعا آپ نے ترہیب و تحذیر کے لئے فرمائے ہوں اور یہ مراد ہو کہ آپ نے ان الفاظ سے ان کا نقصان گوارا فرمایا ہو۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ یہ بددعا کے کلمات آپ نے اہل عرب کے طریقہ کے مطابق فرمائے ہوں اور اس سے ان کی قبولیت مقصود نہ ہو جیسا کہ ماسبق سطر میں بیان ہوا۔ جیسا کہ آپ نے پہلے بھی دوسروں کے بارے میں یہ کلمات فرمائے تھے تربت یدک تیرا ہاتھ خاک آلود ہو ولا اشبع اللہ بطنک اللہ تعالیٰ تیرا پیٹ کبھی نہ بھرے دعقری حلقی کہ نچے کٹی یا سر منڈی" ان کے علاوہ اور دوسرے کلمات جو وقتاً فوقتاً ارشاد فرمائے۔

صفات نبی علیہ السّلام

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں یہ بھی ہے کہ آپ کی زبان مبارک سے نازیبا الفاظ ادا ہی نہیں ہوتے تھے اور حضور علیہ السلام کی صفات کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نہ تو نازیبا کلمات فرماتے تھے اور نہ فحش بات کہتے اور نہ کسی پر لعنت فرماتے تھے بلکہ حضور علیہ السلام ناراض ہوتے تو غصہ سے فرمایا کرتے تھے۔ مالہ تسرب جبینہ اس کی پیشانی خاک آلود ہو اس کو کیا ہوا ہے مُصنّف فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا سطور کے مطالعہ کے بعد اب حدیث بددعا کو اس معنیٰ پر محمول کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں حضور نے صفات رحمت کے تقاضوں کے ماتحت یہ خیال فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بددُعا کے کلمات بارگاہ احدیت میں شرف قبول حاصل کرلیں۔ اس لئے حضور علیہ السلام نے حدیث کے الفاظ کے مطابق رب کریم سے وعدہ لیا کہ ایسے کلمات اگر کسی کے لئے کہے جائیں تو وہ اس کے لئے پاکی۔ رحمت و تقرب کا سبب بنا دے۔

کلمات نبوی کے ایک اور معنیٰ

اور بعض اوقات حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے یہ کلمات مدعو علیہ جس کے لئے یہ کلمات دعائیہ فرمائے گئے تھے)

کو ڈرانے اور خوفزدہ کرنے کے لئے ہوتے تھے (کیونکہ حضور علیہ السلام اس سے شفقت فرماتے تھے) تاکہ وہ خوف زدہ ہو کر یہ خیال کرے کہ میں اپنے افعال کے مطابق اس رویہ کا مستحق تھا اور اس پر ایسا خوف نہ طاری ہو جائے جس سے اس کو یاس و ناامیدی گھیر لے۔

اس کے علاوہ بعض اوقات حضور کا ایسے کلمات فرمانا حقیقت پر بھی مبنی ہوتا تھا اور ان لوگوں کے لئے ہوتا تھا جن کو کبھی آپ نے سزا کے طور پر کوڑے یا تازیانہ لگائے یا سخت کلمات فرمائے ہوں۔ اس طرح یہ عمل اس شخص کے لئے کفارہ بن جائے اور اس کے عفو و مغفرت کا سبب ہو جائے۔

اور اسکی تائید دوسری حدیث کے الفاظ سے ملتی ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں "کہ جو شخص ایسے امور کا مرتکب ہوگا اور اس کو دنیا میں سزا مل جائے گی تو یہ سزا آخرت میں اس کے لئے کفارہ کا سبب بن جائے گی۔

حدیث زبیر رضی اللہ عنہ کی توضیح

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری کے تنازعہ کے موقع پر حضور علیہ السلام کے فیصلہ پر اگر کسی کو شک و شبہ ہو تو اس کے ازالہ کے لئے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ حضور علیہ السلام کے فیصلہ میں ناانصافی کا تصور ہی غلط ہے آیئے پہلے اس واقعہ کا سرسری جائزہ لیں۔

جناب زبیر رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری میں حرہ کے کھیتوں کی سیرابی کے سلسلہ میں شکر رنجی ہوئی اور معاملہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں پیش ہوا تو حضور علیہ السلام نے جناب زبیر سے فرمایا کہ تم اتنا پانی لو کہ وہ ٹخنوں تک پہنچ جائے۔ یہ کلمات سن کر اس انصاری نے کہا یا رسول اللہ یہ اس لئے فرما رہے ہیں کہ زبیر آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔ یہ الفاظ سن کر حضور علیہ السلام کے چہرہ مبارک پر غصہ کے آثار نمودار ہونے لگے اور حضور نے جناب زبیر سے فرمایا اے زبیر اب تم زمین کو سیراب کرو اور پانی روک دو یہاں تک کہ وہ دیواروں تک پہنچ جائے۔ (آخر واقعہ تک)

یہ اس سلسلہ میں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ سرکار دو عالم علیہ السلام کے فیصلہ کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھنا غلط ہے لہٰذا حضور علیہ السلام کی ذاتِ اقدس غلط فیصلہ فرمانے سے معصوم ہے۔ ابتداً میں آپ

نے رفع شر اور صلح جوئی کے مدنظر جناب زبیر کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنے حق کے حصول میں ایثار کریں اور اپنا تھوڑا حصہ فریقِ مخالف کو دیدیں لیکن دوسرا فریق جب اس فیصلہ پر راضی نہ ہوا اور اس نے نازیبا بات کہی تو حضور علیہ السلام نے جناب زبیر کو فرمایا کہ اب تم اپنا پورا حق لے سکتے ہو۔

جناب زبیر کا معاملہ اور امام بخاری

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اپنی صحیح میں جمع احادیث کے وقت اس حدیث کو ذکر کرتے ہوئے یہ ایک علیحدہ عنوان قائم کیا باب اذا اشار الامام بالصلح فابی حکم علیہ بالحکم جب امام صلح کی جانب اشارہ کرے اور دوسرا شخص اس سے انکار کرے تو اس سلسلہ میں حاکم صراحت کے ساتھ حکم نافذ کرے۔ امام بخاری نے آخر حدیث میں تذکرہ کیا ہے کہ جب فریق مخالف فیصلہ سے مطمئن نہ ہوا تو حضور نے جناب زبیر کو ان کا پورا حق دلایا۔ اسی لئے اہل علم نے قضایا میں اس حدیث سے استناد کیا ہے اور اس حدیث سے دلیل حاصل کی ہے کہ تمام افعال و احکام میں حضور کی اقتدا لازم اور واجب ہے خواہ وہ خوشی کے عالم میں ہو یا عام حالات میں یا غیض و غضب کی حالت میں۔

فیصلہ کے وقت قاضی کو ہدایات

ہادیٔ اعظم محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکام قضاۃ اور منصفین کو ہدایت فرمائی کہ جب وہ فیصلہ کریں تو اس بات کا لحاظ رکھیں کہ وہ حالت اعتدال پر ہوں۔ غیض و غضب اور غصہ کا شکار نہ ہوں۔

اس کے برخلاف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت دوسروں سے مختلف ہے۔ حضور کسی بھی حال میں ہوں خواہ وہ فرحت و سرور کا عالم ہو یا حضور غصہ میں ہوں ہر دو حال میں برابر ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ہر دو حالتوں میں معصوم ہیں۔ اور مذکورہ بالا دونوں مواقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا غصہ فرمانا اپنی ذات کے لئے نہ تھا بلکہ یہ غصہ اللہ رب العالمین کے لئے تھا جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے [۱]

---

[۱] احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضور علیہ السلام کبھی اپنے ذاتی معاملات میں غصہ نہ ہوتے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا غصہ فرمانا ہمیشہ اللہ کے لئے ہوتا تھا۔ الحب للہ والبغض للہ۔ مترجم

حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ اور قصاص

اور یہی تاویل حضرت عکاشہ کے واقعہ میں کی جائے گی جس میں کہ حضور علیہ السلام نے ان کو اپنی ذات اقدس سے قصاص لینے کی اجازت عطا فرمائی تھی حالانکہ حدیث کے الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے ان کو تازیانہ لگانے کی جو روایت منقول ہے ۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اس وقت غصہ کی حالت میں نہ تھے بلکہ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب عکاشہ خود بھی اس سلسلہ میں کسی فیصلہ سے قاصر تھے کہ حضور علیہ السلام نے دانستہ طور پر ان کو تازیانہ لگایا تھا۔آپ اونٹنی کو تازیانہ لگانا چاہتے تھے جو جناب عکاشہ کے لگا۔لیکن جناب عکاشہ کے متردد ہونے کے باوجود حضور علیہ السلام نے ان سے فرمایا "اے عکاشہ میں تمہیں اس بات سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں کہ اللہ کا رسول تمہیں قصداً چھڑی سے زدو کوب کرے۔

ایک اعرابی کا قصاص طلب کرنا

اسی طرح کا ایک اور واقعہ حدیث میں منقول ہے کہ ایک اعرابی نے حضور علیہ السلام سے قصاص طلب کیا اور جب حضور علیہ السلام نے اسے اجازت دی تو اس نے یہ کہا کہ میں اپنے حق کو معاف کرتا ہوں اس واقعہ کی اجمالی کیفیت اس طرح ملتی ہے کہ ایک اعرابی حضور علیہ السلام کی سواری کی لگام سے چمٹا ہوا تھا حضور علیہ السلام نے بار بار اس کو منع فرمایا اور یہ کہا کہ تو جو کچھ چاہتا ہے طلب کر لے لیکن وہ نہ مانا اور مسلسل لگام سے چمٹا رہا۔اس پر حضور علیہ السلام نے اس کو ایک چابک مارا اور یہ بھی اس وقت ہوا جبکہ اس نے تین مرتبہ فرمان نبوی کی خلاف ورزی کی۔یہاں اعرابی کے تازیانہ (چابک) مارنا اس کو تعلیم ادب کے لئے تھا کیونکہ وہ مسلسل نافرمانی کرتا رہا تھا لیکن اس واقعہ سے خود حضور علیہ السلام کی ذات اقدس متعلق تھی اس لئے آپ نے اس کو قصاص کی دعوت دی اور اس نے حضور علیہ السلام سے بدلہ لینا گوارا نہ کیا اور اپنا حق معاف کر دیا۔

سواد بن عمرو کا واقعہ

سواد بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اس وقت میں ایک مخصوص قسم کی گھاس کی خوشبو سے لبا ہوا تھا مجھے

دیکھ کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا درس سہے درس اسکو کھرچ ۔ کھرچ یعنی دور کہ اس وقت آپ کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی ۔ وہ آپ نے میرے پیٹ میں ماری جس سے مجھے تکلیف ہوئی اور میں نے حضور علیہ السلام سے قصاص کا مطالبہ کیا ۔ میرا مطالبہ سن کر حضور علیہ السلام نے اپنا شکم مبارک کھول دیا ۔

اس واقعہ میں حضور علیہ السلام کا سواد کو چھڑی سے مارنا ذاتی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس کو ایک امر مذموم پر متوجہ کرنا تھا اور اسکو تنبیہ فرمانا تھا لیکن جب سواد نے اپنی تکلیف پر قصاص کا مطالبہ کیا تو آپ نے اس کو بدلہ دینے کے لئے شکم مبارک کھول دیا اور ان سے معافی طلب نہ فرمائی ۔ اس سلسلہ میں ہم نے ما سبق میں بھی لکھا ہے ۔

سرکار دو عالم کے دنیاوی افعال

حضور علیہ السلام کے دنیاوی افعال میں بھی معاصی اور مکروہات سے معصوم ہونے کے سلسلہ میں گذشتہ صفحات میں تبصرہ کیا گیا ہے البتہ بعض احوال میں سہو کی کیفیت ممکن ہے لیکن اس سے تقدس نبوّت میں کوئی فرق نہیں آتا اور اس بارے میں بھی ہم اجمالی طور پر لکھ چکے ہیں اور ان افعال کا وقوع بھی نوادر میں سے ہے

ما سبق میں ہم نے یہ لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام کے تمام افعال عبادات سے بھی متعلق ہوتے تھے اور ذریعہ تقرب بھی ان وجوہ میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ دنیاوی افعال کو بقدر ضرورت اختیار فرماتے تھے تاکہ اس سے جسمانی ارتقاء باقی رہے اور یہ مصلحت پنہاں بھی کہ آپ رب تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہیں اور نفاذ شریعت کریں اور امت مسلمہ کی بہتری کے لئے بھی کام کرتے رہیں ۔

اسی طرح آپ کے وہ افعال جو ذات نبوی اور امت مسلمہ کے درمیان وارد ہیں وہ تو ظاہر و باہر ہیں ان افعال کو آپ اس طرح انجام دیتے جو دوسروں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوں مثلاً آپ حسن سلوک فرماتے کثرت کے ساتھ امور انجام دیتے ۔ نرم گفتگو فرماتے ۔ کمزور کی فریاد سنتے اور سرکش کی سرکوبی فرماتے ۔ حاسد کی مدارات فرما کر اس کو ہدایت کی راہ دکھاتے اور یہ افعال زکیہ

واعمال صالحہ منجملہ امور عبادات میں شمار ہوتے ہیں۔

علاوہ ازیں بعض اوقات یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ آپ کے دنیاوی افعال مختلف حالات میں بٹے ہوئے ہوتے تھے۔ اور بعض کاموں میں مناسب حالات عمل فرماتے تھے مثلاً جب کہیں قریب جانا ہوتا تو سواری کے لئے دراز گوش کو لیتے لیکن جب طویل سفر ہوتا تو سواری کے لئے اونٹ کو منتخب فرماتے۔ لیکن جب جدال وقتال کا موقع ہوتا تو اس کے مناسب ثبات واستقلال کے مظہر سواری خچر کا انتخاب فرماتے۔ جنگ کے بعض مواقع پر گھوڑے کو اپنی سواری ہونے کی سعادت بہم پہنچاتے نیز ناگہانی ضرورتوں کے مواقع پر فریادی کی فوری مدد کے لیئے گھوڑے کی سواری کو ترجیح دیتے۔

نیز امت مسلمہ اور اپنی ذاتی مصالح کی خاطر آپ اپنے لباس اور حالات میں بھی تبدیلی فرمایا کرتے تھے علاوہ ازیں آپ امت مسلمہ کی مساعدت اور ضروریات[1] کی وجہ سے وہی افعال دنیاوی امور میں اختیار فرماتے تھے جس کا تقضا ضروری ہوتا تھا۔ اور اس کے خلاف کرنے کو پسند نہ فرماتے تھے۔ باوجودیکہ متروکہ بات آپ کو بھلی ہی کیوں نہ معلوم ہوتی ہو اور بعض اوقات ایسا آپ دینی امور میں بھی کرتے تھے لیکن ایسا کرنا ان امور میں ہوتا جن کے بارے میں آپ کو اختیار کلی حاصل ہوتا مثلاً غزوہ احد کے موقع پر مدینہ سے باہر جانا حالانکہ آپ کا معمول یہ تھا کہ لڑائی کے موقع پر آپ مدینہ منورہ میں رہ کر جنگ کرنا پسند فرماتے تھے اور منافقین کے حالات کا علم ہونے کے باوجود ان کی تالیف قلب اور ان منافقین کے اعزہ کی خاطر تواضع کرنا اور ان کی رعایت کی خاطر ان کے قتل کو ترک کرنا یا اس بات کو ملحوظ رکھنا کہ مخالفین یہ کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں جیسا

---

[1] جناب مصنف نے اپنی کتاب مستطاب شفاء (زیر ترجمہ) میں سیاست کا لفظ لکھا ہے لیکن اس نے اس کا ترجمہ ضروریات اس لئے کیا ہے کہ لفظ سیاست جن معنی میں آج کل مستعمل ہے وہ مصنف کا مقصود نہ تھا نیز سیاست دھوکہ بازی، منافقت اور اس قسم کے دوسرے معنی میں مستعمل ہے جس کی اسلامی طرز فکر میں کوئی گنجائش نہیں لہٰذا احتیاط کے تقاضوں کے مدنظر ضروریات کا لفظ مجھے بہتر معلوم ہوا۔ مترجم

کہ الفاظ حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

یا کفار قریش کی وجہ سے خانہ کعبہ کی تعمیر کو بناء ابراہیمی پر اس لئے تعمیر نہ فرمایا کہ کہیں ان کے دل میں اس تغیر و تبدل سے تنفر پیدا نہ ہو جائے اور اسکی وجہ سے مسلمانوں سے سابقہ عداوت عود نہ کر آئے۔ اس خدشہ کے مد نظر آپنے بناء ابراہیمی کی بجائے جدید تعمیر کے انداز کو برقرار رکھا۔

بناء کعبہ اور حدیث نبوی

حدیث صحیح سے معلوم ہوا ہے کہ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت صدیقہ عائشہ سے فرمایا اگر تمہاری قوم کا کفر کا قریبی دور نہ ہوتا تو میں خانہ کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کی ہوئی بنیادوں پر کر دیتا۔

جناب مصنف فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے معمولات میں یہ بھی داخل تھا کہ ایک کام کرتے اور دوسرا کام اس سے بہتر معلوم ہوتا تو پہلے کو ترک فرما دیتے جیسا کہ غزوہ بدر کے موقع پر ہوا کہ پہلے آپ نے پانی کی رسدگاہ (کنوؤں) سے دور قیام فرمایا لیکن بعد میں (صحابہ کے مشورہ سے) کنوؤں کے قریب قیام فرمایا۔ تاکہ غنیم پانی کے ذخیرہ سے فائدہ حاصل نہ کر سکے۔

حضور علیہ السلام کفار و مشرکین کی تالیف قلب کی خاطر ان سے خندہ پیشانی سے ملتے اور اسی طرح جاہل و بدقماش سے ایذا پہنچنے پر صبر فرماتے ایسے موقع پر فرماتے کہ سب سے بدتر شخص وُہ ہے جس کی برائی کی وجہ سے لوگ اس سے کنارہ کشی کریں۔ ایسے مفسدین کو آپ اچھی اچھی چیزیں عطا فرماتے تاکہ آپ کی ذات اقدس سے مانوس ہو کر دین کو محبوب رکھنے لگیں نیز حضور علیہ السلام کی عادتِ کریمہ یہ بھی تھی کہ آپ اپنے گھر میں وہ کام بھی انجام دے لیا کرتے جو کام خدام و ملازمین کیا کرتے ہیں۔ لباس و پوشاک کے معاملہ میں احتیاط فرماتے اور نشست کے معاملہ میں آپ وہ پسندیدہ ہیئت اختیار فرماتے کہ اطراف و جوانب سے کوئی چیز ظاہر نہ ہوتی۔

حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں بیٹھنے والے حضور علیہ السلام کا اس قدر ادب کرتے اور اس طرح ساکت بیٹھتے جیسے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اگر انہوں نے ذرا بھی حرکت کی تو یہ پرندے اڑ جائیں گے حضور علیہ السلام کا اپنے نئے جلیسوں سے خطاب اس طرح ہوتا تھا گویا کہ ان سے بہت پہلے کی واقفیت ہے ان کی گفتگو میں تعجب کے اظہار کے وقت آپ بھی اظہارِ تعجب فرماتے اور

گفتگو میں ہنسی کے مواقع پر آپ بھی تبسم[1] فرماتے تھے آپ کے حسنِ اخلاق اور انصاف نے اپنوں ہی کو نہیں بلکہ غیروں کو بھی مسخر کر لیا تھا۔

کردارِ نبوی کی ایک اور جھلک غصہ کی حالت میں آپ کو سبکی اور خفت لاحق نہ ہوتی تھی اور آپ اپنے ہم نشینوں سے کد بھی نہیں رکھتے تھے اس سلسلہ میں حضور علیہ السلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ نبی کے لئے یہ بات مناسب نہیں کہ اس کی آنکھ خیانت کرے۔

بُرے آدمی سے حُسنِ سلوک کی ایک اور مثال: یہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اور ان کے سامنے پیش آنے والے واقعات کے سلسلہ میں ایک شک کو رفع کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہونا چاہا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ اپنے خاندان کا بُرا فرزند ہے لیکن جب وہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس سے ملاطفت سے گفتگو فرمائی اور اس کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کیا۔ اس شخص کے جانے کے بعد جناب صدیقہ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اس کی عدم موجودگی میں تو آپ نے اس کے بارے میں اچھے الفاظ نہ فرمائے لیکن اس کے سامنے آپ نے اس سے نہایت عمدہ طریقہ پر گفتگو فرمائی جناب عائشہ کی بات سُن کر حضور علیہ السلام نے فرمایا وہ شخص بدتر ہے جس کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے لوگ اس سے بچنے لگیں۔

اس واقعہ سے بظاہر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول کی دوعملی کا اظہار ہوتا ہے جس کا صدور نبی علیہ السلام کی ذاتِ اقدس کے لئے کسی طرح مناسب نہیں کہ آپ کسی کی عدم موجودگی میں اس کے متعلق کچھ فرمائیں لیکن اس کے سامنے اس سے ملاطفت سے گفتگو فرمائیں

بظاہر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طرزِ عمل میں تضاد نظر آتا ہے لیکن اس شخص سے حضور علیہ السلام

---

[1] حضور علیہ السلام کے بارے میں جب بھی ضحک کا لفظ استعمال ہوا ہے اس سے تبسم ہی مراد ہوتا ہے ہنسنا جن معنوں میں اردو میں مستعمل ہے وہ انداز حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں اسلئے میں نے ضحک کا ترجمہ تبسم کیا ہے۔ محمد اظہر نعیمی

کا اس انداز سے پیش آنا خود اس کے لئے ہی نہیں بلکہ دوسروں کے لئے بھی تالیف قلب کا سبب بنا تاکہ وہ مسرت و شادمانی کی وجہ سے راسخ العقیدہ ہو جائے اور اس طرز عمل کو دیکھ کر دوسرے بھی ایمان و اسلام کی طرف متوجہ ہوں لہٰذا حضور علیہ السلام کا ایسا کرنا دنیاوی مصالح کی وجہ سے نہیں بلکہ خالص دینی مصلحت کی بناء پر تھا۔

یہاں یہ بات بھی خالی از دلچسپی نہ ہو گی کہ حضور علیہ السلام گفتگو ہی میں ایسا طرز عمل اختیار نہیں کرتے تھے بلکہ عملی طور پر لوگوں کی مالی خدمت کر کے بھی تالیف قلب فرمایا کرتے تھے۔ جب حضور مالی منفعت سے بھی دریغ نہ فرماتے تھے تو نرم گفتاری میں کیا حرج واقع ہو سکتا ہے۔

داد و دہش کے اثرات

جناب صفوان فرماتے ہیں کہ ایک وقت وہ تھا جبکہ حضور علیہ السلام کی ذات گرامی میرے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ تھی لیکن حضور علیہ السلام کا طرز عمل میرے ساتھ بہت اچھا تھا اور حضور ہمیشہ مجھ پر داد و دہش کی بارش فرماتے تھے۔ حضور علیہ السلام کی داد و دہش کا حسن سلوک کا مجھ پر یہ اثر ہوا اور آج آپ کی ذات اقدس مجھے محبوب ترین ہے

حضرت عائشہ کی حدیث پر اعتراض کا ایک اور جواب

اس شخص کے بارے میں جو بارگاہ نبوی میں حاضری کا طالب تھا حضور کا یہ فرمانا کہ وہ خاندان کا بُرا بیٹا ہے غیبت میں شمار نہیں بلکہ ناواقفوں کو اس کی کیفیت کا بتانا مقصود تھا تاکہ دوسرے اس کی حالت سے باخبر ہو کر اس سے محترز رہیں اور اس پر کسی معاملہ میں اعتماد نہ کریں خواہ وہ شخص اپنی قوم کا سردار اور مطاع بھی ہو۔

اظہار حقیقت کا حکم

یہاں یہ بات توجہ طلب ہے کہ مذکورہ بالا حقیقت کا اظہار جب ضرورت کے تحت ہو اور اس سے رفع بشر مقصود ہو تو اس کو غیبت نہیں کہا جاتا بلکہ ایسے مواقع پر اظہار حقیقت واجب ہو جاتا ہے اور اس سلسلہ میں محدثین کرام تخریج احادیث کے وقت راوی پر اس کے ثقہ ہونے کی تحقیق میں حرج و تعدیل کیا کرتے ہیں اور تزکیہ نفوس اور تعلیم شہود کے سلسلہ میں مزکیں کا طرز عمل قابل تقلید ہے۔

حدیث بریرہ پر اعتراض کا جواب

معترضین حضرات نے حضرت بریرہ کی روایت کردہ حدیث پر اعتراض کیا ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے حبیبِ کبریا، کارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جناب صدیقہ عائشہ نے عرض کیا کہ بریرہ کی آزادی کے سلسلہ میں مالکوں نے ولاء کی شرط عائد کی ہے اور اس شرط کی منظوری کے بغیر وہ انہیں فروخت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یہ بات معلوم کرنے کے بعد حضور علیہ السلام نے جناب سیدہ عائشہ سے فرمایا کہ تم اس شرط کی منظوری کے بعد انہیں خرید لو۔

حضرت عائشہ سے یہ فرمانے کے بعد سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور دوران خطبہ فرمایا "ایسے لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ (خرید و فروخت میں) ایسی شرائط عائد کرتے ہیں جن کا تذکرہ کتابِ الٰہی میں نہیں ہے اور جو شرائط قرآن سے ثابت نہ ہوں وہ باطل ہیں۔

یہاں اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ ایک طرف تو حضور نے جناب صدیقہ کو ان کی شرط ماننے کا حکم دے دیا۔ اگر حضور حضرت عائشہ کو اس شرط کو ماننے کی اجازت نہ دیتے تو وہ حسب سابق فروختگی سے باز رہتے اور جب ان کی شرط مان لی گئی تو وہ فروختگی کے لئے تیار ہو گئے۔ دوسری جانب حضور علیہ السلام نے اس شرط کو باطل قرار دیا لیں حضور علیہ السلام کا یہ فعل محل نظر آتا ہے کہ حضرت عائشہ کو تو حکم دے دیا اور خود شرط کو باطل فرما دیا حالانکہ خود حضور علیہ السلام نے دھوکہ اور خیانت کو ممنوع قرار دیا ہے

اعتراض کا جواب اور رفع شک

مصنف علیہ الرحمۃ دعائیہ کلمات کے بعد فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی ذاتِ اقدس نادان لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں سے پاک ہے۔ حضور علیہ السلام کی عصمت و تنزیہہ کے سلسلہ میں بعض حضرات نے حضور علیہ السلام کے اس فرمان سے متعلق روایت میں اضافہ کو غلط قرار دیا ہے کہ آپ نے جنابِ صدیقہ سے فرمایا تھا کہ تم انکی ولاء کی شرائط کو تسلیم کر لو اکثر سندوں میں اس جملہ کا تذکرہ نہیں ملتا۔

لیکن مصنف فرماتے ہیں کہ اگر اس جملہ کا اضافہ درست تسلیم کر لیا جائے تو بھی عصمت نبوی

پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ اس پر کوئی اعتراض وارد ہوتا ہے کیونکہ عربی علم قواعد کی رو سے لَھُم عَلَیْھِم کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اس کی تائید ارشاد ربانی سے بھی ہوتی ہے۔

اولئک لھم اللعنۃ (پ ۲۴ ع ۱۰) یہی وہ لوگ ہیں جن پر لعنت ہے۔

وان اساءتم فلھا (پ ۱۵ ع ۱) اگر تم نے بُرا کیا تو تم پر اس کا وبال ہوگا

اس تقدیر پر فرمان نبوی کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ ان کے ولار کی شرط کو اپنے لئے مان لو اسی طرح حضور علیہ السلام کے دوران خطبہ ولاء کی شرط کو باطل قرار دینے کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ وہ اس سے قبل ولار کو اپنے لئے لازمی قرار دیتے تھے۔

اس کے علاوہ ایک اور توجیہہ بھی ممکن ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جناب عائشہ صدیقہ سے یہ فرمانا "ان کی ولار کی شرط تسلیم کر لو" حضور کا یہ فرمانا حکم کے مترادف نہ تھا بلکہ برابری اور مساوات کی بنار پر تھا۔ اس کے علاوہ یہ فرمانا اعلام یعنی خبر دینے کے لئے تھا اور اس بات کو ظاہر کرنا مقصود تھا کہ ولار صرف غلام کو آزاد کرنے والوں کے لئے ہے اب یہ شرط فرمان نبوی کے بعد کالعدم متصور ہوگی یا بالفاظ دیگر یوں کہیں کہ خطاب نبوی جناب صدیقہ سے یہ تھا کہ آپ شرط مانیں یا نہ مانیں یہ شرط بہر صورت نفع بخش نہ ہوگی۔ اور یہی بات داؤدی نے بھی کہی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ان کو زجر و توبیخ فرمانا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ لوگ اس حکم سے پہلے سے واقف تھے۔

اس قول کی تیسری توجیہہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جناب صدیقہ سے یہ فرمانا اشترطی لھم الولاء ان کے ولار کی شرط مان لو اس کے معنیٰ یہ سمجھے جائیں گے کہ ان کو احکام کو واضح کر دو اور ان کو احکام سے آگاہ کر دو کہ ولار تو صرف غلام کے آزاد کرنے والے کے لئے ہے اور اس کے بعد حضور علیہ السلام وضاحت احکام کے لئے بنفس نفیس کھڑے ہوئے اور ان کو احکام معلوم ہونے کے باوجود مخالفت کرنے پر زجر و توبیخ فرمائی

جناب یوسف کا بنیامین کے سامان میں برتن رکھوانا

حضرت یوسف علیہ السلام کا فعل کہ

انہوں نے اپنے بھائی بنیامین کے سامان میں پانی کا برتن رکھوا دیا اور اس کے بعد اپنے تمام بھائیوں کو چوری کے الزام میں گرفتار کرا دیا حالانکہ ان میں سے کوئی بھی چور نہ تھا اس فعل کی کیا تاویل ہو گی۔

اعتراض کا جواب

جناب مصنف علیہ الرحمۃ دعائیہ کلمات کے بعد فرماتے ہیں اے عزیز گرامی یہ فعل جناب یوسف جناب یوسف علیہ السلام کی ذات کا نہ تھا بلکہ ان کا اس کام کا حکم دینا مشیت الٰہی کے مطابق تھا اور اس کی شہادت اس آیتِ کریمہ سے ملتی ہے۔

کذلک کدنا لیوسف ما کان	اسی طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کے لئے
لیاخذ فی دین الملک الا ان	تدبیر کی کہ وہ اپنے بھائی کو بادشاہ کے
یشاء اللہ	طریق کار کے مطابق نہیں لے سکتے تھے
(پ ۱۳ ع ۳)	مگر یہ کہ مشیت الٰہی اسی طرح تھی۔

اس آیت کے مطالعہ سے یہ بات صاف ہو گئی کہ یہ کام مشیتِ الٰہی کے مطابق تھا لہٰذا جناب یوسف علیہ السلام کی ذات پر کسی قسم کا اعتراض وارد نہیں ہوتا

ایک اور توجیہہ

مذکورہ بالا توجیہہ کے علاوہ اس سلسلہ میں ایک توجیہہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جناب یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو تمام حالات سے پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا اور بتا دیا تھا کہ میں وہی تمہارا (گم گشتہ) بھائی یوسف ہوں اب میں تم کو روکنا چاہتا ہوں اس لئے یہ طریقِ کار اختیار کیا ہے تم اس طرزِ عمل سے برگشتہ خاطر نہ ہونا۔ لہٰذا بنیامین کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا اس میں ان کی مرضی شامل تھی اور اس یقین و بانی یہ کہ اس ظاہری الزام میں شفقت پنہاں ہے اور ان حضرات کا یہ فعل مضرت و نقصان کے دفعیہ کے لئے تھا۔

ایک اور اعتراض کا جواب

اس تشریح توضیح و توجیہہ کے بعد اگر معترض یہ کہے کہ اب آیت کے اس جملہ کی کیا تاویل ہو گی ایتھا العیر انکم لسارقون اے قافلے والو تم ضرور چور ہو (پ ۱۳ ع ۳) سو اس سلسلہ میں عرض ہے

کہ یہ قول اوّل تو جناب یوسف علیہ السلام کا ہے ہی نہیں جس کا جواب دینا ضروری ہو۔ علاوہ ازیں اس قائل کے قول کی مثبت انداز میں اس طرح تاویل کی جائے گی کہ کہنے والے کا مقصد یہ ہو گا کہ ظاہری حالت میں تو تم چور ہو۔

اس کے علاوہ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ کہنے سے ماضی کے اس واقعہ کی طرف اشارہ مقصود تھا جس میں کہ برادران یوسف نے حضرت یوسف علیہ السلام پر چوری کا الزام لگایا تھا اور ان کو فروخت کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ علماء نے اور دوسرے جواب دیے ہیں جن کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔

علاوہ ازیں ہمارے لئے یہ مناسب نہیں کہ ہم انبیاء علیہم السلام کی جانب ایسی باتیں منسوب کریں جن کے متعلق یہ ثابت نہیں کہ وہ ان سے مروی بھی ہیں اور ایسی باتوں سے خلاصی کی صورت تلاش کریں اور نہ ہمارا یہ منصب و مقام ہے کہ ہم غیر نبی کی لغزشوں کی جواب دہی کریں۔

(۸) انبیاء و رسل کے ابتلاء کی حکمتیں

انبیاء علیہم السلام کو ابتلاء و آزمائش میں مبتلا کرنے میں کیا مصلحت تھی کہ انبیاء علیہم السلام کو طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا کیا گیا اور طرح طرح سے ان کا امتحان لیا گیا۔ ان میں حضرت ایوب یعقوب۔ دانیال۔ یحییٰ۔ ذکریا۔ ابراہیم و یوسف علیہم السلام شامل ہیں۔ باوجودیکہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ و مقرب نبی تھے۔

مصنف علیہ الرحمۃ دعائیہ کلمات کے بعد فرماتے ہیں کہ کلمات الٰہی حق اور اس کے تمام افعال عدل پر مبنی ہیں اور اس کے احکام کو بدلنے والا کوئی نہیں۔ وہ اپنے بندوں کی آزمائش کرتا ہے ارشاد ربانی ہے۔

(۱) لنظر کیف تعملون (پ۱۱ ع ۷)	تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو
(۲) لیبلوکم ایکم احسن عملا (پ۱۱ ع ۱۳)	تمہیں آزمائش میں ڈال کر دیکھے کہ تم سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔

(۳) ولیعلم اللہ الذین اٰمنوا منکم (پ ۴ ع ۵)	تاکہ اللہ تعالیٰ تم میں ایمان لانے والوں کو جان لے۔
وَلمایعلم اللہ الذین جاھدوا منکم۔ (پ ۴ ع ۵)	اب تک اللہ تعالیٰ نے تمہارے مجاہدین کا امتحان نہیں لیا اور نہ صبر کرنے والوں کی آزمائش کی۔
ولنبلونکم حتی نعلم المجاھدین منکم والصابرین و نبلوا اخبارکم۔ (پ ۲۶ ع ۸)	اور ہم تمہیں ضرور جانچیں گے یہاں تک کہ دیکھ لیں تمہارے مجاہدین اور صابرین کو اور تمہاری خبریں آزمالیں۔

اس ابتلاء و آزمائش کے سلسلہ میں ہمارا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ان کو ابتلاء و آزمائش میں ڈالنا ان نفوس قدسیہ کے مدارج کی بلندی اور مرتبہ میں افزونی کے لئے تھا اور دوسروں کو ان کے صبر و رضا، شکر، فرمانبرداری، توکل عاجزی و انکساری کا دکھانا مقصود تھا۔ اس کے علاوہ یہ مشقتیں، پریشانیاں اور مصائب ان کے لئے سبب ازیاد رحمت ہو جائیں اور ان حضرات کے علاوہ دوسرے اس امتحان میں ان کی اقتدار کریں اور ان واقعات کو یاد کر کے اپنے اوپر گزرنے والے واقعات سے تسلی حاصل کریں اور صبر و ثبات کے مواقع پر ان حضرات کا اتباع کریں۔

اور اس ابتلاء و آزمائش سے ان غفلتوں اور لغزشوں کو محو کرنا بھی منظور ہوتا ہے تاکہ وہ جب رب العالمین کے حضور حاضر ہوں تو وہ پاک و صاف ہوں تاکہ اجر کامل اور ثواب وافر کے حقدار ہو جائیں۔

ابتلاء و آزمائش اور حدیث نبوی

حضرت مصعب بن سعد اپنے والد کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا عالم انسانیت میں سب سے زیادہ ابتلاء و آزمائش میں کون ڈالا گیا حضور علیہ السلام نے فرمایا انبیاء علیہم السلام، ان کے بعد جو ان سے مشابہ ہیں اور ان کے بعد جو ان کے مشابہ

ہیں۔ اور اس ابتلاء و آزمائش میں اس کے دینی معیار کے مدّنظر رکھا جاتا ہے اور اسی لحاظ سے ان کو آزمائش میں ڈالا جاتا ہے۔ ایک ایسا وقت آتا ہے کہ جب وہ بلائیں اس مبتلا کے اوپر سے ٹلتی ہیں تو اس کا عجیب حال ہوتا ہے وہ زمین پر سُبک سر ہو کر چلتا ہے اور اس پر گناہوں کا بوجھ بالکل نہیں ہوتا۔ کتاب ہدایت میں ہے۔

کاین من نبی قاتل معہ ربیّون کثیر (الایات الثلث)	اور بہت سے نبی ایسے ہیں جن کے ساتھ بہت سے اللہ والے لڑے ہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مومن کے جان و مال اور اس کی آل پر مسلسل بلائیں آتی رہتی ہیں لیکن ایک وقت ایسا آئے گا کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا تو اس پر ایک بھی غلطی اور گناہ کا بار نہ ہوگا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے سرکار دو عالم علیہ السلام کا ارشاد گرامی ان الفاظ میں ملتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اس کو جلد جلد مصائب میں مبتلا کرتا ہے لیکن جب کسی کو برائی میں ڈالتا ہے تو اس کو ڈھیل دیکر اسی حالت میں میں چھوڑ دیتا ہے تاکہ قیامت کے دن اس کو پوری سزا ملے۔

ابتلاء و تقرب کا سبب

ایک اور حدیث میں اس طرح وارد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو محبوب بنانا چاہتا ہے تو اس کو آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ وہ تضرع و زاری میں مشغول رہے۔

ابتلاء کے سلسلہ میں جناب سمرقندی کا قول

جناب سمرقندی فرماتے ہیں کہ جس شخص کو جس قدر تقرب حاصل ہوگا اتنا ہی زیادہ اس کو بلاؤں اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور یہ ابتلاء و آزمائش اس لئے ہوتی ہے کہ فضل و عزت میں اضافہ ہو جائے اور اجر و ثواب بھی پورا پورا ملے۔

حضرت لقمان کی بیٹے کو نصیحت

جناب لقمان نے اپنے فرزند سے فرمایا تھا سونا اور چاندی تو آگ میں جا کر نکھرتے ہیں لیکن ملت مسلمہ کے افراد کو بلائیں نکھارتی ہیں۔

حضرات یوسف و یعقوب علیہم السلام مقام ابتلاء و آزمائش میں

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جب کہ وہ محوِ خواب تھے نظر بھر کر دیکھا اور یہی ابتلاء کا سبب بن گیا۔

پڑوسی کے حق سے غفلت کا نتیجہ

اور ایک روایت کے مطابق حضرت یعقوب و یوسف علیہم السلام بھُنی ہوئی بکری سے گوشت نوچ نوچ کر کھا رہے تھے اور اس درمیان ہنس ہنس کر باتیں بھی کرتے جاتے تھے اور یہی غفلت ان پر عتاب کا سبب بنی کیونکہ ہمسایہ کے یتیم بچہ نے گوشت کی خوشبو سونگھی اور گوشت کی خواہش کی اور رونے لگا اس رونے کے سبب سے اس کی بوڑھی ماں بھی رونے لگی۔ حضرت یعقوب اپنے اور اس بڑھیا کے مکان کے درمیان ایک دیوار حائل ہونے کے باوجود ان کے حال سے غافل تھے اور یہی غفلت ان پر عتاب کا سبب بنی۔ اس بچے کے رونے کے سبب حضرت یعقوب کو بھی رونے کی آزمائش میں ڈالا گیا اور آپ اس قدر روئے کہ آنکھیں نہ صرف سفید ہوگئیں بلکہ حلقہ چشم میں بیٹھ گئیں۔

احساسِ غفلت

جب حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس غفلت کی اطلاع ملی تو آپ نے اس کے بعد اپنا یہ معمول بنا لیا کہ مکان کی چھت سے منادی کے ذریعہ ندا کراتے کہ اگر کسی کے پاس رات کا کھانا نہ ہو تو وہ آلِ یعقوب سے آ کر لے جائے۔ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کی آزمائش کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش

جناب لیث نے فرمایا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے ابتلاء و آزمائش کی وجہ یہ ہوئی

تھی کہ آپ اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ بادشاہ کے پاس مظالم کی شکایت لے کر گئے تھے لوگوں نے بادشاہ سے نہایت تلخ گفتگو کی اور سخت سُست کہا مگر حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی کثیر زرعی زمین کی وجہ سے خاموشی اختیار کی۔ ان کی یہ ادا بارگاہ الٰہی میں پسند نہ کی گئی اور یہ مبتلائے آلام فرمائے گئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی ابتلاء و آزمائش کے بارے میں ہم نے ماسبق ابواب میں جائزہ لیا ہے کہ ان کی آزمائش کی وجوہ میں سے ایک وجہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنی سسرال والوں کے ساتھ ادائے حقوق میں نرمی چاہتے تھے یا ان کے مکان میں کوئی ایسا واقعہ ہوا جو قابل مواخذہ تھا اور یہ واقعہ جناب سلیمان علیہ السلام کے علم میں نہ آیا تھا۔

انبیاء ماسبق اور آلام سیّد المرسلین

یہی وجہ ہے کہ جب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض اور درد کی شدت ہوئی جناب صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کسی پر درد کی اتنی شدت نہیں دیکھی جتنی کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تھی حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضور علیہ السلام پر بخار کی شدید تکلیف تھی میں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ کو تو شدید بخار ہے، حضور نے فرمایا مجھے دو مردوں کے برابر بخار ہے۔ راوی جناب عبداللہ فرماتے ہیں میں نے حضور سے عرض کیا کہ یہ اس لئے ہے تاکہ آپ کو دوگنا اجر ملے۔ حضور نے فرمایا ہاں یہ اسی لئے ہے۔

جناب ابوسعید فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی عیادت کے لئے آیا اور اس نے حضور علیہ السلام کے جسم اقدس پر ہاتھ رکھا اور فوراً ہٹا کر کہنے لگا کہ خدا کی قسم آپ کے جسم اقدس پر بخار کی شدت کی وجہ سے ہاتھ رکھنا ممکن نہیں ہے۔ اس کی بابت سُن کر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم انبیاء کے گروہ پر بلائیں اور تکلیفیں بھی دوگنی بھیجی جاتی ہیں۔

انبیاء کے ابتلاء کے طریقے

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بعض انبیاء کو چیچڑیوں کے ذریعہ تکلیف میں مبتلا کیا گیا اور اس تکلیف کی وجہ سے

وہ راہی ملک بقا ہوئے۔

انبیاء بلاؤں کو خوش آمدید کہتے تھے

انبیاء علیہم السلام جب بلاؤں میں مبتلا رہتے تھے تو وہ اس پر غمگین و پریشان ہونے کی بجائے خوش ہوتے تھے جیسا کہ کو مرفع الحالی اور آسائش پر خوش ہوتا ہے۔

بلا کی شدت اور اجر کی زیادتی

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ بلاء جتنی شدید ہو گی اتنا ہی اجر و ثواب بھی زیادہ ہو گا۔ چنانچہ اللہ رب العالمین جب کسی قوم کو مرتبہ محبوبیت عطا فرمانا چاہتا ہے تو اس کو مبتلائے آلام کر دیتا ہے جو راضی برضا رہا اس کے لئے اجر و انعام ہے لیکن جو اس آزمائش پر ناراض ہوا وہ غضب الٰہی کا شکار ہوا۔

آیت کریمہ کی تفسیر

مفسرین کتابِ ہدایت قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کے سلسلے میں فرماتے ہیں۔

من یعمل سوٓء یجز بہ (پ ۵ ع ۱۵)

جس نے برُے کام کئے اس کو اُن کی سزا دی جائے گی۔

مجاہد اور حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق مسلمانوں کو اعمال کی جزا دنیاوی مصائب کی شکل میں دی جاتی ہے تاکہ یہ مصائب اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ان الفاظ میں منقول ہے کہ اللہ جس مسلمان کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اس کو مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے یہی مفہوم باندازِ دگر منقول ہے کہ مسلمان کو کوئی مصیبت نہیں پہنچتی مگر اس کے سبب اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو محو فرما دیتا ہے اور اس کے گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہے یہاں تک کہ اگر کانٹا بھی چبھے تو وہ اس کے لئے کفارہ گناہ ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو سعید نے فرمایا کہ مومن کو کوئی تکلیف رنج و غم سختی و دشواری یا اور کوئی پریشانی

جو اس کو لاحق ہوتی ہے حتیٰ کہ اس کو ایک کانٹا بھی چبھ جائے تو اللہ تعالیٰ اس تکلیف کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مسلمانوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو اس طرح جھٹک دیتا ہے جس طرح کہ خزاں میں درخت سے پتے جھڑتے ہیں۔

اِبتلاء انبیاء کی دوسری حکمت

انبیاء علیہم السلام کے لئے جسمانی عوارض یا امراض تو اتر کے ساتھ درد اور تکلیفیں جان کنی کی تکلیف وغیرہ کو اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمادیا ہے خصوصیت کے ساتھ (مرض الموت) اور جان کنی کی تکلیف اس لئے رکھی ہے تاکہ ان حضرات کے قوائے جسمانی ضعیف ہونے کی وجہ سے روح قفس عنصری سے آسانی کے ساتھ باہر ہو جائے اور مرض کی شدت میں مصلحت یہ ہے کہ مرض کے لاحق ہونے کی وجہ سے قویٰ کمزور ہوں نزع کی تکلیف اور روح کے جسم سے علیحدہ ہونے کی تکلیف میں کمی ہو۔

اچانک موت کی تکلیف

مشاہدہ یہ ہے کہ ناگہانی موت کے وقت نزع کی تکلیف زیادہ ہوتی ہے اور مرنے والے کی حالتیں مختلف کیفیات کی ہوتی ہیں بعض اوقات شدت کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے اور بعض اوقات نرمی اور آسانی کا اظہار ہوتا ہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ مومن کی مثال پودے کی طرح ہے جس کو کہ ہوا کے جھونکے ادھر ادھر کرتے رہتے ہیں جب ہوا تیز نہیں ہوتی تو وہ سیدھا کھڑا رہتا ہے اور ہوا کی تیزی کے ساتھ متحرک رہتا ہے بلا تمثیل و تشبیہ مومن بلاؤں کے سبب جھونکے کھاتا رہتا ہے اور کافر کی مثال ایسی ہے جیسے صنوبر کا ٹھوس درخت جو سیدھا کھڑا رہتا ہے۔ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی گردن توڑ دیتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مسلمان آفت کا مارا مصیبت میں گرفتار۔ بیماریوں میں مبتلا لیکن راضی برضا گردن خمیدہ اور رضاء الٰہی کا طالب رہتا ہے ان بلاؤں اور مصیبتوں پر اس کا خاموش اور راضی برضا

رہنا کھیتی کے نرم تنہ کی طرح سے ہے جو باد صرصر کے سامنے مطیع رہتا ہے اور ہوا کے اشاروں پر خم ہو جاتا ہے۔

جب اللہ رب العالمین مومن سے مصائب و آلام کے تند و تیز جھونکوں کو روک دیتا ہے تو اس غلہ کے درخت کے تنے کی طرح اعتدال پر آجاتا ہے۔ اس طرح بندۂ مومن بلاؤں اور مصیبتوں کے دُور ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کے شکر کے لئے رجوع کرتا ہے۔ اجر و ثواب اور مزید نعمتوں کے حصول کا منتظر رہتا ہے۔

جب بندۂ مومن اس ارفع و اعلیٰ منزل پر پہنچ جاتا ہے تو اس کو نہ موت کا آنا گراں گزرتا ہے اور نہ وہ سکرات موت سے ڈرتا ہے اور نہ ان میں مبتلا ہوتا ہے کیونکہ وہ ان مصائب و آلام کا عادی ہو چکا ہوتا ہے۔ امراض کی زیادتی اور تکالیف کی شدت سے ناتواں اور کمزور ہو جاتا ہے اور اس کو اجر و ثواب کا بھی علم ہوتا ہے جس کا وعدہ رب کریم نے کیا اور اس بندہ کے لئے ودیعت فرما دیا ہے۔

مومن وغیر مومن میں فرق

لیکن کافر و منکر سے بہت سے مواقع پر درگزر کی جاتی ہے اور اس سے باز پرس نہیں کی جاتی صحت و تندرستی کے لحاظ سے بھی اس کو صنوبر کے تناور درخت سے تشبیہ دی گئی ہے لیکن جب مشیت الہٰی ہوتی ہے تو درخت صنوبر کو اس طرح تڑوایا جاتا ہے جس طرح کسی کی گردن توڑی جاتی ہے اسی طرح کافر جو جسمانی صحت سے فیضیاب ہوتا ہے جب اس کو بغیر مبتلائے آلام کئے ہوئے ہلاک کرنا چاہتا ہے تو دفعتاً اس پر ایسی حالت طاری کر دیتا ہے۔ ہلاکت اور موت کا پنجہ اس طرح پکڑ لیتا ہے جس طرح دفعتاً کسی کی گردن توڑی جاتی ہے اور اس کو نرمی اور سہولت دیے بغیر ایک دم پکڑ لیتا ہے اور جسم کی توانائی اور نفس کی صحت کی وجہ سے سکرات موت بھی اس پر دشوار ہو جاتے ہیں (ذرا اگر سوچنے کا موقع مل جائے تو) جان دینا نہایت گراں اور موجب حسرت ہوتا ہے۔ قبض روح کی کیفیت اور کرب کو اس کی جسمانی صحت پر قیاس کرنا چاہیئے۔ یہ بات تو عالم

دنیا سے متعلق تھی لیکن آخرت کا عذاب تو دنیا کے عذاب سے شدید ہوگا۔ ماسبق میں اس سلسلہ میں صنوبر کے درخت اور اس کی سختی کے بارے میں تذکرہ ہوا ہے سو اس بارے میں یہ بات قابل لحاظ رہے کہ کافر کو آخرت میں عذاب بھی اس طرح ہوگا جس طرح صنوبر کے درخت کو اکھاڑنے میں دشواری کا منظر ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

فاخذنا هم بغتة وهم لا يشعرون۔ (پ۹ ع ۲)	ہم نے اچانک ان کو اپنی پکڑ میں لے لیا اور انہیں اس کا احساس بھی نہ ہوا۔

اور دشمنوں کے سلسلہ میں بھی یہی عادت الٰہیہ بھی رہی ہے جس کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے۔

فکلا اخذنا بذنبه فمنهم من ارسلنا علیه حاصبا ومنهم من اخذته الصیحة (پ۲۰ ع ۱۶)	پس ہر ایک کو ہم نے اپنی پکڑ میں لے لیا کسی پر ہم نے آندھی کو بھیجا اور ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جن کو چنگھاڑ سے واسطہ ہوا۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں ان پر موت کو مسلط فرمایا جبکہ وہ خواب غفلت میں مدہوش تھے۔ سرکشی اور معاندت نے ان پر ایسی مدہوشی کی کیفیت طاری کی جس کی وجہ سے وہ نتائج سے بے پرواہ ہوکر رہ گئے اور قبل ازیں کہ وہ سفر آخرت کی تیاری کریں اچانک ہلاکت کے غار میں گر گئے۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف ناگہانی موت سے بہت خوف زدہ رہتے تھے اور اس سلسلہ میں جناب ابراہیم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اسلاف افسوسناک موت جس کو ناگہانی موت بھی کہا جا سکتا ہے بُرا سمجھتے تھے

تیسری حکمت

اس سلسلہ میں تیسری حکمت جناب مصنف نے اس طرح بیان فرمائی کہ بیماریاں موت کے دواعی میں سے ہیں اور مرض جس قدر شدید ہوگا اتنا

ہی موت کا اندیشہ زیادہ ہوگا اور مریض موت کے لئے خود کو مستعد کرتا رہے گا (اور رجوع الی اللہ میں مشغول رہے گا) کیونکہ وہ یہ جانتا ہے کہ موت کے بعد رب کریم سے ملاقات کا وعدہ ہے اور مریض برائیوں سے بھری ہوئی دنیا سے قطع تعلق کر کے آخرت کی جانب متوجہ ہوگا۔ اس طرح وہ مریض ہر اس چیز اور اس کے عواقب سے جو راہ خدا سے غافل کرتی ہو خوفزدہ ہوگا اور حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ اور جب وہ اپنے پسماندگان کی طرف نظر کرے گا تو وصیت کی طرف رجوع کرے گا۔

اسوۂ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ ماضی و مستقبل کے پیش آنے والے معاصی سے معصوم تھے لیکن اس صفت کے باوجود آپ نے دورانِ علالت ان لوگوں کے حقوق کی جانب توجہ فرمائی جن کا کوئی حق جانی یا مالی آپ کی ذاتِ اقدس سے متعلق تھا اور آپ نے جانی و مالی بدلہ دینا ضروری خیال فرمایا اور ایسے ہر حقدار کو بدلہ لینے کی عام اجازت مرحمت فرمائی۔

حدیثِ وفات

جناب فضیل بن عباس سے منقول ہے کہ خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی حیات ظاہری کے بعد انسانوں اور اجنہ کو کتاب اللہ اور اپنی سنت کو لازمی طور پر اختیار کرنے کا حکم دیا اور انصار کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی۔ اسی موقعہ پر حضور علیہ السلام نے وثیقہ کی تحریر کی جانب توجہ دلائی تاکہ بعد میں امت کے گمراہ ہونے کا خدشہ نہ رہے۔ اس تحریر کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ وہ تعیین امر خلافت کے لئے تھی یا اس سے کوئی ضروری بات منظور تھی لیکن بعد میں آپ نے اس تحریر سے باز رہنے کو ہی مناسب اور بہتر خیال فرمایا۔

یہ تمام کیفیات اللہ کے نیک بندوں اور اولیاء کی سیرت میں شامل ہیں لیکن منکرین و کفار ان اعلیٰ خصائل سے محروم رہتے ہیں کیونکہ انہیں تو ڈھیل اور چھوٹ دی جاتی ہے تاکہ ان کی بداعمالیوں میں اضافہ ہو اور بداعمالیوں کی سزا دی جا سکے۔ اس ڈھیل اور چھوٹ کے بارے میں

کتاب ہدایت میں ہے۔

ما ینظرون الا صیحۃ واحدۃ	وہ راہ نہیں دیکھتے مگر اس چیخ کی جو
تاخذھم وھم یخصمون فلا	انہیں آلے گی جب وہ دنیا کے
یستطیعون توصیۃ ولا	جھگڑے میں پھنسے ہوئے ہوں گے
الی اھلھم یرجعون	اس وقت وہ نہ تو وصیت کر سکیں گے
(پ ۲۳ ع ۲)	اور نہ گھر پلٹ کر جائیں گے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب ایک شخص کی ناگہانی موت کے بارے میں عرض کیا گیا تو آپ نے اس انداز میں جیسے کہ آپ کو کوئی ناگوار غصہ دلانے والی بات بتائی گئی ہو دیکھا اور فرمایا سبحان اللہ محروم وہ شخص ہے جو وصیت سے محروم کیا گیا ہو۔

ناگہانی موت کے متعلق ارشاد گرامی

سید المرسلین نے ارشاد فرمایا ہے کہ مرگ مفاجات مومن کے لئے موجب راحت ورحمت اور کافر وفاجر کے لئے سبب یاس وعذاب ہوتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان ہمہ وقت موت کے لئے تیار اور اس کی آمد کا منتظر رہتا ہے لہٰذا ایسے شخص کے پاس اس کا (موت کا) آنا آسان ہوتا ہے خواہ وہ کسی طرح بھی آئے اور یہ مومن مسلم موت کو خوش آمدید کہہ کر اس دار المحن دنیا سے دار الراحت عقبیٰ کی جانب عازم ہو کر وہاں پہنچ جاتا ہے۔ غیب دان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع کے لئے فرمایا مستریح او مستراح منہ یا تو وہ خود راحت پانے والا ہے یا لوگ اس سے راحت پانے والے ہیں۔

کافر کی موت

مسلمان کے برخلاف جب کافر کو ناگہانی موت آتی ہے تو وہ اس کے لئے تیار نہیں ہوتا اور نہ اس کے پاس وہ نشانیاں (بیماری وغیرہ) آئی ہوتی ہیں جو اس کو موت کی یاد دلائیں (مرنے والا) موت کی تیاری کرے بلکہ موت اس پر آن پڑتی ہے اور اس کے ہوش وحواس زائل کر دیتی ہے اور چونکہ وہ موت کا منتظر نہ تھا

(اور یہ چیز اسے بن مانگے ملی) لہٰذا اس کو رد کرنے کی ہمت وطاقت بھی نہ پاتا لہٰذا موت اس کو شدید ترین مصیبت معلوم ہوتی ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس شخص کے دنیا دار ہونے کی وجہ سے اس کو دنیا کی مفارقت اور زیادہ دردناک اور سخت معلوم ہوتی ہے۔

لقاء الٰہی اور سید عالم کا ارشادِ گرامی سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کی لقاء کو محبوب رکھتا ہے اللہ بھی اس کی لقاء کو محبوب رکھتا ہے اور جو لقاء الٰہی کو پسند نہیں کرتا اللہ بھی اس کی لقاء کو پسند نہیں فرماتا۔

---

(۴) تنقیص و توہین اور شرعی احکام

شاتم و گستاخ کا حکم مصنف شفا جناب قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حقوق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم و توقیر کے بارے میں کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت شدہ احکام گذشتہ ابواب میں بیان کر دیے گئے ہیں اس باب میں جن احکام کو بیان کرنا مقصود ہے وہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات سے متعلق ہیں۔

کتابِ ہدایت قرآن مجید میں رب کریم نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ادنیٰ گستاخی کو بھی حرام قرار دیا ہے اور حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں گستاخی کرنے والے یا ذات نبوی میں نقص نکالنے والے کے بارے میں یہ بات اجماعِ امت سے ثابت ہو چکی ہے کہ ایسا شخص (بدترین خلائق اور) واجب القتل ہے ارشاد باری ہے۔

(۱) ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا	بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ کی

والاخرۃ واعد لھم عذاباً مھینا۔ (پ۲۲ ع ۴)	لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے اُن کے لئے آخرت کا عذاب مقرر کر دیا ہے۔
۲- والذین یوذون رسول اللہ لھم عذاب الیم (پ۱۰ ع ۱۴)	جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے
۳- وما کان لکم ان توذوا رسول اللہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا ان ذالکم کان عند اللہ عظیما (پ۲۲ ع ۴)	تمہارے لئے یہ مناسب نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو ایذا دو اور نہ یہ کہ ان کی حیات ظاہری کے بعد ان کی بیویوں کے ساتھ نکاح کرو بلاشبہ یہ بات بہت سخت ہے

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ جس ذاتِ اقدس کو حضور علیہ السلام کے لئے منقصت کا ایک لفظ بھی گوارا نہیں اس رب کائنات کو حضور علیہ السّلام کے لئے ایسا کوئی لفظ ذو معنی ہونے کی وجہ سے جس میں ذرا بھی اہانت کا پہلو نکلے گوارا ہوگا۔ ارشاد باری ہے۔

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تقولوا راعنا و قولوا انظرنا واسمعوا وللکٰفرین عذاب الیم (پ۱ ع ۱۳)	اے ایمان والو حضور علیہ السلام کو راعنا کہہ کر مت پکارو بلکہ نظر رکھنے والے کہہ کر مخاطب کرو اور بغور سنو کہ منکرین کے لئے دردناک عذاب ہے

شانِ نزول یہودیوں کی عادت یہ تھی کہ وہ حضور کو راعنا (یعنی کانوں سے ہماری بات سن کر ہماری رعایت کیجیے) کہہ کر مخاطب کرتے تھے اِس لفظ میں ذم (تنقیص) کا بھی ایک پہلو نکلتا ہے کیونکہ یہودی لفظ راعنا سے نادانی اور بیوقوفی کے معنی مراد لیتے تھے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے لفظی اشتباہ کی وجہ سے اس لفظ کے استعمال سے مسلمانوں کو منع فرما دیا تاکہ کفار و منافقین کو سب و شتم اور استہزاء کا موقع نہ مل سکے۔

محاورہ عرب اور لفظ راعنا اہل علم حضرات نے فرمایا کہ مشارکت لفظی کے علاوہ یہودیوں کے محاورہ کے مطابق اس لفظ کے معنی اسمع لا سمعت یعنی آپ تو سنیں لیکن آپ کی بات نہیں سنی جائے گی۔ ایک قول کے مطابق چونکہ اس لفظ سے تعظیم و توقیر کا اظہار نہیں ہوتا ہے اور انصار کے محاورہ کے مطابق اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ آپ ہماری بات سنیں ہم آپ کی بات سنیں گے لہٰذا عدم تعظیم و توقیر اور ذات نبوی کے ساتھ برابری کے خیال سے اس لفظ کے استعمال کی ممانعت کی گئی ہے کیونکہ تعظیم و توقیر نبوی ہر حالت میں واجب و لازم ہے

یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنا نام رکھنے کی تو دوسروں کو اجازت مرحمت فرمائی لیکن اپنی کنیت پر دوسروں کی کنیت رکھنے کی ممانعت فرمادی تاکہ حضور علیہ السلام کی ذاتِ گرامی اذیت و تعریض سے محفوظ ہو جائے۔

کنیت کی ممانعت کی وجہ ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یا ابا القاسم کہہ کر پکارا جب آپ اس کی جانب متوجہ ہوئے تو اس نے ایک دوسرے شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا میں نے آپ کو نہیں بلکہ فلاں شخص کو پکارا تھا لہٰذا حضور علیہ السلام نے اپنی کنیت اختیار کرنے سے دوسروں کو منع فرما دیا تاکہ حضور علیہ السلام کسی دوسرے شخص کو پکارنے کے اشتباہ سے متوجہ نہ ہوں اور اس شخص کی ایذا رسانی سے محفوظ رہیں تاکہ منافقین حضور علیہ السلام کو پکار کر یہ کہہ دیں کہ ہم نے آپ کو نہیں بلکہ کسی دوسرے شخص کو مخاطب کیا تھا جیسا مجنونوں اور مسخروں کی عادت ہوتی ہے۔ اس طرح حضور علیہ السلام نے اپنی ذاتِ اقدس کو اذیت سے محفوظ فرما لیا۔

علماء و محققین و اہل محبت حضرات نے اس حکم کو حضور علیہ السلام کی حیات ظاہری تک نہیں بلکہ وفات نبوی کے بعد بھی باقی رکھا ہے تاکہ وہ علت اور سبب یعنی اذیت کا پہلو ختم ہو جائے۔ (کیونکہ حیات النبی کا عقیدہ اس کا متقاضی ہے۔)

اس سلسلہ میں علماء کے مختلف اقوال ملتے ہیں لیکن مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے

اس سلسلہ میں جمہور علمار کا عقیدہ نقل کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ ممانعت تعظیم و توقیر کے مطابق استحباب کے لئے ہے نہ کہ حرمت کے لئے لہٰذا آپ نے اپنی کنیت اختیار کرنے کی ممانعت فرمادی رہا حضور علیہ السلام کے نام نامی کا معاملہ تو اس سلسلہ میں خالق کائنات نے حضور علیہ السلام کا نام لے کر پکارنے کی ممانعت فرمادی ہے ارشادِ ربانی ہے۔

لا تجعلوا دعاء الرسول کدعاء	حضور علیہ السلام کو اس طرح نہ پکارو
بعضکم بعضا۔	جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو
(پ۱۸ ع ۱۵)	پکارتے ہو۔

یہی وجہ ہے کہ تمام مسلمان حضور علیہ السلام کو یا رسول اللہ۔ یا نبی اللہ کہہ کر مخاطب کرتے تھے اور کبھی آپ کی کنیت سے بھی خطاب کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے نام نامی پہ نام رکھنے کی کرامت کے احکام تو دیئے گئے ہیں اور اس طرح عظمت و توقیر نبوی کو برقرار رکھا گیا کیونکہ ان الفاظ سے عظمت و توقیر کا اظہار نہیں ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ تم اپنی اولاد کا نام میرے نام پر رکھتے ہو اور انہیں بُرا بھلا بھی کہتے ہو

نام نامی اور جناب فاروقِ اعظم

ابو جعفر طبری نے جناب فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خلیفہ ثانی نے اہلِ کوفہ کو لکھا تھا کہ حضور علیہ السلام کے نام نامی پر اپنے نام نہ رکھیں۔

محمد بن سعد فرماتے ہیں کہ خلیفہ عادل جناب فاروقِ اعظم نے ایک شخص کو دیکھا کہ جس کا نام محمد تھا دوسرا شخص اس کو نام لے کر گالیاں دے رہا تھا اور یہ بھی کہتا جاتا تھا کہ اے محمد خدا تیرے ساتھ ایسا اور ایسا کرے۔ یہ منظر غیرت فاروقی کے لئے تازیانہ ثابت ہوا اور آپ نے اسی وقت اپنے بیٹے محمد بن زید بن خطاب سے فرمایا کہ مَیں یہ نہ دیکھوں کہ تیرے سبب سے نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گالی دی جائے۔ خدا کی قسم آج سے تا زندگی میں تجھے محمد کہہ کر نہیں پکاروں گا اور اس دن سے ان کا

نام عبدالرحمٰن بدل دیا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حضور علیہ السلام کی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر بھی کسی کا نام نہ رکھا جائے کیونکہ ان کی عزت و تکریم بھی حضور علیہ السلام کی طرح لازم ہے اور ان کا اعزاز و اکرام بھی باقی رکھنا ضروری ہے اس کے بعد جن لوگوں کے نام انبیاء سابقین کے ناموں کے مطابق تھے ان کو تبدیل کر دیا۔

حقانیت اور جناب فاروق اعظم

لیکن بعد میں جناب فاروق اعظم نے اپنی اس رائے سے رجوع فرمالیا اور حق و درست بھی یہی ہے کہ حضور علیہ السلام کی حیات ظاہری کے بعد کنیت بھی جائز ہے اور اسی پر صحابہ کرام کا اجماع رہا ہے۔ صحابہ کرام نے اپنی اولاد کا نام حضور علیہ السلام کے اسم گرامی کے مطابق محمد رکھا اور حضور علیہ السلام کی حیات ظاہری کے بعد اپنی اولاد کی کنیت بھی ابوالقاسم رکھی۔ ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے جناب علی رضی اللہ عنہ کو اس کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔

مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جناب مہدی علی جدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام اور کنیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام اور کنیت کے مطابق ہوں گے۔

حضور علیہ السلام نے صحابہ کے فرزندوں کے نام رکھے

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب طلحہ، عمرو بن حزم۔ اور ثابت بن قیس کے صاحبزادوں کا نام محمد رکھا: نیز حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس بات میں تمہارا کیا حرج ہے کہ تمہارے گھروں میں ایک یا دو یا تین محمد ہوں۔

اس سلسلہ میں گذشتہ دو ابواب میں ہم نے تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔

الفاظ تنقیص

جناب مصنف علیہ الرحمۃ دعائیہ کلمات کے بعد فرماتے ہیں کہ وہ کلمات جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی منقصت کا پہلو نکلتا ہو، مثلاً کوئی شخص حضور علیہ السلام کو برملا گالی دے یا ایسے کلمات کہے جو عیب جوئی کے لئے استعمال ہوتے ہوں یا ان الفاظ سے آپ کی ذات اقدس۔ آپ کے مبارک دین۔ اسوہ یا خصائل میں سے کسی خصلت

کو زک پہنچتی ہو۔ یا ذاتِ نبوی پر کسی قسم کی تعریض کرے یا اسی قسم کے اور دوسرے الفاظ استعمال کرے ایسے تمام الفاظ سب وشتم میں شمار ہوں گے اور ایسے الفاظ کہنے والے کے لئے یہی حکم ہے جو اہانتِ نبی کرنے والے کے لیئے ہے یعنی واجب القتل ہے اور اس سلسلہ میں بعض باتیں آئندہ بیان کریں گے۔

یہاں یہ امر قابلِ لحاظ و توجہ ہے کہ ایسا کوئی شخص کسی رعایت کا مستحق نہیں لہٰذا ایسے کلمات میں نہ تو کوئی استثنار گوارا کیا جائے گا اور نہ صراحت و کنایہ کے الفاظ میں کسی قسم کا شک وشبہ روا رکھا جائے گا۔

ایسا ہی طرزِ عمل اس شخص کے ساتھ روا رکھا جائے گا جو حضور علیہ السلام کی ذات اقدس پر لعنت کے الفاظ استعمال کرے یا حضور کے حق میں بد دُعا کرے یا ایسے کلمات آپ سے منسوب کرے جو آپ کے شایانِ شایان نہیں یا آپ کے نقصان کا خواہاں ہو یا آپ کی ذات اقدس پر گزرنے والے مصائب کا تذکرہ کر کے شرم دلانے کی کوشش کرے یا وہ عوارض بشری جن کا صدور ذات نبوی کے لئے جائز یا معہود ہو ان کی وجہ سے حضور علیہ السلام کی ذات کو حقیر جانے یہ تمام امور اہانت و منقصت کے قبیل سے شمار کیئے جائیں گے اور ان کلمات کا وہی حکم ہے جس کا تذکرہ مندرجہ بالا سطور میں کیا گیا ہے۔

(اور یہ جناب مصنف کی رائے نہیں بلکہ وہ حقائق ہیں جن پر دَورِ صحابہ سے جناب مصنف کی دَور تک ہی نہیں بلکہ آج تک علمار کا اتفاق ہے اور اس پر اجماع ہے کہ جو شخص اہانت نبوی کا مرتکب ہو اس کو قتل کر دیا جائے) مترجم

ابو بکر بن منذر فرماتے ہیں کہ تمام اہل علم مثلاً امام مالک۔ امام احمد۔ لیث اسحاق اور امام شافعی وغیرہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے وہ واجب القتل ہے،

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ محسن اسلام جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کا مقتضیٰ بھی یہی ہے ان علمار کے نزدیک ایسے (دریدہ دہن اور گستاخ) شخص کی توبہ بھی قبول نہ کی جائیگی۔

یہی مسلک امام اعظم اور ان کے رفقاء۔ امام ثوری اور کوفہ کے دوسرے علماء اور مسلمانوں کا بھی ہے اور ان سب نے اس قول کی درستی پر مہر تصدیق ثبت کی ہے اور ولید بن مسلم نے اسی کی مثل امام مالک کا قول بھی نقل کیا ہے۔

لیکن طبری نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ احکام اس کے لئے ہیں جو حضور علیہ السلام کی شان میں کمی کرے یا ذات نبوی سے بیزاری کا اظہار کرے یا حضور علیہ السلام کی تکذیب کرے (شاتم یا اہانت نبی کرنے والا زیادہ سزا کا مستحق ہوگا۔)

سحنون فرماتے ہیں کہ شاتم نبی زندیق اور مرتد کی طرح ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی تکفیر اور توبہ کی قبولیت کے سلسلہ میں اہل علم حضرات مختلف الرائے ہوئے کہ اس پر جو حد شرعی جاری ہو گی آیا وہ حد ہوگی یا کفر کی بنا پر سزا۔ اس موضوع پر ہم دوسرے باب میں تبصرہ کریں گے۔

جناب مصنف فرماتے ہیں کہ سلف کے علماء کے اقوال میں ایسے شخص کا خون مباح ہونے کے سلسلے میں کوئی اختلافی قول نظر نہیں آیا۔ اکثر علماء کی تحقیق کے مطابق ایسے شخص کے کفر اور اس کے قتل کے سلسلہ میں اجماع ثابت ہے۔

بعض اہل ظاہر مثلاً ابو محمد علی بن احمد فارسی نے ایسے شخص کی تکفیر کے بارے میں اختلاف کی جانب اشارہ کیا ہے لیکن متفق علیہ اور مشہور قول وہی ہے جو ہم نے (مصنف علیہ الرحمۃ) نقل کیا ہے۔

محمد بن سحنون فرماتے ہیں کہ علماء امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ شاتم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یا انکی ذات میں نقص تلاش کرنے والا کافر ہے اور اس پر عذاب الٰہی کی وعید وارد ہے اور امت مسلمہ کو یہ حکم ہے کہ یہ شخص واجب القتل بھی ہے اور اس پر اکتفا نہیں بلکہ ایسے دریدہ دہن اور گستاخ کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر ہے۔

شاتم رسول کے قتل کی دلیل

مالک بن نویرہ کے قتل سے ابراہیم بن حسین بن خالد فقیہ نے اس سلسلہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے طرز عمل سے حجت اور دلیل حاصل کی ہے۔ سیف اللہ خالد بن ولید نے مالک بن نویرہ کو اس لئے قتل کرا

دیا تھا۔ کہ اس نے گفتگو میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحبکم (تمہارے ساتھی) کا لفظ استعمال کر کے تعریض کی تھی (غیرت سیف اللہ اس تعریض کو برداشت نہ کر سکی اور اس دریدہ دہن کو قتل کرا دیا۔ مالک بن نویرہ کے قتل کے سلسلے میں تاریخ میں متعدد وجوہات ملتی ہیں لیکن ان وجوہ میں سب سے زیادہ قابلِ قبول وجہ یہ ہے جو جناب مصنف نے بیان فرمائی کیونکہ مؤرخین نے جو وجوہ تحریر کی ہیں ان سے دامنِ خالد پر ایک بدنما داغ لگتا ہے جس کی خالد بن ولید جیسے مسلمان سے توقع نہیں کہ وہ ذاتی وجوہ کی بنا پر مالک بن نویرہ کے قتل کا حکم دیں۔ مترجم)

ابو سلیمان خطابی فرماتے ہیں کہ میرے علم میں ایسا کوئی مسلمان نہیں جس نے نام نہاد مسلمان شاتم رسول کے قتل کے واجب ہونے میں اختلاف کیا ہو۔

شاتم رسول اور مستفین

امام مالک کے حوالہ سے کتاب ابن حبیب میں مبسوط عتیبہ اور کتاب ابن سحنون کے ذریعہ سے نقل کیا ہے کہ جو (نام نہاد) مسلمان نبی علیہ السلام پر سب و شتم کرے اس کی توبہ قبول نہ کی جائے بلکہ اس کو قتل کر دیا جائے اس کے علاوہ عتیبہ میں ابن قاسم نے لکھا ہے کہ جو شخص حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں گستاخی کا مرتکب ہو یا آپ کی ذات اقدس کو بُرا کہے گالی دے یا اور کسی قسم کا کوئی عیب لگائے یا حضور علیہ السلام کی شان گھٹانے کی کوشش کرے علماء امت کا اس پر اجماع ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے اور اس کے لئے یہ دلیل کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعظیم و توقیر لازم کی ہے اور آپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے اور اس قائل نے ان احکام کا انکار کیا ہے۔

عثمان بن کنانہ نے مبسوط میں لکھا ہے کہ جو (نام نہاد) مسلمان حضور علیہ السلام کی اہانت کا مرتکب ہو اور حضور علیہ السلام کی شان میں سب و شتم کرے اس کو قتل کر دیا جائے اور حاکم مجاز یا تو اس کو زندہ سولی پر چڑھا دے یا قتل کر دے اس کو اختیار حاصل ہے اور ایسے شخص کی توبہ بھی قابلِ قبول نہیں

ابی مصعب اور ابن ابی اویس کی روایت سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول معلوم ہوا کہ شان رسالت میں سب و شتم کرنے والا خواہ وہ مدعی اسلام ہو یا کافر اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اور

اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

انبیاء علیہم السّلام کی بارگاہ کے گستاخ کا حکم

جناب محمد رضی اللہ عنہ نے اپنی تصنیف (کتاب محمد) میں امام مالک رضی اللہ عنہ کے متعلقین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام صاحب موصوف نے فرمایا ہے کہ جو شخص بھی خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں یا کسی دوسرے نبی کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کرے تو اس کی توبہ کو قبول نہ کیا جائے بلکہ اس کو قتل کر دیا جائے۔

جناب اصبغ نے فرمایا کہ دریدہ دہن اور گستاخ کو ہر حالت میں قتل کر دیا جائے خواہ اس نے اہانت کے کلمے برملا کہے ہوں یا چھپا کر اس کی توبہ کو بھی منظور نہ کیا جائے کیونکہ اس کی توبہ کی بھی تشہیر نہیں ہو سکتی اور یہی بات عبداللہ بن حکم نے بھی کہی ہے۔

حضور علیہ السلام کی کسی چیز کی اہانت کا حکم

ابن وہب نے امام مالک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ کوئی شخص اگر حضور کی حضور مبارک کے بارے میں کوئی بری بات کہے یا عیب جوئی کے لئے یہ کہے کہ حضور علیہ السلام کی زرہ مبارک پھٹی ہوئی ہے اس کو بھی نہ چھوڑا جائے بلکہ قتل کر دیا جائے۔[1]

جناب مصنف فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء کا اس مسلک پر اجماع ہے کہ جس شخص نے انبیاء علیہم السّلام کے لئے کوئی بد دعا کی یا کوئی اہانت آمیز کلمہ ان کے لئے زبان سے نکالا اس کو بغیر توبہ قبول کئے قتل کر دیا جائے۔

ذات نبوی کے بارے میں معمولی الفاظ کا حکم

جناب ابوالحسن قابسی نے ایک شخص کے بارے میں جس نے

---

[1] راقم الحروف نے اپنے والد محترم تاج العلماء مفتی محمد عمر صاحب نعیمی قدس سرہ سے عہدِ طفولیت میں سنا تھا موصوف فرماتے تھے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ کی نعلین مبارک کی تنقیص کرنے والا بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ محمد اطہر نعیمی

حضور علیہ السلام کو بوجھ اٹھانے والا یا ابوطالب کا یتیم کہا تھا قتل کرنے کا فتویٰ دیا تھا۔[1]

بُرے الفاظ سے تشبیہ دینے والے کو سزا

ابو محمد بن زید نے اس مجلس کے بارے میں جہاں حضور علیہ السلام کی صفات کا تذکرہ ہوا اور وہاں ایک بدشکل اور بد نما داڑھی والا گزرے اور اس مجلس کے حاضرین میں سے کوئی شخص یہ کہے اگر حضور علیہ السلام کی صفت جاننا چاہتے ہو تو دیکھو حضور علیہ السلام (ظالم بدہن) اس بدصورت وہیئت کی طرح تھے۔ جناب ابو محمد نے فرمایا ہے کہ اس گستاخ کی توبہ قبول نہ کی جائیگی کیونکہ اس نے حضور علیہ السلام کی ذات کے بارے میں جھوٹ بکا ہے اس پر اللہ کی لعنت ہو ایسی بات کسی راسخ العقیدہ مسلمان کی زبان سے نہیں نکل سکتی۔

جناب سحنون احمد بن سلیمان نے فرمایا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ حضور علیہ السلام کالے تھے قتل کر دیا جائے۔ مصنف سحنون نے ایسے شخص کے متعلق فرمایا کہ کسی شخص سے کہا گیا کہ نہیں اور حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم یہ سن کر اس شخص نے کہہ دیا کہ اللہ رسول اللہ کے ساتھ ایسا ایسا کرے اور کوئی بدتمیزی کی بات کہدی اور جب اس کو اس گستاخی کی طرف توجہ دلائی گئی تو اس نے بہت زیادہ سخت بدتمیزی کی بات کہی اور مزید یہ بھی بکواس کی کہ میں نے رسول علیہ السلام کی ذات کو بچھو سے تشبیہ دی تھی۔ ابن ابی سلیمان نے فرمایا کہ جس نے اس گستاخ کے بارے میں ایسی بات دریافت کی اور میں اس سلسلہ میں اس دریافت کنندہ کا شاہد اور اس کے عمل میں اس کا شریک بھی ہوں اس جملہ سے ابن ابی سلیمان کا مفہوم یہ تھا کہ اگر دریافت کنندہ اس گستاخ کو قتل کردے تو اس کے قتل کے ثواب میں میرا بھی حصہ ہے

شاتم کے قتل کی وجہ

شاتم اور گستاخِ بارگاہ رسالت کے قتل کی وجہ بیان کرتے ہوئے حبیب بن الربیع فرماتے ہیں کہ ان الفاظ سے حضور علیہ السلام

---

[1] موجودہ دور میں نام نہاد اسلامی مستشرقین اور فکر اسلامی کے داعی حضرات نے ایسے ہی الفاظ حضور کی نسبت استعمال کئے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ۱۲ ۔ محمد اطہر نعیمی

کی تحقیر و توہین ہوتی ہے اور مذکورہ بالا شخص (احکام قرآنی کے خلاف) حضور علیہ السلام حضور علیہ السلام کی تعظیم و توقیر نہیں کرتا لہٰذا ایسے شخص کا خون مباح ہے نہیں بلکہ اس کا خون بہانا واجب ہے اور مزید برآں یہ کہ صریح الفاظ میں تاویل کی گنجائش نہیں لہٰذا ایسے شخص کو کیفر کردار کو پہنچانا ضروری ہے۔

اپنے بچاؤ کے لئے حضور پر طعن کی سزا

عبداللہ بن مناب نے ایسے عشر لینے والے کے متعلق کفر کا فتویٰ دیا ہے جو عشر کی وصولی کے لئے گیا جب لوگوں نے اس سے جرح کی تو اس نے کہہ دیا کہ عشر تو مجھے دیدو اگر شکایت کرنی ہے تو حضور علیہ السلام سے جاکر کرو اور اس طلب میں اگر کوئی قصور ہے تو یہ میری نادانی ہے اور یہ نادانی (معاذ اللہ) حضور علیہ السلام کی وجہ سے ہے کیونکہ انہیں کے کہنے سے میں مانگنے آیا ہوں۔

فقہائے اندلس اور ابن طلیطلی

ابراہیم فرازی ماہر علوم اور اپنے دور کا مشہور شاعر تھا وہ قاضی ابوالعباس بن طالب کی علمی مجلس میں شریک ہوا کرتا تھا جب اس کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ وہ بارگاہ خداوندی انبیاء علیہم السلام اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گستاخیاں کرتا ہے اور استخفاف اور استہزاء کے کلمات استعمال کرتا ہے تو قاضی بن عمرو وغیرہ فقہاء نے اس کو عدالت میں طلب کیا اور اس کی کوتاہیوں کے ثابت ہونے کے بعد اس کے قتل اور سولی کا حکم دیا چنانچہ پہلے اس کے پیٹ میں چھری ماری گئی اور اس کے بعد اسے اٹھا کر سولی پر لٹکا دیا گیا۔ لیکن بعد میں اس کی لاش سولی سے اتار کر جلا دی گئی اس سلسلہ میں یہ واقعہ بھی سنایا گیا کہ جب اس کو سولی سے اتارا گیا اور لوگوں نے اس کو ہاتھ سے چھوڑا تو سولی کا تختہ گھوم گیا اور اس مردود کا چہرہ سمت قبلہ سے پھر گیا۔ یہ عبرتناک واقعہ ابھی مکمل

---

[1] ماضی قریب میں برصغیر کے چند نام نہاد علماء نے شان رسالت میں گستاخیاں کیں اور جب ان سے مواخذہ کیا گیا تو اس مواخذہ کنندگان محافظ ناموس رسول کو طرح طرح کے القاب سے نوازا گیا اور ان لوگوں نے بجائے اس کے کہ اپنے الفاظ سے رجوع کرتے اس پر قائم رہے اور ان کے متبعین آج بھی ان کا تتبع کر رہے ہیں (مترجم)

نہ ہوا تھا کہ ایک کتا آیا اور اس نے اس کا خون چاٹا لوگوں نے یہ منظر دیکھ کر اللہ کی تکبیر و تحمید کی یہ منظر دیکھ کر قاضی یحییٰ بن عمر و نے فرمایا کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے درست فرمایا اور حضور علیہ السلام کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ سرکار دو عالم علیہ السلام نے فرمایا مسلمان کے خون کو کتا نہیں چاٹتا ہے۔

قاضی عبداللہ بن مرابط نے فرمایا کہ کوئی شخص اگر یہ کہے کہ نبی علیہ السلام کو شکست ہوئی تو اس سے توبہ کرائی جائے اور اگر وہ شخص توبہ نہ کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے کیونکہ اس نے حضور کی توہین کی ہے اور ایسی بات خصوصیت کے ساتھ حضور علیہ السلام کے بارے میں کہنی جائز نہیں کیونکہ ذات نبوی کو اپنی عصمت اور اپنے افعال کے نتیجہ کے بارے میں علم تھا۔

حبیب بن ربیع فروی نے کہا ہے کہ امام مالک اور ان کے رفقاء علمی کا مسلک یہ ہے کہ جو شخص حضور علیہ السلام کے بارے میں ایسی بات کہے جس میں اہانت کا پہلو نکلتا ہو تو ایسے شخص کو بلا طلب توبہ قتل کر دیا جائے۔

اہانت نبی اور حکم کتاب و سنت

ابن عتاب نے فرمایا کہ کتاب و سنت سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ایسے شخص کو قتل کرنا واجب ہے جو حضور علیہ السلام کو اذیت دے یا حضور علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرے یا آپ کی شان کو گھٹانے کی کوشش کرے خواہ اس کا یہ فعل تعریضاً ہو یا تصریحاً زیادہ یا دہ گوئی کرے یا کم۔

لہٰذا ان باتوں کو جن کو علماء نے گالی۔ توہین آمیز قرار دیا ہے۔ ان کے کہنے والے یا ان میں سے ایک کے بھی کہنے والے کا قتل کرنا واجب ہے اور اس مسئلہ میں متقدمین و متاخرین سب یکجا ہیں اور اس سلسلہ میں ہم نے اس جانب اشارہ بھی کیا ہے اور آئندہ صفحات میں بھی اس موضوع پر تبصرہ کریں گے۔

جناب مصنف کی تحقیق

اس موضوع پر تبصرہ کے بعد (مصنف علیہ الرحمۃ) کہتے ہیں کہ اس کے لئے وہی حکم کیا جائے جس کا تذکرہ ما سبق میں کیا ہے

یعنی جو شخص سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر عیب لگائے تحقیر آمیز الفاظ بکریاں چرانے والا اور اس کی مثل الفاظ کہے یا جادو کے اثرات سے متاثر ہونے یا کسی اور تکلیف کی وجہ سے جو زخم لگے لشکر کے ہزیمت اٹھانے یا دشمن کی ایذا رسانیوں کی وجہ سے جو اذیت آپ کو اٹھانی پڑی اس سے عار دلائے یا خاکم بدہن یہ الزام تراشی کرے کہ آپ کا میلان (اپنی) عورتوں کی جانب زیادہ تھا ان تمام صورتوں میں اس قسم کی خرافات بکنے والے کے لئے یہ حکم ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے بشرطیکہ یہ الفاظ تنقیص کے طور پر کہے ہوں۔

اس بارے میں علمائے امت کے اقوال گذشتہ سطور میں بیان کئے گئے ہیں لیکن اس سلسلہ میں مزید تشریح آئندہ سطور میں بیان کی جائے گی۔

قتل کے وجوب پر دلائل

درج ذیل سطور میں ان دلائل شرعیہ کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کی روشنی میں شاتم رسول علیہ السلام کے قتل کا حکم کیا گیا ہے۔

پہلی دلیل

کتاب ہدایت قرآن مجید میں اللہ رب العالمین نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو دنیا و آخرت میں حضور علیہ السلام کے لئے اذیت و تکلیف کا سبب بنے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی اذیت کو اپنی اذیت کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے گستاخ کی سزا قتل متفق علیہ ہے۔ اسی طرح لعنت کا معاملہ ہے کیونکہ لعنت کا مستوجب تو وہ ہوتا ہے جو کافر ہو ایسے دریدہ دہن کافر کا حکم قتل ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

ان الذین یوذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ و اعدلھم عذاب مھینا۔ (پ ۲۲ ع ۴)

بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت اور ان کے لئے دردناک عذاب مقرر کر دیا گیا ہے۔

مومن کے قاتل کا حکم

مومن کے قاتل کے سلسلہ میں ایسا ہی حکم ہے اور دنیا میں اس پر لعنت سے قتل مراد ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

ملعونین ایسما ثقفوا اخذ وا وقتلوا تقتیلا۔	یہ لوگ ملعون ہیں جہاں یہ پائے جائیں انہیں پکڑ کر قتل کر دیا جائے۔

لڑائی جھگڑا کرنے والوں اور متحاربین کی سزا کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ذالک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم۔	یہ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

لغت عرب میں قتل کبھی لعنت کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔

قتل الخراصون الذین ھم فی غمرتھم ساھون (پ ۲۶ ع ۸)	جھوٹے لوگ قتل کئے جائیں اور وہ جو غفلت میں بھول رہے ہیں
قاتلھم اللہ انی یوفکون (پ ۱۰ ع ۱۱)	اللہ تعالیٰ انہیں قتل کرے کہاں پھرے جاتے ہیں۔

ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ان پر لعنت فرمائے اور ایک بات اور بھی توجہ طلب ہے کہ اللہ اس کے رسول اور مومنوں کی ایذا میں فرق ہے کیونکہ اللہ کی بارگاہ میں گستاخی کرنے والے اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے والے یا بارگاہ رسالت میں اہانت آمیز الفاظ استعمال کرنے کی سزا قتل ہے جبکہ مسلمانوں کو اذیت دینے والے کی سزا قتل نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہوا۔

فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم	خدا کی قسم وہ مسلمان ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ اپنے جھگڑوں میں آپ کو حاکم نہ بنائیں پھر اپنے دلوں میں آپ

حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما (پ ۵ ع ۶) — کے فیصلوں پر کوئی اثر نہ لیں اور ان فیصلوں پر گردن اطاعت خم کر دیں۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے بارے میں فیصلہ فرمادیا جو حضور کے فیصلہ پر تنگ دل ہو اور اس کے ماننے میں پس وپیش کرے اور جس نے آپ کی تنقیص کی اس نے بلاشبہ نقض عہد کیا۔ ایک اور آیت میں اس طرح ارشاد ہوا۔

یا ایھا الذین امنو لا ترفعوا اصوا تکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون۔ (پ ع) — اے ایمان والو اپنی آواز کو نبی علیہ السلام کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ آپ کے سامنے بلند آواز سے گفتگو کرو جیسا کہ آپس میں تم کرتے ہو کہیں اس پاداش میں تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمہیں اس کا احساس بھی نہ ہو۔

کفر اعمال کو اکارت کرتا ہے

اعمال انسانی میں صرف کفر ہی ایسا عمل ہے جو اعمال کو ضائع کرتا ہے اور کفر کی سزا (شریعت اسلامیہ میں) قتل ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

(۱) اذا جاؤک حیوک بما لم یحییک بہ اللہ۔ (پ ۲۸ ع ۲) — اور جب یہ لوگ آپ کی خدمت میں آتے ہیں تو ایسی تحیت بجالاتے ہیں جیسی کہ اللہ نے بھی تحیت نہیں فرمائی۔

(۲) حسبھم جھنم یصلو نھا فبئس المصیر (پ ۲۸ ع ۲) — ان کو وہ برا ٹھکانہ جہنم کافی ہے جس میں کہ وہ جھونکے جائیں گے۔

(۳) و منھم الذین یوذون النبی و یقولون ھو اذن (پ ۱۰ ع ۱۴) — کچھ لوگ وہ ہیں جو نبی (علیہ السلام) کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

وہ تو کان ہیں۔

(۴) والذین یوذون رسول اللہ لھم عذاب الیم۔	جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے
(۵) ولئن سالتھم لیقولن انا کنا نخوض و نلعب قل اباللہ و رسولہ کنتم تستھزون لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم۔ (پ ۱۰ ع ۱۴)	اور جب اسے سوال کیا جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ تو محو گفتگو تھے اور آپس میں کھیلتے تھے تو کیا تم اللہ اور اس کے رسول سے ٹھٹھا کرتے تھے۔ اب بہانہ بازی نہ کرو یقیناً تم ایمان لانے کے بعد مرتکب کفر ہوتے ہو۔

مفسرینِ کرام نے فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے جو کلمات ادا کئے وہ کفر کے مترادف ہیں لہٰذا وہ کافر ہو گئے اور اس بارے میں اجماع امت کا تذکرہ ہم نے پہلے صفحات میں کر دیا ہے آیئے آیاتِ قرآنی کے بعد حدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کا جائزہ لیں۔

اہانتِ رسول سببِ قتل اور اہانتِ صحابہ سببِ سزا ہے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم علیہ السلام نے فرمایا جو شخص کسی نبی کو گالی دے اس کو قتل کردو اور جو شخص میرے صحابہ میں سے کسی کو گالی دے اس کو قرار واقعی سزا دو۔

کعب بن اشرف کا قتل

کعب بن اشرف کے سلسلہ میں سرکار دو عالم علیہ السلام نے فرمایا کون ہے جو اس (دریدہ دہن) کو جا کر سزا دے جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتا ہے۔ محمد بن مسلمہ کو یہ سعادت ملی اور انہوں نے اس دشمن خدا اور رسول کو دعوت اسلام نہیں دی اور بلا تکلف اپنی دانشمندی سے اس کو کیفر کردار کو پہنچا دیا کعب بن اشرف کے قتل کی وجہ اس کا کفر و شرک نہ تھا بلکہ اس کے قتل کا حکم سرکار دو عالم

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے دیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے لئے اذیت کا سبب بنتا تھا۔

ابو رافع کا قتل

جناب براء فرماتے ہیں کہ ابو رافع حضور علیہ السلام کو نہ صرف خود اذیت دیتا بلکہ لوگوں کو آپ کی مخالفت پر آمادہ کرتا تھا اور اس سلسلہ میں ان کی معاونت بھی کرتا تھا لہٰذا اس کو قتل کرا دیا گیا۔

ابن خطل اور اس کی باندیوں کا قتل

فتح مکہ کے موقع پر (جبکہ عام معافی کا اعلان کر دیا گیا تھا) حضور علیہ السلام نے ابن خطل اور اسکی باندیوں کے قتل کا حکم دیا کیونکہ اس دشمن رسول کی باندیاں گانے کے دوران ایسے اشعار گاتی تھیں جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہوتی تھی۔

جناب خالد اور شاتم رسول

ایک اور شخص بھی حضور علیہ السلام کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کرتا تھا۔ حضور علیہ السلام نے صحابہ سے فرمایا کون ہے جو اس دریدہ دہن گستاخ کو کیفر کردار کو پہنچائے چنانچہ اس کام کے لئے جناب خالد نے اپنی خدمات پیش کیں اور اس دریدہ دہن کا کام تمام کر دیا۔

علی ہذا القیاس ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے دریدہ دہن اور گستاخ کافروں کی زبان بندی کا یہی طریقہ مناسب سمجھا اور عقبہ بن ابی معیط۔ نضر بن حارث وغیرہ کو قتل کرایا اس کے علاوہ فتح مکہ کے موقع پر اور اس کے بعد بھی جن لوگوں نے ایسی حرکات کیں تھیں ان سب کے متعلق حضور نے صحابہ کو ہدایت فرمائی اور ان جاں نثاروں نے بارگاہ رسول کے گستاخوں کو سزا کے طور پر قتل کیا۔ ان لوگوں نے جنہوں نے حالات کا جائزہ لیا اور قبل اس کے کہ مسلمانوں کی گرفت میں آئیں دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

عقبہ بن ابی معیط کا قتل

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ عقبہ بن ابی معیط نے قتل سے پہلے پکار کر کفار قریش سے فریاد کی کہ تم

لوگوں کے ہوتے ہوئے مَیں جبراً قتل کیا جا رہا ہوں۔ حضور علیہ السلام نے اس کی فریاد سن کر فرمایا تیرے قتل کی وجہ تیری بدزبانی اور وہ کذب و افتراء ہیں جو تو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کرتا تھا۔

جناب زبیر اور ایک شاتم رسول

جناب عبدالرزاق نے ذکر کیا ہے کہ ایک شخص نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گستاخی کی حضور علیہ السلام نے اس کی حرکت پر فرمایا کون غیور ہے جو اس دریدہ دہن گستاخ کو اس کی حرکت کا مزہ چکھائے جناب زبیر نے عرض کیا میری خدمات اس کام کے لئے حاضر ہیں اور اس مردِ مجاہد نے اس گستاخ کو گستاخی کی سزا دی۔

سیف اللہ اور ایک دشمن رسول

انہی واقعات میں سے ایک عورت کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کو گالیاں دیا کرتی تھی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کون ہے جو مجھے اس اذیّت سے بچائے جناب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی غیرت جوش میں آئی اور اس خبیثہ کو قتل کر دیا۔

ایک اور بدتمیز کے قتل کے لئے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی و زبیر رضی اللہ عنہم کو مقرر فرمایا۔ ان حضرات نے جا کر اس کو قتل کیا۔

ایک شخص نے اپنے گستاخ باپ کو قتل کیا

ایک شخص نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا باپ آپ کی ذات اقدس کی بابت بُری بُری باتیں کہتا تھا۔ میری غیرت و حمیّت نے اس کو گوارا نہ کیا اور مَیں نے اس کو قتل کر دیا۔ اس کی یہ بات سُن کر حضور نے ناگواری کا اظہار نہ فرمایا۔

مہاجر بن امیہؓ اور گستاخ بارگاہ نبوی

جناب صدیق اکبر کا دورِ خلافت تھا۔ مہاجر بن امیہ یمن میں اسلامی حکومت کے گورنر تھے جب انہیں معلوم ہوا کہ یہاں ایک گانے والی عورت گیت گاتے وقت ایسے گیت گاتی ہے جن سے

حضور علیہ السلام کی توہین ہوتی ہے۔ اس غیور حاکم کو اس کی یہ حرکت گوارا نہ ہوئی اور اس کو بلا کر اس کے ہاتھ کٹوا دیے اور اس کے اگلے دانت تڑوا دیے۔ جب یہ اطلاع بارگاہ خلافت میں ہوئی تو امیر المومنین نے فرمایا کاش تم نے یہ نہ کیا ہوتا تو میں اس عورت کے قتل کا حکم دیتا۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے معاملہ میں حدود بھی دوسروں سے مختلف ہیں۔

بنی خطمہ کی ایک عورت کو قتل کی سزا

بنی خطمہ کی ایک عورت حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں گستاخی کیا کرتی تھی حضور علیہ السلام نے صحابہ سے دریافت کیا کون ہے جو اس دریدہ دہن سے بدلہ لے حضور علیہ السلام کے فرمان کے مطابق اس قبیلہ کے ایک شخص نے اس خدمت کو اپنے ذمہ لیا اور اس عورت کو قتل کر کے بارگاہ رسالت میں آ کر مطلع کیا تو حضور نے اس شخص کو قبیلہ خطمہ کے متعلق بشارت دی کہ اس قبیلہ میں آئندہ دو بکریاں بھی آپس میں سینگ نہ ٹکرائیں گی[1] اور سب لوگ اتحاد و اتفاق سے رہیں گے۔

شاتم رسول اور ایک نابینا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک نابینا کی ام ولد باندی حضور علیہ السلام کی شان میں گستاخی کیا کرتی تھی اور وہ نابینا اس کو اس فعل پر باز پرس کرتا اور وہ نابینا اس کو اس فعل پر گھڑکتا جھڑکتا تھا چنانچہ ایک رات جب وہ باندی حضور علیہ السلام کی شان میں گستاخی کر رہی تھی تو اس نابینا کو سننے کی تاب نہ رہی اور اس نابینا نے اس باندی کو قتل کر دیا جب حضور علیہ السلام کو اس کے قتل کی خبر ہوئی تو آپ نے اس خون کو معاف فرما دیا۔

ابی برزہ اسلمی کی روایت

ابی برزہ اسلمی فرماتے ہیں کہ میں خلیفہ راشد صدیق اکبر کی خدمت میں حاضر تھا اس مجلس میں آپ نے ایک مسلمان پر غصہ فرمایا قاضی اسماعیل اور دیگر راویان حدیث نے اس اضافہ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ اس شخص نے جناب صدیق اکبر کی بارگاہ میں گستاخی کی اور گالی دی تھی۔

---

[1] اہل عرب کا محاورہ ہے کہ جس مقام پر دو بکریاں بھی سینگ نہ ماریں وہاں مکمل امن و اخوت کی فضا برقرار ہوتی ہے۔ مترجم

نسائی کی روایت: امام نسائیؒ نے اس واقعہ کو اس طرح نقل فرمایا ہے جناب ابی برزہ اسلمی فرماتے ہیں کہ میں جناب ابی بکر صدیق کی مجلس میں حاضر ہوا تو آپ ایک شخص پر ناراض ہو رہے تھے اور وہ آپ کو جواب دے رہا تھا اس وقت میں نے عرض کیا اے خلیفہ رسول اللہ اگر مجھے اجازت ہو تو اس شخص کی گردن اڑا دوں لیکن جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ خصوصیت صرف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ ان کی بارگاہ میں گستاخی کرنے والے کو قتل کیا جائے گا اور کسی شخص کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس کو گالی دینے والے کو قتل کیا جائے۔

قاضی ابو محمد بن نصر فرماتے ہیں کہ تمام علماء نے اس مسئلہ میں ان کی تائید کی ہے اور کسی نے اس سلسلہ میں اختلاف نہیں کیا ہے۔ ائمہ حدیث نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ جو شخص نبی کریم علیہ السلام کے غصہ کا سبب ہے خواہ وہ کسی وجہ سے ہو یا حضور کو زبانی یا عملی طور پر تکلیف پہنچائے وہ واجب القتل ہے۔

جناب عمر بن عبد العزیز کا اپنے عامل کو مراسلہ

خلیفہ عادل جناب عمر بن عبد العزیز نے عامل کوفہ کے استفسار پر تحریر فرمایا تھا کہ سوائے اس شخص کے جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گستاخی کا مرتکب ہو ان کے علاوہ کسی دوسرے کو گالی دینے کی وجہ سے قتل نہیں کیا جائے گا۔ عامل کوفہ نے اس شخص کے بارے میں معلوم کیا تھا جس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں گستاخی کی تھی اور انہیں گالی دی تھی (ایسے گستاخ شخص کو سخت سزا دی جائے گی جیسا کہ ماسبق میں مذکور ہوا۔ مترجم)

ہارون الرشید کا امام مالک سے استفسار

عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالک رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گستاخی کرتا ہو۔ ہارون نے لکھا تھا کہ عراق کے علماء نے شاتم رسول (علیہ السلام) کے لئے کوڑوں کی سزا تجویز کی ہے۔ آپ کا اس سلسلہ میں کیا فتویٰ ہے امام مالک نے ہارون کے استفسار پر غصہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا جو شخص حضور علیہ السلام کو گالی

دے وُہ مِلّتِ اسلامیہ کا فرد نہیں رہتا ایسا شخص واجب القتل ہے اور جو کوئی شخص اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا کہے اور گالیاں دے اس کے کوڑے مارے جائیں۔

مصنّف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے بہت سے واقعات کا تذکرہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب میں ملتا ہے جو امام مالک کے متعلقین اور سیرت نگاروں نے ترتیب دیے ہیں اور مَیں نہیں جانتا کہ عراق کا وہ کونسا عالم ہے جس نے شاتم رسول کے لئے کوڑوں کی سزا تجویز کی حالانکہ علمارِ عراق کا مسلک مَیں نے تحریر کیا ہے کہ وہ بھی شاتم رسول کے قتل کے قائل ہیں اور ممکن یہ ہے کہ یہ حضرت مفتی کوئی غیر معروف شخصیت ہوں یا ان کے فتویٰ کو زیادہ اہمیت نہ دی جاتی ہو یا کسی خواہش نفسانی کے تحت ایسا فتویٰ دے دیا ہو یا یہ کہ اس مفتی نے ان الفاظ کو سب وشتم پر محمول ہی نہ کیا ہو۔ یا وہ الفاظ مختلف فیہ ہوں یا قائل نے اپنے قول سے رجوع کر کے توبہ کر لی ہو یا امام مالک سے اس معاملہ میں تذکرہ نہ کیا گیا ہو ورنہ اجماع تو اس پر ہے کہ شاتم رسول کو قتل کر دیا جائے جیسا کہ ہم نے ماسبق صفحات میں لکھا ہے۔

نظری وفکری طور پر یہ بات ظاہر وباہر ہے کہ جس نے حضور علیہ السلام کو گالی دی یا حضور علیہ السلام کی شان میں گستاخی کی اس کا مرض وخبث باطن ظاہر ہو گیا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ یہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر علمار نے اس کے مرتد ہونے کا حکم نہیں دیا ہے۔ یہی قول امام مالک رضی اللہ عنہ اور شام کے علمار کا ہے اور اس کی تائید امام اعظم ابوحنیفہ سفیان ثوری اور کوفہ کے دوسرے علمار نے بھی کی ہے۔

دوسرا قول

اب اس سلسلہ میں یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ کلمات قابل گرفت اور قائل کے کفر پر دلالت کرتے ہیں لہٰذا حد کے طور پر اس قائل کو قتل کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں جب تک کہ قائل اپنے قول کا پابند نہ ہو اس وقت تک یہ حکم نہیں کیا جا سکتا لیکن اگر وہ اپنے قول کے رجوع سے انکار کر دے یا ایسا کہنے سے باز نہ آجائے تو ایسا شخص یقیناً کافر ہے خواہ اس کا قول صریح کفر ہو جیسے تکذیب وغیرہ یا استہزار کے کلمات ہوں اور قائل ان کلمات کا

اعتراف بھی کرتا ہو اور تائب نہ ہوا ہو یہ تمام عوامل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ ان کلمات کو درست اور حلال جانتا ہے اور ایسے کلمات کو درست اور حلال سمجھنا کفر اور ان کا قائل کافر ہے اور اس سلسلہ میں اہل علم اور مفتیان کرام نے کسی قسم کے اختلاف کا بھی اظہار نہیں کیا ہے ایسے لوگوں کے بارے میں خالق کائنات نے بھی فرمایا۔

یحلفون باللہ ما قالوا ولقد قالوا کلمۃ الکفر و کفروا بعد اسلامہم۔ (پ ۱۰ ع ۱۶)	وہ قسمیں کھا کر اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ انہوں نے ایسا کفریہ کلمہ نہیں کہا حالانکہ انہوں نے اسلام لانے کے بعد کفریہ کلمات کہے۔

آیت کریمہ کی تفسیر

مفسرین کرام نے آیت کریمہ کی تفسیر کے بارے میں یہ نقل فرمایا کہ ایسے کلمات کہنے والوں کا طریق کار یہ تھا کہ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ جو کچھ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا وہ سچ ہے تو ہم گدھے سے بدتر ہیں بعض اہل علم حضرات نے یہ فرمایا کہ بعض لوگ اس طرح کہتے تھے کہ ہماری اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کسی نے کہا کہ تیرا کتا فربہ اور طاقت ور ہو کر تجھی کو کاٹ کھائے گا اور بعض لوگوں کا قول قرآن میں اس طرح نقل کیا ہے۔

ولئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منہ الاذل۔ (پ ۲۸ ع ۱۳)	اگر ہم مدینہ کی جانب لوٹے تو ہم عزت والے ضرور مدینہ سے ذلیل کو نکال دیں گے۔

اہل علم حضرات نے فرمایا ہے کہ ایسے کلمات کا کہنے والا اگر یہ کلمات پوشیدہ طور پر کہتا ہے تو وہ زندیق کی طرح ہے جو واجب القتل ہے کیونکہ اس نے اپنے دین کو بدلا ہے اور اس کی تائید قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہے جس میں کہ حضور نے فرمایا جو شخص اپنے دین کو بدلے (اور مرتد ہو جائے) اس کی گردن مار دو اور اس کی ایک وجہ اور بھی ہے کہ احترام نبوی کا امت کے افراد

کے احترام کے مقابلہ میں مرتبہ بہت ارفع و اعلیٰ ہے اور اس کا کوئی موازنہ نہیں اسی لئے افرادِ امت کے احترام کو پامال کرنے والے پر حد جاری ہوتی ہے اور احترام نبوی کا لحاظ نہ کرنے والے کو قتل کیا جاتا ہے۔ اب اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص حضور علیہ السلام کی اہانت کا مرتکب ہو اس کی سزا قتل ہے کیونکہ حضور کی عزت و منزلت عظمت و حرمت نہایت ہی ارفع و اعلیٰ ہے اور حضور کا مرتبہ، افراد امت ہی مقابلہ میں نہیں بلکہ تمام مخلوق الٰہی سے ان کا موازنہ نہیں کیا جاسکتا

بعض یہودیوں اور منافقین کے عدم قتل کی حکمت

یہاں اگر کوئی معترض یہ اعتراض کرے کہ جب شاتم رسول یا اہانت نبوی کا ارتکاب کرنے والا واجب القتل ہے تو حضور علیہ السلام نے اس شخص کے قتل کا حکم کیوں نہیں دیا جس نے حضور علیہ السلام سے السلام علیکم کے بجائے السام علیکم (آپ کو موت آئے) کہا تھا یا اس شخص سے درگذر کیوں فرمایا جس نے حضور علیہ السلام کے فیصلہ کے بارے میں یہ کہہ دیا تھا کہ یہ وہ تقسیم ہے جس سے رضا الٰہی مطلوب نہیں حالانکہ یہ کلمات بھی حضور علیہ السلام کی اذیت کا سبب بنے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس سے سخت کلمات کہے گئے تھے اور انہوں نے صبر فرمایا تھا (اسی لئے حضور علیہ السلام نے ایسے مواقع پر صبر فرمایا)۔

رہا معاملہ منافقین کے ساتھ درگذر فرمانے کا تو اس سلسلہ میں یہ بات توجہ طلب ہے کہ ابتدار اسلام میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو مانوس اور عقیدت مند بنانے کے لئے اور ان کے قلوب کو اسلام کی جانب راجع فرمانے کے لئے ان منافقین کے ساتھ نرمی فرماتے تھے۔ حضور علیہ السلام صحابہ سے فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ اخلاق و اقدار کو بلند کرنے کے لئے مبعوث فرمایا ہے مجھے نفرت بڑھانے کے لئے مبعوث نہیں فرمایا گیا لہٰذا تم آسانی اختیار کرو اور مشقت میں نہ پڑو۔ اطمینان و سکون حاصل کرو اور دوسروں کو بھی اطمینان دلاؤ، نفرت کا اظہار نہ کرو اور دوسروں کو بھی متنفر نہ ہونے دو اور دوسروں کو یہ موقع نہ دو کہ وہ یہ کہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو

اپنے ہم نشینوں کو قتل کرتے تھے۔

حضور علیہ السلام کا طرزِ عمل

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کفار و منافقین کی خاطر تواضع فرماتے ان کے ساتھ حسنِ اخلاق اور حسنِ سلوک سے پیش آتے ان کی طرف سے پہنچنے والی اذیتوں کو تحمل کے ساتھ برداشت کرتے اور ان تکالیف پر اس طرح صبر فرماتے جن پر عمل پیرا ہونا آج ہمارے لئے ممنوع اور ناجائز ہے اور اس طرزِ عمل کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت حکم ربی ہی یہ تھا قرآن پاک شاہد ہے۔

(۱) ولا تزال تطلع علی خائنہ منھم الا قلیل منھم فاعف عنھم واصفح ان اللہ یحب المحسنین۔ (پ ۵ ع ۷)

اور آپ ہمیشہ ان کی ایک نہ ایک ادا پر مطلع ہوتے رہیں گے لہٰذا ان میں سے تھوڑے سے لوگوں سے درگذر فرمالیں اور انہیں معاف کردیں اور ان سے درگذر فرمائیں بیشک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

(۲) ادفع بالتی ھی احسن فاذالذی بلینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم۔ (پ ۲۴ ع ۹)

برائی کو بھلائی کے ذریعہ دور کریں اس طرح کہ تمہارا دشمن بھی دوست بن جائے

حسن سلوک اور رعایت

ابتدار اسلام میں ضرورت اس بات کی تھی کہ دائرہ اسلام وسیع ہو اور یہ اسی وقت ممکن تھا جبکہ لوگ کثرت سے حلقہ بگوش اسلام ہوں اور ان کی بیماری کے لئے تالیفِ قلب ہی بہترین نسخہ تھا لہٰذا طبیب انسانیت ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نسخہ کو استعمال فرمایا لیکن جب شجر اسلام ایک تناور درخت کی طرح ہوا اور نصرت خداوندی سے تمام ادیان پر غالب ہوگیا اور حالات یکسر تبدیل ہوگئے تو آپ نے ہر ممکنہ طریقے سے دشمنان اسلام کو کیفرِ کردار کو پہنچایا اور اب سب کو اپنے اور

غیروں کو یہ معلوم ہو گیا کہ اب حالات یکسر تبدیل ہو چکے ہیں اور اسلام لقمۂ تر نہیں رہا ہے جس کو آسانی سے نگل لیا جائے اور اس طرزِ عمل کا مشاہدہ ابن خطل اور ان لوگوں کے ساتھ ہوا جن کے قتل کے متعلق فتح مکہ کے دن ارادہ فرمایا تھا۔

اسی طرح کا معاملہ ان یہود اور دوسرے دشمنانِ اسلام جو اب تک مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے کے ساتھ پیش آیا اور ان میں جو بھی قابو میں آیا اس کو کیفر کردار کو پہنچا دیا گیا ان میں کعب بن اشرف - ابی رافع - نصر و عقبہ وغیرہم شامل ہیں ان کے علاوہ اور لوگ بھی تھے جن کو معاف فرما دیا گیا مثلاً کعب بن زہیر اور ابن زبعری وغیرہ ایسے خوش قسمت بھی تھے جو ان کوتاہیوں کے ارتکاب کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہو کر مطیع و فرمانبردار ہو گئے۔

منافقین کی دو عملی

اسلام کی تعلیم کے مطابق سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر حالات پر حکم فرماتے تھے لیکن ان منافقین کے دلوں میں اسلام اور بانی اسلام کی ذات اقدس سے تو بغض و عناد تھا اور یہ بد باطن اپنی مجلس میں بیہودہ اور نازیبا کلمات کہتے تھے لیکن جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے تو اپنے اقوال سے اپنی صداقت کے اظہار کے لئے قسمیں کھانے سے گریز نہ کرتے تھے ان کی اس حرکت کی پردہ دری کرتے ہوئے قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔

ویحلفون باللہ ما قالوا	اللہ کی قسمیں کھا کر اپنی صداقت کا
ولقد قالوا کلمۃ الکفر	اظہار کرتے ہیں حالانکہ انہوں نے
(پ ۱۰ ع ۱۶)	یقیناً کلمہ کفر کہا ہے۔

ان منافقین کی مذکورہ بالا حرکتوں کے باوجود حضور علیہ السلام کی خواہش یہ تھی کہ منافقین اسلام کی جانب رجوع کریں اور اپنی حرکات سے توبہ کر لیں اسی لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے اولوالعزم انبیاء کے طریقِ کار کے مطابق ان کی ان رکیک حرکتوں پر صبر کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سے لوگوں نے دل سے اسلام قبول کیا اور

جس طرح بظاہر خلوص کا اظہار کرتے تھے باطنی طور پر مخلص ہو گئے (اور ان کا ظاہر و باطن یکساں ہو گیا) اور اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بہت سے لوگوں کو یہ شرف عطا فرمایا کہ ان کی وجہ سے اسلام کو بہت نفع اور فائدہ ہوا اور بہت سی حدیثیں اس حقیقت کو آشکارا کرتی ہیں کہ ان میں سے بہت سے اسلام کے حامی اور مددگار بن کر نکلے۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے ائمہ نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں اس بات کا امکان موجود ہے کہ حضور علیہ السلام سے جو باتیں نقل کی جاتی تھیں وہ پایہ ثبوت کو نہ پہنچی ہوں یا ان کے ناقل لوگوں کی شہادت شرعی معیار پر پوری نہ ہوتی ہو ممکن ہے کہ ناقل بچے ہوں، غلام یا عورتیں ہوں کیوں کہ شریعت کے احکام کے مطابق وہ شاہد عدل کی شہادت کے بغیر کسی پر قتل کا حکم عائد نہیں کیا جا سکتا۔

السام علیکم کی روایت دریدہ دہن یہود جو کلمہ بکتے تھے اس میں یہ امکان موجود ہے کہ وہ اس کو اس انداز سے زبان کو موڑ کر ادا کرتے ہوں اور صاف طور پر نہ کہتے ہوں اور یہاں توجہ طلب بات یہ ہے کہ ان کے اس انداز کا احساس صرف جناب صدیقہ کو ہوا دوسرے لوگ ان کے انداز تخاطب کو نہ پہچان سکے اگر یہ اس کلمہ کو صاف طور پر کہتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ دوسرے بھی اس انداز تخاطب پر متوجہ نہ ہوتے اور اسی لئے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اس طرف توجہ دلائی کہ یہ لوگ سلام کرنے میں سچے نہیں ہیں اور اپنے افعال میں خباثت کا ارتکاب کرتے ہیں وہ سلام کرتے وقت صدق کے دامن کو چھوڑ کر زبان کو موڑتے ہیں اور طعنہ زنی کے انداز اختیار کرتے ہیں۔

السام علیکم کا جواب سرور عالم نے صحابہ سے فرمایا کہ جب یہ یہودی تمہیں السام علیکم کہیں تو تم اس کا جواب صرف علیکم دیا کرو یعنی عطائے تو بلقائے تو یعنی تم نے یہ فقرہ جس نظریہ کے ماتحت کہا ہے ویسا ہی اجر تم کو ملے۔

اسوۂ نبوی اور منافقین:۔ علماء بغداد نے فرمایا کہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے

منافقین کے قتل کا اپنے علم کے مطابق حکم نہیں فرمایا اور یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ ان کے نفاق پر کوئی ثبوت شہادت وارد ہوئی ہو اور اسی وجہ سے حضور علیہ السلام نے ان سے کوئی تعرض نہیں فرمایا۔

عدم تعرض کی ایک اور وجہ

منافقین سے عدم تعرض کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ ان کا نفاق باطنی تھا اور بظاہر یہ لوگ اسلام کے تبع اور ایمان کے مقر تھے اور اسلام کے ذمہ میں شامل تھے۔ علاوہ ازیں جدید الاسلام ہونے کی وجہ سے کھرے اور کھوٹے میں امتیاز کرنے کے اہل نہ تھے اور اسی ظاہری امتیاز کی وجہ سے متہم بہ نفاق ہونے کے باوجود یہ لوگ معاشرہ میں صحابی رسول، انصار اسلام اور مومن مشہور تھے۔

اگر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان منافقین کو اپنے علم کے مطابق ان کے نفاق کی بنا پر قتل کا حکم صادر فرما دیتے تو ان پروپیگنڈہ بازوں کو لوگوں میں نفرت پھیلانے کا موقع مل جاتا اور لوگ اسلام سے بھڑکنے اور بدکنے لگتے اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے محترز رہتے اور ڈرتے اور سوء ظن پیدا کرنے والوں کو یہ موقع مل جاتا کہ مقتولین کسی عداوت یا کینہ کے علاوہ کسی اور سبب سے قتل کیا یا کرایا گیا ہے۔

جناب مصنف اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں میں نے جن تاثرات کا اظہار کیا تھا وہی رائے جناب مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ موصوف نے فرمایا ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی احتیاط میں ایک پہلو یہ بھی مضمر تھا کہ مشرکین ومعاندین کو یہ موقع نہ ملے کہ وہ یہ کہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اپنے صحابہ کو قتل کیا کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے قتل سے اللہ تعالیٰ نے مجھے منع فرمایا ہے اور یہ ان ظاہری احکام کے جو جاری وساری ہیں مختلف ہے مثلاً زنا کی حد، قتل کا قصاص وغیرہ۔ کیونکہ ان ظاہری امور کے جاننے میں سب لوگ مساوی اور برابر ہیں۔

محمد بن مواز کی تحقیق

قاضی ابوالحسن قصاد فرماتے ہیں کہ محمد بن مواز نے فرمایا ہے کہ اگر ان منافقین کے نفاق کی پول کھل جاتی تو حضور علیہ السلام ان کے قتل کے احکام جاری فرما دیتے لیکن جناب قتادہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں نیا ہی انداز اختیار فرمایا ہے

لئن لم ینتہ المنافقون	بیشک منافقین اور جن کے دلوں میں
والذین فی قلوبھم مرض	نفاق ہے اور مدینہ میں بیٹھ کر باتیں
والمرجفون فی المدینۃ	بنانے والے اگر باز نہ آئے تو آپ کو
لنغرینک بھم ثم لا	ان کے بارے میں برانگیختہ کریں گے
یجاورونک فیھا الا قلیلا	اور ان کو ملعون ہو کر تھوڑے دنوں
ملعونین اینما ثقفوا اخذوا	کے لئے بھی اقامت نصیب نہ ہو
وقتلوا تقتیلا الخ	گی اور ان کو سزا یہ ملے گی کہ جہاں بھی
	یہ لوگ پکڑے گئے وہیں قتل کر دیے
(پ ۲۲ ع ۵)	جائیں گے ۔

مفسرین گرامی قدر فرماتے ہیں کہ اس کی تفسیر اس طرح کی جائے گی کہ وہ اپنے نفاق کو ظاہر کریں گے ۔

محمد بن مسلمہ نے مبسوط میں زید بن اسلم کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب ہدایت قرآن مجید میں اس طرح ارشاد فرمایا ہے ۔

یا ایھا النبی جاھد الکفار	اے حبیب اب آپ کفار و منافقین
والمنافقین واغلظ علیھم	سے جہاد فرمائیں ۔
(پ ۱۰ ع ۱۶)	

اس آیت نے ماقبل میں نازل ہونے والی آیت کے حکم کو منسوخ کر دیا ۔

کلمہ زیر بحث کی تشریح

جناب مصنف فرماتے ہیں کہ (اب سابقہ موضوع کی جانب رجوع کرتے ہیں کہ) اس قائل کے اس جملہ میں اس احتمال کی گنجائش ہو سکتی ہے" یہی وہ تقسیم ہے جس سے رضا الٰہی مطلوب نہیں ہے" اور قائل کا حضور سے یہ کہنا" انصاف فرمایئے" ان جملوں سے سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیاوی حالات ومعاملات پر محمول فرمایا ہو کیونکہ ایسے معاملات میں اجتہاد کی گنجائش ہے اور ایسی باتوں پر عفو ودرگزر فرمایا۔

اور یہی طرز عمل آپ نے اس یہودی کے ساتھ اختیار فرمایا جس نے (حضور علیہ السلام کو) السام علیکم کہہ کر مخاطب کیا تھا اس میں تاویل کی گنجائش پیدا کی جاسکتی ہے کیونکہ اس لفظ کو صریح گالی نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ بددعا کا کلمہ ہے جس میں مخاطب کی موت کی تمنا ہے اور موت سے کسی کو مفر بھی نہیں ہے۔

لفظ سام کے لغوی معنی

سام کے معنی ملال ہیں اس طرح اس قول کی تاویل میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ قائل کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ تم اپنے دین میں ملول ہو اور اس کا یہ مطلب بھی لیا جاسکتا ہے کہ جس نے اپنے دین کو چھوڑا وہ ملول ہوا اس کا شمار صریح گالی میں نہیں کیا جاسکتا۔

امام بخاری کا ترجمۃ الباب

ارباب علم کے لئے یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس حدیث کا ترجمۃ الباب ان الفاظ میں تحریر کیا ہے کہ اس ضمن میں وہ واقعہ مذکور ہوگا جس میں ذمی یا غیر ذمی نے حضور علیہ السلام کو اشارتاً گالی دی۔ اسی وجہ سے بعض علماء حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ الفاظ اشارتاً گالی نہیں بلکہ اذیت کے الفاظ ہیں۔

گالی اور اذیت حضور کے حق میں

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے ماسبق میں یہ لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام کے حق میں

گالی اور اذیت دونوں برابر ہیں۔

قاضی محمد نصر نے اس حدیث کے ضمن میں مذکورہ جوابات کے علاوہ یہ بھی فرمایا یہاں دیکھنا یہ ہے کہ اس قابل اعتراض جملہ کو کہنے والا یہودی ذمی یا معاہد تھا یا حربی۔ کیونکہ مختلف امور میں مقتضائے دلالت کو ملحوظ رکھنا مناسب ہوتا ہے لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ایسے معاملات میں وہ طریقِ کار اختیار کیا جائے جس سے لوگوں کی تالیف قلب ہو اور دین میں لوگوں کے رجحان میں اضافہ ہو تاکہ بے دین بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔

یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اس حدیثِ نبوی کا عنوان یا ترجمۃ الباب اس طرح تحریر فرمایا "باب اس سلسلہ میں کہ خوارج کی تالیف قلب ہو اور لوگ سرورِ عالم کی ذات سے نفرت نہ کریں" اس لئے بعض لوگوں کو حضور کا قتل نہ کرانا" اور اس سلسلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہم نے ماسبق میں تحریر کیا ہے۔

اور حضور علیہ السلام کا یہودی کے جادو اور زہر خورانی پر صبر فرمانا یہ افعال تو گالی اور بدزبانی سے بھی بڑھ کر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی مدد و نصرت فرمائی اور حکم ربی ہوا اگر آپ چاہیں تو ان مفسدین کو قتل کر دیں اور اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف مجرموں کے قتل کا حکم دیا بلکہ اعانت جرم کرنے والوں کو بھی شریکِ جرم قرار دے کر ان کے بارے میں بھی وہی حکم دیا اس کے علاوہ یہ حکم بھی ہوا کہ ان مفسد یہودیوں کو ان قلعوں میں جہاں یہ پناہ گزین ہیں نکال باہر کر دیا جائے۔

اس حکم کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام اور مسلمانوں کا رعب منکرین کے قلوب میں ڈال دیا اور ان بدبختوں میں جن کے متعلق مشیت الٰہی ہوئی اس کے لئے جلاوطنی مقدر فرما دی ان کو ان بستیوں سے نکلوا دیا جہاں وہ مقیم تھے اور مزید سزا یہ ملی کہ ان بستیوں کو نہ صرف مسلمانوں بلکہ ان کے اپنے آدمیوں کے ہاتھوں تاراج کرا دیا۔ ان پر علی الاعلان سب و شتم کیا گیا اور بندر و خنزیر کا بھائی کہہ کر مخاطب کیا گیا اور ان کا فیصلہ مسلمانوں کی تلواروں سے کرایا اور ان مفسدین کو نہ صرف

ان کی آبادیوں سے نکالا گیا بلکہ قریبی بستیوں سے ان کے ہم قوموں کو ہٹایا گیا اور انہیں بھی یہ اجازت نہ ملی کہ وہ ان قریبی بستیوں میں اقامت گزین ہوں۔ اعلائے کلمۃ الحق کہنے والوں پر انعام و اکرام کی بارش فرماتے ہوئے ان کی متروکہ املاک کا مالک مسلمانوں کو بنادیا گیا۔

رحمتِ عالم کا لطف و کرم

مذکورہ بالا مضامین کے مطالعہ کے بعد اگر کسی شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ذات کے بارے میں طعن و تعریض کرنے والوں سے کوئی بدلہ نہیں لیا تاوقتیکہ کسی نے شعائر اسلامی کو پامال کیا یا احکام الٰہی کی خلاف ورزی کی ہو (اور یہ حالات مذکورہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے مختلف نظر آتے ہیں)

اس مزعومہ کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ بالا حدیث سے یہ بات صراحتاً ظاہر نہیں ہوتی کہ حضور علیہ السلام نے ایسے کسی گستاخ یا اذیت دہندہ کو سزا نہیں دی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عظمت و توقیر نبوی حرماتِ الٰہی میں شامل ہے اسی وجہ سے حضور علیہ السلام ایسے بدزبانوں سے بدلہ لیا کرتے تھے لیکن چند مواقع ایسے بھی ملتے ہیں جہاں حضور علیہ السلام نے درگزر فرمائی ہے لیکن وہ ایسے امور تھے جن میں حضور علیہ السلام کو جانی یا مالی اذیت دی گئی اور وہ بات خصوصیت کے ساتھ حضور علیہ السلام کی ذات سے متعلق تھی اور قائل کا مقصد بھی حضور علیہ السلام کو اذیت پہنچانا نہ تھا بلکہ آداب مجلس سے ناواقفیت یا عدم علم کی بنا پر ایسی غلطی ہوئی جیسا کہ بالعموم جہال اور عرب کے بادیہ نشینوں سے ہوا کرتا تھا مثلاً ایک دیہاتی کا سادگی کی بنا پر حضور علیہ السلام کی گردن مبارک سے اس طرح چادر کھینچنا جس کی وجہ سے حضور کی گردن مبارک پر نشان پڑ گئے تھے۔ یا لوگوں کا حضور علیہ السلام کے سامنے شور مچانا اور چلانا اور پھر ایک اور واقعہ، ایک اعرابی کا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے گھوڑے کی فروخت کے معاہدہ کے بعد انکار کر دینا اور اس فروخت کے سلسلہ میں جناب خزیمہؓ کی شہادت دینا۔ اسی طرح ازواج مطہرات کا حضور علیہ السلام سے نان و نفقہ کا مطالبہ

ؔ اس فروخت کے معاہدہ کے وقت جناب خزیمہ موجود نہ تھے لیکن جب اس اعرابی نے یہ کہا کہ کوئی (باقی حصہ ۳۹۹ پر)

کرنا ان کے علاوہ اور بہت سی باتیں ایسی ملتی ہیں جن سے درگذر مستحسن و مستحب قرار دیا گیا ہے۔

علمائے امت نے فرمایا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینا حرام ہے اور کسی مباح یا غیر مباح فعل سے اس کا جواز تلاش نہیں کیا جا سکتا لیکن حضور علیہ السلام کے علاوہ دوسروں کا حال یہ ہے کہ وہ مباح افعال کے سہارے دوسروں کو ایذا دینے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے اور اس سلسلہ میں آیت قرآنی سے استدلال کرتے ہیں۔

ان الذین یوذون اللہ ورسولہ	جو لوگ اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام
لعنھم اللہ فی الدنیا والاٰخرۃ	کی ایذا کا سبب بنتے ہیں ان پر دنیا
(پ ۲۲ ع ۴)	و آخرت میں اللہ کی لعنت ہو۔

جناب فاطمہ کو ایذا دینا حضور علیہ السلام کو ایذا دینا ہے

سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ فاطمہ میرا جگر پارہ ہے جس نے انہیں ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی خبردار رہو اور غور سے سنو کہ میں ان باتوں کو حرام نہیں کرتا، جن کو رب العالمین نے حلال کیا ہے لیکن یہ بات بھی سمجھ لو کہ اللہ کے رسول کی لخت جگر اور ایک کافر اور اللہ کے دشمن کی بیٹی کبھی ایک شخص کے پاس ایک جگہ جمع نہ ہوں گی۔[۱]

(ص۔ سے آگے) ایسا شاہد موجود ہے جو اس فروخت کے بارے میں گواہی دے تو اس وقت جناب خزیمہ نے گواہی دے دی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی سے گھوڑے کی خرید کا معاہدہ کیا بعد میں جب حضور علیہ السلام نے ان سے اس بات کے بارے میں دریافت فرمایا تو آپ نے عرض کی کہ اے سرکار دو عالم حبیب اللہ کی وحدانیت کا ہم نے آپ کی زبان مبارک سے سن کر اقرار کر لیا تو دنیاوی معاملات میں بھی آپ کے فرمان کی تعمیل ہم پر لازم ہے اس لئے میں نے اس خرید و فروخت کی شہادت دیدی اس جذبہ کی قدردانی کے انعام میں جناب خزیمہ کی شہادت دو مردوں کے برابر قرار دے دی جائے گی حکم سرور عالم نے صادر فرمایا۔ محمد اطہر نعیمی

[۱] یہ حدیث اس واقعہ کی جانب اشارہ کرتی ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسری (باقی ص ۴۰۰ پر)

اور وہ ایذائیں جو کافروں سے حضور علیہ السلام کو پہنچیں اور حضور علیہ السلام نے اس اذیت دہندہ کے اسلام کی توقع پر اس کو معاف فرما دیا مثلاً اس یہودی کو جس نے آپ پر جادو کیا دوسرے یہودی نے قتل نبوی کا ارادہ کیا اور اس یہودیہ کو جس نے سرکار دو عالم علیہ السلام کو زہر دیا ایسے تمام دشمنوں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صرف نظر فرمایا اور ان سے درگذر فرمایا ان کے علاوہ اہل کتاب اور منافقین نے بھی آپ کو اذیتیں دیں ان سے بھی حضور علیہ السلام نے صرف نظر فرمایا اور اس میں یہ مصلحت پوشیدہ تھی کہ حضور علیہ السلام کے اس طرز عمل کو دیکھ کر دوسروں پر اچھا اثر مرتب ہو اور وہ اسلام کی جانب راغب ہوں اس موضوع پر ہم نے گذشتہ صفحات میں تبصرہ کیا ہے۔

اور اللہ رب العالمین کی ذات اقدس سے ہم جزا کے طالب ہیں۔

بلا قصد و ارادہ تحقیر کے الفاظ کہنے والے کا حکم

جناب مصنف قاضی عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ بارگاہ نبوی میں جو بالقصد و ارادہ اہانت آمیز استعمال کرے یا حضور علیہ السلام کی ذات اقدس میں عیب جوئی کرے یا کسی امر ممکن و محال کی آڑ لے کر منقصت کرے تو یہ امور ایسے ہیں جن میں سابقہ ابحاث کی روشنی میں کوئی اشکال باقی نہیں رہا (مذکورہ بالا احکام کی روشنی میں یہ بات ظاہر و باہر ہے کہ اہانت نبی کرنے والا واجب القتل ہے۔)

لیکن اگر کوئی شخص بلا قصد و ارادہ ایسے الفاظ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں استعمال کرتا ہے جس سے اس کا ارادہ نہ تو تنقیص کا تھا اور نہ عیب جوئی کا بلکہ ان الفاظ سے معاذ اللہ لعنت

(صفحہ ۳۹۹ سے آگے) شادی کا ارادہ کیا تھا اور اس نئی منسوبہ کا باپ کافر ہی نہیں بلکہ سخت قسم کا دشمن اسلام تھا۔ یہ بات حضور علیہ السلام کو گوارا نہ ہوئی اور حضور علیہ السلام نے اس شادی سے رد کنے کے لئے یہ کلمات ارشاد فرمائے تھے کیونکہ حضرت علی کا یہ فعل جناب فاطمہ کے لئے ایذا کا سبب بنتا اور جناب فاطمہ کی ایذا حضور کو کسی حالت میں بھی منظور نہ تھی۔ [۱] بعض حضرات نے کہا ہے کہ حضور نے اس کو قتل کرا دیا تھا۔

سب وشتم نسبت کذب یا کوئی ایسا مفہوم متصور ہوتا ہو جس کی نسبت سرکار دوعالم علیہ السلام کی ذاتِ اقدس کے ساتھ مناسب نہیں یا اس نے ایسی خصوصیت کی نفی کی جو خاصہ نبوت میں شامل ہے مثلاً اس قائل نے کسی گناہ کبیرہ کی نسبت حضور کی ذات سے کی یا شان نبوت۔ حضور علیہ السلام کے نسب۔ علم نبوی یا تبلیغ اسلام میں مداہنت یا حضور علیہ السلام کے کلام کی تکذیب اور احادیث متواترہ میں شبہ کیا یا شبہ پیدا کرنے کی کوشش کی یا اس شخص نے ایسا کلمہ استعمال کیا جو بظاہر بُرے مفہوم میں استعمال ہوتا ہو لیکن اس نے اس کلمہ کو مذمت و منقصت کے طور پر استعمال نہ کیا ہو خواہ یہ جہالت کے سبب سے ہو یا حالت سکر میں بے قابو ہو کر اس جرم کا ارتکاب کیا ہو قلت حفظ یا زباں کی لغزش کی وجہ سے یہ کلمہ زبان سے ادا ہو گیا ہو۔

ان تمام حالات میں ایسے شخص کے لئے بھی وہی حکم ہے جیسا کہ اس پہلے شخص کے لئے جس کا تذکرہ سابقہ صفحات میں گزر چکا ہے یعنی ایسے شخص کو بلا توقف قتل کیا جائے کیونکہ زبان کی لغزش۔ جہالت یا مذکورہ امور میں سے کسی دوسری وجہ سے انسان کو کفر میں معذور نہیں سمجھا جا سکتا اور نہ عقل سلیم رکھنے والے کا کوئی عذر اس سلسلہ میں مسموع ہو گا۔

لیکن شرعی طور پر اس امر کا لحاظ رکھا جائے گا کہ یہ فعل اس سے غیر اضطراری طور پر بلا جبر و اکراہ سرزد ہوا ہے اس میں اضطرار ہے یا جبر و اکراہ کا دخل ہے یا زبان سے الفاظ تو ادا ہوئے لیکن قلب اس سے مطمئن نہیں اور تفرین ہے لیکن علمائے اندلس نے محمد بن حاتم کے حق میں یہی فتویٰ دیا تھا کیونکہ اس نے سرکار علیہ السلام کے زہد کی نفی کی تھی اور اس کا تذکرہ بھی ما سبق میں کیا جا چکا ہے۔

محمد ابن سحنون اس شخص کے بارے میں جو دشمنوں کی قید میں ہو اور اس حال میں حضور علیہ السلام کی تنقیص کرے یا سب وشتم کا ارتکاب کرے فرماتے ہیں وہ واجب القتل ہے صرف اس کی بچت کی یہ شکل نکالی جا سکتی ہے یا تو اس کا اضطرار ظاہر ہو جائے یا اس کا نصرانی ہونا ثابت ہو لیکن محمد بن زید فرماتے ہیں کہ ایسے معاملات میں لغزش زبان کا اعتبار نہیں کیا جاتا اور ایسے شخص

کا عذر مسموع نہیں۔

جناب ابوالحسن قالسبی نے اس شخص کے بارے میں جو نشہ کی حالت میں حضور علیہ السلام کی توہین کرے فرمایا تھا کہ ایسا شخص واجب القتل ہے کیونکہ نشہ کی حالت میں اس کی زبان سے وہی نکلا ہے جو پہلے سے اس کے ذہن میں تھا اور اسی وجہ سے شریعت اسلام کے احکام کے مطابق اگر کوئی شخص نشہ کی حالت میں کسی جرم کا مرتکب ہوا تو اس پر حدودِ شرعیہ جاری کی جائیں گی خواہ وہ حد قذف سے متعلق ہو یا اور کوئی دوسری۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نشہ اس نے خود طاری کیا ہے لہٰذا اس پر بھی وہی حکم جاری ہو گا جو قصداً کسی کام کے کرنے والے کے سلسلہ میں کیا جاتا ہے۔ شرابی کے متعلق یہ بات مسلم ہے کہ نشہ عقل و ہوش کو زائل کر دیتا ہے اور نشہ باز ایسی حرکات کا ارتکاب کرتا ہے جو شرعاً ممنوع ہیں اسی لئے سزا کے طور پر طلاق اور دیگر حدود کے احکام اس پر منطبق کئے جاتے ہیں۔

جناب حمزہ اور سرکار دو عالم علیہ السلام کا طرزِ عمل

یہاں جناب حمزہ کے اس واقعہ کو استدلال کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا جبکہ حضور علیہ السلام سے انہوں نے کہا کہ آپ (حضور علیہ السلام) معاذاللہ تو میرے باپ کے غلام ہیں۔ یہ الفاظ سُن کر حضور علیہ السلام واپس تشریف لے آئے اور یہ فرمایا کہ یہ تو اس وقت نشہ میں چور ہیں۔ یاد رہے کہ یہ واقعہ حرمت شراب کے احکام سے پہلے کا ہے اس لئے اس قول پر مواخذہ نہ فرمایا کیونکہ علت حرمت سکر ہے اور اس پر شرعی پابندی نہ تھی لہٰذا اس کے نتائج پابندیوں سے مستثنیٰ رہے اور حالت سکر میں جو بات واقع ہوئی وہ قابل معافی ہو گی اور ان کو بھی انہی احکام کے تحت سمجھا جائے گا جو نیند کی حالت میں یا کسی نشہ آور دوا کی وجہ سے پیش آئے ہوں۔

منکر فرمان نبوی اور حکم شریعت

تیسری فصل میں جو دو وجوہ گستاخ بارگاہ نبوی کے بارے میں تمثیلاً لکھی گئی ہیں ان کے علاوہ ایک

اور بھی ذہن میں آتی ہے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص ان احکام شرعیہ کی جو حضور لے کر آئے تھے ان کی تکذیب کرتا ہے یا آپ کی نبوت و رسالت یا حضور علیہ السلام کی ذات اقدس کی نفی اور ان امور کا انکار کرتا ہے کہ ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو کر کسی دوسرے دین کا متبع ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

جناب مصنف صاحب شفار فرماتے ہیں کہ بلاشبہ یہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہی نہیں واجب القتل بھی ہے اور یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اگر یہ شخص علی الاعلان ان جرائم کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا حکم کافر کا نہیں مرتد کا ہے جس کا قتل واجب ہے لیکن ایسے شخص کی توبہ کی قبولیت کے بارے میں علمار میں اختلاف رائے ہے۔ ایک قول کے مطابق توبہ اس کے لیے حکم قتل کو ختم نہیں کرتی کیونکہ اس قائل نے حقوق نبوی علیحیۃ والثنار میں مداخلت کی ہے بشرطیکہ اس قائل نے اپنے جملہ زیر بحث میں ایسی کوئی بات کہی ہو جو کہ کذب و منقصت کو مستلزم ہو اور اگر اس نے ان کلمات زیر اعتراض کو مخفی رکھا ہے تو ایسا شخص زندیق کے حکم میں ہے اور اس سلسلہ میں وہی دلیل کافی و وافی ہے کہ توبہ سے قتل کا حکم ساقط نہیں ہوتا اور اس سلسلہ میں تفصیلی بحث آئندہ کی جائے گی۔

اہانتِ نبوی اور امام اعظم کا فتویٰ

اہانتِ نبوی علیحیۃ والثنا کرکے اگر کوئی شخص اپنے اس فعل پر ندامت کا اظہار کرے تو اس کے سلسلہ میں سید الفقہار امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب یہ فرماتے ہیں کہ اس کی توبہ قبول کرلی جائے گی ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ امام مالک کے ایک شاگرد ابن قاسم نے اس نام نہاد مسلمان کے بارے میں فرمایا جو یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ جناب سرکار دوعالم نہ نبی تھے نہ رسول اور نہ آپ پر قرآن اللہ کی جانب سے نازل ہوا بلکہ وہ خود حضور علیہ السلام کی تصنیف ہے اس کی سزا یہ ہے کہ اس شخص کو قتل کر دیا جائے۔ ابن قاسم ہی نے فرمایا کہ جو شخص اسلام اور بانی اسلام کا منکر ہو وہ مرتد کی طرح ہے۔ موصوف کا ایک ارشاد یہ بھی ملتا ہے کہ البتہ اس کی توبہ قبول کرلی جائے گی اور اس جھوٹے

مدعی نبوت کا جو بزعم خود اپنی نبوت کا قائل ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ اس پر وحی آتی ہے یہی حکم ہے۔

یہ قول جو سطور بالا میں گذرا جناب سحنون سے منقول ہے لیکن ابن قاسم نے فرمایا کہ وہ خود ساختہ نبی جو نبوت کے ملنے اور وحی آنے کا قائل ہو اور وہ اس کا اظہار برملا کرتا ہو یا پوشیدہ طور پر بلاشبہ بقول جناب اصبغ مرتد ہے چونکہ اس نے اللہ پر افترا کیا ہے اور کتاب الٰہی کا منکر ہوا جناب اصبغ نے اس یہودی کے متعلق فرمایا جو نبوت کا دعویٰ اور اپنی بعثت کا یقین کر بیٹھا تھا اس طرح اس نے عقیدۂ ختم نبوت کا انکار کیا کہ سرکار دو عالم کے بعد کسی اور نبی کا آنا ممکن ہے تو ایسے شخص کو توبہ کے لئے کہا جائے گا اگر اس نے توبہ کر لی تو ماشاء اللہ اور سبحان اللہ لیکن اگر اس کے بعد بھی وہ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتا رہے تو اس کو قرار واقعی سزا دی جائے گی اور اس کو قتل کر کے فتنہ کا انسداد کیا جائے گا کیونکہ اس نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صریح ارشاد لانبی بعدی کی تکذیب کی ہے علاوہ ازیں اس نے اللہ رب العالمین پر اپنی نبوت کا دعویٰ کر کے بہتان باندھا تھا۔

محمد ابن سحنون نے کہا کہ جس نے فرمان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منزل من اللہ ہونے میں ایک حرف کا بھی شک کیا وہ منکر کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور حضور علیہ السلام کی تکذیب کرنے والا جمہور کے نزدیک واجب القتل بھی ہے۔

جناب سحنون کے مصاحب احمد بن ابی سلیمان فرماتے ہیں کہ جس شخص نے حضور علیہ السلام کے بارے میں یہ کہا کہ آپ کی رنگت سیاہ تھی اس کو قتل کر دیا جائے چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سیاہ رنگ نہ رکھتے تھے۔ (اور اس کا یہ کہنا ذات نبوی پر ایک بہتان ہے اور ایسے بہتان باندھنے والے کی سزا قتل ہے) اسی سے ملتا جلتا قول جناب ابو عثمان حدّاد کا ہے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام داڑھی نکلنے سے قبل ہی راہئ ملک بقا ہوئے یا آپ کا مسکن تہامہ کے بجائے تاہرت میں تھا تو اس کہنے والے کی سزا قتل ہے کیونکہ اس نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بابت جھوٹ بولا ہے اور حضور کے وجود باجود

کی نفی کی ہے۔ اس سلسلہ میں جناب مصنف نے حضرت حبیب ابن ربیع کے قول سے استفادہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صفات اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رہنے کی جگہ کا بدلنا کفر کو مستلزم ہے ایسے شخص سے توبہ کرائی جائے اگر کوئی شخص ان صفات کو علانیہ نہیں بلکہ چھپا کر کہے تو اس کا حکم زندیق کا ہے ایسے شخص کو بلا دعوت توبہ قتل کر دیا جائے۔

(۵) مشتبہ اور محتمل اقوال اور حکم شرعی

منجملہ اور وجوہ کے جو ما سبق میں مذکور ہوئیں چوتھی وجہ یہ ہے کہ قائل دوران کلام مجمل گفتگو کرے یا مشتبہ الفاظ استعمال کرے جن کا انطباق حضور علیہ السلام یا کسی دوسرے نبی پر ہو سکتا ہو۔ اور مفہوم کلام میں ایسا اشتباہ ہو کہ اس میں برائی کا شائبہ ہے یا نہیں اور یہی وہ مقام ہے جہاں فکر و نظر کی گنجائش ہے اور انہیں مقامات پر مجتہدین میں اختلاف رائے ہوا ہے اور ان حضرات نے اپنے مقلدین کی رہنمائی کے لئے اصول وضع کئے ہیں تاکہ زندہ رہنے والا دلیل کی روشنی میں زندہ رہے اور جو راہ سے بھٹکے وہ بھی اپنی لغزش کے بارے میں دلائل و براہین سے اطمینان حاصل کرے۔

ان علماء و مجتہدین میں بعض حضرات تو وہ ہیں جنہوں نے حرمت نبوی علیہ التحیۃ والثناء کا پاس رکھا ہے اور اسی وجہ کو ترجیح دی ہے اور ایسے شخص کے بارے میں جس کی گفتگو سے اہانت نبوی کا شائبہ بھی گزرا ہو اس کے قتل کے حکم میں کوئی تردد نہ فرمایا لیکن احتیاط کے دامن کو مضبوطی سے پکڑنے والوں نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور مشتبہ اور محتمل قول کے بارے میں حرمت دم احترام آدمیت اور اس کے قتل کو مقدم رکھا اور شبہ کے شائبہ کے سبب سزا کے حکم میں احتیاط کی ہے۔

جناب مصنف فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کے بارے میں علمائے نے اختلاف رائے کیا جس سے (مقروض) اس کے قرض خواہ نے کہا تھا کہ تو سرکار دو عالم علیہ السلام کی بارگاہ میں ہدیہ درود پیش کر یہ سن کر اس نے جواب دیا کہ خدا اس پر درود نہ بھیجے (رحمت نہ فرمائے) جس نے حضور کی بارگاہ میں

درود پڑھا ہو۔

جب جناب سحنون سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ اس شخص کی طرح خیال کیا جائے گا جس نے حضور علیہ السلام کو برا کہا ہے یا ان دشمنوں کو جو بارگاہ نبوی میں ہدیہ درود و سلام پیش کرتے ہیں۔ جناب سحنون نے جواب دیا جو حالت کہ بیان کی گئی ہے اس سے غصہ کی حالت ظاہر ہوتی ہے لیکن درحقیقت اس کا مقصد سب و شتم نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ابو ابو اسحاق برقی اور اصبغ بن الفرج نے کہا ہے کہ ایسے شخص کو قتل نہ کیا جائے کیونکہ اس کی گالی شخص معین کے لئے نہیں بلکہ لوگوں کو دی ہے اور اس کا بظاہر مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گستاخی نہ تھا اور جناب سحنون نے شاتم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور اس کے غصہ کے عذر کو قبول نہیں کیا ہے لیکن مذکورہ بالا واقعہ میں جناب سحنون نے غصہ وغیرہ کے عذر کو قبول نہیں کیا لیکن موصوف نے اس امر کو ملحوظ خاطر رکھا ہے کہ جب کلام اچھائی یا برائی سب و شتم یا عدم سب و شتم کو محتمل ہو تو فیصلہ کے معاملہ میں احتیاط لازم ہے کیونکہ یا تو ایسا قرینہ موجود ہو جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا فرشتوں کو مراد لیا گیا ہے یا سابق سے کوئی ایسا ماحول موجود ہو جس سے کلام میں اشتباہ پیدا ہو جائے اور مذکورہ بالا واقعہ بھی اس امر پر دال ہے کہ یہاں یہ قرینہ ملتا ہے کہ اس کلام سے اس قائل کا حضور علیہ السلام اور فرشتوں کے علاوہ اور لوگ مراد ہیں کیونکہ دوسرے شخص نے اس سے کہا کہ تو بارگاہ نبوی میں یہ درود پیش کر تو اس کا یہ قول یا ان الفاظ کی ادائیگی اس ماحول پر محمول ہوگی کہ جواب آپ (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی ذات اقدس پر درود بھیجے کیونکہ اس دوسرے شخص نے اس کو غصہ کی حالت میں اس کو اس بات کا حکم دیا تھا۔ مصنف فرماتے ہیں کہ یہ اس مضمون کا خلاصہ ہے جو جناب سحنون اور ان کے دونوں احباب اصبغ اور برقی نے اس موضوع پر بیان کئے گئے ہیں لیکن ابن سحنون کے برخلاف قاضی حارث بن مسکین کی تحقیق یہ ہے کہ ایسے شخص کو قتل کرنا ہی ضروری ہے۔

جناب ابو الحسن قابسی کی رائے : اس موضوع پر جناب ابو الحسن قابسی نے اپنی رائے

اور تحقیق کے مطابق ایسے شخص کے بارے میں جس نے یہ گستاخانہ فقرہ کہا" کہ ہر کسب معاش کرنے والا دیوث ہے اگرچہ وہ رسول اور نبی ہی کیوں نہ ہو" جناب قابسی نے ایسے شخص کو زنجیروں میں بندھوا کر سخت سزا دلائی تاکہ وہ اپنے الفاظ اور اس کے مفہوم کی تشریح و توضیح کرے کہ اس نے اس کلمہ سے کیا مفہوم مراد لیا تھا۔ آیا اس نے موجودہ دور کے لوگوں کو مراد لیا تھا اگر ایسا ہے تو اس کو درست تسلیم کر لیا جائے کیونکہ فی زمانہ کوئی نبی و رسول حیات ظاہری کے ساتھ نہیں لیکن اگر اس سے مراد عمومی ہے جو ماضی و حال کو شامل ہے اور ماضی میں انبیاء و رسل بھی موجود تھے اور کسب معاش بھی فرماتے تھے (لہٰذا اس جملہ کے قائل پر وہی حکم کیا جانا چاہیئے جو ایسے دوسرے لوگوں کے لئے کیا گیا ہے) محقق موصوف نے فرمایا ہے کہ جب تک کسی مسلمان کی بات کا مفہوم صاف طور پر ظاہر نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے قتل کے احکام کے اجراء میں عجلت نہ کی جائے گی اور تاویلات کے سلسلہ میں یہ غور و فکر کیا جائے گا کہ اس کلام کا وہی مطلب ہو سکتا ہے جو ظاہر ہو رہا ہے یا اس کے علاوہ اور کوئی مطلب بھی لیا جا سکتا ہے۔

اہلِ عرب پر لعنت کرنے والے کا حکم

ابو محمد بن ابو زید نے فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ "اہل عرب پر اللہ کی لعنت یا بنی اسرائیل پر اللہ کی لعنت یا بنی آدم پر اللہ کی لعنت ہو" اس طرح قائل کے اس کہنے میں انبیاء علیہم السلام مراد نہ ہوں گے اور کلمات لعنت سے ظالم ہی مراد لئے جائیں گے ایسے شخص کو سلطان وقت کی رائے کے مطابق سزا دی جائے گی۔

شیخ ابو محمد نے ایک ایسے شخص کے متعلق ہی احکام شرعیہ کا اظہار فرمایا ہے جس نے یہ کہا کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو جس نے نشہ آور اشیاء کو حرام کر دیا اور استفسار پر یہ کہا کہ مجھے یہ نہیں معلوم کہ منشیات کو کس نے حرام کیا ہے اسی طرح اس شخص کے بارے میں محقق موصوف نے فتویٰ دیا ہے کہ جس نے حدیث لا یبیع حاضر لباد پر لعنت کے الفاظ کہے یا یہ کہا کہ اس پر لعنت ہو جو یہ لایا ہے اگر یہ قائل جاہل اور سنن نبوی سے ناواقف ہے اور اس کو عدم علم کی وجہ سے

معذور سمجھا جا سکتا ہے تو ایسے شخص کو سخت سزا دی جائے کیونکہ ظاہر ہیں تو اللہ رب العالمین اور رسول معظم کو گالی دینا اور برا کہنا نہیں پایا ہے بلکہ اس کا مقصد تو اس کو برا کہنا تھا جس نے لوگوں میں فتوے کا اجرا کیا ہے لیکن ان اقوال کو بھی جناب سحنون اور ان کے رفقا کی تحقیق کی روشنی میں پرکھا جائے گا۔ اور اس ضرب المثل کو بھی مدنظر رکھا جائے گا کہ " اے ہزاروں سواروں کے بچے اور اے سوکنوں کے پلے اور اس کے علاوہ اور دوسری امثال جو مروج ہیں اگر بادی النظر میں دیکھا جائے تو ان اعداد میں آبا و اجداد کی فہرست میں انبیاء و رسل بھی آجاتے ہیں اور بعض اعداد کی انتہا تو ابو البشر جناب آدم علیہ السلام تک جا پہنچتی ہے اس بنا پر اس کو زجر و توبیخ کی جانی ضروری ہے اور اس قسم کی جہالت آمیز باتوں سے لوگوں کو عبرت دلائی جائے اور آئندہ کے سدِ باب کے لئے اس قائل کو قابل عبرت سزا دی جائے اور اگر یہ متحقق ہو جائے کہ اس کے کہنے میں اس قائل کا مقصد بشمول انبیاء و رسل ہے جو آبا و اجداد میں شامل ہیں تو اس کے ساتھ کسی قسم کی رعایت روا نہ رکھی جائے اور اس کو قتل کیا جائے۔

بعض مواقع احتیاط سیاق و سباق کلام اور اس کے محمل اس کے مفاہیم کے سلسلہ میں بعض مواقع ایسے آتے ہیں کہ اس کے متعلق مفہوم کی تعیین میں تعیین کنندہ کو اشکال پیدا ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص اگر بنو ہاشم پر لعنت کر کے یہ کہتا ہے کہ میری مراد تو اس سے بنو ہاشم کے ظالم مراد ہیں یا حضور علیہ السلام کی اولاد و امجاد میں سے کسی کے بارے میں یہ کہہ دے کہ اس کے آبا و اجداد اس کی نسل میں ہی بری باتیں چلی آرہی ہیں اور قائل کو یہ بات معلوم بھی ہو کہ یہ شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں شامل ہے۔ اس جملہ میں کوئی اغماض قرینہ اور احتمال ایسا نہیں جو مخاطب کے آبا و اجداد کی تخصیص کا مقتضی ہو جس کی بنا پر اس بدگوئی سے جن کو وہ برا کہہ رہا ہے حضور علیہ السلام کا استثنا کیا جا سکے جن کو کہ اس قائل نے برا کہا ہے۔

جناب مصنف فرماتے ہیں کہ میں نے جناب ابو موسیٰ بن مناص اس شخص کے بارے میں

سنا ہے کہ اس نے کسی سے کہا تھا تجھ پر آدم علیہ السلام تک اللہ کی لعنت ہو اور اس فقرہ سے اس کی نیت ثابت ہو جائے تو وہ شخص واجب القتل ہے۔

انبیاء پر بھی تہمت لگائی گئی تھی

مصنف کتاب جناب قاضی عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ایک مقدمہ کے سلسلہ میں مدعی یا مدعا علیہ اور گواہ کے مابین جو گفتگو ہوئی وہ قابلِ اعتراض تھی اس بارے میں ہمارے اکابر علماء نے مختلف آراء کا اظہار فرمایا ہے۔ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ ایک مقدمہ میں ایک فریق کے گواہ نے دوسرے کی مخالفت میں شہادت دی تو فریق مخالف نے گواہ سے کہا کہ تم نے مجھ پر اتہام لگایا اس پر گواہ نے کہا کہ یہ تو کوئی خاص بات نہیں یہ بات تو ماضی سے ہوتی چلی آ رہی ہے انبیاء علیہم السلام کی مقدس ذاتوں کو بھی متہم کیا گیا ہے۔ شیخ ابو اسحاق جعفر کی رائے کے مطابق اس کلمہ شنیع کی وجہ سے یہ شخص واجب القتل ہے لیکن قاضی ابو محمد بن منصور نے اس شخص کے قتل کے حکم میں توقف فرمایا ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اس جملہ میں اس بات کا احتمال موجود ہے کہ اس شخص کی مراد یہ ہو کہ کفار نے انبیاء علیہم السلام کو متہم کیا تھا اور قاضی ابو محمد کی تائید قرطبہ کے قاضی ابو عبداللہ محمد بن الحاج نے بھی کی ہے البتہ قاضی محمد بن منصور نے یہ حکم فرمایا کہ ایسے شخص کو طویل قید بامشقت دی جائے اور ایسا ہی کیا گیا پھر قاضی موصوف نے اس شخص سے حلف شرعی کے ساتھ عہد لیا کہ جو کچھ اس کے خلاف کہا گیا ہے وہ غلط ہے اور اس حلف کی وجہ یہ تھی کہ اس کے خلاف گواہی دینے والوں میں بعض ایسے افراد شامل تھے جن کی شہادت شرعی معیارِ شہادت پر پوری نہ اترتی تھی اور اس حجت شرعی کے بعد اس شخص کو قید سے رہا کرا دیا۔

جناب مصنف کا مشاہدہ

مصنف فرماتے ہیں کہ میں اپنے شیخ ابو عبداللہ عیینی کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے محمد نامی کسی شخص کے ساتھ بدتمیزی کی تھی اور اس کے بعد اس نے ایک بیٹھے ہوئے شخص کو ٹھوکر مار کر کہا اے محمد اٹھ کھڑا ہو لیکن دوران سماعت مقدمہ اس نے اپنے اقوال سے انکار کیا لیکن شہادتوں

سے ان کلمات کا کہنا ثابت ہوگیا تو قاضی صاحب موصوف نے اس کو جیل بھیجنے کا حکم کر کے یہ مزید تفتیش کرائی کہ اس کی نشست و برخاست بدمذہبوں میں تو نہیں رہی جب یہ ثابت ہوگیا کہ اس کے اعتقاد خراب نہیں تو اس کی رہائی کے احکام جاری فرما دیے لیکن ان کلمات کے کہنے کی وجہ سے اس کو کوڑے لگوائے۔

(۶) ضرب الامثال کے ذریعہ بے حرمتی

وجوب قتل کے سلسلہ میں جن وجوہ کا ذکر سبق کے پانچ ابواب میں کیا گیا ہے ان میں ایک پانچویں وجہ یہ ہے کہ ان الفاظ سے قائل کا ارادہ نہ تو تکذیب کا ہو جس کی نسبت آپ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ عالم دنیا میں جائز تھی اور اس کو بطور ضرب المثل اپنے یا کسی دوسرے کے لئے بطور دلیل پیش کرے یا تشبیہ کے طور پر ذکر کرے علاوہ ازیں مظالم و نقصانات کا تذکرہ جو حضور علیہ السلام کی ذاتِ اقدس کو پہنچے ہیں ان کا موازنہ اپنی ذات سے کرے اور اس تذکرہ سے اس کا مقصد اقتداء اتباع اور جذبات کا اظہار نہ ہو بلکہ اس سے اپنی یا کسی دوسرے کی شان کو بڑھانا مقصود ہو یا یہ بطور استشہاد بر سبیل تمثیل یا عدم توقیر نبوی ہو یا سرورِ عالم کے کسی فرمان سے تمسخر و مزاح مقصود ہو مثلاً کسی شخص کا یہ کہنا کہ اگر کسی نے میرے ساتھ برائی کی ہے تو کیا بات ہے ایسا تو انبیاء کے ساتھ بھی ہوا ہے اور اگر اس طرح کہا کہ مجھے اگر جھٹلایا جاتا ہے تو یہ کوئی خاص بات نہیں ہے تکذیب تو نبیوں کی بھی کی گئی ہے یا صدور گناہ مجھ سے تنہا نہیں ہوا ہے میرے علاوہ بھی سب ہی لوگ ارتکاب گناہ کر چکے ہیں یا کوئی شخص اس طرح کہے میں کیونکر لوگوں کی زبانوں سے محفوظ رہوں گا جبکہ اللہ اور اس کے رسول بھی لوگوں کی زبانوں سے محفوظ نہ رہ سکے یا یوں کہے میں نے تو ایسا صبر کیا ہے جیسا کہ اولوالعزم رسولوں نے کیا تھا یا یوں کہے میں نے تو ایسا صبر کیا ہے جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے کیا تھا یا یوں کہے کہ سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دشمنوں کے مظالم پر اس سے زیادہ صبر فرمایا تھا جیسا کہ میں نے اپنے اوپر ہونے والے مظالم پر کیا ہے جیسا کہ متنبی کا کیا ہے۔

انا فی امۃ تدارکہ اللّٰہ غریب کصالح فی ثمود

میں امت میں ایسا ساز ہوں جس کا خدا تعالیٰ نے تدارک فرمایا ہے جیسے کہ صالح علیہ السلام قوم ثمود میں تھے۔

اسی طرح کے اور اشعار جو کلام میں مدح کے وقت ظن سے کام لیتے ہیں یا حدود سے تجاوز کرتے ہیں اور لاپرواہی و سستی کا ارتکاب کرتے ہیں جیسا کہ معری کا شعر ہے۔

کنت موسیٰ وافتہ بنت شعیب غیر ان لیس فیکما من فقیر

آپ موسیٰ کی طرح ہیں جن کے پاس حضرت شعیب کی صاحبزادی آئی تھیں مگر بات صرف اتنی ہے کہ تم دونوں میں کوئی فقیر نہیں ہے۔ اس شعر کا دوسرا مصرعہ سخت اور قابل اعتراض ہے کیونکہ اس سے حضور علیہ السلام کی منقصت کا پہلو نکلتا ہے اور غیر نبی کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت دینے کی طرح ہے۔ اس طرح اس کا دوسرا شعر بھی ہے۔

لولا انقطاع الوحی بعد محمد قلنا محمد عن ابیہ بدیل

اگر حضور کے بعد انقطاع وحی نہ ہوتا تو ہم کہہ دیتے کہ آپ اپنے والد کے بدل ہیں۔

ھو مثلہ فی الفضل الا انہ لم یاتہ برسالۃ جبریل

وہ فضیلت میں ان کی مثل ہیں ماسوا اس کے کہ جبریل ان کے پاس پیغام رسالت لے کر نہیں آئے۔

مذکورہ بالا دونوں اشعار میں دوسرے شعر کا مصرع ثانی نادرست و نامناسب ہے کیونکہ شاعر نے غیر نبی کو نبی خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ترجیح دی ہے اور اس مصرع میں دو احتمالات کی گنجائش ہے۔

(۱) پہلی وجہ تو یہ ظاہر ہے کہ شاعر نے ممدوح کا تذکرہ اس طرح کیا ہے جس سے ممدوح کی ذات میں نقص نظر آتا ہے

(۲) اور دوسری وجہ جو اس وجہ سے زیادہ سخت محسوس ہوتی ہے وہ یہ کہ ممدوح کو اس کی

پرواہی نہیں ہے اور اسی مفہوم کا ایک اور شعر بھی سنا گیا ہے ۔

اذا ما رفعت رایاتہ　　　　　صفقت بین جناب جبریل

اور اس کا پرچم بلند کر کے جناب جبریل کے دونوں بازوؤں کے درمیان لہرانے کے نصب کر دیا جاتا ہے اور اسی دور کے ایک اور شاعر نے اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کیا ہے ۔

فرمن الخلد نا فاستجا ربنا　　　　　فصابر الله قلب رضوان

اس نے خلد سے آکر ہماری پناہ حاصل کی ۔ اب اللہ تعالیٰ رضوان جنت کو صبر عطا فرمائے ۔

یہاں قصیدہ گوئی کے موضوع پر تبصرہ مقصود نہیں) البتہ اندلس کے ایک شاعر حسان مصیصی نے محمد بن عباد المعروف بہ معتمد (حاکم اندلس) اور اس کے وزیر ابوبکر بن زیدون کی شان میں قصیدہ کے جو اشعار کہے تھے اس کی جھلک اس شعر میں ملاحظہ کریں ۔

کان ابو بکر بکر الرضا　　　　　وحسان حسان و انت محمد

اس شعر میں شاعر نے محمد بن عباد کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے اور اس کے وزیر ابوبکر بن زیدون کو جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس سے اور خود شاعر نے اپنی ذات کو جناب حسان رضی اللہ عنہ سے تشبیہ دی ہے اس قسم کے اور اشعار بھی لوگوں نے کہے ہیں جناب مصنف کہتے ہیں کہ ایسی مثالوں کا تذکرہ میرے لئے بہت مشکل کام تھا اور میری عقیدت و محبت اس بات کو گوارا نہیں کرتی تھی کہ ایسے الفاظ زبان و قلم کے نیچے آئیں لیکن نقل کفر کفر نہ باشد کے مصداق یہ باتیں صرف اس لئے نقل کی ہیں تاکہ ناظرین ان ہفوات سے بچیں کیونکہ ایسے معاملات کو اہمیت نہیں دیتے اور تساہل کا شکار ہو جاتے ہیں ۔ باندازِ دگر ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس درہ سے سفر کرنا چاہتے ہیں جس کے بارے میں انہیں قطعی علم نہیں کہ وہ کس طرح پار کر سکیں گے ۔ اور اس بارے میں کلام کرتے ہیں جس کا کہ ان کو علم ہی نہیں اور یہ بات رب العالمین کو بھی گوارا نہیں ۔ بتحسبونہ هینئا و هو اللہ عظیم وہ لوگ اس [illegible] سمجھتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ امر عظیم ہے ۔

ان شعراء (عرب) میں بعض لوگ تو بہت ہی دریدہ دہن اور گستاخ ہیں ان میں ابن ہانی اندلسی ابن الموی سرفہرست ہیں اور ان دونوں کا کلام استخفاف۔ توہین آمیز الفاظ اور تنقیص کے علاوہ بعض جگہ تو حد کفر تک پہنچ گیا ہے[1] اور ہم نے (جناب مصنف) نے اس کا جواب بھی دیا ہے

سردست میرا (جناب مصنف) مقصد صرف اتنا ہے کہ جو مثالیں میں نے بیان کی ہیں صرف ان کے بارے میں مزید کچھ کہوں اور یہ جائزہ لوں کہ یہ تمام کا تمام کام گالی اور سب وشتم ہے یا اس میں انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کی جانب کسی نقص کو منسوب کیا ہے اس جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پورا کلام قابل اعتراض نہیں بلکہ معری کا مذکورہ آخری مصرعہ یقیناً قابل اعتراض ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے سرکار دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے توہین آمیز الفاظ کا استعمال کیا ہے اس نے نہ تو منصب نبوت کا خیال رکھا اور نہ حرمت وکرامت کا اکرام کیا۔ روانی کلام میں اپنے ممدوح کے لئے یا حاضرین مجلس کو خوش کرنے کے لئے جس طرح چاہا الفاظ کی رنگ آمیزی سے کسی کی منقصت کر ڈالی اور کسی کے لئے غلو میں تجاوز کرکے اعلیٰ ترین مخلوق الٰہی کے برابر کہہ دیا حالانکہ ایسی ذات جس کی قدر ومنزلت کو اللہ رب العالمین نے زیادہ فرمایا اور امت مسلمہ پر اس کی ادائیگی لازم قرار دی ان کی قدر ومنزلت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اللہ رب العالمین نے ان کی بارگاہ میں بلند آواز سے بولنے کی بھی ممانعت فرمائی اور حبط اعمال کی وعید فرمائی لیکن شاعر نے ان باتوں کا خیال نہ کیا اور ان کی ذاتِ اقدس سے اپنے ممدوح کو تشبیہ دے کر جس سوءادبی کا

---

[1] جناب مصنف نے شعراء کو عمومی طور پر لکھا ہے ہمارے اردو دان شاعر جن کا تعلق برصغیر ہند وپاکستان سے ہے اپنی یاوہ گوئی اور ہرزہ سرائی میں کسی سے کم نہیں ہیں بلکہ بعض جگہ تو شعراء عرب کو پیچھے چھوڑنے کی کوشش کی ہے مثلاً (مولوی) رشید احمد گنگوہی کے مرثیہ کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔ "مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا۔ اس مسیحائی کو دیکھیں ذرا ابن مریم"۔ جناب مسیح علیہ السلام کی تو یہی صفت تھی کہ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے لیکن گنگوہی صاحب کے ممدوح جناب مسیح سے بھی بڑھے ہوئے تھے کیونکہ وہ مردوں کو زندہ کرنے کے علاوہ زندوں کو مرنے بھی نہیں دیتے تھے اس طرح وہ صفات میں ابن مریم سے بھی آگے تھے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار (محمد اطہر نعیمی)

اظہار کیا ہے اس کی سزا لازم وضروری ہے ایسے مواقع پر حکم قتل تو نہیں دیا جاسکتا البتہ اس کو قید بامشقت کی سزا دے کر ادب سکھانا ضروری ہے لیکن سزا دیتے وقت شناعت الفاظ اور ایسے الفاظ کے استعمال میں متکلم کی عادت کا لحاظ ضروری ہے اور یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ قرینہ کلام کیا ہے یا اپنے کہے ہوئے پر اس کو احساس ندامت ہے یا نہیں۔

ہارون الرشید کا کارنامہ

علمار متقدمین نے ایسے اقوال کی ہمیشہ گرفت کی ہے اور ان پر مواخذہ کرتے رہے ہیں چنانچہ ہارون الرشید نے ابو نواس کے اس شعر پر مواخذہ کیا۔

فان یک باقی سحر فرعون منکم　　فان عصا موسیٰ بکف خصیب

اگر تم میں فرعون کا جادو ابھی باقی ہے تو عصائے موسوی بھی دست کشادہ میں ابھی موجود ہے

ابو نواس کے اس شعر کو سن کر ہارون رشید نے اس سے کہا اے ابن خنار (پلید عورت کے بچے) تو عصار موسوی علیہ والثنار کے ساتھ استہزار کرتا ہے لہٰذا تو ہماری مجلس سے نکل جا۔

قتیبی فرماتے ہیں کہ یہ بات ابو نواس کے لئے کوئی نئی نہ تھی اس کے بہت سے اشعار پر مواخذہ ہوا اور شہزادہ محمد امین کی تعریف سنے جو شعر اس نے کہے ہیں وہ حد کو پہنچ جاتے ہیں کیونکہ اس نے شہزادہ امین کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس سے تشبیہ دے ڈالی ہے

تنازع الاحمدان الشبہ فاشتبہا　　خلقا دخلقا کما قد العشرا کان

دونوں احمدوں نے صورت وسیرت میں جھگڑا کیا اس کے بعد وہ دونوں ایسے مشابہ ہو گئے جیسے کٹے ہوئے دو تسمے۔ (معاذ اللہ) اس کے ایک اور شعر پر شاعر صاحب موصوف کو اہل محبت وعقیدت بہت برا بھلا کہا ہے۔

کیف لا بد انیک من امل　　من رسول اللّٰہ من نفرہ

تجھ کو وہ منزل مقصود تک کیوں کر پہنچائیں گے جس کی قرابت میں رسول خدا شامل ہیں۔

اس شعر میں قابل اعتراض بات یہ ہے کہ ممدوح کی نسبت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ

وسلم کی جانب کی جاتی تھی نہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم شان رفیع کے باوجود حضور کی تعریف ممدوح کے ساتھ لکھی گئی ہے ۔ اور ایسے اشعار کے سلسلہ میں حکم شرعی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلامذہ کے فتووں کے ذیل میں بیان کیا جاچکا ہے ۔

حضور علیہ السلام کی طرف نسبت اور امام مالک

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق ایک فتویٰ ابن مریم نے نوادر میں نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو فقیری اور غربت پر شرم دلائی۔ یہ سن کر اس غریب ومفلوک الحال شخص نے کہا کہ تم مجھے غربت سے عار دلاتے ہو حالانکہ سید الانبیاء علیہم السلام نے بھی بکریاں چرائی تھیں۔ اس قائل کے قول کے بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس غریب نے حضور علیہ السلام کا ذکر بے موقعہ کیا ہے لہٰذا یہ شخص قابل سزا ہے ۔ امام صاحب موصوف نے فرمایا ہے کہ کسی شخص کے لئے یہ سزاوار نہیں کہ جب اسے کسی کوتاہی پہ تنبیہ کی جائے تو یہ کہے کہ مجھے کیا کہتے ہو مجھ سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام سے خطائیں سرزد ہوئی ہیں ۔

عمر بن عبد العزیز اور احترام منصب رسالت

جناب عمر بن عبد العزیز نے فرمایا کہ میرے لئے ایک محرر و پیشکار ایسا تلاش کرو کہ جو عربی اور مسلمان اور ابن مسلمان ہو جناب عمر بن عبد العزیز کی فرمائش سن کر منشی نے کہا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد بزرگوار بھی تو مسلمان نہ تھے[1] اس شخص کی زبان سے یہ

---

[1] حضور علیہ السلام کے آباء کے متعلق علماء امت کی تحقیق یہ ہے کہ یہ حضرات کافر نہ تھے جناب مصنف نے اصل کتاب میں یہ جملہ نقل فرمایا ہے کان ابو النبی کافراً لیکن میری یہ ہمت نہیں کہ میں مصنف کے نقل کردہ الفاظ کا لفظی ترجمہ کرسکوں اس واقعہ میں ایک بات یہ بھی توجہ طلب ہے کہ جناب عمر بن عبد العزیز نے اس قائل کو سرکار رسالتمآب علیہ السلام کی ذات اقدس مماثمت کرنے پر زجر و توبیخ فرمائی۔ لہٰذا اخلاقیات سے قطع نظر کرنا ہی مناسب ہے۔ (مترجم)

الفاظ سن کر امیر المومنین نے فرمایا (گستاخ) تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے مماثلت تلاش کرتا ہے لہٰذا تو اس قابل نہیں کہ میرے ساتھ کام کر سکے لہٰذا میں تجھے برخواست کرتا ہوں اور آئندہ تجھ سے یہ کتابت کا کام نہ لیا جائے گا۔

جناب سحنون اور ادب بارگاہ نبوی

جناب سحنون کو بارگاہ نبوی کے احترام کا اتنا لحاظ تھا کہ موصوف نے فرمایا کہ سرکار دو عالم علیہ السلام کی ذاتِ اقدس پر تعجب کے وقت درود شریف پڑھنے کو مکروہ جانا البتہ موصوف نے یہ فرمایا کہ اگر اس وقت بھی اظہار و تعظیم و توقیر اور بہ نیت اجر و ثواب درود کی تلاوت کرے تو کر سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی تعظیم و توقیر نبوی کا حکم فرمایا ہے لہٰذا تعمیل ارشاد میں ایسا کہا جا سکتا ہے۔

فرشتوں سے مماثلت کا حکم

جناب قابسی سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جس نے کسی بدصورت کو نکیر (قبر میں سوال کرنے والے فرشتے) سے تشبیہ دی اور ایک غصہ والے شخص کی داروغہ دوزخ سے مشابہت بتائی۔ جب قابسی نے دریافت فرمایا کہ اس کہنے سے اس شخص کی مراد کیا تھی یا تو اس نے یہ تشبیہ اس لئے دی کہ ان فرشتوں کو دیکھ کر ہیبت اور خوف کی جو کیفیت طاری ہوتی ہے یا ان کی بدصورتی کی وجہ سے انہیں برا جان کر تمثیل دی ہے اور اس کا قول بر وجہ ثانی ہے تو بڑی بات اور قابل سزا فعل ہے کیونکہ اس سے فرشتہ کی تحقیر و تنقیص لازم آتی ہے جو ناقابل معافی جرم ہے لیکن اس میں فرشتے کو برا نہیں کہا گیا ہے۔ بلکہ گالی یا برا لفظ اصل میں مخاطب کے لئے استعمال ہوا ہے اور سزا کا حکم بے علم اور بے وقوف حضرات کو عبرت دلانے اور اس شخص کو بدزبانی کی سزا کے طور پر دیا گیا ہے۔

لیکن اس شخص نے داروغہ دوزخ کو ایک بدصورت شخص سے تشبیہ مذمت کے طور پر دی ہے اور متکلم نے اس تشبیہ سے شبہ پر حکم کیا کیونکہ ہر ترش رو اور بدخو کو داروغہ دوزخ سے

تشبیہ اس لئے دی کہ وہ غضب کا مظہر ہے اور یہ بات غلط ہے اس طرح کہنا کہ مالک کا غضب تو اللہ رب العالمین کی تعمیل ارشاد میں ہے تو اس قائل کی یہ بات بھی رکیک ہے لیکن اس طرح کہنے پر مواخذہ نہ کیا جائے گا لیکن اگر بد خلقی کو مالک کی صفت بنا کر تمثیل دی اور مخاطب کی بد خلقی میں اس کو دلیل بھی بنایا تو وہ قائل مستحق سزا ہے حالانکہ اس سے براہِ راست فرشتہ کی مذمت نہیں کی لیکن پھر بھی غیر ذمہ دارانہ الفاظ کی وجہ سے اس کو سزا دی جائے گی لیکن اگر اس قائل کی نیت فرشتہ کی مذمت کی ہے تو ایسا شخص واجب القتل ہے۔

لفظ امی نبی اور غیر نبی کے لئے

جناب ابوالحسن کے سامنے دو اشخاص کی گفتگو نقل کی گئی کہ ایک ذی فہم اور اچھی شہرت والے شخص نے کسی دوسرے شخص سے کوئی بات کہی تو مخاطب نے اس سے کہا تم خاموش رہو کیونکہ تم امی (جاہل) ہو اس پر اس مذکورہ شخص نے جواب دیا کیا سرورِ عالم امی نہ تھے اس شخص کا یہ جواب لوگوں کو برا معلوم ہوا اور اس پر کفر کا اطلاق کیا گیا لیکن اس شخص کو اپنے الفاظ پر ندامت ہوئی اور وہ خوفزدہ ہو گیا کہ اس کی زبان سے غیر ذمہ دارانہ الفاظ نکل گئے اس معاملہ کو سن کر جناب ابوالحسن نے فرمایا کہ اس پر کفر کا حکم درست نہیں لیکن حضور علیہ السلام کی اس صفت سے استشہاد غلطی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کا امی ہونا تو معجزہ ہے جبکہ عدم علم دوسروں کے لئے نقصان اور عیب ہے اور اسی جہالت کا سبب ہے کہ اس نے حضور علیہ السلام کی صفت کو اس کے غیر محل میں استعمال کیا لیکن جب اس نے اپنی کوتاہی اور غلطی کا اعتراف کر لیا تو اب اس کو کچھ نہ کہا جائے گا اور اس کا یہ قول اس کے لئے وجہ قتل نہ بنے گا اور سزا اس کو اس لئے نہ دی جائے گی کیونکہ اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور ندامت کا اظہار کر لیا۔

اندلس کا ایک واقعہ

شہر اندلس کے ایک قاضی صاحب نے قاضی شیخ ابو محمد بن منصور سے ایک شخص کے بارے میں استفسار کیا جس نے کسی شخص پر تعریض اور اس کی عیب جوئی کی تو اس دوسرے شخص نے کہا کہ مجھ میں تو عیب تلاش کرتا ہے حالانکہ تمام

بشر عیوب سے خالی نہیں حتیٰ کہ (معاذ اللہ) سید البشر بھی۔ یہ سُن کر قاضی ابو محمد بن منصور نے فرمایا کہ اس شخص کو طویل قید با مشقت دی جائے اور یہ فرمایا کہ اس فقرہ سے اس قائل کا مقصد سب و شتم نہ تھا لیکن اندلس کے دوسرے فقہا نے اس شخص کے قتل کا حکم دیا تھا۔

(۷) کفریہ الفاظ کے نقل کرنے کا حکم

وجوہ قتل کی منجملہ اور وجوہ کے چھٹی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص کفریہ الفاظ کو بطورِ حکایت و روایت نقل کرے ایسے مواقع پر قرینہ اور محل کلام کو مدنظر رکھا جائے اور اس میں حکم دیتے وقت منجملہ اور وجوہ کے ان چار باتوں کو مدنظر رکھا جائے گا۔ واجب۔ مستحب۔ مکروہ۔ حرام۔

ناقل سزاوار تحسین ہے

اگر کسی شخص نے کسی کے کلام کو بطور شہادت یا قائل کو جتانے یا اس لئے نقل کیا تاکہ لوگوں کو اس کے اقوال سے آگہی ہو جائے اور وہ اس سے محتاط ہو جائیں تو ایسا شخص سزاوار تحسین اور قابل ستائش ہے۔[۱]

نقل گفتگو کا وجوب و استحباب

اگر کسی شخص نے کسی مجلس میں کسی کتاب کے مصنف یا مؤلف کا قول یا اس کی تحریر کا اقتباس بطور رد و تردید یا حکم شریعت بتانے کے لئے نقل کیا اور قائل یا مصنف کے بارے میں اس کے حسب حال حکم کا اصرار کیا تو یہ ناقل بھی سزاوار تحسین ہوگا۔ اور اس اقتباس کو نقل کرنا بعض حالات میں واجب اور بعض میں مستحب ہوگا۔

وجوب و استحباب کی اشکال

اگر اس قول کا قائل یا کتاب کا مصنف و مؤلف اس حیثیت کا حامل ہے کہ وہ مسند درس و تدریس پر متمکن ہے۔ راوی حدیث ہے یا مقدمات کے فیصلوں میں اس کا کہنا بطور شہادت یا نظیر پیش کیا جاتا ہے یا وہ شخص منصب قضا پر فائز ہونے کی وجہ سے اجرار احکام کرتا ہے تو اس حالت میں سامع پر یہ واجب ہے کہ اس نے جو کچھ بھی اس ذی حیثیت سے سُنا ہے اس کو بعینہٖ نقل کرے

---

[۱] شیخ سعدی نے فرمایا ہے اگر بینم کہ نابینا و چاہ است ۔ اگر خاموش بنشینم گناہ است (محمد اطہر نعیمی)

اور لوگوں کو اس کی حرکات ذمیمہ سے مطلع اور خبردار کرے اور خود اس سماعت کی شہادت دے

کر اس کو موکد کر دے اسی طرح ان حضرات ائمہ پر بھی لازم ہے کہ وہ جب اس قول شنیع یا تحریر ذمیم سے واقف ہوں تو اس قول یا تحریر کی قباحت اور اس کے فساد سے لوگوں کو اس لئے آگاہ کریں تاکہ فتنہ و فساد نہ پھیل سکے اور نقصان رفع ہو کر اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کا حق قائم ہو جائے اور موجودہ دور میں واعظین کرام اور ان استادوں پر لازم ہے کہ وہ ایسے معاملات میں کسی کوتاہی کے مرتکب نہ ہوں اور ایسے اشخاص پر نظر رکھیں کہ جو لوگ اپنے خبث باطن کی وجہ سے شریعت یا صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحقیر و منقصت کرنے کے عادی ہو چکے ہیں ان پر اگر نظر نہ رکھی گئی تو لوگ ان کے مضرت رساں افعال سے کس طرح محفوظ رہیں گے لہٰذا تمام ذمہ دار حضرات کی یہ اخلاقی اور شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ شریعت اور صاحب شریعت علیہ السلام کے حقوق کی حفاظت کریں۔

لیکن اگر قائل معیاری نہیں تب بھی حق کی حمایت اور حقوق نبوی کی حمایت کے لئے کھڑا ہونا لازم و واجب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ افراد ملت مسلمہ کے لئے حضور علیہ السلام کی حیات ظاہری اور حیات باطنی میں آپ کی حمایت و نصرت واجب و لازم ہے لیکن اگر کوئی ایک فرد بھی اس فریضہ کو ادا کرنے کے لئے کمربستہ ہو گیا اور اس کی وجہ سے حق واضح اور حقیقت منکشف اور قضیہ رفع دفع ہو گیا تو دوسروں سے فرض ساقط ہو جاتا ہے اور اس صورت میں تکثیر شہادت اور لوگوں کو ڈرانے، خبردار کرنے میں استحباب باقی رہ جاتا ہے۔

علمائے سلف کا اس امر پر اجماع ہے کہ جو شخص روایت حدیث میں متہم ہو اس کے حال کی اشاعت لازم ہے اور اس شخص کے عیوب جو کفر، تحقیر یا تنقیص وغیرہ کا مرتکب ہو اس کے حال کا اظہار تو بدرجہ اولیٰ لازم و ضروری ہوگا۔

ابو محمد بن زید کا فتویٰ

جناب ابو محمد بن زید سے ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جس نے حقوق الٰہی کے سلسلہ میں یاوہ گوئی سنی تھی کیا اس

کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ شخص اس کی بابت شہادت دے تو جناب ابو محمد نے فرمایا اس کو اگر یہ امید ہو کہ اس کی شہادت سے نفاذ امر ہو جائے گا تو اس کے لئے لازم وواجب ہے، کہ وہ شخص شہادت دے کر اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو جائے لیکن اگر اس کو شہادت سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی شہادت پر قاضی یا حاکم قتل کا حکم نہیں دے گا یا اس کے رجوع وانابت کو قبول کرے گا یا اس کو تعزیر کرے گا۔ ان حالات میں بھی اس کو شہادت دینی ضروری اور ادائے شہادت لازم ہے۔

جناب مصنف فرماتے ہیں کہ یہاں ایک پہلو مباح ہونے کا بھی نکل سکتا ہے اور اس سلسلہ میں میری تحقیق یہ ہے کہ اس مقولہ کو مذکورہ بالا مقاصد کے علاوہ کسی اور مقصد وانداز کے ساتھ بیان کرے اسی طرح میرے خیال میں اس کا تعلق ان امور میں باقی نہ رہے گا جب تک کہ کوئی امر شرعی ہی اس بارے میں واضح نہ ہو۔

حاصل کلام کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ہادی انسانیت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وآبرو کے بارے میں کسی سے اس طرح تذکرہ کرے جس سے اہانت کا پہلو نکلتا ہو لیکن طرق مذکورہ میں وجوب واستحباب دونوں جاری ہیں اور خالق کائنات نے خود ان مفتریوں کے اقوال کو قرآنی آیات میں فرمایا جن میں خود ذات باری اور رسول علیہ السلام پر افترا کیا گیا ان اقوال کو نقل فرما کر رب العالمین نے ان کے قول کا ابطال اور ان کے کفر سے خوف دلایا ہے۔ ان کے اقوال کی تردید یں فرمائیں اور انہیں وعیدوں سے ڈرایا ہے۔

اور وجوہ مذکورہ کی مثالیں احادیث نبوی سے بھی ثابت ہیں۔ ائمہ سلف علماء ومحدثین کا طرز عمل بھی یہی رہا ہے کہ وہ کفار وملحدین کے اقوال کو نہ صرف اپنی کتابوں میں نقل فرماتے رہے ہیں بلکہ اپنی مجالس میں بھی تعلیم امت کے لئے ذکر فرماتے رہے ہیں۔

فرقہ جہمیہ اور امام احمد بن حنبل لیکن امام احمد بن حنبل کے طرز عمل سے یہ ثابت ہے

کہ آپ نے حارث بن اسد کا بعض امور میں رد فرمایا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خود امام صاحب موصوف نے ان اقوال کی تردید فرمائی جو وہ عوام الناس کو بہکانے کے لئے کہتے پھرتے تھے۔

سیرت نبوی قصہ یا کہانی کی طرح

یہاں یہ بات توجہ کے قابل ہے کہ اگر کوئی شخص ان وجوہ و واقعات مذکورہ بالا کو نقل کرے یا برائی گالی یا منقصت کے پہلو کو اس طرح بیان کرے جس طرح قصہ کہانی یا عوامی گفتگو کی طرح جس میں رطب و یابس بھی ہوتی ہیں اور ہنسی دل لگی بھی اور بے علم نا سمجھ لوگوں کی رکیک اور سفیہانہ حرکتوں کو بیان کیا جاتا ہے یہ باتیں نہ صرف ممنوع بلکہ بعض اوقات تو یہی باتیں ممانعت اور عقوبت میں سخت بھی ہیں اگر ایسی باتوں کا ناقل ایسی باتوں کو سمجھے بغیر اور اس کے عواقب کے معلومات سے بے خبر ہو کر نقل کر دیتا ہے یا خلاف عادت اس سے ایسی حرکت سرزد ہوتی ہے یا وہ گفتگو اتنی قابل اعتراض نہیں ہے یا ناقل کی حالت سے یہ ظاہر نہیں ہو تا وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہا ہے یا وہ اس گفتگو سے مطمئن ہے اور اس کو پسند کرتا ہے لیکن ایسے شخص کو ہر حالت میں اس فعل سے روکا جائے اور اس کو زجر و توبیخ کی جائے تاکہ وہ اس حرکت کے اعادہ سے باز رہے اگر ناقل کے الفاظ قابل اعتراض ہیں تو زجر و توبیخ کافی نہیں بلکہ وہ سخت سزا کا مستحق ہو گا۔

مسئلہ خلق اور امام مالک

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ فلاں شخص قرآن مجید کو مخلوق کہتا ہے یہ سن کر امام صاحب نے فرمایا یہ کافر ہے اس کو قتل کر دو امام صاحب کے فرمان کو سن کر سائل نے کہا کہ حضرت میں نے تو اس شخص کے قول کو نقل کیا ہے۔ تب امام صاحب نے کہا میں نے تو تیری زبان سے سنا ہے۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا یہ فرمانا زجر و توبیخ کے لئے تھا کیونکہ بعد میں آپ نے اس کو قتل نہیں کرایا تھا۔ لیکن اگر اس بات کا قرینہ موجود ہو کہ اس شخص نے سوال تو خود کیا تھا لیکن حالات کے مد نظر اس بات کو دوسرے کی جانب منسوب کر دیا یا ایسی باتیں

اس سے قبل بھی ظاہر ہوئی ہیں یا وہ ایسی باتوں کو اچھا سمجھتا ہے اور ایسی گفتگو کا شیدائی ہے کہ وہ ہتک آمیز گفتگو کرے یا ایسی باتوں اور ہجویہ اشعار کی تلاش میں رہتا ہے تو حکم شرعی یہ ہے کہ اس کے ساتھ بھی وہی رویہ اختیار کیا جائے گا جو قصداً گالی دینے والے کے ساتھ اختیار کیا گیا اور اس ناقل یا قائل پر سخت مواخذہ کیا جائے اور اس کا ایسا کوئی عذر مسموع نہ ہوگا جس سے وہ اصل قول کی ذمہ داری دوسرے پر ڈال کر خود کو صرف ناقل ثابت کرے بلکہ ایسے شخص کو قتل کر کے جلد از جلد جہنم واصل کر دیا جائے گا۔

ہجویہ اشعار یاد کرنے والے کا حکم

ابو عبید بن قاسم فرماتے ہیں کہ جو شخص ایسے اشعار یاد کرے جس سے سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین ہوتی ہو وہ کافر ہے۔

اجماع اور مؤلفین کا طرز عمل

اجماع کے ذیل میں بعض مؤلفین نے فرمایا کہ امتِ مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر ایسی بات جس سے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو و منقصت کا شائبہ ہوتا ہو اس کا نقل کرنا زبانی ہو یا تحریری اور اس تحریر کا پڑھنا اور جہاں کہیں یہ عبارت تحریر ہو اس کو مٹائے بغیر چھوڑ دینا حرام ہے۔

جناب مصنف فرماتے ہیں اللہ رب العالمین ہمارے صالح اسلاف پر اپنی رحمتوں کا نزول فرمائے کیونکہ ان بابرکت حضرات نے دین کی حفاظت کے لئے احتیاط کے دامن کو مضبوطی کے ساتھ ایسی تمام روایات جو رواۃ کی وجہ سے جو محل نظر ہو سکتی تھیں اور اس زمرہ میں آتی تھیں خواہ ان کا تعلق مغازی وسیر ہی سے کیوں نہ ہو ساقط کیا اور بہت ہی کم تعداد میں نہایت احتیاط کے ساتھ روایتوں کا تذکرہ کیا اور مذکورہ وجہ اول کی بنا پر ان کا ذکر کرنا بھی اتنا نامناسب نہ تھا اور اس کی وجہ بھی یہ تھی تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ایسے لوگوں پر عذاب الٰہی کس طرح ہوا ہے اور کس طرح رب کریم نے ان پر مواخذہ فرمایا اور یہ بدبخت کیوں کر اپنے گناہوں کی پاداش کی پکڑ میں آئے۔

قاسم بن سلام کا محتاط رویہ

جناب قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ نے توکمال احتیاط فرمائی اور عربی بطور سند نقل کرنے کی ضرورت پیش آئی لیکن وہ شعر ان کے معیار احتیاط پر پورا نہ اترتا تھا اور اس میں کسی کی ہجو پائی جاتی تھی تو موصوف نے اس شخص کا نام صراحت سے نہیں لیا بلکہ اس کی بجائے اس کی مفروضہ کیفیت سے مخاطب کیا تاکہ خود کسی ہجو سے محفوظ رہیں اور شاعر کے ہجویہ شعر کا مصداق مفروضہ شخص سمجھا جائے اور خود ناقل کا دامن محفوظ رہے۔

جب دوسروں کے ساتھ ان کا یہ عالم ہے تو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ گرامی تو بہت اعلیٰ وارفع ہے۔

امور مختلف فیہ کا حکم

منجملہ مذکورہ بالا وجوہ کے ساتویں وجہ یہ ہے کہ ان باتوں کا تذکرہ کیا جائے جن کے بارے میں یا تو اختلاف رائے ہے یا وہ باتیں حضور علیہ السلام پر مطلقاً منطبق کی جاسکتی ہیں یا جن کی نسبت حضور علیہ السلام کی جانب کرنا ممکنات سے ہے۔ یا ایسی باتیں ذکر کی جائیں جن میں حضور علیہ السلام پر آزمائشوں کا تذکرہ ہو یا ان واقعات کو بیان کیا جائے جس سے حضور علیہ السلام کے صبر و شکر کی کیفیت کا اظہار ہوتا ہو یا ان شدائد کا تذکرہ جو ابتداء میں آپ کو برداشت کرنا پڑے اور دشمنوں کے ہاتھوں جو تکالیف اٹھائیں ان کو بیان کیا گیا ہو۔ اس قسم کی تمام باتیں یا تو بطور حکایت نقل کی گئی ہوں یا علمی مذاکرہ ومحاکمہ کے طور پر یا ایسی باتوں کا معلوم ہونا جس سے عصمت انبیاء ثابت ہو تو ان صورتوں میں یہ گفتگو یا وجہ سابقہ چھ وجوہ سے علیحدہ اور خارج ہوگی۔

کیونکہ اس کیفیت سے نہ تو اہانت مقصود ہے نہ اظہار منقصت نہ عیب جوئی ہے اور نہ استخفاف نہ تو تحقیر آمیز الفاظ ہیں اور نہ متکلم کا مقصد اہانت ہے لیکن یہ بات قابل لحاظ ہے کہ یہ تمام وجوہ مذکورہ میں مخاطب صاحب علم وبصیرت ہو یا ذکی وفطین طالب علم جو مقصد کو سمجھ سکے یا اس کے فوائد کی تحقیق وتجسس پر مشغول ہو ایسی باتیں ناداں اور جہال کے سامنے

بیان نہ کی جائیں تاکہ وہ فتنوں سے محفوظ رہیں۔

سورۂ یوسف کی تعلیم

مذکورہ وجوہ کی بناء پر بعض اہلِ علم نے عورتوں کے لئے سورۂ یوسف کی تعلیم کی اجازت نہیں دی کیونکہ اس میں بعض ایسے واقعات کا ذکر جو ان کے ناقص فہم اور ضعیف عقل سے ماوریٰ ہیں جن کے نہ سمجھنے کی وجہ سے وہ عورتیں فتنہ میں پڑسکتی ہیں۔

نبی آخر الزمان کی حیاتِ طیبہ کا ایک پہلو

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ابتدائی زندگی کے بارے میں فرمایا کہ میں نے اس دور میں بکریاں چرائی ہیں اور نہ صرف میں نے بلکہ ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں اور اللہ رب العالمین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہمیں بتایا بھی ہے اور اسی کی مثل اگر دوسری شخصیت کے بارے میں اگر کوئی واقعہ بیان کیا جائے جس میں توہین و منقصت کا کوئی پہلو نہ نکلے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر کسی شخص کا ارادہ ہی منقصت و تحقیر کا ہو تو اس کی بات دوسری ہے جیسا کہ تمام عرب والوں کی عادت ہے۔

بکریاں پالنے کی حکمت

انبیاء علیہم السلام کی اس محنت و مشقت میں ایک دور رس حکمت پوشیدہ ہے کہ ان مقدس حضرات کو اللہ تعالیٰ ان مدارج کی طرف تبدریج پہنچاتا ہے اور عالمِ اسباب میں اس طریقہ (بکری بانی) سے ان کو جہان بانی کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ ان حضرات کی کرامت و بزرگی اور دوسری اعلیٰ خصوصیات علم ازلی الٰہی میں پہلے سے مقدر ہو چکی تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عیال دار ہونا

خالق و مالک جل وعلا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یتیم اور عیالدار ہونے کو بطور احسان ذکر فرمایا اور آپ کی بزرگی کا بہترین انداز میں ذکر فرمایا ہے لہٰذا اگر کوئی ذکر کرنے والا حضور علیہ السلام کے ابتدائی حالات اور آپ کی ذاتِ اقدس پر انعاماتِ الٰہی کو

تذکرہ کے طور پر بیان کرے تعجب کا اظہار کرے تو اس میں (بظاہر) منقصت کا کوئی پہلو نہیں نکلتا بلکہ اس سے تو علامات نبوت اور اقوال نبوی کی صحت ہوتی ہے کیونکہ اس طرح حضور علیہ السلام کا صناد ید عرب اور بڑے بڑے سرمایہ داروں پر غلبہ کا اظہار ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ عالم اسباب میں حضور علیہ السلام کس طرح بتدریج اور صنادید عرب پر غالب ہوئے اور یہ صنادید اپنی طاقت و قوت ہونے کے باوجود مغلوب ہوئے اور ان کے خزانوں کی کنجیاں حضور علیہ السلام کے قبضہ میں آئیں اور ان کے ملک غلامانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغلوب ہوئے اور حضور علیہ السلام کی فتح و نصرت میں اللہ کی مدد شامل حال رہی اور نہ صرف حضور علیہ السلام کی ذات اقدس بلکہ مسلمانوں کو بھی فتح و نصرت سے نوازا گیا اور مسلمانوں میں محبت و الفت پیدا فرمائی اور ملائکہ کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد و تائید فرمائی گئی۔

اگر حضور علیہ السلام کو پہلے سے کسی بادشاہ کی ابنیت حاصل ہوتی اور اگر آپ پہلے سے جاہ و حشم اور لشکر کے مالک ہوتے تو جہلا یہ گمان کرتے کہ اس فتح و نصرت میں یہی عوامل کارفرما ہیں۔

ہرقل شاہ رُوم کا ابو سفیان سے سوال

جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک ہرقل شاہ روم کو ملا تھا تو اس نے تلاش کر کے اہل عرب جو دار الخلافہ میں موجود تھے بلوایا اور جناب ابوسفیان سے سوالات کئے تھے ان سوالات میں ایک سوال یہ تھا کہ حضور علیہ السلام کے آباء و اجداد میں کوئی بادشاہ ہوا ہے جس کا جواب جناب ابوسفیان نے نفی میں دیا تھا اس پر بادشاہ ہرقل نے کہا تھا کہ اگر ان کے آباء و اجداد میں بادشاہت ہوتی تو یہ خیال کیا جا سکتا تھا کہ انہوں نے اپنے آباء و اجداد کے ملک کی واپسی کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے۔

یتیم ہونا صفت ہے

منجملہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات کے یتیم ہونا حضور علیہ السلام کی صفات میں ہوا اور امم ماضیہ اور کتب سابقہ میں

حضور علیہ السلام کی نشانیوں میں سے اس کو ایک نشان فرمایا گیا ہے اور ارمیاہ[1] میں حضور علیہ السلام کا تذکرہ اسی صفت کے ساتھ کیا گیا ہے اور ذی نیرن نے جناب عبدالمطلب سے اور بحیرہ راہب نے جناب ابوطالب سے اسی صفت کے ساتھ حضور علیہ السلام کا تذکرہ کیا تھا اور حضور علیہ السلام کی تعریف و توصیف بیان کی تھی۔

امی ہونا حضور کی صفت تھی مذکورہ بالا صفات کی طرح جب آپ کی یہ صفت بیان کی جائے کہ آپ امی تھے اور جس طرح کہ خالق کائنات نے آپ کی ذات اقدس کی صفت بیان فرمائی ہے اس لئے یہ بھی آپ کی صفات ہی میں شمار ہوگی اور اس لفظ سے آپ کی فضیلت بھی ثابت ہوگی اور اس کو بھی معجزات نبوی میں شمار کیا جائے گا۔

قرآن کریم کا بھی معجزات میں شمار ہے معجزات نبوی میں اہم اور اعظم ترین معجزہ قرآن حکیم ہے جو کہ معارف و علوم کو شامل و حاوی ہے اور اس میں وہ فضائل شمائل خصائل ہیں جن کے ذریعہ اللہ رب العالمین نے حضور علیہ السلام کی تعریف و توصیف فرمائی ہے۔ اس سلسلہ میں جلد اول میں لکھا جا چکا ہے۔
یہ تعجب کی بات ہے کہ جس شخص نے تعلیم حاصل نہ کی اس کو نہ لکھنا آتا ہے اور نہ پڑھنا اور نہ کسی مدرسہ میں کسی استاد کے آگے زانوئے ادب تہ کیا ہو وہ معلم انسانیت بن کر بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ ہدایت دکھائے گرتے ہوئے اخلاق کو سہارا دے اور بے علموں کو علم کی دولت سے نوازے، اس سے ایسے کارناموں کا ظہور تعجب کا قیام ہے اس طرح آپ کے امی ہونے میں کوئی منقصت و توہین نہیں بلکہ اس کو تو معجزات میں شمار کیا جائے گا۔

تعلیم کا مقصد حصول علم کا مقصد تو معرفت اور پہچان ہے اور پڑھنا لکھنا معرفت کے لئے وسیلہ اور ذریعہ موصلہ ہیں اور فی نفسہ مقصود بالذات نہیں لہٰذا اگر

---

[1] ایک کتاب کا نام ہے۔

وسیلہ اور ذریعہ کے بغیر نتیجہ اور ثمرہ حاصل ہو جائے تو مطلوب و مقصود کے حصول کے لئے ذریعہ اور وسیلہ کی کیا حاجت باقی رہ جاتی ہے۔

سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسروں کے لئے امی (بے علم) ہونا نقص و عیب میں شمار ہوگا کیونکہ یہ جہالت کا سبب اور ناسمجھی کی علامت ہے۔

شکر الٰہی

اللہ رب العالمین تمام خوبیوں اور تعریفوں کا سزاوار ہے جس نے سرور عالم علیہ السلام کو تمام دوسری مخلوقات پر فضیلت عطا فرمائی اور حضور علیہ السلام کو دوسروں پر ممتاز فرمایا کہ جو بات دوسروں کے لئے نقص و عیب کا ہی نہیں بلکہ ہلاکت کا سبب بنتی ہے اس کو حضور علیہ السلام کے لئے فضیلت و عزت کا سبب بنایا۔

شق صدر کی مصلحت

توجہ کے قابل بات یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا شق صدر فرما کر ایسی زائد اور ناقابلِ فہم انسانی خواہشات کے اخراج کی مصلحت یہ بھی کہ کامل و اکمل حیات اور کامل ثبات قلب حاصل ہو جائے اور یہی بات قابلِ غور ہے کہ جو باتیں دوسروں کے لئے ہلاکت کا سبب ہوتی ہیں وہ حضور علیہ السلام کے لئے بقاء دوام اور عز و شرف کا سبب ہو گئیں اور اسی اصول و ضابطہ کے تحت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام احوال اور اخبار جو ہمارے علم میں آئے مثلاً سیر شکم ہو کر نہ کھانا۔ لباس میں ضرورت شرعی کا لحاظ رکھنا تواضع انکسار، حلم زہد، جذبہ خدمت خلق، دنیا کی بے ثباتی کا خیال۔ دنیاوی امور کو تغیر و تبدل پذیر ہونے کی وجہ ملحوظ خاطر رکھنا ان امور میں عظمت و حقارت کا خیال نہ کرنا یہ تمام امور ایسے ہیں جن سے ہادی انسانیت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل معلوم ہوتے ہیں۔ اور یہ وہ باتیں ہیں جن کو ہم نے پہلے بھی بیان کیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص ان باتوں کا برمحل تذکرہ کر کے ان سے فضائل و محاسن مراد لیتا ہے تو یہ نہایت مناسب و احسن ہے لیکن اگر کوئی شخص ان کا بے محل تذکرہ کر کے ان سے کوئی دوسرا ہی مقصد حاصل کرنا چاہیئے تو اس کے لئے وہی حکم ہوگا جس کا تذکرہ ہم نے گذشتہ صفحات میں کیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ وہ اخبار و واقعات جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا دوسرے انبیاء علیہم السلام سے متعلق ہیں اور ان میں کسی قسم کی کوئی ایسی بات جو تشریح و تاویل طلب ہو تو اس سلسلہ میں صرف احادیث صحیحہ سے استناد و استنباط کیا جائے گا اور وہ احادیث جو فن جرح و تعدیل کے مطابق معیار صحت پر پوری نہ اترتی ہوں ان سے استناد درست نہ ہوگا

جناب مصنف فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ انہوں نے کمال احتیاط ملحوظ رکھتے ہوئے یہ فرمایا کہ ایسے شک میں ڈالنے والے واقعات کو نقل کرنا مکروہ ہے اور شرعی حکم کے بیان کرنے کے بعد امام صاحب موصوف نے فرمایا کہ ایسے شک و شبہ میں ڈالنے والے اور فتنہ میں مبتلا کرنے والے واقعات کو بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ امام صاحب موصوف کی یہ گفتگو سن کر حاضرین میں سے کسی شخص نے استفسار کیا کہ ابن عجلان[1] بھی تو ایسے واقعات بیان فرماتے تھے لیکن سائل کے جواب میں امام صاحب نے جواب دیا کہ وہ فقیہ نہیں تھے کاش اس قسم کی احادیث و واقعات کے بیان کو ترک کرنے میں لوگ ان کے ساتھ تعاون کرتے کیونکہ ان احادیث سے کوئی بات ایسی نہیں معلوم ہوتی جس سے کوئی عمل شرعی متعلق ہو۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اسلاف کی ایک جماعت ہی نے نہیں بلکہ ان کی اکثریت ایسی احادیث کے نقل کرنے کو جس سے اعمال ثابت نہیں ہوتے نقل کرنے کو (بلا ضرورت شرعی) مکروہ جانتے تھے اور اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ کلام رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخاطب عرب تھے اور وہ اپنے یہاں کے مروج اسلوب کلام سے بخوبی واقف تھے برخلاف دوسروں کے انہیں معلوم تھا کہ کہاں حقیقت مراد ہوتی ہے اور کہاں مجاز۔ اور کس مقام پر استعارہ و بلاغت ہوتا ہے اور کہاں ایجاز و اختصار استعمال ہوتا ہے اور ان کے لئے یہ کوئی نئی اور تعجب خیز بات نہ تھی لیکن جب حالات بدلے اور اسلامی تہذیب پر عجمیوں کا غلبہ ہوا[2] جو عربی ادب اور ان کی تہذیب

---

[1] امام مالک کے استاذ و شیخ۔ محمد اظہر نعیمی [2] بنو امیہ کے بعد بنو عباس کے دور میں عجمی ہر شعبہ زندگی میں اثر و نفوذ کر گئے تھے۔

و تمدن سے پوری طرح واقف نہ تھے تو انہوں نے ہر جملہ و عبارت میں صرف صریح اور صاف ظاہر کو سمجھا اور وہ اشارات جو ایجاز وحی کی وجہ سے پنہاں تھے اور جن میں تبلیغ و تلویح مضمر تھی وہ اعاجم کی سمجھ میں نہ آسکے لہٰذا وہ ان اشارات کے محل و تاویل میں مختلف الخیال ہو گئے ان میں بعض نے حق و صواب کی راہ اختیار کی اور ایماں کی دولت سے مالا مال ہوئے اور بعض ان میں ایسے بھی نظر آئے جو راہ حق سے بھٹکے اور انکار وجود کو اپنا کر کفر کے مرتکب ہوئے۔

حاصل کلام

وہ احادیث جو فن جرح و تعدیل کے مطابق معیارِ صحت کو نہ پہنچیں ان کو بیان نہ کیا جائے اور اس موضوع پر گفتگو سے احتراز کیا جائے اور ان کے معانی کی تاویل کے بارے میں تلاش و تجسس نہ کیا جائے اور بہتر یہ ہے کہ اس طرف انہماک و توجہ نہ کیا جائے اور ایسے موضوعات کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے بلکہ لوگوں کو بتایا جائے کہ یہ حدیث ضعیف اس کے راوی ناقابل اعتماد اور اس کی سند واہی ہے۔

ابو بکر بن فورک اور مشائخ

علمائے اعلام نے ابو بکر بن فورک کی کتاب مشکل پہ جرح کرتے ہوئے ان ضعیف یا موضوع احادیث پر کلام کرتے میں انکار کیا ہے جو یا تو ان کی کوئی اصل نہیں یا ان احادیث کو ان اہل کتاب نے نقل کیا ہے جنہیں حق و باطل میں امتیاز کی صلاحیت نہیں یا وہ حق کو غلط کے ساتھ ملانے کے عادی مجرم ہیں ان کے بارے میں تو یہی بات درست اور صحیح ہے کہ ایسی احادیث ضعیف یا موضوع ہیں اور اس بات کی احتیاج نہیں تھی کہ ان پر تبصرہ کیا جاتا اور مشکل احادیث کو نقل کرنے کا مقصد اولیں یہ ہوتا ہے کہ ان کی وجہ سے پیدا ہونے والے شبہات کا ازالہ کیا جائے اور شبہ کی جڑ کو سرے سے ہی اکھاڑ پھینکا جائے اور یہ بات رفع شبہ سے بھی افضل و اعلیٰ شمار ہوتی ہے کیونکہ یہ بات طمانیت قلب کے لئے زیادہ موثر ہوتی ہے

جناب مصنف کی واعظین و متکلمین کو تنبیہ

یہاں کچھ ایسی باتوں پر ان حضرات واعظین و مصلحین کو غور کرنا ضروری ہے

کہ وہ کلام کرنے سے پہلے اس امر پر غور و فکر کریں کہ کون سی باتیں اور موضوعات ایسے ہیں جن کی نسبت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جائز ہے اور کون سی باتیں ایسی ہیں جن کی نسبت حضور علیہ السلام کی جانب کرنی جائز نہیں۔

ذکرِ رسول کا ادب

ان میں کچھ باتوں کا تذکرہ ہم نے گذشتہ فصلوں میں کیا ہے ان واعظین کو اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ یہ حضرات اپنی گفتگو میں خواہ وہ بر سبیل مذاکرہ ہو یا تعلیم جب سیرت طیبہ کو بیان کریں تو تعظیم و تکریم نبوی کو مدنظر رکھیں اور اپنے کسی انداز سے اور گفتگو کے کسی پہلو سے غیر ذمہ داری کا ثبوت نہ دیں اور اپنی زبان کو شتر بے مہار کی طرح نہ چھوڑ دیں انتہائی ذمہ داری کے ساتھ حضور علیہ السلام کی سیرت طیبہ کے پہلوؤں کو اجاگر کریں اور اس وقت ادب و احترام نبوی کو برقرار رکھیں۔ سیرت طیبہ بیان کرتے وقت ان کی کیفیت اس طرح ہونی چاہیئے کہ جب وہ حضور علیہ السلام کے دشمنوں سے نفرت و حقارت کا اظہار بھی ہونا چاہیئے۔ اور جب حضور علیہ السلام کے جان نثاروں کا تذکرہ کریں تو ان حضرات کے بارے میں عقیدت و محبت کے اظہار کے ساتھ قلب میں یہ جذبہ بھی موجزن ہو کہ اگر مجھے حضور علیہ السلام کی ذات اقدس کے ساتھ جان نثاری کا موقع میسر آجائے تو میں بھی ان حضرات کی طرح نقد جان حضور علیہ السلام کے قدموں پر نچھاور کر دوں۔

عصمت انبیاء کے تذکرہ کا انداز

جب حضور علیہ السلام یا دوسرے انبیاء علیہم السلام کی عصمت کا تذکرہ ہو یا سرکار دو عالم علیہ السلام کے اقوال و اعمال کی بابت بیان کرنا ہو تو حتی الامکان ایسے الفاظ کے استعمال سے گریز کیا جائے جو مقبوح اور قابل اعتراض ہیں مثلاً جہل۔ کذب اور معصیت وغیرہ۔

اقوال نبوی کا تذکرہ کرتے وقت ایسے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں کہ جو اس بات کو ظاہر کریں کہ آپ کی ذات اقدس وعدہ خلافی۔ غلط بیانی سے عمداً اور سہواً (دونوں حالتوں میں) معصوم و محفوظ تھی اور حضور علیہ السلام کی ذات اقدس کے لئے ایسے الفاظ سرے سے جائز نہیں

اور لفظ کذب سے تو خصوصاً احتراز کریں اسی طرح دوسرے الفاظ کی تعبیر میں بھی احتیاط کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔

علم نبوی کے تذکرہ کے وقت احتیاط

اقوال واعمال نبویہ کا تذکرہ کرتے وقت بھی مذکورہ بالا احتیاطوں کو مدنظر رکھیں۔ اور اقوال رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نقل کرتے ہوئے بھی احتیاط کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور اگر کوئی ایسا موقع آجائے جہاں علوم نبوی پر تبصرہ مقصود ہو تو اس طرح کہیں کہ کیا یہ بات آپ کے لئے جائز و مناسب ہے کہ آپ اتنا ہی علم رکھتے تھے جتنا کہ آپ کو تعلیم فرمائی گئی تھی اور کیا یہ ممکن ہے کہ وحی الٰہی سے پہلے آپکو بعض چیزوں کا علم نہ تھا وغیرہ اس وقت یہ نہ کہئے کہ آپ کو ان باتوں کا علم نہ تھا حضور علیہ السلام کے لئے جہل اور اس کے مترادف قبیح الفاظ کا استعمال نہ کریں کیونکہ یہ بات ادب و احترام کے منافی ہے۔

افعال نبوی کا تذکرہ

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال شریفہ کا تذکرہ مقصود ہو تو اس طرح کے الفاظ استعمال کریں کہ کیا بعض اوامر و نواہی میں آپ کا مخالفت فرمانا یا صغائر میں ابتلاء ممکن ہے؟ اس گفتگو میں یہ طرز اختیار نہ کیجئے کہ اس طرح کہے کہ یہ بات جائز ہے کہ آپ کی ذات اقدس سے نافرمانی سرزد ہو آپ ارتکاب معصیت میں مبتلا ہوں یا فلاں فلاں گناہ آپ سے متعلق ہیں یہ باتیں آپ کے اعزاز و اکرام عقیدت و محبت کے منافی ہیں اور بہتر الفاظ وہ ہیں جن کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ اس موضوع پر اگر گفتگو کرنی ہو تو محتاط الفاظ استعمال کئے جائیں۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت و احترام ہر مسلمان پر واجب و لازم ہے۔

جناب مصنف فرماتے ہیں

کہ میں نے بعض ایسے حضرات کو دیکھا جنھوں نے اس احتیاط کو مدنظر نہ رکھا تو ان کے اس طرز عمل کو لوگوں نے نہ سراہا اور نفرت کے ساتھ دیکھا اور ان کی لفظی تعبیرات کو پسند نہ کیا۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے بعض غیر منصف حضرات کے طرز عمل کو دیکھا ہے انہوں نے ایسے شخص کے طرز عمل کو خطاء وغلطی سے منسوب کیا ہے کیونکہ قائل نے الفاظ میں اس احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھا اور اسی وجہ سے اس پر طعن و تشنیع بھی کی گئی ہے کیونکہ اس کا قول قبول نہیں کرتا جس سے قائل کی تکفیر بھی کرتا ہے اور مزید براں یہ کہ یہ طریقے عوام کے باہمی آداب حسن معاشرت اور خطاب میں رائج ہیں تو سرورعالم علیہ السلام کے لئے ان کا استعمال تو بدرجہ اتم لازم ہوگا اور ایسے مؤدبانہ الفاظ کا استعمال بھی موکد ہوگا اور یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ الفاظ کا صحیح استعمال ہی کسی شئے کے حسن و قبح کی عکاسی کرتا ہے اور حسن و قبح میں طرز عمل و ادا کا بڑا دخل ہوتا ہے۔

سرورعالم علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا اِنَّ بَعْضَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا یقیناً بعض بیان جادو کا اثر رکھتے ہیں۔

رہیں وہ باتیں جن کی حضور علیہ السلام کی ذات اقدس سے نفی کرنی مقصود ہو اور حضور کی ذات اقدس سے ان کی برأت ظاہر کرنی ہو تو اس سلسلہ میں قائل کو آزادی ہے کہ وہ مقصود کو جس طرح چاہے بیان کرے خواہ اس میں صراحت اختیار کرے یا کنایہ سے نفس مطلب کو واضح کرے خواہ اس طرح کہے کہ آپ پر کذب کا اطلاق بالکل جائز نہیں اور کسی شکل میں بھی کبائر کا ارتکاب ممکن نہیں اور حضور علیہ السلام کے احکام میں کبھی ظلم نہیں ظاہر ہوتا تھا۔

لیکن بایں ہمہ ذاکر و قائل کے لئے یہ بات لازمی ہے کہ وہ ایسے کلمات استعمال کرے جن سے عظمت و احترام نبوی کا اظہار ہوتا ہو جب عام گفت گو میں حضور کی عظمت کا اظہار ضروری ہے تو ایسے مسائل کے بیان کے وقت تو یقیناً اظہار عظمت و احترام لازمی ہوگا اور ذکر سرکار دوعالم علیہ السلام کے وقت اسلاف پر جو کیفیت طاری ہوا کرتی تھی اس کا تذکرہ اسی کتاب کی قسم ثانی میں کیا گیا ہے۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ سلف کے بعض بزرگوں کا یہ طریقہ تھا کہ جب وہ ایسی آیت سنتے جس میں رب تعالیٰ نے دشمنان اسلام کے اقوال آیات الہٰی کا انکار اور حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ان کے کذب وافترار کو نقل کیا گیا ہے ان آیات کو سن کر وہ اپنے رب کریم کی جلالت اور اس کی عظمت وکبریائی سے اپنی آوازوں کو پست کر لیتے اور ان پر خوف وہراس طاری ہوجاتا اور یہ خیال کرتے تھے کہ کہیں ان گستاخوں سے مشابہت نہ ہوجائے جنہوں نے ارتکاب کفر کیا تھا۔

دوسرا باب

سرکار دو عالم علیہ السّلام پر سب وشتم تنقیص۔ اذیّت وعقوبت وغیرہ کا حکم

جناب مصنف فرماتے ہیں کہ سابقہ اوراق میں ان امور کی نشاندہی کی جاچکی ہے جو حضور علیہ السلام کے حق میں سبب اذیت اور اہانت بنتے ہیں اور علمائے امت نے ان افعال و اقوال کا ارتکاب کرنے کے لئے قتل کا حکم دیا ہے اور قاضی وامام کے اس اختیار کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ وہ ایسے مجرم کو یا تو پھانسی کی سزا دے یا قتل کرائے اور اس سلسلہ میں دلائل وبراہین بھی نقل کئے ہیں۔

اس تمہید کے بعد اب یہ بتانا مقصود ہے کہ امام مالک ان کے ساتھیوں اور سلف کے علماء کا فرمانا یہ ہے کہ ایسے بدزبان اور اہانت کرنے والے کو اس کے کفر کی وجہ سے نہیں بلکہ سزا کے طور پر اس پر حد جاری کی جائے اور اس کو قتل کیا جائے باوجودیکہ اس نے توبہ بھی کر لی ہو کیونکہ ایسے معاملات میں نہ تو اس کی توبہ قابل قبول ہوگی اور نہ اس کا رجوع اس کے لئے نفع بخش ثابت ہوگا اور یہ بات بھی ماسبق بحث کے ضمن میں ذکر کی گئی ہے مصنّف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس قائل کا حکم اس زندیق کا سا ہے جو اپنے کفر کو مخفی رکھتا ہے خواہ

اس کی توبہ گرفتاری اور اس کے کفریہ اقوال پر شہادتیں گذرنے کے بعد ہی کیوں نہ ہو مادہ گرفتاری کے بعد بظاہر یا دل میں توبہ کرتا ہوا آئے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حد واجب ہے اور دوسری حدوں کی طرح اس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔

شاتم کی وجہ قتل

شیخ ابوالحسن قابسی نے فرمایا کہ جب گستاخ شاتم اپنے جرم کا اعتراف کر کے اس سے رجوع کرے اور توبہ بھی ظاہر ہو جائے جب بھی ارتکاب جرم کی وجہ سے اس کو قتل کی سزا دی جائے گی کیونکہ اس جرم کی سزا قتل ہے

البتہ ابو محمد بن زید نے فرمایا کہ سزا کے بارے میں تو شک و شبہ کی بات نہیں ہے البتہ اس کی توبہ و انابت کا معاملہ چونکہ اللہ اور اس کے درمیان ہے اس لئے اس کی توبہ نفع بخش ثابت ہو جائے گی۔

موحد کی گستاخی کی سزا

ابن سحنون نے فرمایا ہے کہ اگر کسی موحد نے بارگاہ رسالت میں گستاخی کی اور اس نے اپنے اس فعل پر ندامت کا اظہار بھی کر لیا جب بھی اس کو سزائے قتل دی جائے گی اور اس کی توبہ اس کو سزا سے نہیں بچا سکتی۔

اگر زندیق توبہ کرے تو اس کے بارے میں علماء مختلف الرائے ہیں جناب قاضی ابوالحسن بن قصار سے اس بارے میں دو قول نقل کئے گئے ہیں۔

(۱) اس زندیق کو قتل کر دیا جائے کیونکہ اس نے اخفاء کی قدرت کے باوجود اپنے دل کا حال ظاہر کیا اور حکم قتل کے سبب سے اس نے توبہ کی لہٰذا اس کی یہ بات توجہ طلب اور قابل قبول نہ ہو گی۔

(۲) اس معاملہ میں یہ بات مدنظر رکھی جائے گی کہ توبہ انابت کے بعد اس کا علماء سے رجوع اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اس کو اپنے فعل پر ندامت ہے اور اس طرح ہم اس کے دل کے حال سے واقف ہو گئے برخلاف اس کے کہ جس پر دلائل و براہین قائم ہوتے ہوں۔

مصنف کتاب جناب قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ مذکورہ قول جناب اصبغ کا ہے رہا مسئلہ شاتم وگستاخ بارگاہ نبوی کا تو وہ تو صاف اور ظاہر اور اتنا ہی اہم ہے جسمیں شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے کیونکہ سابقہ صفحات میں بیان کردہ اصول کی روشنی میں اس سے اختلاف وانحراف نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ یہ معاملہ حقوق نبوی سے متعلق ہے اور حضور کی ذات اقدس کے ساتھ امت کے حقوق بھی مرتبط ہیں جن کو توبہ ساقط نہیں کرتی۔

گرفتاری کے بعد توبہ کی مقبولیت

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ زندیق گرفتاری کے بعد اگر توبہ کرے تو امام مالک۔ اسحاق۔ احمد ولیث رضی اللہ عنہم کے فتوؤں کے مطابق اس کی توبہ قبول نہ ہوگی البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی توبہ قبول کرلی جائے گی لیکن امام اعظم وامام ابویوسف نے اس سے اتفاق نہیں فرمایا۔ البتہ ابن منذر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول قبولیت توبہ کے بارے میں نقل کیا ہے۔

عدم قبولیت توبہ کی ایک اور دلیل

جناب محمد بن سحنون فرماتے ہیں کہ اس نام نہاد مسلمان سے توبہ سزائے قتل کو باطل نہیں کرتی جس نے بارگاہ رسالت میں گستاخی کی ہو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس شاتم نے ایک دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار نہیں کیا البتہ اس نے وہ جرم کیا ہے جس کی سزا اسلامی معاشرے میں قتل ہے اور اس میں کسی معافی کی گنجائش نہیں حتیٰ کہ زندیق سے بھی اس معاملہ میں درگذر نہ کیا جائے گا کیونکہ وہ ایک ظاہری حال سے دوسرے ظاہری حال کی جانب راجع نہیں ہوا ہے۔

قاضی ابو محمد بن نصر کی رائے

قاضی صاحب اس شخص کی توبہ کے ساقط الاعتبار ہونے کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ بارگاہ احدیت اور بارگاہ رسالت کے گستاخ کے درمیان فرق مشہور قول کی بناء پر توبہ کا قبول کرنا ہے اور اس

کی وجہ یہ ہے کہ سرکار دو عالم علیہ السلام نوع بشر سے ہیں اور بشریت کا خاصہ و لازمہ نقص ہے ماسوا ان نفوس قدسیہ کے جنہیں اللہ رب العالمین نے منصب نبوت پر سرفراز فرمایا ہو اور اللہ تعالیٰ تمام عیوب و نقائص سے منزہ و مبرا ہیں اور اس کا تعلق اس قسم و جنس سے نہیں جس کو جنسیت کے سبب نقص لاحق ہو البتہ بارگاہ رسالت میں گستاخی اور ارتداد کی طرح سے نہیں کیونکہ مرتد ارتداد کے معنی میں منفرد ہوتا ہے اور اس میں کسی اور شخص کا حق متعلق نہیں ہوتا لہٰذا اس کی توبہ قبول کی جا سکتی ہے۔

لیکن سرکار دو عالم علیہ السلام کی بارگاہ میں گستاخی کرنے والے کا معاملہ دوسرا ہے کیونکہ اس میں حضور علیہ السلام کا حق بھی متعلق ہو گیا اور یہ بات اس طرح سمجھی جائے گی کہ جس نے اپنے ارتداد کے وقت کسی کو قتل کیا ہو یا کسی کو تہمت لگائی ہو۔ اس طرح اس کی توبہ اس مرتکب جرم سے حد قتل اور تہمت کو ساقط نہیں کر سکتی۔

توبہ کی عدم قبولیت کی ایک اور دلیل

یہاں یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ مرتد کی توبہ کی قبولیت کی وجہ سے اس کے جرائم کی وجہ سے جو حدود شرعیہ چوری۔ زنا وغیرہ اس پر قائم کی جانے والی ہوں تو وہ اس سے ساقط نہیں ہوتیں اور یہاں اس مسئلہ میں جو حد اس گستاخ و شاتم پر قائم کی جا رہی ہے وہ اس کے کفر کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ حد قائم کیے جانے کی وجہ سے ہے کہ اس نے عظمت و حرمت نبوی کو کم کرنے کی کوشش کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ توبہ اس حد کو ختم نہیں کرتی۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اگر اس قائل کی مراد یہ ہو کہ اس کے گستاخی کے کلمات ادا کرنا کفریہ کلمات نہ تھے بلکہ اس کا یہ فعل تحقیر و تنقیص کی بنا پر تھا یا اس کے توبہ و رجوع کا اظہار اس کے ظاہری کفریہ کلمات کے ازالہ کے لئے تھا لیکن اللہ رب العالمین دلوں کے حال سے واقف ہے اب (رجوع انابت اور توبہ کے بعد) گستاخی کا گناہ اور اس پر حکم شرعی بجنسہٖ باقی رہے گا۔

ابو عمران قابس نے فرمایا ہے کہ جس نے سرکار دو عالم علیہ السلام کی بارگاہ میں گستاخی کی بعد میں

وہ دائرہ اسلام سے بھی خارج ہو گیا تو اس کی سزا قتل ہے اور اب اس کی توبہ بھی قبول نہ ہو گی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی شخص کو گالی دینا اس کے حقوق کی پامالی ہے اور اس گالی دینے والے کے ارتداد سے کسی دوسرے کا حق باطل نہیں ہوتا۔ مصنف فرماتے ہیں کہ اس جُزیہ کی بنار پر ہمارے مشائخ کا فرمانا یہ ہے کہ اس قائل کو حد کی بنار پر قتل کیا جائے گا۔ ارتداد کی بنار پر نہیں اور یہ بحث تفصیل طلب ہے۔ (جس کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں۔)

آیئے اب امام مالک اور ان کے رفقار رحمہم اللہ کے اس قول کا جائزہ لیں جو ولید بن مسلم سے منقول ہے جس کا تذکرہ ہم نے گذشتہ صفحات میں کیا ہے کہ علمار کا صریح فرمانا یہ ہے کہ اس گستاخ کے قتل کی وجہ ارتداد ہے چنانچہ علمار کہتے ہیں کہ اس شخص سے توبہ کرائی جائے اگر وہ توبہ کرے تو اس سے درگذر کر دیا جائے لیکن اگر وہ توبہ سے انکار کرے تو اس کو قتل کیا جائے کیونکہ وہ مرتد کے حکم میں ہے (اور قتل مرتد کے بارے میں ماسبق میں تفصیلی بحث کی جا چکی ہے) لیکن وہ پہلی وجہ جس کا ہم تذکرہ کر آئے ہیں زیادہ ظاہر و مشہور ہے اور اس موضوع پر درج ذیل دلائل قابل توجہ ہیں۔

مصنف علیہ الرحمۃ کی تحقیق

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جو حضرات اس قائل کے ارتداد کو محل نظر قرار دیتے ہیں تو بصورت دیگر وہ حد کے طور پر اس کی سزا کے قتل کے قائل ہوں گے اور ہم تو دونوں حالتوں میں اس گستاخ کے قتل کا حکم کرتے ہیں۔

اگر وہ قائل ارتکاب جرم کا منکر ہے اور اس پر شہادت شرعی قائم ہو چکی ہے یا وہ توبہ و انابت کا اظہار کرتا ہے تو ہم حد شرعی کے طور پر اس کے قتل کا فتویٰ دیں گے کیونکہ اس کے خلاف کلمہ کفر کا کہنا ثابت ہو چکا ہے اور اس نے سرکار دو عالم علیہ السلام کے اس حق کی تحقیر کی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اعظم قرار دیا ہے۔ اس طرح ہم نے برات اور دیگر امور میں اس کے لئے وہی حکم دیں گے جو کسی زندیق کے لیئے دیا جاتا ہے کیونکہ اس کا انکار یا توبہ کرنا ثابت ہو

چکا ہے۔

ایک اور اعتراض

یہاں اگر کوئی معترض یہ اعتراض کرے کہ آپ اس قائل کو کافر کہہ کر اس کے کفر پر شہادت لیتے ہیں لیکن توبہ کی قبولیت اور اس کے لوازم کے مسئلہ میں خاموشی اختیار کرتے ہیں اور کوئی حکم نہیں لگاتے اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب اعتراض

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہم نے اس کی وجہ قتل کفر کو قرار دیا ہے لیکن اس سے ہم اس کے توحید و رسالت کے اقرار کو جس کا وہ اقراری ہے قطع نہیں کرتے باوجودیکہ وہ قائل اس کی شہادت کا جو اس کے لئے لازمی ہے منکر اور اس بات کا مدعی ہے کہ یہ کلمات اس سے غلطی اور معصیت کی وجہ سے صادر ہوئے ہیں اور وہ ان کلمات سے منحرف ہی نہیں بلکہ نادم بھی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ بعض اشخاص پر کفریہ کلمات اور ان کے احکام کو ثابت کرنا اس بات کو مانع نہیں کہ اس کی دوسری خصوصیات کو بھی ثابت نہیں کیا جا رہا جیسے کہ تارک صلوٰۃ کا قتل۔ لیکن جس شخص کے لئے یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے گستاخی کے کلمات اس اعتقاد سے کئے ہیں کہ معاذ اللہ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ کو گالی دینا اور ان کی بارگاہ میں گستاخی کا ارتکاب جائز ہے لہٰذا اس اعتقاد کی بنا پر اس کے قتل کے حکم میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

شاتم رسول کافر ہے

اس کلیہ کی بنا پر یہ کہنا درست اور ناقابل تردید ہے کہ (معاذ اللہ) حضور علیہ السلام کو گالی دینا اسی طرح کفر ہے جس طرح کہ آپ کی تکذیب کرنا یا آپ کی شخصیت کا انکار اور اسی طرح کے دوسرے امور۔ اب یہ بات شک و شبہ سے بالا ہے کہ اس قائل کلمات توہین کو حد کے طور پر قتل کیا جائے گا باوجودیکہ اس نے اپنے قول سے رجوع کیا ہو اور توبہ کی ہو کیونکہ ایسے کلمات کہنے والے کی توبہ بھی مقبول نہیں۔ اور توبہ کے بعد بھی اس کو اس کے سابقہ قول کی بنا پر اور سابقہ کفریہ کلمات کی وجہ سے قتل کیا جائے گا۔ رہا اس کی توبہ کا معاملہ تو وہ مشیت الٰہی پر منحصر ہے جو دلوں کے حال سے واقف ہے خواہ

وہ اس توبہ کو قبول فرمائے یا رد فرمائے۔

اب رہا اس شخص کا معاملہ جس نے توبہ کا اظہار نہیں کیا اور جس سلسلہ میں اس کے بارے میں شہادت پیش ہوئی اس کا معترف بھی ہے اور اس پر قائم بھی رہا تو یہ شخص اپنے قول کی بنار پر کہ اللہ اور اس کے رسول کی حرمت کو حلال جان کر توہین کا ارتکاب کیا ہے کفراً قتل کیا جائیگا۔

اس کی تفصیلی بحث کے بعد جناب مصنف فرماتے ہیں کہ اے عزیز گرامی آپ کے لئے لازم یہ ہے کہ علمار اعلام کے فرمودات کو اس کی تفاصیل کے ساتھ قبول کریں اور وہ مختلف عبارتیں جو استدلال میں بیان کی گئی ہیں ان کو اختیار کریں اور وہ مختلف آرار جو وراثت وغیرہ کے بارے میں نقل ہوئی ہیں ان کا اجرار انہیں طرق پر کریں اس طرح انشاء اللہ صحیح مقصد تک رسائی حاصل ہو جائے گی۔

توبہ کی کیفیت اور اس کی مدت

ماسبق میں ہم نے یہ کہا ہے کہ اس کی (قائل) توبہ کس طرح درست ہوگی۔ درحقیقت اصل موضوع یہاں مرتد کی توبہ کا ہے جس میں کہ علمار مختلف الرائے ہیں کیونکہ مذکورہ دونوں باتوں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ البتہ اسلاف نے توبہ کی کیفیت اس کے وجوب اور اس کی مدت میں البتہ اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ جمہور علمار کا فرمانا یہ ہے کہ پہلے مرتد کو توبہ کرنے کے لئے کہا جائے لیکن ابن قصار فرماتے ہیں کہ طلب توجہ کے سلسلہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان اور طرز عمل کی تمام صحابہ سے تصدیق کی ہے اور اس قول فاروقی سے کسی نے اختلاف نہیں کیا اور یہی مسلک حضرت عثمان و ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا ہے اور اس قول سے حضرات اہل علم و اصحاب رائے مثلاً عطار ابن ابی رباح نخعی۔ امام مالک اور ان کے رفقار۔ امام اوزاعی۔ شافعی۔ احمد و اسحاق رضی اللہ عنہم نے بھی استناد کیا ہے۔

لیکن جناب طاؤس عبید بن عمیر اور حسن (بصری) نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایسے شخص سے توبہ نہ کرائی جائے اور اس قول کی تائید عبدالعزیز بن سلمہ نے کی۔ اور

اپنے قول کی دلیل میں حضرت معاذ بن جبل کا قول نقل کیا لیکن جناب سحنون نے فرمایا کہ جناب معاذ بن جبل سے ایسا کوئی قول منقول نہیں ہے۔ اور یہی طلب توبہ کی بات امام طحاوی نے امام ابو یوسف سے نقل کی ہے اور علمائے ظاہر کا مسلک بھی یہی ہے کہ اس کی توبہ عند اللہ تو کار آمد ثابت ہو گی لیکن اس توبہ کے سبب سے اس کے قتل کے حکم پر کوئی اثر نہ ہو گا اور اس کی دلیل سرور عالم علیہ السلام کا وہ ارشاد ہے من بدل دینہ فاقتلوہ جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کرو۔

اور جناب عطا سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر وہ شخص کفر میں پیدا ہوا تو اس سے توبہ طلب نہ کی جائے البتہ نو مسلم سے توبہ طلب کی جائے۔

مرتد مرد و عورت ایک حکم میں ہیں

جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ سزا کے معاملہ میں مرد و عورت کے لئے ایک ہی حکم ہے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ مرتد عورت کو قتل نہ کیا جائے البتہ اس کو باندی بنا لیا جائے اور یہی مسلک جناب عطا و قتادہ کا بھی ہے

مرتد کی سزا اور امام اعظم کا مسلک

امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ مرتد عورت کو اس کے ارتداد کی وجہ سے قتل نہ کیا جاتے۔ امام ابو حنیفہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول سے استناد فرمایا ہے اور امام مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ارتداد کی سزا میں آزاد مرد و عورت اور غلام مرد و عورتیں سب برابر ہیں۔

توبہ کی مدت

توبہ کی مدت کے سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اس شخص سے تین دن تک توبہ لی جائے اور ان ایام میں اس کو مقید رکھا جائے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے اختلاف بھی کیا گیا ہے۔

اور یہی مسلک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور اس کی تائید جناب احمد و اسحاق نے

بھی کی ہے اور اس مسلک کی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے امام مالک نے مزید فرمایا ہے کہ تاخیر وانتظار میں بھلائی مضمر ہے لیکن دوسرے اہل علم نے امام مالک کی رائے سے اتفاق نہیں کیا ہے

شیخ محمد مالک بن زید نے امام مالک کے قول کی تاویل کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے امام مالک کی مراد تین دن کی تاخیر ہے۔

امام مالک نے مرتد کی سزا کے بارے میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قول سے سند لی ہے کہ اس قائل کو تین دن محبوس رکھا جائے اور روزانہ اس کو اسلام کی جانب توجہ دلائی جائے اگر وہ اس تین دن کی مدت میں دوبارہ اسلام قبول کرے تو فبہا ورنہ ارتداد کے جرم میں قتل کر دیا جائے۔

وجوب و استحباب کا مسئلہ

جناب ابوالحسن بن قصار نے تین دن کی قید اور تاخیر قتل کے سلسلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال نقل فرماتے ہوئے سوال کیا ہے کہ تین دن کی تاخیر مستحب ہے یا واجب؟ ان سوالات کا جواب دیتے ہوئے جناب مصنف نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں امام صاحب موصوف سے دو روایتیں منقول ہیں لیکن اصحاب علم اور صاحب رائے حضرات نے اس قول کو ترجیح دی جس میں اس شخص کو تین دن قید رکھنے اور اس دوران اس سے توبہ کرانے کو پسند فرمایا ہے۔

جناب صدیق کا طرزِ عمل

خلیفہ اول جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایسی ہی ایک عورت کو توبہ کی ترغیب دی لیکن اس نے توبہ نہ کی تو جناب صدیق اکبر نے اس کو قتل کرا دیا لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس سے ایک مرتبہ توبہ کے لئے کہا جائے اگر وہ توبہ کر لے تو خیر ورنہ اس کو اسی جگہ قتل کر دیا جائے۔ جناب زہری نے بھی اس کی تائید کی لیکن امام زہری نے فرمایا کہ ایک مرتبہ نہیں بلکہ تین مرتبہ توبہ کی دعوت دی جائے اگر وہ توبہ کرے تو سبحان اللہ لیکن اگر وہ اپنی ضد پر قائم رہے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔

مدتِ توبہ اور جناب علی رضی اللہ عنہ

لیکن مذکورہ بالا تمام اقوال کے برخلاف حضرت

علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ اس کو توبہ کے لئے دو ماہ کی مدت کا موقع دیا جائے اور جناب نخعی نے مدت کا تعین ہی نہیں کیا۔ جناب ثوری نے فرمایا جب تک یہ امید ہو کہ یہ شخص توبہ کرے گا انتظار کیا جائے۔

ابن قصار اور قول امام اعظم

ابن قصار نے امام اعظم علیہ الرحمۃ کا قول اس طرح نقل کیا ہے کہ اس شخص سے تین دن تک روزانہ یا تین جمعہ تک ہر جمعہ کو ایک مرتبہ توبہ کے لئے کہا جائے

ابن قاسم نے امام محمد رضی اللہ عنہم کی کتاب کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ مرتد کو تین مرتبہ اسلام کی دعوت دی جائے اگر وہ اس پر بھی اپنے قول پر مصر رہے تو قائل کی گردن ماردی جائے۔

توبہ کی مدت کے دوران طرز عمل

فقہاء نے مہلت کے دوران اس شخص کے ساتھ طرز عمل کے سلسلہ میں بھی اختلاف کیا ہے آیا ان دنوں میں اس کے ساتھ زجر و توبیخ کی جائے یا نہیں؟ تاکہ وہ توبہ کرے۔ اس سلسلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں توبہ لینے کے سلسلہ میں ایسے شخص کو زجر و توبیخ ہی کا نہیں بلکہ کسی قسم کی تکلیف پہنچانے کا قائل نہیں بلکہ اس دوران اس کو غذا بھی ایسی دیجائے جو اس کے لئے مضرت رساں نہ ہو۔ جناب اصبغ نے فرمایا ہے کہ توبہ کی مدت کے دوران اس قائل کو قتل سے ڈرایا جائے اور تبلیغ اسلام کی جائے۔

جناب ابوالحسن قابسی نے لکھا ہے کہ اس شخص کو ان تین دنوں میں نصیحت کی جائے جنت کی ترغیب دی جائے اور عذاب جہنم سے ڈرایا جائے۔

جناب اصبغ فرماتے ہیں کہ اس کو قید خانہ میں رکھنے کے سلسلہ میں اختیار ہے خواہ اس کو قید تنہائی میں رکھا جائے یا دوسرے قیدیوں کے ساتھ خواہ اس کو پابند سلاسل کیا گیا ہو یا نہیں۔

زندیق کے مال کا مسئلہ

اگر قائل کے مال کے تلف ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اس کو نہ چھیڑا جائے البتہ اس کے کھانے پینے کے اخراجات اس

کی رقم سے کئے جائیں اور اس مدت میں اس کو توبہ کی ترغیب دی جاتی ہے اور لیکن اگر وہ بار بار توبہ کے بعد ارتداد کے جرم کا ارتکاب کرے تو اس سلسلے میں دوبارہ اور سہ بارہ توبہ کرائی جائے اور اس بات کا ثبوت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے ملتا ہے کہ آپ نے بنہان سے چار پانچ مرتبہ توبہ کرائی اور وہ بار بار ارتداد کے جرم کا مرتکب ہوتا رہا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ابن وہب سے مروی ہے کہ جناب امام نے فرمایا کہ جب بھی وہ شخص اس جرم کا ارتکاب کرے اس سے توبہ کرائی جائے اور اس کی تائید امام شافعی و احمد رضی اللہ عنہم نے فرمائی ہے اور اس قول کو ابن قاسم نے اپنی تائید میں نقل کیا ہے۔

توبہ کتنی مرتبہ کرائی جائے

لیکن ابن اسحاق نے فرمایا کہ تین مرتبہ تو اس شخص سے توبہ کرالی جائے لیکن چوتھی بار اگر پھر وہ اس جرم کا ارتکاب کرے تو اس شخص کو قتل کر دیا جائے اور مجتہدین کرام نے فرمایا ہے کہ اگر ایسا شخص چوتھی مرتبہ توبہ نہ کرے تو بدون توبہ اس کو قتل کر دیا جائے لیکن اگر توبہ نہ کرے تو اس کو خوب مارا پیٹا جائے اور اس وقت تک قید رکھا جائے جب تک کہ اس کی جانب سے صدق دل سے توبہ کا یقین ہو جائے۔

ابن منذر نے فرمایا کہ میری نظر میں ایسا کوئی مفتی، عالم و قاضی نہیں گذرا جس نے پہلی خطا پر توبہ کے باوجود مرتد کو سزا دی ہو اور یہی مسلک امام ابو حنیفہ۔ امام مالک امام شافعی اور دوسرے ائمہ احناف کا ہے۔

(۲) عدم شہادت یا مکمل شہادت کا حکم

مذکورہ بالا ابحاث اس شخص کے بارے میں تھیں جس کے متعلق الزام ثابت ہو چکا ہے۔ خواہ وہ شہادت سے ہو یا مجرم نے خود اقرار کیا ہو۔ اب اس صورت کا جائزہ لیں جس میں کہ شرعی شہادت سے ثبوت جرم نہ ہوا ہو مثلاً اس جرم کا ایک شخص ہی گواہ ہو (یا شاہد عادل نہ ہو) یا مجرم کا قول احتمال کی گنجائش رکھتا ہو۔ صریح نہ ہو وغیرہ وغیرہ۔ اس مجرم نے توبہ کرلی ہو اور اس کی توبہ منظور بھی کرلی گئی ہو تو اس سے سزا قتل رفع ہو جائے گی۔ اس شخص کے متعلق فیصلہ

دینے سے قبل اس شخص کی ذاتی شہرت اس کے حالات تدین ۔ ثقاہت اور دوسری حیثیات کو مدنظر رکھ کر اس کے متعلق اپنے اجتہاد رائے سے کوئی فیصلہ کرنیکا مجاز ہوگا ۔ امام اس شخص کو ویسی قید کی سخت سزا دینے کا مجاز ہوگا جس کو کہ مجرم برداشت مگر سکے اگر امام نے اس کو پابند سلاسل کرنے کا حکم دیا ہے تو اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ وہ ضروریات نفسانی قضائے حاجت وغیرہ کے علاوہ نماز میں قیام وقعود کر سکے ۔

واجب القتل شخص کے لئے حکم

اور یہی طرز عمل اس واجب القتل کے لیئے روا رکھا جائے گا جس کے قتل کی سزا کے اجرا میں کوئی عذر مانع ہو یا تاخیر کا کوئی سبب پیدا ہو جائے لیکن یہ بات توجہ طلب ہے کہ ایسے شخص کے معاملہ میں خیالات کے تقاضوں کے ماتحت سزا وجزا کے احکام میں سختی و نرمی روا رکھی جائے گی ۔

امام مالک اور اوزاعی کے اقوال کو جناب ولید نے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ (زیر بحث) قول ارتداد کے حکم میں شامل ہے لیکن اگر قائل اپنے قول سے رجوع کرے تو اس کو سزا دی جائے

امام مالک کا ایک اور قول امام محمد نے اپنی تصنیف میں اور جناب عقبہ نے جناب الشہب کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ جب رند توبہ کرے تو اس پر مواخذہ نہیں اور اسی قول کی تائید جناب سحنون نے بھی کی ہے ۔

شاتم نبی کو سزا کس طرح دی جائے

ایک شخص نے بارگاہ نبوی میں گستاخی کی اس کی گستاخی کی شہادت دو آدمیوں نے دی جن میں ایک شخص تو معیار شہادت پر پورا اترتا تھا (اور دوسرا نہیں) جب اس شخص کے بارے میں جناب ابو عبداللہ عتاب سے فتویٰ طلب کیا گیا تو موصوف نے فرمایا کہ اس کو قید کیا جائے اور اس وقت تک شدید سزائیں دی جائیں جب تک کہ وہ توبہ کی طرف راجع نہ ہو ۔

شاتمان رسول کو سزائیں

جناب قابسی نے بھی اسی قول کی تائید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر کسی گستاخ کو قتل کی سزا دی گئی ہو اور کسی وجہ سے سزا قتل کی

سزا دی گئی ہو اور کسی وجہ سے سزا قتل میں اشکال واقع ہوا اور سزائے قتل نہ دی جاسکتی ہو تو ایسی حالت میں تو اس کو حوالات[1] سے نہ چھوڑا جائے بلکہ اس کو سخت ترین سزا دی جائے اور قید کی مدت بھی طویل کر دی جائے اور پابند سلاسل بھی کر دیا جائے یہاں تک کہ دوسروں کو معلوم ہو جائے کہ اس شخص کو کس جرم میں سزا دی جا رہی ہے۔

جناب قابسی نے یہ بھی فرمایا کہ جب تک معاملہ صاف اور واضح شکل میں ظاہر نہ ہو سزائے قتل دینے میں جلدی نہ کی جائے البتہ اس کو حوالات میں سخت ترین سزا دی جائے تاکہ حقیقت کھل کر سامنے آ جائے۔ جناب قابسی کا یہ قول بھی منقول ہے کہ کوڑوں اور قید کی سزا تو بیوقوفوں اور احمق لوگوں کے لئے ہے ایسوں کو تو شدید ترین سزا دی جانی چاہیئے (جو دوسروں کے لیے عبرت کا سبب بنے۔)

حاکم کو احتیاط کا حکم

سزا دیتے وقت حاکم کو یہ بات مدنظر رکھنی چاہیئے کہ مجرم کے خلاف گواہی دینے والے وہ لوگ نہ ہوں جنکی مجرم سے سابقہ دشمنی ہو اور انہوں نے سابقہ عداوت کی وجہ سے اس کی شکایت کی ہو اور اس کے خلاف قضیہ بنایا ہو۔ ایسی حالت میں ان گواہوں سے خوب جرح کی جائے اور اگر ان دونوں گواہوں کے علاوہ اور کوئی شخص مجرم کے جرم کی شہادت دینے والا نہ ہو تو ان گواہوں کی شہادت مجروح تصور کی جائے گی اور یہ تصور کیا جائے گا کہ اس جرم کا کوئی گواہ ہے ہی نہیں لہٰذا اس شخص پر فرد جرم (قتل یا سزا) باطل متصور ہو گی۔

لیکن اگر مجرم کے متعلق یہ بات معلوم ہے کہ وہ غیر ذمہ دارانہ حرکات کا مرتکب ہوتا رہا ہے یا اس سے ایسی حرکت متوقع ہے تو ایسی شکل میں ان دونوں گواہوں کی شہادت کو ان کی دشمنی یا جرح کے باوجود مسترد نہیں کیا جائے گا البتہ ایسی حالت میں قتل کا حکم دینے میں احتیاط برتی

---

[1] اصطلاح میں حوالات اور قید خانہ میں فرق ہے کہ زیر سماعت قیدی بہ مدت حبس حوالات میں کہی جاتی ہے اور فیصلہ کے بعد جب یہ سزا سنا دی جاتی ہے تو اب اس کو قید کہا جاتا ہے حالانکہ بعض زیر سماعت قیدی بھی احاطہ جیل میں بند کئے جاتے ہیں (مترجم)

جائے گی اور گواہوں کی شہادت پر سچائی کا گمان باقی رہے گا اب اس حالت میں حاکم مجاز اپنی صوابدید کے مطابق سزا و جزا کا فیصلہ کرنے کا مجاز ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نیکی کی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

ذمی کو سب و شتم کی گستاخی کی سزا

(نام نہاد) مسلمان اگر بارگاہ نبوت میں گستاخی کا ارتکاب کرے اس کے بارے میں گزشتہ فصل میں احکام شرعی کو بیان کیا گیا ہے لیکن اگر ذمی ایسی حرکات کا ارتکاب کرے اور بارگاہ نبوی میں گستاخی کا مرتکب ہو خواہ وہ کسی انداز سے ہو سوائے اس کے کہ وہ وجہ قائل کے وجہ کفر کے علاوہ ہو اس قائل کے قتل میں ہمارے (جناب مصنف کے) نزدیک کوئی وجہ اختلاف نہیں ہے بشرطیکہ وہ مشرف بہ اسلام نہ ہوا ہو کیونکہ ہم نے اس سلسلہ میں اِس سے نہ کوئی عہد کیا ہے اور نہ کوئی ذمہ داری قبول کی ہے اور یہی مسلک تمام علماء سوائے امام اعظم سفیان ثوری اور ان کے شاگردوں کا ہے۔

ذمی کے عدم قتل پر علمائے احناف کی دلیل

گستاخ اور شاتم ذمی کے قتل کا حکم نہ کرنے کی وجہ علمائے احناف نے یہ بتائی کہ وہ جس شرک و کفر پر قائم ہے وہ وجہ سب و شتم سے بھی زیادہ ہے لیکن ایسے لوگوں کو شتر بے مہار کی طرح نہ چھوڑا جائے گا بلکہ ان کو تادیب و تعزیر ضرور کی جائے گی۔

حکم قتل پر علمائے مالکیہ کی دلیل

جناب مصنف فرماتے ہیں کہ ہمارے علمائے مالکیہ نے ایسے گستاخ ذمی کے قتل کے حکم پر قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

و ان نکثوا ایمانکم من بعد عھدھم و طعنوا فی دینکم (پ ۱۰ ع ۸)	اور اگر وہ اپنی قسموں کو توڑیں اور عہد شکنی کر کے آپ کے دین کے بارے میں بدگوئیاں کریں۔

اس آیت قرآنی کے علاوہ ان علمائے مالکیہ نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی استدلال

کیا ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کعب بن اشرف کو اس کی گستاخیوں کی وجہ سے قتل کروایا تھا اور اس گستاخ کے علاوہ اور دوسرے گستاخ بھی تعمیل حکم نبوی میں قتل کئے گئے تھے یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ ہم نے گذشتہ سطور میں یہ کہا تھا کہ ہم نے اس سلسلہ میں ان ذمیوں سے نہ کوئی معاہدہ کیا ہے اور نہ کوئی ذمہ داری قبول کی ہے اور ان حالات میں ہمارے لئے یہ مناسب بھی نہ تھا کہ ہم ان سے کوئی معاہدہ کرتے یا کوئی ذمہ داری قبول کرتے لہذا جب وہ ایسی حرکت کے مرتکب ہوئے جس کے بارے میں کوئی معاہدہ نہیں کیا گیا تھا اور نہ کوئی ذمہ داری قبول کی گئی تھی لہذا وہ لوگ سب و شتم کر کے ایک ذمی کی حیثیت سے معاہدہ شکنی کے مرتکب ہو کر حربی کفار کی طرح ہو گئے اور ان کو ان کے کفر کی وجہ سے قتل کیا جا سکتا ہے۔

قتل کے حکم پر ایک اور دلیل

اس کے علاوہ ایک بات اور وجوہ قتل کے لئے کافی ہے کہ ان گستاخوں کا ذمی ہونا حکومت کے اسلامی احکام کو ان سے ساقط نہیں کرتا بلکہ ان پر اس گستاخی کی وجہ سے شرعی احکام و حدود نافذ ہوں گے جس طرح کہ چوری کے سلسلہ میں ہاتھ کاٹا جانا اور قتل کے بدلے میں قتل و قصاص کے احکام جاری کئے جائیں گے خواہ اس کے مذہب میں وہ باتیں جائز و روا ہی کیوں نہ ہوں اور اس کے مطابق شاتم پر حکم نافذ کیا جائے گا اور اس گستاخی کی بناء پر گستاخ ذمی کو قتل کر دیا جائے گا۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء (مالکیہ) سے بعض روایتیں ایسی بھی ملتی ہیں جو مقتضیٰ کے خلاف ہیں کوئی ذمی اگر ناز یبا کلمات کہے اور حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ایسے انداز میں کرے جو اہانت کا پہلو لئے ہوئے ہوں اور وہ کلمات کفر کو ظاہر کرتے ہوں یا اس عقیدہ کو ظاہر کرے جس عقیدہ کی بناء پر وہ کفر پر قائم ہے، مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں میں اس سلسلہ میں ابن سحنون اور ابن قاسم کے اقوال بعد میں ذکر کروں گا۔ اس سے پہلے ابو مصعب نے علماء مدینہ کے جو اقوال نقل کئے ہیں اس سے بھی مختلف آراء کا اظہار ہوتا ہے اس کے علاوہ فقہ مالکیہ کے علماء نے ایک اختلافی صورت اس طرح بیان کی ہے کہ اگر کسی ذمی نے بارگاہ رسالت میں گستاخی کی اور بعد میں مشرف بہ اسلام ہو گیا

تو بعض حضرات کے نزدیک اس کو اس لئے قتل نہ کیا جائے گا کہ اسلام ماسبق کی کوتاہیوں اور غلطیوں کو ختم فرما دیتا ہے لیکن اس کے برخلاف اگر کوئی (نام نہاد) مسلمان بارگاہ رسالت میں گستاخی کا مرتکب ہوا تو وہ ضرور سزایاب ہوگا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کافر کی ظاہری و باطنی حالت تو ہمیں معلوم ہے کہ اس کے قلب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عقیدت و محبت نہیں ہے بلکہ بغض و عناد پوشیدہ ہے لیکن ہم نے اس بغض و عناد سے اسے روک رکھا ہے اور اس کے اس اظہار نے مخالفت امر اور نقض عہد کو ظاہر کیا ہے اب جب کہ وہ اپنے سابقہ دین سے اسلام کی جانب رجوع ہوا تو اس سے اس کے وہ گناہ ساقط ہو گئے جو اس نے دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے قبل کئے تھے اور اس بارے میں قرآن میں اس طرح فرمایا گیا ہے۔

قل الذین کفروا ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف (پ ۹ ع ۱۹)

اے محبوب آپ فرما دیجئے ان کافروں سے کہ اگر یہ کافر اپنی (انتہا پسندی) سے باز آ گئے تو ان کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

لیکن مسلمان (گستاخ) کے معاملہ میں حالات اس کے برخلاف ہیں کیونکہ اس کے متعلق ہمارا گمان ہی نہیں بلکہ یقین یہ ہے کہ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہوگا۔ لیکن حالات اس کے برخلاف ظاہر ہوئے لہٰذا ہم اس کے ظاہر رجوع (توبہ) کو منظور نہ کرتے ہوئے اس کے باطن پر بھی اطمینان نہیں کریں گے کیونکہ اس کے دل کا حال (اور اس میں چھپا ہوا چور) ظاہر ہو گیا لہٰذا اس بارے میں اس پر جن احکام کا اجراء ہوتا ہے وہ باقی رہیں گے اور کسی طرح بھی وہ احکام اس سے ساقط نہ ہوں گے۔

گستاخ ذمی کا اسلام قبول کرنا

بعض محققین تو یہ فرماتے ہیں کہ گستاخ ذمی اگر اسلام بھی لے آئے تو حکم قتل اس سے مرتفع نہ ہوگا کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے جو اس پر حرمت نبوی کے نہ کرنے، حضور علیہ السلام کی تنقیص (توہین) اور حضور علیہ السلام کی اذیت کی وجہ سے واجب ہوا ہے لہٰذا اس کا قبول اسلام اس وجوب

حرمت کو ختم نہ کرے گا اور اس کو اس بات پر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اگر اس ذمی کے ذمہ کسی مسلمان کا حق بسلسلہ قتل یا قذف کے سلسلہ میں واجب تھا تو وہ بعینہٖ اسلام کے بعد بھی واجب رہے گا اور ایک اور بات بھی توجہ طلب ہے کہ جب ہم اس گستاخی کے بارے میں اپنے مسلمان سے درگذر نہیں کرتے تو پھر کافر کو کس طرح معاف کر دیں گے۔

گستاخ ذمی کے بارے میں امام مالک کا قول

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ابن حبیب مبسوط میں ابن قاسم۔ ابن ماشجون۔ ابن عبدالحکیم۔ ابن اصبغ سے کہا ہے کہ اگر کسی ذمی نے انبیاء علیہم السلام یا کسی ایک نبی کے بارے میں کوئی گستاخی کا کلمہ کہا تو اس کو قتل کیا جائے مگر یہ کہ وہ اسلام لے آئے اور اس رائے کا اظہار ابن قاسم نے اپنی کتاب عتیبہ میں کیا ہے اور اس کی تائید محمد ابن المواز اور ابن سحنون نے کی ہے لیکن جناب سحنون اور اصبغ نے کہا کہ اس گستاخ سے نہ تو اسلام لانے کو کہا جائے گا اور اس پہ کفر پر استقرار کے بارے میں کچھ کہا جائے بلکہ اگر وہ اسلام لے آئے تو یہ اسلام اس کی توبہ کے مترادف ہوگا

لیکن جناب محمد (ابن المواز) نے اپنی کتاب میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ان کے رفیق علماء کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر اگر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور نبی کی بارگاہ میں گستاخی کا ارتکاب کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ بھی قبول نہ کی جائے جناب مصنف فرماتے ہیں کہ میری تحقیق کے مطابق امام مالک کے قول میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اگر وہ کافر اسلام لے آئے تو اس کو قتل نہ کیا جائے۔)

شاتم رسول اور جناب ابن عمر

ابن وہب نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک قول نقل کیا ہے کہ ایک راہب نے سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں گستاخی کی جب جناب ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے اس کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ سامعین نے اس کو قتل کیوں نہیں کیا۔

انکار بعثت محمدی علیہ التحیۃ والثنا: عیسیٰ بن معین نے ابن قاسم کا ایک قول اس شخص (یہودی یا

نصرانی کے بارے میں نقل کیا ہے کہ اس نے کسی سے یہ کہا کہ جناب نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم ہماری جانب نہیں بلکہ تمہاری جانب مبعوث فرمائے گئے تھے۔ ہماری جانب تو حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہم السلام مبعوث فرمائے گئے تھے یا اسی قسم کی کوئی اور بات کہی ابن قاسم نے فرمایا ہے کہ ایسا کہنے والے پر کوئی مواخذہ نہیں کیونکہ اللہ رب العالمین نے اس کو اس عقیدہ پر قائم و قرار رکھا ہے لیکن اگر اس قائل نے یہ بکواس کی کہ معاذ اللہ سرکار دو عالم علیہ السلام نہ تو نبی ہیں اور نہ رسول یا قرآن کا نزول آپ کی ذات اقدس پر نہیں ہوا یا اسی طرح کی کوئی اور گستاخی کی تو اس قائل کو ضرور قتل کیا جائے گا۔

امام مالک کا قول اور ابن قاسم کی تحقیق

ابن قاسم فرماتے ہیں کہ میری تحقیق یہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول الا ان یسلم مگر یہ کہ وہ گستاخ اسلام قبول کرے) اس پر محمول کیا جائے گا کہ وہ گستاخ اور دریدہ دہن برضا و رغبت اسلام قبول کر لے۔

ابن سحنون کا ایک یہودی کے بارے میں فتویٰ

ابن سحنون نے سلیمان بن سالم کے سوال کے جواب میں اس یہودی کے بارے میں فرمایا جس نے اشہد ان محمدا رسول اللہ کے جواب میں کہا کہ تو نے جھوٹ بولا تو اس کو سخت ترین سزا دی جائے جس سے وہ شدید تکلیف و اذیت سے ہمکنار ہو اور طویل قید میں رکھا جائے۔

محمد بن سحنون کی ایک اور روایت امام مالک رحمۃ اللہ سے نوادر میں اس طرح ملتی ہے کہ کوئی یہودی یا نصرانی اگر کسی نبی کی بارگاہ میں اپنے کفر کی وجہ کے علاوہ اور کسی وجہ سے گستاخی کا ارتکاب کرے تو اس کی گردن اڑا دی جائے ماسوا اس کے کہ وہ اسلام لے آئے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

یہاں اگر کوئی معترض یہ اعتراض کرے کہ ہم نے اس شخص کو جس نے بارگاہ نبوی میں گستاخی کی تھی کیوں قتل

کیا حالانکہ اس کے دین میں بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب داخل بلکہ جزء دین بھی ہے اور اس نے اپنے دین کے احکام کے مطابق کوئی غلط کام بھی نہیں کیا۔

اعتراض کا جواب

اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ ہم نے اس کافر سے اس بات کا نہ تو عہد کیا تھا اور نہ اس کی ذمہ داری لی تھی اور نہ ایسا کوئی معاہدہ عمل میں آیا کہ وہ ہمیں قتل کرے یا ہمارا مال چھین لے تو ہم اس سے کسی قسم کا کوئی مواخذہ نہ کریں۔ اسی طرح کوئی کافر اگر کسی مسلمان کو قتل کرے گا تو اس کے بدلے میں اس کو ضرور قتل کیا جائے گا اگرچہ اس کا فعل اس کے دین کے احکام کے مطابق ہی کیوں نہ ہو اور یہی حکم اس شخص کے بارے میں ہے جو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گستاخی کرے کیونکہ بارگاہ نبوت میں سب و شتم بھی موجب قتل ہے

مشروط جزیہ اور حربی کفار

جناب سحنون نے فرمایا کہ ہمارے (مسلمانوں) کے لیے کسی طرح یہ جائز نہیں کہ وہ کفار سے اس شرط پر صلح کریں کہ ان کو بکواس کرنے اور بارگاہ رسالت میں گستاخیاں کرنے کی کھلی چھٹی دے دیں۔ اسی طرح ذمی بھی اگر بارگاہ رسالت میں گستاخی کا مرتکب ہوگا تو اس سے بھی معاہدہ ختم ہو جائے گا اور مسلمان کے لئے اس گستاخی پر اس کا خون حلال ہو جائے گا اور جس طرح کسی گستاخ مسلمان کا اسلام گستاخی کی وجہ سے اس کو قتل کی سزا سے نہیں بچاتا اس طرح "ذمہ" بھی اس کو گستاخی کی سزا سے نہیں روک سکتا۔

ابن سحنون اور جناب مصنف کی تحقیق

مصنف کتاب فرماتے ہیں کہ ابن سحنون نے جو اقوال مذکورہ بالا اپنی تحقیق یا اپنے والد کے حوالہ سے نقل کئے ہیں وہ محل نظر ہیں اور ابن قاسم کے اس قول کے خلاف ہیں جس میں کہ انہوں نے ایسے گستاخ کی سزا میں تخفیف کا ذکر کیا ہے جبکہ وہ قول نہیں اقوال میں سے ہو جن کے سبب سے وہ کافر تھا (اور اس قائل پر کفر کے احکام جاری کئے گئے تھے) لہٰذا ہمیں ابن سحنون کے قول پر غور و فکر کرنا چاہیئے۔

ابو مصعب زہری کا رویہ

جناب ابو مصعب زہری نے فرمایا کہ میرے پاس ایک نصرانی

آیا اور دوران گفتگو اس نے یہ کلمہ کہا کہ اس خدا پاک کی قسم جس نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کو ختم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت عطا فرمائی۔ حاضرین یہ کلمات سن کر مشتعل ہو گئے اور اس کو سخت سزا دینی چاہی بعض نے سزا کے سخت و نرم ہونے میں اختلاف بھی کیا لیکن مَیں نے اس گستاخ کو اتنا مارا کہ شاید وہ وہیں مر گیا یا ایک دن و رات زندہ رہ کر مرا مَیں نے لوگوں سے کہا کہ اس کی لاش گھسیٹ کر کوڑے گھر پر ڈال دو الغرض ایسا ہی کیا گیا اور کتوں نے اس کی لاش کو تکہ بوٹی کر دیا۔

جناب ابو مصعب سے استفتا

جناب ابو مصعب کی خدمت میں ایک مستفتی آیا اور اس نے یہ معلوم کیا کہ اس نصرانی کے بارے میں کیا حکم ہے جو یہ کہتا ہے کہ (معاذ اللہ) حضرت عیسیٰ نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق فرمائی ہے یہ سوال سن کر جناب ابو مصعب نے فرمایا کہ اس کی گردن مار دی جائے۔

گستاخ بارگاہ رسالت اور امام مالک کا فتویٰ

ابن قاسم نے فرمایا کہ ہم نے امام مالک رضی اللہ عنہ سے ایک نصرانی کے بارے میں فتویٰ طلب کیا۔ ایک بدبخت گستاخ کے بارے میں یہ بات شہادت سے ثابت ہو گئی کہ اس نے (خاکم بدہن معاذ اللہ) یہ بکواس کی کہ "وہ مسکیں محمد تمہیں اطلاع دیتا ہے کہ وہ جنت میں ہے اور اس حالت میں ہے کہ وہ اپنی ذات کو بھی فائدہ نہ پہنچا سکا۔ اس لئے کہ کتے اس کی پنڈلیوں کو کھاتے تھے اور اگر وہ اس کو قتل کر ڈالتے تو لوگ اس سے راحت پاتے" معاذ اللہ

ان خرافات کو سن کر امام مالک نے فرمایا کہ اس کی گردن اڑا دی جائے ان کلمات کے بعد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ مَیں اس سلسلہ میں کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا لیکن (میری غیرت و حمیت نے یہ کلمات سننا گوارا نہ کیا) اور مجھے خیال ہوا کہ اس معاملہ میں خاموش رہنا غلط ہے۔[1]

---

[1] اگر بینم کہ نابینا و چاہ است، اگر خاموش بنشینم گناہ است یہ حکم دے کر امام مالک نے مستقبل میں آنے والوں کے لئے راہ ہموار کر دی کہ گستاخ بارگاہ نبوی کو کسی حالت میں بھی معاف نہیں کیا جا سکتا۔ (مترجم)

ابن کنانہ کا حکام کو مشورہ

مبسوط میں ابن کنانہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی یہودی یا نصرانی بارگاہ رسالت میں گستاخی کا مرتکب ہو تو میں حاکم وقت کو مشورہ دیتا ہوں اور ہدایت کرتا ہوں کہ ایسے گستاخ کو قتل کر کے اس کی لاش کو پھونک دیا جائے یا براہِ راست آگ میں جھونک دیا جائے۔

ابن قاسم کے فتویٰ کی تصدیق

ابن قاسم فرماتے ہیں کہ امام مالک سے مصر سے ایک فتویٰ طلب کیا گیا جس میں میرے اس فتویٰ کے بارے میں جس میں کہ میں نے شاتم رسول علیہ السلام کے قتل کا حکم دیا تھا تصدیق پائی گئی تھی۔ اس فتویٰ کے جواب میں امام مالک نے مجھے ہی اس فتویٰ کا جواب لکھنے کا حکم دیا چنانچہ میں نے یہ جواب لکھا کہ ایسے شخص کو عبرت ناک سزا دی جائے اور اس کی گردن اڑا دی جائے یہ کلمات کہہ کر میں نے امام مالک سے عرض کیا کہ اے ابو عبداللہ (امام مالک کی کنیت) اگر اجازت ہو تو یہ بھی لکھ دیا جائے کہ قتل کے بعد اس کی لاش کو جلا دیا جائے یہ سن کر امام مالک نے فرمایا یقیناً وہ گستاخ اسی بات کا مستحق ہے اور یہ سزا اس کے لئے مناسب ہے۔ چنانچہ یہ کلمات میں نے امام صاحب موصوف کے سامنے ان کے ایما پر لکھ دیئے اور اس سلسلہ میں امام صاحب نے کسی مخالفت کا اظہار نہ کیا اور نہ ان کلمات کے سلسلہ میں کچھ کہا چنانچہ یہ کلمات لکھ کر میں نے فتویٰ روانہ کر دیا اور اس فتویٰ کی روشنی میں اس گستاخ کو قتل کر کے اس کی لاش کو جلا دیا گیا۔

شاتم رسول اور علمائے اندلس

جناب مصنف فرماتے ہیں کہ اندلس کے اسلاف علماء میں سے عبیداللہ بن یحییٰ اور ابن لبابہ نے اس نصرانیہ کے بارے میں اس نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور جناب عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے انکار کیا تھا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تکذیب کی تھی۔ یہ فتویٰ دیا کہ اگر یہ مسلمان ہو جائے تو فبہا ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ متاخرین علماء میں بکثرت اہل علم حضرات مثلاً قابسی اور ابن کاتب نے بھی اسی خیال کی تصدیق کی ہے۔

گستاخ کی توبہ قبول نہ کی جائے

ابو القاسم جلاب نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے کہ جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی شان میں گستاخی کی اس گستاخ کے رجوع و انابت کو قبول نہ کیا جائے بلکہ اس کو قتل کر دیا جائے۔

قاضی ابو محمد نے بیان کیا کہ اگر کسی ذمی نے بارگاہ نبوی میں گستاخی کی اور اس کے بعد مسلمان ہو گیا تو اس کے بارے میں اہل علم حضرات نے اختلاف کیا ہے بعض تو اس کو معاف کرنے کے حق میں ہیں اور بعض حضرات نے اس کی سزا کو برقرار رکھا ہے۔

جو حضرات سزا کو برقرار رکھتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ حد قذف اور ایسی ہی دوسری حدود حقوق العباد سے متعلق ہیں اور اسلام قبول کرنے سے صرف حقوق اللہ معاف ہوتے ہیں اور حدود قذف وغیرہ چونکہ بندوں کے حقوق سے متعلق ہیں خواہ وہ حضرات انبیاء ہوں یا غیر نبی یہ حقوق نبی باقی رہتے ہیں لہٰذا اگر کوئی ذمی کافر بارگاہ رسالت میں گستاخی کا مرتکب ہو اور اس کے بعد اسلام لے آئے تو حدِ قذف باقی رہے گی۔

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ اس گستاخ کے لئے کس قسم کی سزا کا حکم دیا جائے آیا حرمت نبوی کا لحاظ نہ کرنے کی وجہ سے اس پر حد قذف واجب ہو گی کیونکہ حرمت نبوی کا لحاظ ہر حالت میں ضروری اور لازمی ہے یا اس گستاخ کے اسلام لانے کی وجہ سے سزائے قتل ختم ہو جائے گی یا اس گستاخ کے حد قذف کی سزا میں اسی کوڑے لگائے جائیں گے۔

تیسری فصل

کفریہ مقولہ جات کا بیان

وہ اقوال کفریہ ہیں یا جن کے کفریہ ہونے کے بارے میں علماء نے توقف فرمایا یا ان کے بارے میں مختلف آراء کا اظہار فرمایا ہے کہ کون سا جملہ کفر کے حکم میں ہے اور کونسا نہیں۔

یہاں یہ بات توجہ طلب ہے کہ علماء کے مختلف الخیال ہونے کا سبب انہی علماء کی وہ

وہ تحقیق ہے جو محققین کے ان اقوال کے مطالعہ کے بعد نظر میں آئی ہے جو شبہات کے ازالہ کے لئے انھوں نے کئے ہیں یہ تمام کے تمام وہ احکام شرعیہ پر مبنی ہیں اور ایسے معاملات میں ان مقدس حضرات نے عقلی گھوڑے دوڑانے سے احتراز فرمایا ہے۔

کفریہ کلمات کی تشریح جناب مصنف فرماتے ہیں کہ ہر وہ جملہ جس میں وحدانیت ربوبیت کی صراحت کے ساتھ نفی کی گئی ہو یا وہ جملہ غیر اللہ کی پرستش یا اس سے (عبادت میں) غیر اللہ کی شرکت کی تصور بھی ہوتا ہو تو ایسا جملہ کفریہ ہوگا۔

اس سلسلہ میں مثال کے طور پر دہریوں کے اقوال اور ان کے علاوہ وہ فرقے اور مذاہب جو دو معبودوں کا تصور رکھتے ہیں جیسے دیصانیہ[1] اور مانویہ[2] اور دوسرے فرقوں کے متبعین۔ صابئین نصاریٰ اور مجوس وغیرہ پیش کیے جارہے ہیں ان کے علاوہ دوسرے لوگ جو بت پرستی، فرشتوں کی پرستش شیاطین کی پوجا۔ سورج، ستاروں یا آگ کے پوجنے یا غیر اللہ کی متابعت کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج اور مشرک ہوئے اور ان میں مشرکین عرب۔ ہندو۔ چینی اور سوڈانی وغیرہ شمار کیے جاسکتے ہیں اور یہ لوگ کسی (الہامی) کتاب کی جانب راجع نہیں لیکن قرامطہ۔ حلول و تناسخ کے قائل ہیں جن کا شمار روافض کے باطنیہ اور طیارہ کے فرقوں میں سب ہے۔

رب العالمین کے متعلق اعتقاد ایک شخص اللہ کی وحدانیت کا قائل تو ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ (زندہ) نہیں یا غیر قدیم وحادث ہے یا اللہ کی شکل وصورت ہے یا کارخانہ قدرت میں اللہ کا کوئی شریک ہے یا اس کی صفت لم یلد ولم یولد کا قائل نہیں ہے یا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ رب العالمین کے سوا بھی کوئی شئے ازل سے قدیم ہے یا اس کے ذہن میں یہ اعتقاد ہے کہ جہان

---

[1] اس فرقہ کا بانی ایک مجوسی یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ نور زندگی سے ہے موت کو تاریکی سے تعبیر کرتا تھا۔ [2] مانویہ فرقہ کا بانی بھی ایک مدعی نبوت مجوسی تھا جو نور کو خالق خیر اور تاریکی کو خالق شر سے تعبیر کرتا تھا۔

کی خلقت اور اس کو چلانے میں اللہ رب العالمین کا کوئی اور بھی شریک کار ہے یا بعض فلسفہ الٰہیات کے متبع حضرت کے اقوال۔ منجموں کی باتیں یا نیچریوں کی جد تیں ایسے اقوال تمام کے تمام کفر کے حکم میں شامل ہیں اور انفرادی چیز نہیں ہے نیز ایسے اقوال کے کفریہ ہونے پر امت پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ اللہ رب العالمین کے ساتھ کوئی بیٹھا ہے یا وہ رب کریم کی جانب صعود کرتا ہے یا رب تعالیٰ اس کے ساتھ اس طرح مکالمہ کرتا ہے جیسے (نعوذ باللہ) دو انسان آپس میں گفتگو کرتے ہیں، نصاریٰ۔ باطنیہ، قرامطہ اور بعض متصوفہ کے خیال کے مطابق رب کریم کسی شخص میں حلول فرماتا ہے۔ یہ تمام تخیلات کفر کے زمرہ میں شامل ہیں اور ایسا اعتقاد رکھنے والا دائرہ اسلام سے خارج اور کافر ہے۔

قدم عالم سے متعلق عقیدہ

اگر کوئی شخص عالم کے قدیم ہونے کا قائل ہو یا یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ عالم ابدی ہے یا فلاسفہ اور دہریوں کی طرح عالم کی ابدیت یا قدم کے سلسلے میں پختہ عقیدہ نہ رکھتا ہو بلکہ شک کرتا ہو جب بھی اس کے کفر میں کوئی تردد نہیں۔

تناسخ

اگر کوئی شخص تناسخ ارواح کا قائل ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ انتقال ارواح کے نتیجہ میں عذاب و ثواب روح کی بالیدگی اور اس کی کثافت کی وجہ سے ہوتا ہے اور نعمتوں کی عطا اور پریشانی کی وجوہ بھی روح کی کیفیت کے مطابق ہوتی ہیں۔

نبوت و رسالت کا اعتراف نہ کرنا

اگر کوئی شخص اللہ کی وحدانیت اور اس کی الوہیت کا معترف تو ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ نبوت کے سلسلہ میں عموماً اعتراف نہ کرتا ہو، یا سید عالم علیہ السلام کی نبوت و رسالت یا کسی اور نبی کی نبوت کا منکر ہو جن کی نبوت کے بارے میں نص قطعی موجود ہے اور علم کے باوجود وہ اعتراف نبوت نہیں کرتا تو ایسا شخص بلا تردد کافر ہے اور ایسے لوگ برملا یہود و نصاریٰ میں سے ہیں۔

جناب جبریل نے وحی غلط پہنچادی

بعض لوگ ایک عجیب و غریب عقیدہ رکھتے ہوئے بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے

اور کہلواتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جناب علی رضی اللہ عنہ دراصل مبعوث من اللہ تھے اور جبریل امین حضرت علی ہی کے پاس وحی لاتے تھے۔ یہ عقیدہ رکھنے والے روافض کی شاخوں معطلہ، اسماعیلیہ اور عنبریہ وغیرہ ہم ہیں اگرچہ ان میں سے بعض لوگ اپنے پیشروؤں کی تقلید میں پہلے ہی دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے متعلق بدعقیدگی

اگر کوئی شخص اللہ کی وحدانیت کا قائل ہو انبیاء کی رسالت پر ایمان رکھتا ہو اور سید عالم علیہ السلام کی نبوت ورسالت کو بھی برحق جانتا ہو لیکن انبیاء سابقین کی تعلیمات میں کذب کو ممکن سمجھتا ہو اور بزعم خود مصلحت کی گنجائش رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو ایسا عقیدہ رکھنے والا بالاجماع کافر ہے اور اس گروہ میں فلاسفہ کا ایک گروہ باطنیوں کی ایک جماعت روافض غالی متصوفہ اور ارباب اباحت شامل ہیں کیونکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ شریعت کے ظاہری احکام اور انبیاء ورسل کی معرفت جو اخبار غیبیہ معلوم ہوتی ہیں خواہ ان کا تعلق ماضی سے ہو یا وہ مستقبل سے ہوں مثلاً آخرت حشر ونشر، جنت دوزخ کے احوال وغیرہ یا ان کے متعلق یہ خیال ہو کہ ان باتوں کا اس حقیقت سے تعلق نہیں جس کے الفاظ مقتضی ہیں اور انبیاء کے خطاب میں مصلحت کو مدنظر رکھا گیا ہے یا یہ کہ انبیاء ومرسلین کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اصل حقیقت کا اظہار کرتے کیونکہ (معاذ اللہ) ان کے ذرائع افہام کامل نہ تھے اور ان میں نقص تھا۔

درحقیقت ان باطل مزعومات رکھنے والوں کے اقوال کا لب لباب یہ ہے کہ احکام شرعیہ باطل اور اوامر ونواہی معطل ہو جائیں۔ انبیاء علیہم السلام کو جھٹلایا جائے اور ان کے لائے ہوئے احکام میں شک وشبہ اور تردد پیدا ہو۔

سید المرسلین کی بابت خیالات فاسدہ رکھنے والا

اگر کوئی شخص سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ دین (رسالت) میں کسی کمی کا تصور کرے یا حضور علیہ السلام کی تعلیمات کے بارے میں بالقصد کذب کی نسبت کرے

یا حضور کی صداقت میں شک کرے یا حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں گستاخی کا مرتکب ہو یا حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں (ادنی) اہانت کا ارتکاب کرے یا حضور علیہ السلام کے علاوہ دوسرے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی دوسری ذات کے بارے میں اہانت کا ارتکاب کرے مثلاً ان کی جانب گناہ کی نسبت کرے یا انہیں جسمانی و روحانی اذیت پہنچائے یا کسی بھی نبی سے برسرِ پیکار ہو یا کسی نبی کو واصل بحق کرے ایسا کرنے والا ہر حال میں کافر ہے۔

نبی صرف انسانوں میں ہیں

بعض متقدمین کا تخیل یہ تھا کہ انسانوں کے علاوہ حیوانات ہر جنس میں نذیر و نبی ہوا ہے۔ اب حیوانات میں یہ تصریح نہیں کہ وہ حشرات الارض سے ہوں یا چار پایوں، پرندوں اور دوسرے اصناف سے اور یہ بد عقیدہ اپنے مزعومہ کی تائید میں قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر۔ (پ ۲۲ ع ۱۵)

کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی نذیر نہ آیا ہو (یہاں نذیر ڈرانے والے سے مراد نبی لیا جاتا ہے)

مذکورہ بالا اعتقاد میں غلطی یہ ہے کہ اگر تمام اجناس حیوان میں نبی ہونا تسلیم کر لیا جائے تو ان انبیاء کو تمام ستودہ صفات کا حامل ماننا ہوگا اور حقیقی انبیاء میں بھی ان صفات (ذمیمہ) کو ماننا ہوگا جو ان مزعومہ انبیاء میں موجود ہوں۔ اس طرح عظمت و عصمت شرافت و فضیلت انبیاء پر حرف آتا ہے جو سراسر خلافِ اسلام ہے اور اس مزعومہ کے خلاف اجماع موجود ہے اور ایسا اعتقاد رکھنے والا کذاب و مفتری ہے۔

نبی علیہ السلام کو صفات مشہودہ کے علاوہ صفات سے متصف کرنا

اگر کوئی شخص ماسبق میں مذکورہ اصولوں کا قائل ہو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بھی معترف ہو مگر یہ کہتا ہو کہ نعوذ باللہ آپ کا رنگ سیاہ تھا یا حضور کی وفات ریش مبارک نکلنے سے پہلے ہو گئی تھی یا حضور علیہ السلام کی ذات اقدس نہیں جو

جو شہر مکہ علاقہ حجاز میں متولد ہوئے تھے یا حضور کا تعلق قبیلہ قریش سے نہ تھا ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے اور دلیل کفر یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی ایسے الفاظ سے تعریف و توصیف کرنا جو حضور علیہ السلام کے معروف و مشہور اوصاف کے خلاف ہو کفر ہے کیونکہ اس طرح اس نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کے اوصاف مشہورہ کا انکار کیا۔

خاتم النبیین کے بعد اور نبی کا تصور کفر ہے

اگر کوئی شخص نبی علیہ السلام کے ساتھ کسی اور نبی کی نبوت کا اقرار کرے خواہ وہ وقت سے متعلق ہو یعنی حضور علیہ السلام کی حیات ظاہری میں یا حضور علیہ السلام کی حیات ظاہری کے بعد یا کوئی شخص حضور علیہ السلام کی نبوت کو جغرافیائی تقسیم سے محدود کرے اور یہ کہدے کہ حضور علیہ السلام کی نبوت صرف خطہ عرب کے لئے تھی (یہ عقیدہ یہود کے فرقہ عیسوبہ کا ہے) یا ماضی کے خرمی (اور موجودہ دور کے قادیانیوں کی طرح) یہ عقیدہ ہو کہ انبیاء و مرسلین تو پے در پے آتے رہیں گے یا روافض کی طرح یہ عقیدہ ہو کہ جناب علی رسالت و نبوت میں حضور کے شریک ہیں اور ہر امام نبوت و رسالت اور حجت میں نبی کا قائم مقام اور اس امام کا ہر فعل و قول حجت ہے اور ایسا عقیدہ رکھنے والے بزغیبیہ اور بیانیہ ہیں جو بزنع اور بیان کے منصب نبوت تک پہنچنے کو جائز مانتے ہیں اور اس سے ملتا جلتا تصور بھی غلاۃ متصوفہ اور فلاسفہ کا ہے۔

ایسے تمام مزعومات کا ادنیٰ تصور بھی اس شخص کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

منصب نبوت اکتسابی نہیں

اگر کوئی شخص اپنی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے یا منصب نبوت کو وہبی نہیں بلکہ اکتسابی قرار دیتا ہے یا غالی صوفیوں اور فلاسفہ کی طرح یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ صفائے قلب سے نبوت کا منصب حاصل ہو جاتا ہے یا اپنے پاس وحی آنے کا مدعی ہو یا آسمانوں تک جانے کا دعویٰ کرے یا دخول جنت کا دعویٰ کرے یا یہ کہے کہ جنت کے پھل اور میوے کھاتا ہوں اور حور و عین سے ملاقی ہوتا ہوں باوجودیکہ کہ ان اقوال کے ساتھ نبوت کا دعویٰ نہ کرے بہر حال ان مزعومات کو رکھنے والا کافر ہے اور

اس کے کفر کی دلیل سید المرسلین کا وہ ارشاد ہے جس میں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی و رسول کو کسی حالت میں نہیں آنا اور آپ کے بعد کسی کو منصبِ نبوت نہیں ملے گا اور حضور علیہ السلام کو یہ منصب اللہ رب العالمین نے عطا فرمایا ہے اور حضور علیہ السلام کی رسالت عالمِ انسانیت ہی کے لئے نہیں بلکہ تمام مخلوقات الٰہی کے لئے ہے۔ حضور علیہ السلام کا کلام اپنے ظاہر معنیٰ پر محمول ہے اور یہ کلام اپنے مفہوم و مراد کے اعتبار سے بغیر تاویل و تخصیص کے وہی ہے جو ظاہر و باہر ہے لہٰذا اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں کے سلسلہ میں اجماع سمعی و قطعی کی طرح کوئی تردد نہیں ہے۔ اسی طرح ہر اس شخص کے کفر پر امت مسلمہ کا اجماع ہے جو نص کتاب کو رفع کرتا ہے یا ایسی حدیث جس کے نقل پر یقین ہے اس کی تخصیص کرتا ہے حالانکہ اجماع کے مطابق اپنے ظاہری معنیٰ پر محمول ہے مثلاً خوارج نے رجم کے حکم کو باطل کہا لہٰذا ان کے کفر کے احکام جاری و ساری کئے گئے اور ان کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھا گیا۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ

اگر کوئی شخص اسلام کے سوا دوسرے ادیان کا اتباع کرنے والوں کے کفر کا اقرار نہیں کرتا اور ان کو کافر نہیں کہتا اور ایسے لوگوں کے کفر میں یا تو شک کرتا ہے یا توقف کرتا ہے یا اسلام کے سوا دوسرے ادیان کو درست اور صحیح کہتا ہے حالانکہ ان عقائد کے ساتھ مذکورہ بالا شخص اپنے اسلام کا اظہار بھی کرتا ہو اور اسلام پر اعتقاد بھی رکھتا ہو۔ اسلام کے سوا دوسرے مذاہب کو باطل بھی کہتا ہو جب وہ کافر ہے کیونکہ اس کے ظاہری و باطنی افعال میں مطابقت نہیں (کیونکہ اسلام زبانی اقرار قلبی تصدیق کا نام ہے)

امت مسلمہ کو گمراہ سمجھنا کفر ہے

ایسا عقیدہ رکھنا جس سے تمام امت کی گمراہی ظاہر ہو اور اس سے صحابہ کبار کے اسوہ پر حرف آتا ہو اور ان کا کفر ظاہر ہوتا ہے یہ کفر ہے۔ روافض میں کلمہ عقیدہ رکھنے والے اس زمرہ میں آتے ہیں کیونکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ پہلے حضرت علی کو منصب خلافت شروع میں نہ دیا گیا لہٰذا اس (جرم) کی پاداش

تمام مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں اور طرفہ تماشہ یہ کہ جن کی وجہ سے دوسروں کو کافر کہا جاتا ہے ان کو بھی نہیں بخشا بلکہ خود انہیں کی گردن پر ان نام نہاد ماننے والوں نے یہ کہہ کر چھری چلائی چونکہ آپ بھی اس ناانصافی پر خاموش رہے تھے لہٰذا (نعوذ باللہ) مجرموں (مسلمانوں) کے جرم میں آپ نے بھی معاونت کی اور ظلم پر خاموش رہے لہٰذا آپ بھی شریک جرم ہوئے اور کافر ہوگئے۔

مذکورہ بالا عقیدہ رکھنے والے گروہ کی تکفیر کی ایک وجہ نہیں بلکہ متعدد وجوہ کی بنار پر اس گروہ کی تکفیر کی جاتی ہے۔

۱- انہوں نے پوری شریعت اسلامیہ کو باطل قرار دیا ہے۔

۲- قرآن کے متعلق جس عقیدہ کا اظہار کیا ہے کہ اس کی نقل منقطع ہے اور جب ان کی نقل منقطع ہوئی تو اس زمرہ میں قرآن بھی آگیا کیونکہ ناقلین قرآن بھی ان لوگوں کے مطابق مسلمان نہ تھے (کیونکہ انہوں نے شعبہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر کی بیعت کی تھی)۔

اور امام صاحب نے صحابہ کرام کی تکفیر کرنے والے کے کفر کا حکم دے کر اپنے دو اقوال میں میں ایک قول سے اسی جانب اشارہ فرمایا ہے۔

علاوہ ازیں مکفرین صحابہ کے گروہ کے کفر کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ ماسوا تکفیر صحابہ کے انہوں نے بارگاہ رسالت میں گستاخی کی ہے (جو بذات خود کفر ہے) ان کے قول کا اقتضار یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے خلافت کا وعدہ کیا ہے (ان کے گمان کے مطابق) آپ کو یہ معلوم تھا کہ حضور علیہ السلام کی حیات ظاہری کے بعد جناب علی خلافت سے انکار کردیں گے حالانکہ یہ مزعومہ ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

جناب مصنف فرماتے ہیں کہ ان گروہ مفسدین پر اللہ کی لعنت ہو اللہ کے رسول اور ان کی آل پر رحمت الٰہی کا نزول ہو۔

وہ افعال جن کا صدور مسلمان سے ممکن نہیں

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ہم پر اس فعل کو جس پر امت مسلمہ کا اجماع

ہو کہ اس کا صدور مسلمان سے ممکن نہیں ایسے فعل کے صدور پر حکم کفر اور جس سے یہ فعل صادر ہو اس کے کفر کا یقین رکھتے ہیں لیکن اگر کسی شخص سے ایسے کفری افعال مرتکب ہوں مثلاً بتوں کو سجدہ کرنا، سورج، چاند، صلیب اور آگ کی جانب سجدہ کرنا یہود و نصاریٰ کے ساتھ ان کے معابد میں جانا اس قوم کے طریقے اختیار کرنا ان کی سی شکلیں بنانا۔ ان کے لباس ان کے شعائر اختیار کرنا مثلاً زنار باندھنا قشقہ لگانا۔ درمیان سر سے بالوں کو منڈانا وغیرہ وغیرہ اس سلسلہ میں اکابر اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ ایسے افعال کا صدور مسلمان سے ممکن نہیں ایسے افعال صرف کافر ہی سے صادر ہوتے ہیں اور اگر کوئی شخص ان افعال کو کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اسلام کا اظہار کرے تو اس کا قول غیر معتبر ہے کیونکہ اس کے افعال سراسر کفریہ ہیں۔

محرمات شرعیہ کو حلال جاننا

اگر کوئی شخص ان افعال کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے حلال جانے مثلاً شراب پینا۔ زنا کرنا۔ کسی مسلمان کو قتل کرنا وغیرہ اور اس کو ان افعال کی حرمت کا علم بھی ہو تو وہ کافر ہے جیسے قرامطہ کے بعض اباحت پسند اور غلاۃ متصوفین وغیرہ ہم ایسے تمام لوگ دائرہ اسلام سے خارج اور کافر ہیں۔

اجماع امت کا انکار کفر ہے

مصنف کتاب جناب قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ہم اس شخص کے کفر میں کوئی تردد نہیں کرتے جو شریعت مطہرہ کے قواعد اور ان امور کو جو متواتر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہیں اور ان پر امت مسلمہ کا علی الاتصال اجماع چلا آرہا ہے ایسے امور کی تکذیب کرے یا یہ کہے کہ شب و روز میں پانچ نمازیں فرض نہیں۔ اسی طرح رکعت کی تعداد، سجدوں کی گنتی وغیرہ میں شک کرے تو یہ سمجھیں اس حکم میں داخل ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ رب العالمین اپنی کتاب مقدس میں فی الجملہ نماز فرض واجب ہی نہیں کی یا اس ہیئت کے ساتھ پانچ نمازوں کی فرضیت ثابت نہیں اور نہ قرآن کریم میں کوئی ایسی نص صریح ملتی ہے البتہ حضور علیہ السلام سے جو خبر منقول ہے وہ خبر واحد کے حکم میں ہے لہٰذا ہم ایسے شخص کو مذکورہ بالا عقیدہ رکھے مسلمان نہ کہیں گے اور اس کو دائرہ اسلام سے

خارج ہی سمجھیں گے۔

خوارج کے بعض غلط اقوال اور ہم ان خوارج کو جن کا عقیدہ یہ ہے کہ نماز صرف دو اطراف لیل و نہار (یعنی صبح و شام) فرض ہے بقیہ اوقات بھیجنا پانچوں وقت نماز فرض نہیں ہے کافر کہتے ہیں۔

باطنیوں کا عقیدہ باطنی بدباطن یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ فرائض ان مردوں کے نام مختص ہیں جن کے واسطے حکومت کا حکم دیا گیا ہے اور خبائث و محارم ان مردوں کے لئے مخصوص ہیں جن سے علیحدہ رہنے کا حکم دیا گیا ہے لہٰذا یہ بدباطن بھی اسی زمرہ میں قائل ہیں جن کے بارے میں اوپر کی سطور میں ذکر ہو یعنی ان کے دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا۔

بعض متصوفہ کے تخیل کی پرواز ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ بشرف عبادت اور طویل مجاہدے کرنے سے جب عابدوں کے نفوس صاف ہوجاتے ہیں تو وہ سقوط کی منزل پر پہنچ جاتے ہیں اور ان سے احکام شرعیہ کی پابندی پُر نفع نہیں ہوتی بلکہ حرام چیزیں بھی ان کے لئے حلال ہوجاتی ہیں (لہٰذا ہم ان کے لئے وہی حکم نافذ کریں گے جو ایسے باطل عقائد رکھنے والوں کے لئے ہم نے ماقبل میں تحریر کیا ہے۔

شعائر اسلامی اور عدم علم اگر کوئی شخص مکہ مکرمہ، مسجد حرام، بیت المقدس کے اصل مقامات ہونے یا مناسک حج کا انکار کرے یا یوں کہے کہ حج کا فرض ہونا قرآن سے ثابت ہے اور استقبال قبلہ بھی فرض ہے لیکن ان کی معروف ہیئت میں تردد یا شک و شبہ کرے یا یوں کہے کہ ان کی معروف ہیئت ثابت نہیں یا یہ کہے کہ مجھے تحقیق سے معلوم نہیں کہ یہی خانہ کعبہ ہے یا یہ بیت المقدس ہے یا یہ سرزمین مکہ ہے ممکن ہے وہ مقامات کوئی اور ہوں اور نقل کرنے والے حضرات نے حضور علیہ السلام کے اقوال کو نقل کرنے میں غلطی کا ارتکاب کیا ہو یا انہیں بھی اسی طرح شک و تردد ہوا ہو جس طرح مجھے ہوا ہے سو یہ وہ باتیں ہیں جن کے کفریہ ہونے میں اصلاً تردد و شک نہیں ہے۔

ن اگر ان کلمات کا قائل یا ایسا عقیدہ رکھنے والا ان لوگوں میں شامل ہے جس کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ شخص جان بوجھ کر ایسی حرکات کا ارتکاب کرتا ہے اور مسلمانوں سے اس کا میل جول اور اسلامی معاشرہ میں اس کی نشست و برخاست ہے تو بھی اس قائل کے کلمات کو کفر ہی شمار کیا جائے گا۔

کفریہ کلمات کا اعادہ اور نو مسلم

لیکن اگر کسی نو مسلم سے کوئی ایسی بات جن کا ذکر اوپر کے عنوان کے تحت گزرا سرزد ہو جائے تو اس کو متنبہ اور متوجہ کیا جائے گا اور اسلام کے احکام کے بارے میں جو باتیں تم کو معلوم نہیں ان کو مسلمانوں سے معلوم کر کے نقل کرو اور اس بات میں کوئی خلاف نہیں کہ ایک جماعت سے دوسری جماعت اور اور اس طرح سلسلہ بہ سلسلہ یہ باتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ثابت ہو جائیں گی اور اس ذریعہ سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ مکہ مکرمہ ہے اور یہ خانہ کعبہ ہے جس کی جانب منہ کر کے مسلمانوں ہی نے نہیں بلکہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں پڑھی ہیں اور اسی بیت اللہ کا طواف کیا ہے اور یہ وہ افعال ہیں جو مناسک حج میں شامل ہیں اور عبادت میں شمار ہوتے ہیں اور یہ تمام افعال حج خود حضور علیہ السلام نے کئے ہیں بلکہ ان کے کرنے کا تمام امت مسلمہ کو حکم فرمایا ہے اور مسلمانوں نے اس پر عمل کیا ہے اور حج کے علاوہ نماز بھی موجودہ صورت میں سید المرسلین سے ثابت ہے اور اللہ رب العالمین نے حدود حرم کو متعین فرمایا جو زبان رسالت سے ہمیں معلوم ہوئے اور اللہ کی مراد ظاہر ہوئی حضور علیہ السلام کے فرمانے سے ان صحابہ کو معلوم ہوا اور ان کے واسطہ اور وسیلہ سے بالواسطہ ہمیں علم حاصل ہوا۔ اس طرح شک و تردد کی گنجائش باقی نہ رہے گی۔

لیکن اگر وہ (نو مسلم) مسلم معاشرہ میں رہنے کے بعد بھی شک و تردد کا اظہار کرے اور ان پر محدود معلومات کا عذر لنگ پیش کرے تو اس کا یہ عذر مسموع نہ ہو گا اور اس کو بلا تردد کافر سمجھا جائے گا بلکہ اس کے عذر لنگ کے بارے میں یہ سمجھا جائے گا کہ وہ اپنے خبث نفس کو چھپانے کے لئے یہ عذر کرتا ہے کیونکہ اسلامی معاشرہ میں زندگی گزارنے کے بعد کسی کے لئے

مشکل ہوتا ہے کہ وہ احکام اسلامی سے نابلد رہے۔

علاوہ ازیں اگر کوئی شخص منقولات دین میں وہم۔ شک و تردد کا اظہار کرتا ہے باوجودیکہ ان کے درست ہونے اور ان کے منقول ہیں من الرسول اور حکم الٰہی ہونے پر اجماع اور سب کا اتفاق ہے اس نے شریعت میں شک کی گنجائش پیدا کی اور درحقیقت افراد امت ہی شریعت اور قرآن کے قائل ہیں اس کے طرز عمل کی وجہ سے دین کی رسی کے بل کھل جائیں گے اور دین میں انتشار ہوگا لہٰذا ایسے شخص کے کفر میں کوئی تردد اور شک کی ضرورت نہیں ایسے شخص کو بلاخوف تردید کافر کہا جائے گا

قرآن کریم میں تغیر و تبدل

باطنیہ اور اسماعیلیہ فرقوں کی طرح اگر کوئی شخص اس بات کا قائل ہو کہ قرآن کریم کے کسی حصہ میں تغیر و تبدل ہوا یا اس میں کچھ کمی یا زیادتی کی گئی ہے یہ عقیدہ رکھے کہ قرآن مقدس حضور علیہ السلام کے لئے حجت نہیں تھا یا قرآن کریم دلیل و معجزہ نہیں یا اس میں کوئی معجزہ مذکور نہیں یا ہشام خوطی ولد معمر ضمیری کی طرح یہ عقیدہ رکھے کہ قرآن کریم نہ تو اللہ کی جانب آیا کرتا ہے اور نہ اس میں رسول علیہ السلام کے لئے کوئی حجت ہے اور نہ کوئی حکم ہے اور نہ اس کی وجہ سے عذاب و ثواب مرتب ہوتے ہیں لہٰذا ہم ایسے اشخاص کو بلاخوف تردید کافر اور دائرہ اسلام سے خارج کہتے ہیں بالفاظ دیگر ہم ایسے لوگوں کی تکفیر اس لئے بھی کرتے ہیں کہ یہ قائل اس بات کے منکر ہیں کہ نبی علیہ السلام کے معجزات حضور علیہ السلام کے لئے حجت تھے اور آسمان و زمین اپنی خلقت کے لحاظ سے وجود باری پر دلیل ہیں اور منکر کے اقوال حضور علیہ السلام کے فرمودات کی نقل متواتر کے خلاف ہیں کہ آپ ان معجزات کے دلائل و براہین اختر تھے۔ نیز یہ عقیدہ قرآنی تصریحات کے بھی مخالف ہے۔

منصوص فی القرآن کا منکر کافر ہے

منصوص فی القرآن کے منکر کو اگر یہ بھی معلوم ہو کہ نص قرآنی مصاحف مسلمین اور اس کتاب ہدایت میں جو ملت مسلمہ پر انعام خداوندی کے سبب محفوظ ہے موجود ہے اور وہ اس بات کو وثوق کے ساتھ جانتا ہو اور اس کو یہ کہنے کی بھی گنجائش نہ ہو کہ وہ اسلام میں نووارد ہے یا کوئی شخص اپنے

استدلال میں یہ حجت لاتا ہو کہ یہ نقل یا تو اس کے لئے درست نہیں اور نہ یہ بات کسی دوسرے ذریعے سے معلوم ہوئی ہو یا وہ شخص ناقلین کلام پر وہم کرتا ہو اور ان کے بارے میں مشکوک ہو تو یہ وہ باتیں ہیں جن کے کفریہ ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں اور اس قائل پر دو وجہ سے کفر لازم آتا ہے۔

(۱) قرآن کی تکذیب کرتا ہے (۲) اور حضور علیہ السلام کی بابت شک وشبہ اور آپ کی تکذیب میں کوشاں ہے اور اس طرح وہ اپنے دعویٰ کو چھپانا چاہتا ہے۔

حشر ونشر کا منکر کافر ہے

جو شخص حشر ونشر۔ کتاب۔ قیامت۔ جنت۔ دوزخ کا منکر ہو وہ امت مسلمہ کے اجماع کے مطابق کافر ہے کیونکہ اس پر نص بھی موجود ہے اور امت مسلمہ کا اجماع بھی ثابت ہے اور امت صحت نقل پر بھی اجماع فرمایا ہے۔

اسی طرح جو شخص جنت دوزخ حساب، کتاب، حشر ونشر کا معترف تو ہو لیکن اس کے ساتھ یہ خیال بھی کرتا ہو کہ اس کے معنیٰ موجودہ ظاہری معنیٰ کے علاوہ نہیں۔ معنیٰ یہ تھے اس سے مراد لذات روحانی اور باطنی صفائی ہیں اور اس عقیدہ میں باطنیہ، فلاسفہ، نصاریٰ اور بعض متصوفہ کی تقلید کرے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ قیامت کے معنیٰ موت۔ فنائے محض کے ہیں۔ افلاک کی ہیئت کی تبدیلی اور عالم کی تحلیل پر مبنی ہے۔

کیا ائمہ انبیاء سے افضل ہیں؟

جناب مصنف فرماتے ہیں کہ ہم ان غالی روافض کی تکفیر کرتے ہیں جن کا عقیدہ یہ ہے کہ امام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔

لیکن اگر کوئی شخص ان مقامات وواقعات کا انکار کرتا ہے جو تواتر کے ساتھ معلوم ہیں اور ان کے انکار سے نہ تو کسی اسلامی قاعدہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور نہ شریعت اسلامیہ کا بطلان لازم آتا ہے۔ مثلاً غزوہ موتہ کا انکار یا غزوہ تبوک سے لاعلمی یا خلفاء اربعہ میں سے

کسی کا انکار یا انہیں کسی کی شہادت سے لاعلمی وغیرہ امور جن کا علم بطور نقل بداہۃً حاصل ہے اور ان کے انکار سے شریعت اسلامیہ کا انکار لازم نہیں آتا۔ لہٰذا اس شخص کے اس انکار یا مزید علوم کے حصول سے انکاری ہوتے ہیں اس کی تکفیر کی کوئی راہ نہیں ہے لیکن ایسا شخص افتراء و بہتان تراشی کا مرتکب ہوگا۔

واقعہ جمل و صفین کا انکار

اس معاشرہ میں ایسے افراد بھی ملتے ہیں جنہوں نے بہت سے تاریخی شواہد کا انکار کیا ہے مثلاً ہشام اور عباد نے واقعہ جمل اور صفین سے یکسر انکار کیا ہے اور کہدیا کہ یہ واقعات پیش ہی نہیں آئے اور حضرت علی نے اپنے مخالفین سے جنگ نہیں کی۔

یہاں یہ بات مدنظر رہنی چاہیئے کہ اگر منکر کا انکار اس وجہ سے ہے کہ اس نے ناقلین روایت کو غیر ذمہ وار قرار دیا ہے اور ان کے صدق میں شک کیا ہے اور اس کا یہ فعل شریعت مطہرہ کے دوسرے احکام کے ابطال کی جانب منتج ہوگا لہٰذا ایسے شخص کے بارے میں کفر کا حکم دیا جائے گا۔

لیکن وہ شخص جو صرف اجماع صحیح اور اجماع جامع شرائط اور متفق علیہ احکام و شواہد کا مخالف ہو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے اور اس سلسلہ میں قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے۔

من یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الهدی۔	اور جو شخص حضور علیہ السلام کی مخالفت کرے جبکہ اس پر راہ حق واضح ہو چکی
(پ ۵ ع ۱۴)	اور وہ مسلمانوں کی راہ کے سوا اتباع کرے تو . . .

سید عالم کا ارشاد گرامی

محسن انسانیت ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بالشت بھر جماعت کی مخالفت کی تو اس نے بلاشبہ

اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے اتار پھینکا۔

علماء نے فرمایا ہے کہ جس نے اجماع کا انکار کیا ہے وہ بالا جماع کافر ہے لیکن بعض علماء نے ایسے مسائل میں بنظر احتیاط توقف فرمایا ہے اور کہا ہے کہ ایسے شخص کی تکفیر میں توقف کرنا چاہیئے جو فکر و نظر سے حاصل ہونے والے اجماع کا مخالف ہو مثلاً نظام نامی معتزلی کیونکہ وہ اس اجماع کا مخالف تھا جو اس کے خلاف بطور فرق دلیل واقع ہوا ہے۔

ایمان و کفر اور امام باقلانی

امام باقلانی نے فرمایا ہے کہ میری تحقیق کے مطابق کفر کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے جہل کا اظہار کیا جائے اور ایمان کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے باخبر ہو اور کوئی شخص بھی کسی قول یا کسی رائے کی وجہ سے جو اس نے کہا ہے یا اظہار کیا ہے اس وقت تک کافر نہیں ہو سکتا سوائے اس کے کہ وہ ذات باری سے واقفیت نہ رکھتا ہو اور اس سے جاہل ہو چنانچہ اگر کسی نے منصوص قول و فعل کی نافرمانی کی یا اس سے ایسے فعل کا صدور ہوا جس پر کہ اجماع ثابت ہے کہ یہ فعل کسی مومن سے صادر نہیں ہو سکتا اور اس کا کرنے والا کافر ہی ہو سکتا ہے یا اس کی بے راہ روی کی تائید اور خلاف اسلام افعال کے صدور میں دلیل قائم ہو جائے تو یہ شخص کافر ٹھہرایا جائے گا۔ اور اس کے کفر کا سبب اس کے اقوال و افعال نہیں جن کے کہنے اور کرنے کے سبب سے وہ کافر ہوا ہے بلکہ اس شخص کی کفر کے ساتھ شمولیت ہے اس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات سے کفران تین باتوں میں ایک کے بغیر ممکن نہیں۔

لہ میں امامت کا تصور ہے اور یہ بارہ امام حضرت علی۔ امام حسن حسین اور ان کی اولاد میں گیارہ امام تصور کرتے ہیں بارھویں امام حضرت مہدی ہونگے جو قرب قیامت میں ظاہر ہوں گے بعض غالی حضرات انہیں کو امام مختفی کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

لہ گذشتہ چند سال گزرے کہ کراچی کے ایک صاحب نے واقعہ کربلا کا یکسر انکار کیا اور تاریخی حساب سے یہ ثابت کرنیکی کوشش کی ہے کہ حساب سے دس محرم کو جمعہ کا دن نہ تھا اور نہ امام حسین مقام کربلا تک اتنی مدت میں آسکتے تھے۔

(۱) ذات باری سے بے خبر اور جاہل ہو

(۲) وہ شخص ایسی بات کہے یا ایسا عمل کرے یا ایسی بات کہے جس کی اللہ کے رسول علیہ السلام نے خبر دی ہو یا اس پر اجماع امت ہو کہ یہ فعل یا قول کسی کافر کے سوا اور کسی سے صادر ہی نہ ہوگا مثلاً بتوں کو سجدہ کرنا۔ زنار ڈال کر مندروں میں بد مذہبوں کے ساتھ بالالتزام جانا۔

(۳) وہ قول و فعل ایسا ہو جس کے بغیر علم باللہ ممکن نہ ہو۔ قاضی ابو بکر فرماتے ہیں کہ یہ دونوں اقسام اگرچہ اللہ رب العالمین کے ساتھ جہالت اور بے خبری میں شمار تو نہیں ہوتیں لیکن ان سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ انکار کرنے والا یا کہنے والا دائرہ اسلام سے خارج اور کافر ہے۔

صفات الٰہی میں سے ایک صفت کا انکار مثلاً یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ عالم نہیں ہے اور نہ قادر و متکلم ہے با الفاظ دیگر اس کی صفات کمالیہ میں سے کسی صفت کا انکار کرے ایسے شخص کے لئے ہمارے ائمہ نے کفر پر اجماع فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ان اوصاف میں سے کسی صفت کی یا تو نفی کرے یا اس کی ذات کو ان صفات سے خالی جانے اور جناب سحنون کا یہ قول بھی اس پر محمول کیا گیا ہے کہ کوئی شخص اگر یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کلام نہیں ہے اس قول کا قائل کافر ہے حالانکہ موصوف کی تاویلیں کی تکفیر نہیں کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں تفصیل ماسبق میں گزر چکی ہے۔

علماء نے صفات باری میں کسی صفت سے بے خبر ہونے کے اختلاف رائے کیا ہے بعض نے فرمایا ہے کہ ایسا شخص کافر ہے اور یہی رائے ابو جعفر طبری سے بھی منقول ہے اور ایک قول جناب ابوالحسن اشعری کا بھی اس موضوع پر سنا گیا۔ ایمان کی نفی نہیں کرتی اور اس سلسلہ میں وہ یہ دلیل لاتے ہیں کہ وہ شخص اس بات کا اس طرح یقین نہیں رکھتا کہ ان اعتقادات کو درست اور صحیح جانے یا یہ کہ ان معتقدات کو دین یا شریعت سمجھتا ہو اور کافر وہ ہوتا ہے جو ان باتوں کا معتقد ہو اور ان کو درست و ثواب سمجھتا ہو۔

اس سلسلہ میں ان حضرات نے سودار کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے اس سے صرف توحید کا مطالعہ فرمایا تھا کسی اور بات کا نہیں اس کے علاوہ اس مضمون سے بھی استدلال کیا گیا ہے کہ کسی شخص نے یہ کہا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر قادر ہو گا۔ اور اس حدیث کے علاوہ ایک اور روایت میں یہ ہے کہ شاید میں اللہ سے چھوٹ جاؤں" یہ کلمات سن کر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا اس کی اللہ تعالیٰ نے بخشش فرمادی۔

علماء فرماتے ہیں کہ اگر صفات باری کے بارے میں لوگوں سے اس کی حقیقت دریافت کی جائے اور معلومات کی جائیں تو بہت کم لوگ ایسے ملیں گے جو ان کی حقیقت سے واقف ہوں گے دوسرے علماء نے اس کے بہت سے دوسرے جوابات دیے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ قول کہ خدا مجھ پر قادر ہو گا" یہاں قدر۔ قدَر کے معنیٰ میں ہے اور قائل کا قول اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک نہیں ہے بلکہ نفس بعثت میں ہے جو شریعت کے احکام معلوم ہوئے بغیر ممکن نہیں ہے اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اس خصوصیت میں کوئی حکم شرعی موجود نہ ہو جس کی بناء پر اس شک کرنے میں کفر کا حکم دیا جائے اور جس بارے میں حکم شرعی موجود نہ ہو اور وہ امور عقلی میں سے ہوتا ہے (جس میں شک کرنے سے کفر لازم نہیں ہوتا) یا اس کی تشریح اس طرح کریں کہ قدَر ضَیّق کے معنیٰ میں لیا جائے اس طرح اس کا یہ فعل اس کی اپنی ذات کے ساتھ ہو گا اور اپنے نفس کی تحقیر کے معنیٰ میں مراد ہو گا کیونکہ نفس کی نافرمانی پر اس کو اپنی ذات پر غصہ تھا اور تحقیر مقصود تھی بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس کا یہ قول نا سمجھی پر محمول ہو گی کیونکہ خوف الٰہی اور خشیت کی وجہ سے اس کی عقل مسلوب ہو کر رہ گئی تھی اور وہ اپنی بات کو سمجھنے کے قابل نہ ہوا تھا اور اپنے الفاظ کو ضبط کرنے کا اس میں یارا نہ تھا لہٰذا اس پر کوئی مواخذہ شرعی نہیں۔ اس سلسلہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس شخص کا تعلق زمانہ فترت سے تھا اور اس دور میں صرف توحید ہی نفع بخش تھی۔

اس سلسلہ میں یہ قول بھی منقول ہے کہ یہ کلام مجاز ہے جس کی ظاہری صورت میں شک ممکن ہے لیکن حقیقت میں اس سے تحقیق و ثبوت مراد ہے ہم اس کو تجاہل عارفانہ سے تعبیر کرتے ہیں جس کی

مثالیں کلام عرب میں بہت ملتی ہیں اور قرآن کریم میں ایسا تذکرہ ملتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

(۱) لعله یتذکر او یخشی — شاید کہ وہ یاد کرے اور ڈرے۔

(۲) وانا و ایاکم لعلی هدی او فی ضلال مبین — میں اور تم شاید ہدایت پر ہیں یا بالکل گمراہی میں۔

اگر کوئی شخص وصف تو ثابت کرے لیکن صفت کی نفی کرے مثلاً یہ کہے کہ وہ عالم تو ہے لیکن اسے علم نہیں یا متکلم تو ہے لیکن کلام نہیں فرماتا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کمالیہ والٰہیہ کا منکر ہو جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے چنانچہ اس کی نسبت انجام و مآل پر کسی نے کہا کہ اس کا کلام کی انتہاء کہاں تک ہے اس طرح اس قائل نے تکفیر کی کیونکہ جب اس قائل نے علم کی نفی کی تو وصف عالمیت بھی از خود منتفی ہو گیا لیکن علم رکھنے والے ہی کو عالم کہا جاتا ہے۔ اس طرح انہوں نے اس کے نزدیک اس بات کی صراحت کر دی جس کی جانب اس کا کلام منتقی تھا لہٰذا اس طرح تاویل کرنے والے خواہ وہ شیعہ ہیں یا قدریہ سب ایک ہی زمرہ میں داخل ہیں لیکن جن حضرات کی رائے یہ ہو کہ نہ تو ان کے قول کے مآل و انجام پر مواخذہ کیا جائے اور نہ ان کے مذہب کے موجبات کے ساتھ مواخذہ کیا جائے اور نہ ان کے مذہب کے موجبات پر الزام رکھا جائے اس طرح یہ حضرات ان قائلین کی تکفیر کو جائز نہیں رکھتے۔

جناب مصنف فرماتے ہیں کہ مذکورہ قول کی توجیہہ یہ ہے کہ جب قائلین کو ان کی کوتاہی پر متوجہ کیا جاتا ہے تو وہ اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ ہمارا یہ مقصد نہیں اور ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ عالم نہیں اور ہم بھی اس مآل و انجام کی نفی کرتے ہیں جو آپ لوگ ہم پر مسلط کرنا چاہتے ہیں کیونکہ آپ تو اس کو کفر سمجھتے ہی ہیں لیکن ہم بھی اس کو کفر جانتے ہیں بلکہ ہمارا کہنا تو یہ ہے کہ ہمارا کلام اصل میں اس جانب راجع ہی نہیں ہوتا لہٰذا ان دونوں ماخذوں کی وجہ سے اہل تاویل کی تکفیر اور ان کی عدم تکفیر پر اختلاف آراء ہوا ہے۔

خلاصہ کلام | مصنف کتاب جناب قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفس مسئلہ

اور اس کی ابحاث و عواقب سے واقفیت حاصل ہونے کے بعد اب مناسب یہی معلوم ہوتا ہے
کہ ان لوگوں کی تکفیر سے کف لسان کیا جائے اور ان کے خائب و خاسر ہونے کی بابت یقین کرنے
سے پرہیز کیا جائے۔ معاملات مثلاً وراثت۔ مناکحت۔ قصاص و دیت و دیگر کاموں میں ان کے
ساتھ رواداری برتی جائے اور انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے دیا جائے۔

لیکن بطور سزا ان کے ساتھ سختی کی جائے ان پر زجر و توبیخ کی جائے اور ضرورت پڑنے پر
ان کا اقتصادی اور معاشرتی بائیکاٹ بھی کیا جائے تاکہ وہ اپنے موقف سے ہٹیں اور رجوع کریں۔

مذکورہ بالا افراد اور صدر اول

مصنف علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ایسے اقوال لکھنے والے نئے نہیں
ہیں بلکہ صدر اول میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے (جن کی وجہ
سے انتشار پھیلا نے) اور ان کی حرکات دور صحابہ و تابعین میں شروع ہو گئی تھیں جن کے اقوال قدریہ
خوارج اور معتزلہ سے ملتے جلتے تھے لیکن صدر اول کے مسلمانوں (صحابہ و تابعین) نے ایسے لوگوں کی
نہ تو میراث بند کی اور نہ انہیں اپنے قبرستانوں میں دفن ہونے سے روکا البتہ ان کا معاشرتی بائیکاٹ
ضرور کیا اور حسب ضرورت جسمانی سزا دی یا جلاوطن کر دیا اور اگر زیادہ ضرورت پیش آئی تو قتل کرا دیا۔

محققین اہلسنت کے وہ حضرات جو ایسے قائلین کی تکفیر کے قائل نہیں ہیں ان کے نزدیک
ایسے لوگ فاسق گمراہ اور گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں اور ان کی رائے سے اختلاف رکھنے والوں کا معاملہ
دوسرا ہے واللہ تعالیٰ حق کی توفیق عطا فرمانے والا ہے)

قاضی ابو بکر باقلانی فرماتے ہیں کہ وہ مسائل جو وعدہ۔ وعید۔ رویت۔ مخلوق۔ خلق افعال۔
ابقاء اعراض و لاد وغیرہ سے متعلق دقیق مسائل ہیں۔ انمیں میں تاویل کرنے والوں کی تکفیر سے احتراز
کرنا چاہیئے اور یہی احتیاط کا تقاضا مناسب ہے۔ کیونکہ ان مسائل سے جہل ذات باری سے
جہل کو مستلزم نہیں اور جو شخص ان مسائل میں سے کسی مسئلہ سے واقفیت نہ رکھتا ہو اس کے کفر پر
اجماع امت نہیں ہے

جناب مصنف فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ پر ہم نے دوسری فصل میں سیر حاصل بحث کی ہے اور

اس کے اعادہ کی اب ضرورت نہیں۔

۴۔ حرمت الٰہی اور ذمی پر حقوق

ما بقی گفتگو اس مسئلہ کے بارے میں تھی جو ذاتِ باری میں اہانت کا مرتکب ہو لیکن اس باب میں ان ذمیوں کے بارے میں جو حرمت الٰہی کو مجروح کریں تذکرہ کیا جائے گا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک ذمی کے بارے میں مروی ہے کہ ایک ذمی اپنے دین کی تعلیمات کے خلاف حرمتِ الٰہی کے درپے ہوا اور اعتراض کرنے لگا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کی تلاش میں تلوار لے کر روانہ ہو گئے لیکن وہ ہاتھ نہ آیا اور بھاگ گیا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول مبسوط اور ابن حبیبہ نامی کتابوں میں اور ابن قاسم کا قول مبسوط کتاب محمد اور ابن سحنون میں ہے کہ جب یہودی یا نصرانی نے اپنے کفر کی وجہ سے علاوہ بارگاہ احدیت میں گستاخی کی تو اس کو قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ بھی قبول نہ کی جائے لیکن ابن قاسم نے فرمایا کہ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے۔

لیکن مبسوط میں ابن قاسم کا قول اس طرح منقول ہے کہ اس کی توبہ بایں شرط قبول ہو گی کہ وہ بطیب خاطر مسلمان ہو۔

جناب اصبغ فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں وجہ یہ ہے کہ جس پر وہ قائم ہے وہی اس کا دین ہے اور وہی اس کی تعلیم ہے اور اس دین پر قیام کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے وہ بیوی شریک اور فرزند ہونے کا دعویٰ کرتا ہے (اور اس سے جو عہد لیا گیا ہے اور جس عہد کی وجہ سے وہ ذمی قرار دیا گیا ہے لیکن ہم نے اس سے اس کے جھوٹ اور گستاخی پر عہد نہیں لیا جن کا ارتکاب کہ وہ اب کر رہا ہے لہٰذا اس کو عہد شکن سمجھا جائے گا) اور سزا کا مستوجب ہو گا۔

کتاب محمد میں ابن قاسم کا قول اس طرح منقول ہے کہ اگر کسی غیر مسلم نے اللہ کی بارگاہ میں اس وجہ کے علاوہ جو اس کی دینی کتاب (بزعم خود) میں منقول ہے کوئی اور گستاخی کی تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ الا یہ کہ وہ اپنے کفر سے تائب ہو کر مشرف بہ اسلام ہو۔

ابن مازم نے مبسوط میں لکھا ہے جس کی تائید مخزومی اور محمد بن مسلم نے بھی کی ہے کہ ایسے شخص کو اس وقت تک قتل نہ کیا جائے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر جب تک کہ اس کو توبہ کے لئے نہ کہا جائے اگر وہ توبہ کرے تو فبہا ورنہ اس جرم کی پاداش میں اس کو قتل کر دیا جائے

مطرف اور عبدالملک نے اس مسئلہ میں امام مالک رضی اللہ عنہ کی تائید کی ہے ابو محمد بن زید فرماتے ہیں کہ جو غیر مسلم بارگاہ الٰہی میں گستاخی کا مرتکب ہو اور اس کی وجہ اس کے کفر کے علاوہ ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے لیکن اگر وہ اسلام لے آئے (تو درگذر کی جائے)

جناب مصنف فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں ابن جلاب کا قول ماسبق میں نقل کر دیا گیا ہے۔

نصرانی عورت کے بارے میں مشائخ اندلس کا فتویٰ

عبداللہ بن ابی ہنابتہ کا قول اور علمائے امت کے اجماع کے بارے میں ماسبق کے صفحات میں تذکرہ کیا جا چکا ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں اور یہ بھی اسی قول کی طرح سے ہے جس نے ان ذمیوں میں سے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گستاخی کا ارتکاب کیا ہو مصنف فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں خواہ اس نے بارگاہ الٰہی میں گستاخی کی ہو یا جناب سید المرسلین کی بارگاہ میں اہانت کا مرتکب ہوا ہو دونوں حکم میں برابر ہیں کیونکہ ذمیوں سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ وہ اپنے کفر کا اظہار نہیں کریں گے اور ہم اس بات کو گوارا نہ کریں گے کہ ان کی زبان سے نکلا ہوا کوئی غلط لفظ ہمیں سنائی دے اور اگر وہ ایسی کوئی بات کریں گے تو وہ عہد شکن ہوں گے۔

لیکن علماء نے زندیق ذمی کے بارے میں مختلف آراء کا اظہار فرمایا ہے چنانچہ امام مالک مطرف ہیں عبدالحکیم اور اصبغ فرماتے ہیں کہ اس کو قتل کیا جائے کیونکہ وہ ایک کفر سے دوسرے کفر کی جانب رجوع ہوا ہے لیکن عبدالملک بن ماجشون فرماتے ہیں اس کو قتل کر دیا جائے کیونکہ (زندیقیت) یہ ایک ایسا مذہب یا دین ہے جس پر کسی کو قرار نہیں اور نہ اس کے پیرو سے جزیہ لیا جاتا ہے اور نہ وہ معاہد ہوتا ہے۔

ابن حبیب فرماتے ہیں کہ اس کے سوا کسی اور کا کوئی قول میرے علم میں نہیں۔

مفتری اور کذاب کے لئے شرعی حکم

ماسبق ابواب میں ان لوگوں کے بارے میں تذکرہ کیا گیا ہے جو صریح طور پر گالی دیں اور گستاخی کا ارتکاب کریں اور اللہ تعالیٰ کی جانب ان باتوں کی نسبت کرے جو اس کی الوہیت اور جلالت شان کے منافی ہو۔

اس باب میں ان لوگوں کے بارے میں تذکرہ مقصود ہے ہوش وحواس میں الوہیّت کا دعویٰ کریں یا اپنی رسالت کا اعلان کر دیں یا یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ تو میرا خالق نہیں ہے یا میرا رب نہیں یا یوں کہے کہ میرا کوئی رب نہیں ہے یا حالت سکر یا جنوں میں ایسی باتیں کہے جو عقل میں نہ آئیں اور جنوں معلوم ہوں ایسے کفریہ کلمات بکنے والے کے بارے میں اس کے عقل وشعور کی سلامتی کے باوجود کفر کا حکم دینے میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ مشہور قول کی بنا پر اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور یہ رجعت وانابت اس کو قتل کی سزا سے محفوظ کر دے گی البتہ اس کو سخت جسمانی اذیت اور روحانی سزا ضرور دی جائے گی کہ دوسروں کو عبرت ہو اور آئندہ کسی کو ایسی جرأت کرنے کی ہمت نہ ہو اور اس کے فعل کو یا تو اعادہ کفر سے تعبیر کریں گے یا اس کی جہالت سمجھیں گے لیکن اگر کوئی بار بار اس قسم کی خرافات کا اعادہ کرے اور اس کی یہ حرکات تحقیر واہانت شہرت اختیار کر جائیں تو اس کو اس کی بدباطنی پر محمول کریں گے اور اس کی توبہ کو قبول نہ کیا جائے گا اور اس کے رجوع کو جھٹلا دیا جائے گا اور وہ اس زندیق کے مشابہ ہو گا جس کی بدباطنی اور کردار پر اعتماد نہ ہو لہٰذا اس کا رجوع بھی درخور اعتنا نہ سمجھا جائے گا۔ علاوہ ازیں اگر یہ حرکت حالت سکر میں سرزد ہوتی ہو تو بھی اس پر وہی احکام جاری کئے جائیں جو صاحب عقل وشعور پر ہوتے ہیں۔

مجنون اور پاگل کے لئے حکم شرعی

اگر کسی مجنون اور فاترالعقل سے کوئی حرکت جنوں اور دیوانگی کے عالم میں سرزد ہوئی تو اس پر شرعی مواخذہ نہ ہو گا لیکن اگر کسی نے بقائمی ہوش وحواس کہیں یہ عقل اور حماقت کی بنا پر کچھ کہا گیا ہو یا اس پر شریعت کے احکام تکلیفی جاری نہ ہوں ان پر شریعت کے احکام کی پابندی سے رخصت ہو تو

ایسے شخص پر اس کے اس فعل کی پاداش میں تادیب ضرور کی جائے گی تاکہ اس کو آئندہ کے لئے تنبیہ ہو جائے اور اس کو تنبیہ اس طرح کی جائے گی جیسا کہ بدقماش شخص کی اصلاح احوال کے لئے طریقہ کار اختیار کیا جاتا ہے اور یہ تادیب اس کو اس وقت تک کی جاتی رہے گی جب تک کہ وہ اپنی حرکات سے باز آئے اور اس کی مثال یہ ہے کہ اڑیل جانور پر اس وقت تک سختی کی جاتی ہے جب تک کہ وہ سیدھا نہ ہو جائے۔

الوہیت کا دعویٰ اور جناب علی کا طرز عمل

ایک شخص نے خدائی کا دعویٰ کیا تو جناب علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے اسے جلانے کا حکم دیا۔

بناپسیتی نبی کا حسد

عبدالملک بن مروان نے ایک بناپسیتی نبی حارث متنبی کو قتل کر کے اس کی لاش سولی پر لٹکوا دی۔ اس کے علاوہ بہت سے مسلمان بادشاہوں اور خلفاء نے ایسے لوگوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا اور اس دور کے علماء نے بھی ایسے لوگوں کے قتل کے درست ہونے کے فیصلہ پر مہر تصدیق ثبت کی۔ علماء نے فرمایا اجماع امت یہ ہے کہ جو شخص ایسے قائل کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

منصور حلاج اور انا الحق کا دعویٰ

عباسی حکمران المقتدر کے دورِ حکومت میں بغداد کے مالکی فقہاء نے جناب منصور حلاج کے الوہیت کے دعویٰ کی پاداش میں قتل اور پھر سولی پر چڑھائے جانے کا حکم دیا اور قاضی القضاۃ ابوعمر مالکی نے ان کے خلاف فتوے پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ بظاہر جناب منصور کا انا الحق کا نعرہ قابل مواخذہ تھا اور جناب منصور واقعی پابند شریعت بھی تھے لیکن علماء نے ان کی توبہ قبول نہ کی۔

منصور کی طرح ایک اور بزرگ

عباسی حکمران الراضی باللہ کا دورِ حکمرانی ہے بغداد کی مسند قضاء پر قاضی القضاۃ ابوالحسین بن ابی عمر مالکی مسند آراء ہیں ابن العزاقیر نے بھی منصور کی طرح دعویٰ کیا ہے لیکن قاضی صاحب نے

بلا خوف و رو رعایت قتل کا فتویٰ دے دیا۔

صاحب مبسوط ابن الحکیم کا قول نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ جو بھی نبوت کا (جھوٹا) دعویٰ کرے اس کو قتل کر دیا جائے۔

منکر ربوبیت اور امام اعظم کا فتویٰ

امام اعظم ابوحنیفہ النعمان رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کا فتویٰ یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی خالقیت یا اس کی ربوبیت کا منکر ہو یا یہ کہے کہ میرا کوئی رب نہیں وہ مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے

ابن ابی القاسم نے بھی کتاب ابن حبیب میں جناب محمد کا قول کو اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ مدعی نبوت سے توبہ کرائی جائے خواہ وہ اپنے عقیدہ کو ظاہر کرتا ہو یا پوشیدہ رکھتا ہو وہ بہر حال مرتد کے حکم میں ہے۔ اور اس کی تائید سحنون نے بھی کی ہے۔

جناب مصنف نے کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مجھے ایک یہودی کے بارے میں بتایا گیا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور یہ کہتا تھا کہ مجھے تمہاری جانب رسول بنا کر بھیجا گیا ہے آپ نے فرمایا تھا کہ کیا وہ اس دعویٰ کو ظاہر کرتا ہے تو اگر وہ توبہ کرے تو وہ بہتر ہے ورنہ اس جرم میں اس کو قتل کر دیا جائے۔

ایک اور گستاخ کو سزا

ابو محمد بن ابو زید کی خدمت میں ایک ایسے شخص کا واقعہ نقل کیا گیا جس نے اپنے پروردگار پر لعنت کی تھی اور بعد میں یہ عذر کیا کہ زبان کی لغزش سے یہ الفاظ نکل کئے گئے تھے درحقیقت میں تو شیطان پر لعنت کرنا چاہتا تھا یہ واقعہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اس کو کفر کی پاداش میں قتل کر دیا جائے اور اس کی عذر خواہی کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائے

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا واقعات اس قول کی تائید میں ہیں جس میں کہ ایسے مجرموں کی توبہ کو نہ قبول کرنے کی تائید کی گئی ہے۔

نشہ کی حالت میں کفر کے کلمات

ایک نشہ باز نے نشہ کے دوران دو مرتبہ اپنی خدائی

کا دعویٰ کیا اس کا تذکرہ شیخ ابوالحسن قابسی کے پاس کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر وہ توبہ کرے تو سزا دار چھوڑ دیا جائے اگر اس جرم کا اعادہ کرے تو مزید سزا دی جائے لیکن اگر وہ بار بار ایسی حرکتیں کرتا رہے ہے تو اس کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جائے جو زندیق کے ساتھ کیا جاتا ہے کیونکہ شریعت کا مذاق اڑانے اور اس کے ساتھ کھیل کرنے کی یہی سزا ہے

۶۔ لغو گو بیہودہ بکواس کرنے والا ایسا شخص جس کو اپنی زبان پر قابو نہ ہو اور اس معاشرہ کا ایسا فرد ہو جس کی باتوں پر توجہ نہ دی جاتی ہو۔ ایسا شخص اگر کوئی ایسا کلمہ زبان سے نکالے جس سے عظمت الٰہی اور جلالت ربی پر حرف آتا ہو اور ہلکا پن ظاہر ہوتا ہو وہ بعض اشیاء کی تمثیل ایسی شئے سے دے جس کو اللہ تعالیٰ نے شرف و عزت سے ہمکنار فرمایا ہو یا اس نے مخلوق کے کلام سے ایسی بات نکالی ہو جو حق خالق کے سوا کسی دوسرے شخص کے لئے زیبا نہیں لیکن ان تمام باتوں سے کفر و استخفاف مقصود نہ ہو اور نہ عمداً الحاد کے طور پر۔ یہ کلمات ادا کئے گئے ہوں۔ اگر یہ کلمات اس سے بار بار سرزد ہوتے ہیں اور شہرت حاصل کی ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ شخص دین الٰہی کے ساتھ استہزاء و کھیل کرتا ہے اور اپنے رب کی حرمت و جلالت کا استخفاف کرتا ہے اور رب کریم کی کبریائی اور عزت و جلالت سے جاہل اور بے بہرہ ہے اور یہ تمام باتیں بلاشبہ کفر ہیں اور رب العزت کا استخفاف اور تنقیص کرنے والا یقیناً کافر اور واجب القتل ہے اس سلسلہ میں صاحبان بصیرت کا یہ واقعہ خالی از دل چسپی نہ ہوگا کہ امیر قرطبہ کے چچا زاد بھائی نے کفریہ کلمات منہ سے بکے ہیں وہ ایک دن گھر سے باہر نکلا راستہ میں بارش ہونے لگی تو بے ساختہ اس کی زبان پہ (نقل کفر کفر نہ باشد) یہ کلمات آگئے بداء الخراز یرش جلوہ (یعنی جوتی گانٹھنے والا اپنی کھالیں نچوڑتا ظاہر ہوا) یہ واقعہ جب سرخیل فقہاء قرطبہ جناب ابن حبیب اور اصبغ بن خلیل کو معلوم ہوا تو ان حضرات نے فوراً اس گستاخ کے قتل کا فتویٰ دے دیا لیکن قرطبہ کے دوسرے فقہاء ابو زید۔ عبدالاعلیٰ بن وہب اور ابان بن عیسیٰ نے اس کے قتل کے حکم میں توقف کیا اور فرمایا کہ اس بیہودہ

کلام کے سلسلہ میں سزا دی جانی چاہیئے ابوزید وغیرہم کے فتویٰ کی تائید قاضی وقت موسیٰ بن زیاد نے بھی کر دی لیکن قاضی صاحب کی تائید کے بعد جناب ابن حبیب نے فرمایا کہ اگر اس مجرم کو قتل کی سزا سخت ہے تو اس کا خون میری گردن پر۔ کیا ہم رب کو گالی دلوائیں جس کی ہم عبادت کرتے ہیں یہ اس کی حمایت نہ کریں گے تو ہم رب کے ہم کتنے بُرے بندے بن جائیں گے اور اس طرح اس کی عبادت کرنے والے کہلانے کے مستحق نہ رہیں گے یہ الفاظ فرما کر ابن حبیب پہ گریہ طاری ہو گیا۔ امیر قرطبہ عبدالرحمان بن حکم کو جب یہ واقعات معلوم ہوئے تو اس نے اپنے عم زاد عجب کو قصور وار سمجھا اور جب اس کو فقہاء کے اختلاف کے بارے میں علم ہوا تو اس نے ابن حبیب کے فتویٰ کے مطابق عجب کی گرفتاری کا حکم جاری کیا چنانچہ اس کو دونوں فقہائے کے سامنے قتل کر کے سولی پر چڑھا دیا گیا اور موسیٰ بن زیاد کو مداہنت کرنے کی وجہ سے معزول کیا گیا اور دوسرے توقف کرنے والوں کو بھی سرزنش کی گئی۔

لیکن ایسا شخص جس سے اس قسم کے افعال ایک مرتبہ یا کبھی کبھی سرزد ہوئے تو جب تک ان میں تنقیص واہانت کا واضح پہلو نہ ہو تو اس سے صورت حال اور وجہ مقال دریافت کی جائے پھر مقتضائے کلام اور شناعتِ جرم کے مطابق اس کو سرزنش کی جائے اور سزا دی جائے۔

ان الفاظ کا استعمال جو ذاتِ باری سے مخصوص ہیں

ابن قاسم سے ایک ایسے شخص کے بارے میں معلوم کیا گیا جس کو ایک شخص اس کا نام لے کر پکار رہا تھا اور اس شخص نے جواب میں لبیک اللّٰھم کہہ کر اس کو جواب دیا۔ ابن قاسم نے جواب میں فرمایا کہ اگر اس نے اپنے جہل اور بیوقوفی کی وجہ سے جواب میں یہ الفاظ استعمال کئے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔

مصنف کتاب جناب قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس کی تشریح و توضیح یہ ہے کہ اس سلسلہ میں قتل واجب نہیں اس قائل کو سرزنش کی جائے اور اس کی بیوقوفی پر سزا دی جائے لیکن اگر اس نے رب اور معبود جان کر ان الفاظ سے جواب دیا تو یہ یقیناً کفر ہے کیونکہ یہی اقتضائے کلام تھا۔

شانِ الوہیت اور شعراء عرب

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ بعض شعراء نے اپنے اپنے کلام میں بڑی بڑی زیادتیاں کی ہیں اور انہوں نے اپنے اشعار میں شانِ الوہیت کو گھٹانے کی کوشش کی ہے اور اس کو ہلکا کر کے پیش کیا ہے اور ایسے اشعار کہے ہیں جن کو ہم نقل کرنا مناسب نہیں سمجھتے اور اپنی کتاب اور اہل قلم کو ان کی نقل سے محفوظ رکھتے لیکن اس کتاب میں ایسی کوتاہیوں کی نشان دہی کرنی بھی ہے حالانکہ ان کو نقل کرنا ہمیں گوارا نہیں اور ان کو نقل کرتے وقت قلم کو یارا نہیں اور ایسی کوتاہیوں کی ہم نے ماسبق ابواب میں بھی نشان دہی کی ہے لیکن وہ اشعار جو جاہلوں اور غلط کہنے والوں میں نقل کفر کفر نہ باشد کے مصداق نمونہ کے طور پیش کئے جاتے ہیں۔

رب العباد مالنا و مالکا قد کنت تسقینا فما بدا لکا

انزل علینا الغیث لا ابالکا

اے معبود ہمیں اور تجھے کیا ہوا۔ تو تو ہمیں بارش سے سیراب کرتا تھا اب تجھے کیا ہوا

تو ہم پر بارش بھیج تیرا باپ نہ ہو

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس کی مثل اور بھی اشعار ہیں جس کے کہنے والے شریعت کے تازیانہ کے باوجود ٹھیک نہ ہو سکے ایسی باتیں جاہل کندہ ناتراش لوگوں سے ظاہر ہوتی ہیں لہٰذا ان کو زجر و توبیخ کی جائے اور سرزنش کی جائے تاکہ وہ آئندہ اس قسم کی خرافات سے باز رہیں۔

ابو سلیمان خطابی فرماتے ہیں کہ یہ دریدہ دہنی اور دلیری کی باتیں ہیں جبکہ اللہ رب العالمین تمام برائیوں سے منزہ اور بری ہے۔ مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ہم نے عون بن عبداللہ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ ضروری یہ ہے کہ تم سے ہر ایک اپنے رب کریم کی عظمت و بزرگوں کو ملحوظ رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کی تمثیل دی جائے مثلاً یہ کہ کتے کو اللہ تعالیٰ ذلیل کرے اور اس کے ساتھ رب کریم نے ایسا کرے یا ایسا کرے۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ ہم نے ایسے مشائخ کو دیکھا ہے کہ وہ ایسے مواقع پر اللہ تعالیٰ کا نام لیتے تھے جہاں

اس کی عظمت وبزرگی کا تذکرہ ہوتا۔ اور اس سے تقرب والی اطاعت کا اظہار ہوتا ہے انہیں
اگر دعائیہ کلمات استعمال کرنے ہوتے تو جزاک اللہ خیرا نہیں فرماتے تھے بلکہ اس طرح فرماتے کہ
تمہیں جزائے خیر دی جائے کیونکہ تخاطب کا کلمہ تعظیم وتقدس کے اظہار کے لئے ہوتا ہے اور اسے
ایسے ہی مواقع پر استعمال کیا جانا چاہیئے۔

مصنف علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ امام ابو بکر شاش کا یہ قول ایک ثقہ راوی کے حوالہ سے ملا ہے
جس میں کہ امام صاحب موصوف نکتہ چینی فرماتے تھے کہ اہل کلام بارگاہ الہٰی میں بہت غور وفکر
کرتے ہیں اور اس کی بکثرت صفات بیان کرتے ہیں اور ان کا تخیل یہ ہے کہ عظمت الوہیت
الہٰی ملحوظ رہے لیکن بقول موصوف یہ اہل کلام اللہ عزوجل کے اسم جلالت کا اس طرح ذکر کرتے ہیں
جس طرح کوئی رومال کو استعمال کرتا ہے۔

مصنف علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ اس موضوع پر جو تحریر کیا گیا ہے وہ اس قبیل سے ہے جس
کی تفصیل ہم نے بارگاہ نبوی کے گستاخ کے بارے میں ذکر کی ہے ہم اللہ سے توفیق خیر طلب
کرتے ہیں۔

(۷) اس فصل میں ان لوگوں کے بارے میں احکام شرعیہ بیان ہوں گے جو اللہ رب العالمین
اور ختم المرسلین علیہ التحیتہ والثنا کے علاوہ دیگر انبیاء علیہم السلام اور فرشتوں کو گالی دے یا
ان کی شان گھٹانے کی کوشش کرے یا انبیاء علیہم السلام جو احکام الہٰی لے کر آئے ان کی تکذیب
کرے یا انکار کرے۔ ایسے شخص کے لئے وہی حکم شریعت ہے جو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار
یا حضور کی شان گھٹانے والے کا ہے جس کا تذکرہ ماسبق میں کیا گیا ہے ارشاد ربانی ہے۔

(۱) ان الذین یکفرون باﷲ	بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے
ورسلہ ویریدون ان یفرقوا	رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ
بین اللہ ورسلہ۔	اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق
(پ ۶ ع ۱)	کا ارادہ کرتے ہیں۔

(۲) قولوا اٰمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم (الی) لا نفرق بین احد من رسلہ (پ ۱ ع ۱۶)	کہو ہم اللہ اور اس چیز پر ایمان لائے جو ہماری طرف اتری اور حضرت ابراہیم پر نازل ہوئی (یہاں تک کہ) ہم ان میں سے کسی کی تفریق نہیں کرتے۔
کل اٰمن باللہ وملئکتہ و کتبہ و رسلہ لا نفرق بین احد من رسلہ۔ (پ۳ ع ۸)	ہر ایک (مسلمان)، اللہ تعالیٰ فرشتوں کتابوں اور رسولوں پر ایمان لایا ہے ہم ان رسولوں میں سے کسی کی تفریق نہیں کرتے۔

شاتم نبی کافر ہے

کتاب ابن حبیب میں امام مالک۔ ابن قاسم ابن باجشون۔ ابن عبدالحکیم اصبغ اور سحنون کا قول نقل کیا گیا ہے کہ جس نے تمام انبیاء یا ایک نبی کی توہین اور تنقیص کی اس سے توبہ نہ لی جائے اور اس کو قتل کر دیا جائے اور اگر کسی ذمی سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہو اگر وہ اسلام لے آئے تو فبہا ورنہ اس کو بھی قتل کیا جائے۔

جناب سحنون نے ابن قاسم کی روایت کے مطابق نقل کیا ہے کہ اگر کسی یہودی یا نصرانی نے اپنے کفر کی وجہ کے علاوہ کسی اور وجہ سے تمام انبیاء یا کسی ایک نبی کی تنقیص کی تو اس کی گردن اڑا دی جائے اس سلسلہ میں اختلاف رائے سابقہ ابواب میں گذر چکا ہے۔

ایک فرشتہ کو بھی گالی دینے کے بارے میں

سعد بن سلیمان قاضی قرطبہ نے سوالات کے جواب میں فرمایا ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو گالی دی اس شخص کو قتل کیا جائے لیکن جناب سحنون نے فرمایا کہ اگر کسی نے ایک فرشتہ کو بھی برا کہا تو اس کا قتل واجب ہے۔

جناب جبریل اور ابطالِ وحی

نوادر میں امام مالک کا ایک قول اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ جس شخص نے یہ کہا کہ جناب جبریل علیہ السلام

نے وحی کو پہنچانے میں غلطی کی درحقیقت وحی تو حضرت علی کے پاس آئی تھی کیونکہ دراصل نبی تو وُہ تھے (معاذ اللہ) ایسے شخص سے توبہ کے لئے کہا جائے اگر وہ تائب ہو تو فبہا ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے اور اس مسئلہ میں جناب سحنون نے بھی یہی فرمایا ہے۔

غرابیہ فرقے کے متبعین کون ہیں

ماسبق سطور میں جو عقیدہ ذکر کیا گیا ہے وہ فرقہ غرابیہ کا ہے۔ ان لوگوں کا نام غرابیہ اس لئے پڑا کہ ان کا کہنا یہ تھا کہ حضور علیہ السلام اور جناب علی میں ایسی ہی مشابہت ہے جس طرح (نعوذ باللہ) ایک کوّے کو دوسرے سے ہوتی ہے۔

تکذیب انبیاء اور امام اعظم

امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ جس نے انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی کی بھی تکذیب کی یا کسی کی تنقیص کی یا اس نے برأت کا اظہار کیا وہ مرتد ہے۔

داروغہ جہنم سے تشبیہ

ابو الحسن قابسی نے فرمایا کہ کسی شخص نے دوسرے شخص کے چہرے کو مالک کے چہرہ کی طرح غضبناک ہونے سے تشبیہ دی اگر لفظ مالک سے اس کی مراد مالک داروغہ جہنم سے ہے تو اس لفظ کو ان کی مذمت سمجھا جائے اور اس شخص کو قتل کیا جائے۔

مصنّف کتاب جناب قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ یہ تمام مذکورہ احکام اور شخصیات کے بارے میں جن کا کہ میں نے ماسبق ابواب میں تذکرہ کیا ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام یا تمام فرشتے یا کسی خاص شخصیت خواہ وہ نبی کی ہو یا فرشتے کی یا جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کتاب ہدایت قرآن مجید میں صاف طور پر فرمایا ہے یا ہمیں اس کی بابت علم خبر متواتر۔ خبر مشہور۔ متفق علیہ یا اجماع امت قطعی سے حاصل ہوا ہو مثلاً حضرات جبرئیل۔ میکائیل۔ مالک۔ خازن۔ زبانیہ۔ حملۃ العرش جن کا تذکرہ قرآن کریم میں موجود ہے یا وہ انبیاء علیہم السلام یا فرشتے جو قرآن کریم سے پہچانے گئے ہیں حضرت عزرائیل۔ اسرافیل۔ رضوان۔ حفظہ۔ منکر نکیر یہ وہ فرشتے ہیں جن کے لائے ہوئے احکام

قبول کرنے پر اتفاق کیا گیا ہے۔ (یعنی ان کے بارے میں وہی حکم ہے جس کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے۔

غیر معین وغیر مخصص شخصیات

لیکن وہ انبیاء یا فرشتے جن کا تعین وتخصیص حدیث سے ثابت نہیں اور نہ ان کے بارے میں اجماع امت ہے کہ آیا وہ فرشتوں میں شامل ہیں یا انبیاء ہیں۔ جیسا کہ ہاروت و ماروت کا فرشتوں میں شمار ہونا۔ یا حضرات خضر ولقمان ذوالقرنین۔ آسیہ، خالد بن سنان رضی اللہ عنہم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ انبیاء میں شامل ہیں (اسی طرح مجوسی مورخ جو اہل رس اور زرتشت کے نبی ہونے کے قائل ہیں۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ان مذکورہ بالا حضرات کی تنقیص کا وہ حکم نہیں یا ان کے انکار پر وہ احکام نہیں جاری ہوں گے جو دوسرے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بیان ہوئے چونکہ ان کی ایسی حرمت ثابت نہیں جو انبیاء علیہم السلام کے شایان شان ہے لیکن ایسا نہیں کہ ان کی اہانت کرنے والے سے کچھ نہ کہا جائے اور اس سے باز پرس نہ کی جائے ایسے شخص کو تادیب کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ جن کی فضیلت معروف ہو اور ان کی نبوت ثابت نہ بھی ہو لیکن ان کے تقدس کا لحاظ نہایت ضروری ہے۔ رہی یہ بات کہ ان میں کس کی نبوت کا انکار یا کسی کے فرشتے ہونے سے انکار کے سلسلہ میں یہ دیکھنا ضروری ہے کیونکہ منکر و متعلم اگر ذی علم ہے تو مضائقہ نہیں لیکن اگر منکر و متعلم عوام میں سے ہے تو اس کو اس بارے میں کف لسان کرنا اور چھان بین سے باز رہنا چاہیئے اور اہل علم حضرات میں اختلاف رائے ممکن ہے لیکن قائل و متکلم اگر اس عقیدہ پر اصرار اور بار بار ارتکاب کرے تو اس کو تادیب کرنا چاہیئے کیونکہ اس کو ایسے معاملات میں دخل اندازی کا حق حاصل نہیں اور ایسے امور میں بحث و مباحثہ کرنے کو علماء کے لئے بھی اسلاف نے برا سمجھا ہے جب علماء کے لئے یہ احتیاط ہے تو عوام کس گنتی میں ہیں۔

(۸) قرآن کی تحقیر و استخفاف

توجہ کی بات یہ ہے کہ جو شخص مصحف قرآن کریم یا اس کے جزء کا استخفاف کرے یا ان کی اہانت کرے یا اس کے

کل یا جز کا منکر ہو یا اس کی تکذیب کرے یا قرآن کریم کے کسی ایسے حکم یا خبر کو جھٹلائے جس کی تصریح اس میں موجود ہے یا ایسی چیز کو ثابت کرے جس کی قرآن کریم میں موجود ہو یا ایسی چیز یا بات کی نفی کرے جو قرآن سے ثابت ہے اور مزید برآں یہ کہ وہ اس کو بخوبی جانتا بھی ہو یا ایسے امور میں شک کرے تو ایسا شخص بالاجماع کافر ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔۔

و انہ لکتاب عزیز لا یاتیہ	بلاشبہ بالیقین یہ کتاب عزیز اس میں
الباطل من بین یدیہ و لا	باطل کو دخل نہیں نہ اس کے سامنے
من خلفہ تنزیل من حکیم	نہ پیچھے سے یہ حکمت والے اور تمام
حمید۔ (پ ۲۴ ع ۱۹)	خوبیوں والے کا اتارا ہوا ہے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ سرکار دوعالم علیہ السلام نے فرمایا قرآن کریم میں شک یا جھگڑا کرنا کفر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سید عالم علیہ السلام کا ارشاد گرامی اس طرح مروی ہے کہ جس مسلمان (نام نہاد) نے قرآن کریم کی ایک آیت کا بھی انکار کیا تو اس کی گردن مارنا حلال ہے اسی طرح جس نے تورات و انجیل یا منزل من اللہ صحائف کا انکار کیا یا ان سے نافرمان ہوا یا ان پر لعنت کی یا ان کی توہین کی یا ان کو اہانت کی تو صریح کفر ہے اور ایسا کرنے والا کافر ہے۔

ملت مسلمہ کا اس امر پر اجماع ہے کہ اس میں کسی شک و شبہ اور تردد کی گنجائش نہیں کہ وہ قرآن کریم جو روئے زمین پر پڑھا جاتا ہے اور مسلمانوں کے پاس مصحف کی شکل میں موجود ہے یا ما بین الدفتین ہے جس کی ابتداء سورہ فاتحہ الحمد للہ رب العالمین اور ختم سورہ ناس قل اعوذ برب الناس پر ہوتی ہے یہ اللہ کے کلام اور اس کی وحی ہے اور یہ کلام الٰہی سید المرسلین خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ علیہ التحیۃ والتسلیم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ نازل ہوا وہ برحق اور تمام مکمل و کامل ہے جو کوئی اس میں ایک حرف کی کمی یا تبدیلی یا نزل

من اللہ میں ایک حرف کا اضافہ کرے جو نزل من اللہ نہیں ہے اور ملت مسلمہ اس بات کی تصدیق کرے کہ یہ نزل من اللہ میں اضافہ ہے تو ایسا شخص بالاجماع کافر ہے۔

صدیقہ عائشہ پر بہتان کی سزا

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق جو شخص سیدہ طاہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھے یا ان کے حق میں نازیبا الفاظ استعمال کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے کیونکہ وہ قرآن کریم کی تکذیب کر رہا ہے (عفت صدیقہ کے سلسلہ میں آیات قرآنی شاہد ہیں)۔

امام قاسم نے فرمایا جو شخص یہ کہے کہ حضرت موسیٰ علیہم السلام سے رب العالمین نے کلام نہیں فرمایا وہ واجب القتل ہے اور اس کی تائید عبدالرحمٰن بن مہدی نے بھی کی ہے۔

محمد بن سحنون نے اس شخص کے بارے میں جس نے مُعوذتین کے بارے میں کہا کہ یہ کتاب اللہ کا جزو نہیں ہیں فرمایا کہ اگر وہ شخص توبہ کرے تو فبہا ورنہ اس کو قتل کیا جائے۔ اسی طرح موصوف نے قرآن کریم کی ایک بھی آیت کی تکذیب پر گردن زدنی کا حکم دیا۔

دو اشخاص کا جھگڑا اور حکم شریعت

اگر کسی شخص نے ایک دوسرے کے خلاف شہادت دی کہ اس نے یہ کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام نہیں فرمایا لیکن دوسرے شخص نے اپنے اوپر الزام سے صفائی پیش کئے بغیر شاہد پر یہ الزام لگا دیا کہ یہ بھی تو تحریر کے زمرہ میں شامل ہے یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل نہیں بنایا۔ اس طرح یہ دونوں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کی تکذیب کے مرتکب ہوئے ہیں لہٰذا یہ دونوں ہی واجب القتل ہیں۔

ابو عثمان حداد نے فرمایا ہے کہ تمام اہل توحید کا اس پر اتفاق ہے کہ تنزیل آفتاب (یعنی آیت قرآن مجید) کے ایک حرف کا انکار کفر ہے۔

جناب ابو العالیہ کا معمول یہ تھا کہ اگر کوئی ان کے سامنے قرآن کریم پڑھتا اور اس سے کوئی غلطی سرزد ہوتی، تو آپ قاری سے یہ فرماتے کہ میں تو اس طرح پڑھتا ہوں ان کا معمول جب

ابراہیم کے علم میں لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میرا خیال یہ ہے کہ ان کے علم میں یہ ہے کہ جس نے قرآن کریم کے ایک حرف کا انکار کیا وہ پورے قرآن کا منکر ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے قرآن کریم کی ایک آیت کا بھی انکار کیا اس نے پورے قرآن سے کفر کیا۔

اصبغ بن الفرج نے فرمایا کہ جس نے بعض قرآن کی تکذیب کی اس نے گویا کل قرآن کی تکذیب کی اور جس نے قرآن کریم کی تکذیب کی اس نے گویا کل قرآن سے کفر کیا اور جس نے قرآن کریم سے کفر کیا اس نے گویا اللہ رب العالمین سے کفر کیا۔

توریت کی تکذیب بھی جرم ہے

جناب قابسی سے ایک شخص کی بابت دریافت کیا جو ایک یہودی سے جھگڑا کر بیٹھا۔ جھگڑے کے دوران یہودی نے توریت کی قسم کھائی اس کی قسم پر جھگڑا کرنے والے نے کہا کہ خدا توراۃ پر لعنت کرے اور اس کا یہ کہنا ایک شہادت سے ثابت ہو گیا لیکن دوسری شہادت عینی نہ تھی ایک اور شہادت ملی لیکن وہ شہادت بروایت تھی یعنی شاہد نے اس جھگڑا کرنے والے سے جب لڑائی کا سبب دریافت کیا تو اس نے واقعہ سنا کر کہا کہ میں نے اس توراۃ کو لعنت کی ہے جو فی الحقیقت یہود کے پاس ہے۔ یہ واقعہ سن کر جناب ابوالحسن قابسی نے فرمایا کہ اس دوسری شہادت سے معاملہ میں احتمال اور تاویل کی گنجائش پیدا ہو گئی ہے کیونکہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ توراۃ میں تغیر و تبدل کی بنا پر یہود کو اس تورات کا پابند ہی نہ جانتا ہو جو اللہ کی جانب سے نازل ہوئی تھی

بغداد کا ایک واقعہ

۳۲۳ھ میں ایک واقعہ پیش آیا کہ بغداد کا مشہور قاری ابن شنبوذ قرآن کریم کی تلاوت نہ صرف حروف شاذہ سے خود بھی کرتا تھا بلکہ دوسروں کو بھی سکھاتا تھا۔ علماء بغداد بشمول جناب مجاہد (مشہور قاری) کے علم میں جب یہ بات آئی تو تمام اہل علم حضرات نے یہ فتویٰ دیا کہ ابن شنبوذ قاری سے توبہ کے لئے کہا جائے چنانچہ تمام اہل علم حضرات نے اس قاری سے رجوع کیا اور توبہ و انابت کے بعد اس سے ایک محضر نامہ

تیار کرایا گیا جس پر اس نے ابو علی بن مقلہ وزیر کے سامنے دستخط کیئے ان علماء میں مشہور زمانہ فقہ ابو بکر ابہرمن بھی شامل تھے ۔

بچوں کو قرآن غلط پڑھانے والے کے بارے میں

ابو محمد بن زید نے اس شخص کے بارے میں فتویٰ دیا ہے کہ جس نے کسی بچہ کے بارے میں یہ کہا کہ جو کچھ تو نے پڑھا اور جس نے تجھے پڑھایا اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ پر اپنے کلام کی توضیح کرتے ہوئے کہا کہ میری مراد اس سے قرآن کریم کی دریافت نہ تھی بلکہ اس بچے اور اس کے پڑھانے والے پر طعن و تشنیع تھی۔

ملعون کون ہے

اہل بیت نبوت - اولاد رسول - امہات المومنین اور صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کرنے والے کے سلسلہ میں جناب مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ان مقدس حضرات اہل بیت آل رسول امہات المومنین اور تمام صحابہ کی تنقیص کرنا حرام ہے اور یہ تنقیص کرنے والا ملعون ہے ۔

عظمت صحابہ اور فرمان نبوی

عبداللہ بن تغفل سے بالاسناد مروی ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خبردار۔ خبردار میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو اور ان کو اپنی اغراض کا نشانہ نہ بناؤ جسنے ان سے محبت کی اس نے محبت میری وجہ سے کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بھی بغض کیا اور جس نے انہیں (صحابہ کو) ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی عنقریب وہ گرفت میں آئے گا ۔

دشمن صحابہ کی عبادت مقبول نہیں

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ کو سب و شتم نہ کرو کیونکہ صحابہ پر سب و شتم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ - تمام فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے ۔ حضور علیہ السلام نے

نے مزید فرمایا اور اس کی نہ نفل عبادت مقبول ہو گی نہ فرض۔

شاتم صحابہ کا معاشرتی بائیکاٹ کیا جائے

ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے صحابہ کو گالی نہ دی جائے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایک ایسی قوم ہو گی جو میرے صحابہ کو گالی دے گی تم ان کے ساتھ نماز نہ پڑھنا اور نہ ان کی نماز (جنازہ) پڑھنا۔ اُن سے شادی بیاہ بھی نہ کرنا۔ اور نہ ان کے ساتھ نشست و برخاست رکھنا اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت بھی نہ کرنا حضور نے یہ بھی فرمایا کہ جو صحابہ کو گالی دے اس کو زدوکوب کیا جائے۔

جناب مصنف فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے متنبہ اور خبردار فرمایا ہے کہ صحابہ کو گالی دینا اور ان کو ایذا پہنچانا در اصل حضور علیہ السلام کی اہانت اور حضور کو ایذا رسانی ہے اور حضور علیہ السلام کو ایذا پہنچانا حرام ہے چنانچہ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ جناب عائشہ کو برا کہہ کر مجھے دکھ نہ پہنچاؤ۔

جگر گوشہ رسول جناب فاطمہ کے بارے میں

سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے سلسلہ میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ فاطمہ میری لخت جگر ہیں جس سے انہیں ایذا ہوتی ہے اس سے مجھے ایذا پہنچتی ہے۔

ایسے گستاخ کے بارے میں بعض علماء نے اختلاف کیا ہے لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک مشہور ہے جس میں (حاکم مجاز) اجتہاد کی بناء پر دردناک سزا دیتا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور قول یہ بھی ملتا ہے کہ جس نے بارگاہ رسالت میں گستاخی کی ہے اس کو قتل کر دیا جائے اور جو صحابہ کی شان میں گستاخی کرے اس کو سزا دی جائے۔

جناب مصنف فرماتے ہیں کہ جس نے صحابہ کبار مثلاً حضرات ابوبکر صدیق۔ عمر فاروق۔ عثمان غنی۔ امیر معاویہ۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کی اور یہ کہا کہ تمام حضرات گمراہ تھے (نعوذ باللہ منہا) تو ایسے شخص کو قتل کیا جائے اگر کسی اور طریقہ پہ یا الفاظ کے ساتھ جو معاشرہ

ہیں گالی سمجھے جاتے ہیں تو اس کو رسوا کن سزا دی جائے۔

ابن حبیب نے فرمایا کہ شیعوں میں سے جو عثمان بن عفان کے بارے میں غلو کرے اور ان پر تبرا کرے تو اس کو سخت سزا دی جائے اور اگر حضرات صدیق و فاروق رضی اللہ عنہم کے بغض میں حد سے بڑھ جائے تو اس کو سخت ترین سزا دی جائے اسے اس کو بار بار شدید مارا پیٹا جائے اور حبس دوام کی سزا دی جائے یہاں تک کہ وہ قید میں ہی مر جائے لیکن جناب ابن حبیب نے فرمایا کہ سوائے شاتم رسول کے اور کسی کو قتل کی سزا نہ دی جائے۔

گستاخ بارگاہ صحابہ اور جناب سحنون

جناب سحنون نے فرمایا کہ جو شخص کسی صحابی رسول کے ساتھ کفر و انکار کرے۔ مثلاً حضرات عثمان ذوالنورین یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں یہ کام کرے تو اس کو دردناک سزا دی جائے۔

ابو محمد بن زیاد جناب سحنون کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص خلفاء اربعہ کے بارے میں یہ کہے کہ یہ حضرات کفر و ضلالت پر تھے اس کو قتل کر دیا جائے اور ان کے علاوہ کسی اور صحابی کے بارے میں کچھ کہے تو اس کو دردناک سزا دی جائے اور انہیں سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول منقول ہے کہ جو شخص بارگاہ صدیقی میں گستاخی کا ارتکاب کرے اس کو کوڑے مارے جائیں اور اگر بارگاہ صدیقہ عائشہ میں گستاخی کا مرتکب ہو تو اس کو قتل کیا جائے جب ان سے اس فرق کی وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ جس نے جناب سیدہ پر تہمت لگائی اس نے قرآن کریم کی مخالفت کی۔

اور ابن شعبان نے آیت قرآنی کے حوالہ سے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے

یعظکم اللہ ان تعودوا لمثلہ ابداً ان کنتم مومنین۔	اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت فرماتا ہے کہ کہیں ایسا کام نہ کرنا اگر تم مسلمان ہو۔

(پ ۱۸ ع ۸)

کفار اور ذاتِ باری

ابوالحسن متصلی فرماتے ہیں کہ قاضی ابوبکر بن طیب نے فرمایا ہے کہ مشرکین عرب جو ذات باری کے بارے میں کہا کرتے تھے اس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرماکر بار بار اپنی تنزیہہ و تسبیح فرمائی۔

وقالوا اتخذ الرحمن ولداً	مشرکین کہتے ہیں کہ رحمٰن نے لڑکا
سبحانہ - (پ۱۷ ع ۲)	بنالیا وہ اس سے پاک ہے۔

اس کے علاوہ اور بہت سی آیات اس مفہوم کو ظاہر کرتی ہیں اسی طرح حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کے سلسلہ میں آیتِ کریمہ نازل فرمائی اور منافقین کے الزام کی تردید فرمادی۔

ولولا اذ سمعتموہ قلتم	جب تم نے اسے سنا تھا تو تم نے یہ
ما یکون لنا ان نتکلم	کیوں نہ کہا کہ ہمارے لئے کہ ہمارے
بھذا سبحنک -	لئے مناسب نہیں کہ ایسی باتیں کریں
(پ ۱۸ ع ۸)	پاکی ہے تجھے اے اللہ رب العالمین

مصنف فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ کی بارگاہ میں گستاخی کرنا اور درحقیقت حضور علیہ السلام کی اہانت کرنا ہے اور حضور علیہ السلام کی اہانت کرنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اہانت اور گستاخی قرار دیا ہے اور اللہ کی بارگاہ میں گستاخی کرنے والے کی سزا قتل ہے لہٰذا حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں گستاخی کرنے والے کی سزا بھی قتل ہی ہے اور اس موضوع پر تفصیلی بحث گذشتہ ابواب میں بیان کی جاچکی ہے۔

گستاخ بارگاہ صدیقہ قاضی کی عدالت میں

موسیٰ بن عیسیٰ عباسی قاضی کوفہ کی عدالت میں ایک شخص کو لایا گیا جس نے حضرت عائشہ کی بارگاہ میں گستاخی کی تھی۔ قاضی صاحب نے شہادت طلب کی تو ابن ابی لیلیٰ نے شہادت دی کہ میں اس واقعہ کے وقت موجود تھا۔ اس شہادت کے بعد قاضی صاحب نے

اس شخص کے اسی کوڑے حد قذف کے لگوائے اور اس کا سر منڈوا کر اس کو پچھنے لگوانے والے کے سپرد کر دیا۔

گستاخ کی زبان کاٹنا

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عبید اللہ بن عمر کو حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کو گالی دینے کے الزام میں زبان کاٹنے کی دھمکی دی لوگوں نے جب ان سے اس بارے میں گفتگو کی تو آپ نے فرمایا مجھے اس سلسلہ میں کچھ نہ کہو حتیٰ کہ میں اس کی زبان قطع کروں تاکہ آئندہ کسی کو ایسا کرنے کی جرأت نہ ہو۔

ابو ذر ہروی فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک بدوی لایا گیا جو انصار مدینہ کی برائی کر رہا تھا اس وقت آپ نے فرمایا اگر تو صحابی رسول نہ ہوتا تو تم کو میں ہی کافی تھا۔

امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص صحابہ کی تنقیص کرے تو اس کا مال فیٔ (غنیمت) میں کوئی حصہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فیٔ کی تین قسمیں فرمائی ہیں۔

للفقراء والمهاجرين الخ	فقراء اور مہاجروں کے لئے
والذين تبوءو الدار والايمان	اور وہ لوگ جو اس گھر میں قیام پذیر
من قبلهم۔ (پ ۲۸ ع ۱)	ہیں اور ایمان میں ان سے پہلے ہیں

یہ حضرات انصار ہی ہیں سے ہیں ایک اور آیت میں ارشاد ہوا۔

والذين جاؤا من بعدهم	اور جو لوگ ان کے بعد آئے کہتے ہیں
يقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا	اے ہمارے رب ہمیں اور ہمارے
الذين سبقونا بالايمان۔	ان بھائیوں کو جو ایمان میں ہم پر سبقت
(پ ۲۵ ع)	رکھتے ہیں بخشدے

لہٰذا جو ان کی توہین کرے تو اس کے لئے مسلمانوں مال غنیمت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

کتاب ابن شعبان میں ہے کہ اگر کوئی شخص کسی صحابی کو زانیہ کا بیٹا کہے اور ان صحابی کو مسلمان کہے تو اس کو حد قذف لگائی جائے۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ بعض اکابر مالکیہ کا قول یہ ہے کہ اس شخص پر ایک نہیں بلکہ دو حدیں جاری کی جائیں ایک تو اس صحابی کے بارے میں الزام کی اور دوسری ان کی والدہ کے سبب۔ لیکن میں (مصنف) کہتا ہوں کہ اس پر صرف ایک حد ہی جاری کی جائے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی نے ایک جملہ میں جماعت کثیرہ پر تہمت لگائی ہے تو اس پر ایک ہی حد جاری ہو گی (لہٰذا اس سلسلہ میں بھی اس پر قیاس کیا جائے گا۔)

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ہم صحابی کو اس لئے فضیلت دیتے ہیں کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے مقابلہ میں صاحب عزت وحرمت ہیں (اور اس عزت کی وجہ یہ ہے کہ انہیں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری اور رویت نبوی سننے کا شرف حاصل ہوا ہے) اور ان کے بارے میں خاتم النبیین کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ جو شخص میرے صحابہ کی بارگاہ میں گستاخی کا ارتکاب کرے اس کو کوڑے لگائے جائیں۔

مصنف فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کسی صحابی کی والدہ کو زانیہ کہے تو اس کو (حد قذف) کوڑے لگائے جائیں اس لئے کہ یہ ان کے لئے گالی ہے اگر کوئی صحابی ان کی اولاد میں زندہ ہوتا تو وہ اپنے حق کا دعویدار ہو سکتا ہے اور اب تمام مسلمان اس کے قائم مقام ہیں لہٰذا اگر کوئی مسلمان اس سلسلہ میں استغاثہ کرے تو امام اور حاکم پر سماعت استغاثہ اور قیام حکم واجب ہے مصنف فرماتے ہیں کہ صحابہ کا معاملہ اور لوگوں کی طرح سے نہیں ہے انہیں حضور علیہ السلام کی صحابیت کی وجہ سے عزت وحرمت حاصل ہے اور اگر کسی امام یا حاکم نے خود ایسی بات سُنی اور وہی اس امر کا شاہد ہے تو اس کو اس کہنے والے پر حد قائم کرنے کا حق وولایت حاصل ہے۔

امہات المومنین کی بارگاہ میں گستاخی کا حکم

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے حضرت صدیقہ کے علاوہ امہات المومنین میں سے کسی دوسری زوجہ محترمہ کی شان میں گستاخی کی تو اس میں دو قول ہیں۔

(۱) اس گستاخ کو قتل کیا جائے کیونکہ حرم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گستاخی کرکے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں گستاخی کا ارتکاب کیا ہے۔

(۲) حضرت عائشہ کے علاوہ دوسری ازواج مطہرات کا معاملہ دوسرے صحابہ کی طرح ہے لہٰذا اس گستاخ کے حد قذف کے طور پر کوڑے لگائے جائیں۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ پہلے قول کے بارے میں میرا کہنا یہ ہے کہ ابو مصعب نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ایسے شخص کے بارے میں نقل کیا ہے جس نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اہل بیت کی بارگاہ میں گستاخی کی تھی اس کے بارے میں امام صاحب نے فرمایا کہ اس کو خوب زدوکوب کیا جائے جس سے اس کو خوب اذیت و تکلیف ہو اور اس کو اس وقت تک پابند سلاسل رکھا جائے جب تک کہ وہ توبہ کرے اور اس کی تذلیل کی خوب تشہیر کی جائے۔

بارگاہِ صدیقی کے گستاخ کا فتویٰ ناقابل قبول ہے

ابو مطرف دمشقی فقیہ نے ایک فتویٰ دیا ہے جس سے کہ رات کے وقت حلف لینے سے انکار کر رہا تھا اور یہ کہا کہ اگر جناب صدیق اکبر کی صاحبزادی بھی ہوتی تو ان سے بھی دن کے وقت حلف لیا جاتا اور بعض نام نہاد فقہاء نے اس گستاخ سے مواخذہ کی بجائے اس کی اس بات کی تصویب کی تھی مگر جناب مطرف نے فرمایا کہ اس موقع پر جناب صدیق اکبر کی صاحبزادی کا ذکر مناسب نہ تھا اور یہ ذکر سبب استخفاف ہے لہٰذا ضرب شدید دیجائے اور طویل قید کی سزا دیجائے۔

اور وہ فقیہ جس نے اس قائل کے قول کی تصویب کی وہ اس قابل ہے کہ اس کی موجودگی میں اس کو فاسق کہا جائے اور جب وہ فقیہ جناب ابو مطرف کے سامنے لایا گیا تو اس نے اس کو زجر و توبیخ فرمائی اور آئندہ کے لئے اس کا فتویٰ اور شہادت ناقابل قبول قرار دے دی کیونکہ اس کی عدالت مجروح اور لبغض فی اللہ ثابت ہو گیا تھا۔

ابو عمران نے ایک شخص کے بارے میں فرمایا جس نے یہ کہا کہ اگر میرے خلاف حضرت ابوبکر بھی شہادت دیں (یعنی ان کی شہادت سے خوف نہیں) یہاں اس قول سے اس نے ایک فردِ

واحد کی شہادت مرلوبی ہے اور شریعت کے احکام کے مطابق ایک شہادت پر فیصلہ نہیں ہوتا ابوعمران نے فرمایا کہ اس شخص کے اس کہنے میں مضائقہ نہیں لیکن اگر اس نے اس فقرہ سے تنقیص واہانت کرنی چاہی ہے تو اس کو خوب مارا جائے یہاں تک کہ اس کی آدھی جان رہ جائے۔ مصنّف فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کو از راہ حکایت و روایت بیان کیا گیا ہے۔